چونکا دینے والی خوفناک کہانیاں
ماہنامہ
ڈر
ڈائجسٹ
کراچی
جنوری 2014

عمران قریشی
16 پاگل پن
ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیرے میں جنم لینے والی شکستہ دل کی عجیب کہانی

رفعت محمود
43 غیبی طاقت
دل و دماغ کو حیرت اور اچنبھے میں ڈالتی ایک عجیب وغریب دلگداز اچھوتی کہانی

ساجدہ راجا
49 جن کی دوستی
خوف و ہراس کے افق پر جھلمل کرتی ایک بہت ہی خوفناک اور دل گرفتہ کہانی

شائستہ سحر
59 تہی دامن
دماغ پر سکتہ طاری کرتی......لہولہو......لرزہ براندام......خونچکاں بھونچکاں حقیقی روداد

اے وحید
64 رولوکا
وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

احسان سحر
87 دھواں دھواں
دل و دماغ پر حقیقت کا سکہ بیٹھاتی بہت ہی دلگداز اور دلفریب سبق آموز کہانی

مدثر بخاری
97 ناگن کا خواب
سر منڈاتے ہی اولے پڑنے لگے اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کیلئے یہ کہانی ضرور پڑھیں

راشد نذیر طاہر
105 آسیبی لائبریری
ایک جن کی خوفناک دیدہ دلیری جس نے لوگوں کو انگشت بدنداں کر دیا تھا

خلیل جبار
117 سرگرداں روح
زندگی میں جس طرح لوگ ہمدرد ہوتے ہیں کیا روحیں بھی ہمدرد ہوتی ہیں۔ ثبوت کہانی میں ہے

ایم اے راحت
122 سنہری تابوت
شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے اچنبھے میں ڈالتی حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

عثمان غنی
149 موت کا سامنا
مطلب پرستی اور عیش پرستی اکثر خونی رشتوں میں دراڑ ڈال دیتی ہے، ایک پراسرار کہانی

صبار مضان
159 ناگ منی
دل و دماغ پر خوف و دہشت بیٹھاتی ایک ناقابل یقین اور ناقابل فراموش کہانی

ایس امتیاز احمد
169 آخری قتل
سطر سطر خوف و ہراس کے شکنجے میں جکڑی ہوئی لرزہ براندام کرتی سحر زدہ کہانی

ایم الیاس
176 عشق ناگن
یہ دنیا رہے نہ رہے لیکن کہانی محبت کی زندہ رہے گی۔ انہی الفاظ کو احاطہ کرتی دلگداز کہانی

ادارہ
200 قوس قزح
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں......

سید علی حسن گیلانی
206 کالی دنیا
جاسوسی کرداروں پر مشتمل بدن پر لرزہ طاری کر دینے والی دنیائے تاریکی کی ہیبت ناک کہانی

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

☆ جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہوگا، تو اس کو دنیا میں پاک اور آرام کی زندگی سے زندہ رکھیں گے اور آخرت میں ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔ (سورۃ نحل 16 آیت 97)

☆ اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے باغ، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔ (سورۃ طٰہٰ 20 آیت 75 سے 76)

☆ جو برے کام کرے گا اس کو بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا، مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا، تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔ (سورۃ مومن 40 آیت 40)

☆ مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے روشنی کر دے گا جس میں چلو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ حدید 57 آیت 28)

☆ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، وہ تمام خلقت سے بہتر ہے ان کا صلہ ان کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابدالاباد تک ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اس سے خوش۔ یہ صلہ اس کے لیے ہے، جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ (سورۃ بینہ 98 آیت 7 سے 8)

☆ اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو بہ صورت کتاب اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔ اور قیامت کے روز وہ کتاب اسے نکال دکھائیں گے، جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ کہا جائے گا کہ اپنی کتاب پڑھ لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 13 سے 14)

☆ تو جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دوسروں سے کہے گا کہ لیجیے میرا نامہ اعمال پڑھیئے مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب کتاب ضرور ملے گا پس وہ شخص من مانے عیش میں ہوگا جن کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے جو عمل تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو، اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے اے کاش موت ابدالآباد کے لئے میرا کام تمام کر چکی ہوتی آج میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا ہائے میری سلطنت خاک میں مل گئی۔ (سورۃ حاقہ 69 آیت 19 سے 29)

☆ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں عالی قدر تمہاری باتوں کے لکھنے والے جو تم کرتے ہو، وہ اسے جانتے ہیں۔ (سورۃ انفطار 82 آیت 10 سے 12)

☆ تو جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے حساب آسان لیا جائے گا اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے گا اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں داخل ہوگا۔ (سورۃ انشقاق 84 آیت 7 سے 12)

☆ اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔ (سورۃ زلزال 99 آیت 6 سے 7)

☆ اور اگر ایک مدت معین تک ہم ان سے عذاب روک دیں تو کہیں گے کہ کونسی چیز عذاب کو روکے ہوئے ہے؟ دیکھو جس روز وہ ان پر واقع ہوگا، پھر ٹلنے کا نہیں اور جس چیز کے ساتھ یہ استہزا کیا کرتے ہیں، وہ ان کو گھیر لے گی اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں، پھر اس سے اس کو چھین لیں تو ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش کا مزہ چکھائیں تو خوش ہو کر کہتا ہے کہ آہا سب سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں پھر وہ پھولا نہیں سماتا اور اکڑنے لگتا ہے۔ (سورۃ ھود 11 آیت 8 سے 10)

☆ اور جو نعمتیں تم کو میسر ہیں، سب اللہ کی طرف سے ہیں پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے چلاتے ہو پھر جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں سے اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں تاکہ جو نعمتیں ہم نے ان کو عطا فرمائی ہیں ان کی ناشکری کریں تو مشرکو دنیا میں فائدے اٹھا لو عنقریب تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائے۔ (سورۃ نحل 16 آیت 53 سے 55)

☆ اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے اور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ ان کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتا ہے تو ایک فرقہ ان میں سے اپنے رب سے شرک کرنے لگتا ہے تاکہ جو ہم نے ان کو بخشا ہے اس کی ناشکری کریں۔ سو خیر فائدے اٹھا لو، عنقریب تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ (سورۃ روم 30 آیت 33 سے 34)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی"، بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

قارئین کرام! السلام علیکم، آپ سب کو نیا عیسوی سال 2014ء مبارک ہو۔ جبکہ ہم مسلمانوں کا اسلامی سال ہجری ہے اور سال کا نیا مہینہ محرم ہے، میں عیسوی سال کی مبارکبادیوں دے رہا ہوں کہ ہمارے ملک کے زیادہ تر لوگ عیسوی سال کا دم بھرتے ہیں۔ کاروبار، لین دین اور دیگر ضروریات اسی سال سے لازم وملزوم ہیں۔ ہمارے ملک کے زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جنہیں اسلامی سال کے 12 مہینوں کے پورے نام تک یاد نہیں۔ لوگ تو لوگ بلکہ زیادہ تو طالب علم تک کو اسلامی مہینوں کے نام یاد نہیں اور یہی پوری قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے بچوں تک کو جنوری سے دسمبر تک کے نام بہ احسن وخوبی یاد رہتے ہیں۔ خیر عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔

دسمبر کا آخری ہفتہ آتے ہی ہر طرف نئے سال کی آمد کا ڈنکا بجنے لگتا ہے، کوئی ہوائی فائرنگ کی تیاری کر رہا ہے تو کوئی آتش بازی کی، میڈیا، ٹی وی چینلز پر بھی نئے سال کے لئے بہت سے پروگرام منعقد کئے جا رہے ہیں۔ 2013ء ہمیں کیا دکھ اور کیا خوشیاں دے کر گیا، اس پر لوگ تبصرہ کر رہے ہیں مگر کوئی یہ نہیں سوچتا کہ گزشتہ سال میں ہم نے کتنے اچھے کام کئے، کس قدر احکام خداوندی سے انحراف کیا، کتنے لوگوں کا ہم نے دل دکھایا، کتنے لوگوں کا ہم نے حق مارا، نماز روزے کی ادائیگی کی بھی کہ نہیں، اپنے مال کو ذخیرہ کر کے ناجائز منافع کتنا کمایا۔ تو قارئین کرام، خدارا ان باتوں کو بھول جائیں۔ جو گزر گیا اس کو یاد کرنے کا کیا فائدہ، جو آنے والا وقت ہے اس میں ہم اپنے آپ کو سنواریں ایک نیا عزم اور نیا عہد کریں کہ اب آئندہ ہم سے گزشتہ سال کی طرح کوتاہیاں اور غلطیاں نہیں ہوں گی۔ اگر ہم اچھا بنیں گے تو ہم کو دیکھ کر دوسرے بھی اچھا بننے کی کوشش کریں گے۔ خود کو ایسا بنالیں کہ اللہ اور رسول کی خوشنودی حاصل ہو۔ عاقبت سنور جائے۔ اپنے ملک کی حفاظت کریں اس کا نام روشن کریں، ہم نیو ایئر اور دیگر فضولیات میں اس قدر مصروف ہیں کہ ہمیں پتہ بھی نہیں کہ ہمارا ملک ترقی میں کتنا پیچھے رہ گیا ہے۔ اگر ہم آتش بازی اور دیگر معاملات میں بے دریغ پیسے ضائع کر رہے ہیں تو خدارا ایسا نہ کریں بلکہ ان پیسوں سے کسی غریب کا چولہا جلوادیں، اس کے کھانے پینے کا راشن فراہم کریں، ہم زیادہ خوش ہیں تو نماز پڑھ کر دعائیں مانگیں، اپنے لئے قوم کے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے اور یہ بھی دعا کریں کہ آنے والا نیا سال ہمارے لئے خوشیوں کا گہوارہ بن جائے۔ ہماری اپنی زندگی اور ملک میں امن وامان قائم ہو۔ اگر ہم سچے دل سے تہیہ کرلیں تو یقین جانیے۔ ہم بھی ان سب ملکوں سے آگے نکل جائیں گے جو ممالک ہماری راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں، ہمارے ملک میں دہشت گردی کو ہوا دے رہے ہیں اور خون کی ہولی کی پشت پناہی کر رہے ہیں اور ہم ایک نئے عزم کے ساتھ ایسا سبق پڑھیں کہ ہم خود ان ممالک سے ترقی کرتے ہوئے آگے نکل جائیں گے جو کہ ہم سے بعد میں آزاد ہوئے اور وہ مزید سے مزید ترقی کر رہے ہیں لیکن اس کے لئے آپس کے اتحاد، بھائی چارہ اور نئے حوصلے اور عزم کی ضرورت ہے اور ہمیں اس پر غور کرنا ہے۔

طالب خیریت، خالد علی مینجنگ ایڈیٹر

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم، ماہ دسمبر 2013ء کا شمارہ 22 تاریخ کو مل گیا۔ سب سے پہلے تمام دوستوں کو پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ دراصل آپ سب کو بہت بہت مبارکباد ہو کہ آپ سب ڈر میں ہر ماہ شرکت کر رہے ہیں۔ قسط وار تحریریں اچھی جا رہی ہیں۔ پورا ڈر اس ماہ بہترین تھا۔ اپنی کہانی وجود جنات کو دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔ نئی کہانی کفن جلدی شائع کیجئے گا۔ کیونکہ وجود جنات بہت زیادہ لیٹ ہوگئی تھی۔ سب دوستوں کی کہانیاں اچھی تھیں۔ زندہ آتما بہت لمبی تحریر تھی۔ پلیز! چاندزیب عباسی صاحب کچھ چھوٹی کہانیاں لکھیں۔ زیادہ طویل کہانی اصل مقصد کو ختم کردیتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ آپ کی کہانیاں زیادہ تر ایک موضوع پر ہوتی ہیں۔ مار دھاڑ، ایکشن اور ہیرو ہیروئن کے درمیان بے پناہ ایک جیسے مسائل، امید ہے آپ اس طرف ضرور توجہ دیں گے۔ ایس حبیب، شائستہ سحر، آصفہ سراج، عثمان غنی، ایس امتیاز احمد اور نئے لکھاری بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ صبا رمضان، افشاں رمضان، عاصمہ رمضان انوری جی جلدی کم بیک، نئے لکھنے والوں کو ویلکم ان ڈر۔ ملیحہ احمد نے اچھی نظم لکھی۔ نئی کہانی ڈرک ہاؤس بھی پچھلے مہینے بھیج دی تھی۔ مگر آپ نے نہ خط شائع کیا۔ نہ غزل نہ شعر؟ کیا ڈرک ہاؤس آپ کو ملی ہے؟ کفن جلدی سے شائع کر کے شکریہ کا موقع

دیں۔ وجود جنات شائع کرنے پر دلی شکر گزار ہوں۔ نئی کہانی انوکھا پیار شروع کر رکھی ہے۔ جیسے ہی مکمل ہوگی بھیج دوں گی۔

☆☆ بلقیس صاحبہ: نئی کہانی کفن مل گئی ہے اور بہت جلد شامل اشاعت ہوگی۔ امید ہے چاندزیب عباسی آپ کی باتوں کا بغور جائزہ لیں گے اور اپنی کہانیوں میں نیا پن ضرور لائیں گے اور اکثر قارئین شکایت کرتے ہیں کہ ہمارا خط شائع نہیں ہوا تو کیا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ آپ کا خط ہم تک نہ پہنچے تو آپ خود ہی انصاف کریں۔ کسی کا بھی کوئی میٹر ضائع نہیں ہوتا اگر وہ اچھا ہو تو خاص طور پر ہر حال میں شائع ہوتا ہے۔

عمرانہ گوجرانوالہ سے، دسمبر 2013ء کا ڈر ڈائجسٹ ہاتھ میں آتے ہی دل خوشی سے اچھلنے لگا اور پھر اس وقت خوشی کی انتہا نہ رہی جب میری نظر اپنے خط پر پڑی، آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرا خط شائع کیا۔ شروع سے آخر تک یعنی پورے شمارے پر سرسری نظر ڈالی تو مزہ آ گیا۔ ابھی کہانیاں زیر مطالعہ ہیں مگر قوی امید ہے کہ تمام کی تمام ہر ماہ کی طرح اچھی اور دل میں اتر جانے والی یقیناً ہوں گی۔ چاہے پرانے رائٹر ہوں یا کہ نئے رائٹر ہر ایک کی محنت کہانی کی صورت میں شامل اشاعت ہوتی ہے۔ تمام رائٹروں کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، تینوں سلسلے وار کہانیاں بھی اپنی مثال آپ ہیں اور میں ان رائٹروں کو مبارکباد پیش کرتی ہوں جو کہ طویل سے طویل سلسلے لکھ رہے ہیں، میں امید کرتی ہوں کہ میری کہانی آپ شائع کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔ خیر ڈر کی ترقی کے لئے شب و روز دعا گو ہوں۔

☆☆ عمرانہ صاحبہ: نئی کہانی بھیجنے اور خلوص دل سے خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، آپ کی کہانی کچھ زیادہ اصلاح طلب ہے، خیر ہماری کوشش ہوگی آئندہ شمارے میں آپ کی کہانی جلوہ گر ہو۔ اب تو خوش ہیں ناں، مگر آئندہ بھی اپنا تجربہ نامہ بھیجنا بھولئے گا نہیں۔ Thanks۔

ردا جمیل ماموں کانجن سے، السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ میں ڈر ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں، اس میں شائع کی گئی کہانیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ سارے رائٹر بہت اچھا لکھتے ہیں، مجھے لکھنے کا بچپن سے بہت شوق ہے مگر کیا کروں تعلیم بھی تو ضروری ہے اور میرا لکھنے کا شوق بھی جنون کی حد تک ہے لیکن شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک چھوٹی سی کاوش لکھی ہے۔ امید ہے کہ میری کہانی ضرور شائع کریں گے تاکہ میں آئندہ بھی ڈر ڈائجسٹ میں لکھتی رہوں۔ ڈر ڈائجسٹ کی ترقی کے لئے شب و روز دعا گو ہوں۔

☆☆ ردا صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ کی کہانی ملی مگر اصلاح طلب زیادہ ہے، ایک دو کہانیاں اور لکھ کر بھیجیں تاکہ ان میں جو زیادہ اچھی ہوگی وہ شائع کردی جائے گی اور یوں آپ کی دلچسپی بڑھے گی مگر ڈر کے موضوع کا خاص خیال رکھئے گا۔ آئندہ ماہ بھی آپ کے خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

آصفہ سراج لاہور سے، محترم ایڈیٹر صاحب، خیریت کے بعد عافیت کی طالب، دسمبر کا شمارہ ملا سرورق دیکھ کر دل خوش ہوگیا، اپنی کہانی دیکھی تو مزید خوشی حاصل ہوئی، کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ مگر امید ہے کہ سب اپنی سابقہ معیار کے مطابق بہت اچھی ہوں گی۔ پرانے تو پرانے مگر نئے رائٹر بھی کسی سے کم نہیں کیونکہ محنت اور لگن سے اچھی کہانیاں تخلیق کر رہے ہیں۔ اپنی نئی کہانی ارسال کر رہی ہوں ضرور شائع کیجئے گا۔ اب اگلے شمارے کا بڑی بے صبری سے انتظار ہے۔ تمام رائٹروں اور ڈر ڈائجسٹ سے منسلک ہر ایک کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور سب کو دائمی خوشیوں سے نوازے۔ (آمین)

☆☆ آصفہ صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، آپ کی کہانی آئی تو ضرور مگر افسوس صد افسوس کہ بہت لیٹ اور اب انتظار کے سوا کیا ہو سکتا ہے اگلے ماہ تک، امید ہے آئندہ ذرا جلدی کا خیال رکھتے ہوئے نیا میٹر ارسال کریں گی۔

عائشہ محمد کاشف گوجرانوالہ سے، میں ڈر ڈائجسٹ گزشتہ ایک سال سے پڑھ رہی ہوں، سارے رائٹرز بہت اچھا لکھتے ہیں اور کہانیاں زبردست ہوتی ہیں۔ آصفہ سراج کی میں بہت بڑی فین ہوں۔ بلقیس خان، دعا عالم بخاری، صبا محمد اسلم بھی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ صبا محمد اسلم کی کہانیاں گھریلو اور تھوڑی ڈراؤنی ہوتی ہیں جنہیں پڑھنے میں مزا آتا ہے۔ میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ مزید ترقی کی طرف گامزن ہو۔ میں اپنی غزل بھیج رہی ہوں، زندگی میں پہلی مرتبہ لکھنے کی ہمت کی ہے۔ امید ہے کہ آپ میری حوصلہ افزائی ضرور کریں گے، پلیز! میرے خط اور غزل کو ردی کی ٹوکری کی زینت نہ بنایئے گا، میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی۔ بہت امید کے ساتھ بھیج رہی ہوں۔

☆☆ عائشہ صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید آپ مزید کہانیاں لکھیں اور اسی طرح لکھتے لکھتے لوگ لکھاری بن جاتے ہیں، امید ہے آئندہ ماہ بھی آپ خلوص نامہ ضرور ارسال کریں گی۔

سیدہ بی بسمل ایبٹ آباد سے، آداب وتسلیمات، ڈر میں خط کی اشاعت میرے لئے اعزاز کی بات ہے اور مزید آپ نے میری غزل شائع کرکے حوصلہ افزائی کی۔ نومبر کا شمارہ لیٹ ملا، خط نہ لکھ سکی، مگر دسمبر کا شمارہ وقت پر حاصل کرلیا، دسمبر کے شمارے میں اپنی دوسری غزل نہ دیکھ کر تھوڑی تکلیف ہوئی مگر جگہ کی کمی اور لکھنے والوں کی زیادتی کا سوچ کر ختم ہوگئی، میں سرورق پر حسین نیلی آنکھوں والی دوشیزہ کو دیکھ کر حیران ہوگئی، بالکل میری غزلوں کی ہیروئن لگ رہی تھی، خطوط میں بہت سے نئے لکھنے والے شامل تھے۔ رولوکا اور سنہری تابوت میری پسندیدہ کہانیاں ہیں۔ باقی تمام سلسلے بھی آب رواں کی طرح شائقین کو پیاس مٹانے کے لئے کامیاب سعی کرتے نظر آئے۔

☆☆ بی بسمل صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف اور ڈر ڈائجسٹ آپ کو پسند آتا ہے اس کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔ چلئے پھر حوصلہ افزائی ہوگئی، لہٰذا اسی خوشی میں آپ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا بھولئے گا نہیں۔

رفعت محمود پنڈ ملہوراولپنڈی سے، سلام خلوص، دسمبر کا آخری سال کا آخری پرچا نظروں سے گزرا ہمیشہ کی طرح ٹائٹل لاجواب تھا اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ قرآنی آیات کا ترجمہ اچھا چل رہا ہے اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کررہے ہیں۔ کہانیوں کا مطالعہ کیا تقریباً سب ہی کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ وہ بھی کیا وقت تھا جب کہانیاں لکھنے کا بے حد شوق ہوتا تھا ہر ماہ کئی کہانیاں لکھ لیتے تھے اب تو شوق ہی ختم ہوگیا ہے دل اچاٹ سا ہوگیا ہے مہنگائی نے لوگوں کی کمر توڑ دی ہے سب نعرے وعدے کھوکھلے ہیں جھوٹ کی دنیا میں سچ کی آواز کو کوئی نہیں سن رہا۔

☆☆ رفعت صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، یہ حقیقت ہے کہ پچھلا وقت بہت اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم عوام پر اپنا فضل وکرم رکھے۔ جب کوئی نہیں سنتا تو اللہ ضرور سنتا ہے یہ اس کا وعدہ ہے۔ دیر ہے اندھیر نہیں۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم! اس سال کا آخری پرچہ دسمبر 2013ء کا ہے جسے دیکھ کر میرا دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ سرورق پہلے سے زیادہ خوب صورت تھا۔ غزل شائع کرنے کا بہت شکریہ۔ اس گزرتے ہوئے سال میں ادارہ کی ہم پر بڑی عنایت تھی جس کے لئے میں بے حد ممنون ہوں۔ ڈر ڈائجسٹ پہلے سے زیادہ خوب صورت اور دلکش دکھائی دیتا ہے جو کہ ہمیں مقررہ تاریخ پر مل جاتا ہے اس بار تمام سلسلے اپنی جگہ پر بہتر تھے، مثلاً قرآن کی باتیں، قوس قزح غزلیں بھی خوب سے خوب تر تھیں، آپ کا خلوص ہی ہمیں خط تحریر کرنے پر مائل کرتا ہے۔ ہر کہانی کا اپنا اپنا انداز ہے بہرحال تمام کہانیاں اچھی تھیں، کس کس کی تعریف کروں، اس جاتے ہوئے سال نے ہم کو بہت زخم دیئے ہیں جو دکھانے کے قابل نہیں، ہر طرف مایوسی اور تاریکیوں کے گہرے سائے تھے ہر لب خزاں رسیدہ تھے، غم بھی بے شمار ملے، خوشی نام کی کوئی شے نہ تھی۔ 2013ء کا جتنا بھی ماتم کیا جائے بہت کم ہے۔ ہر طرف مہنگائی اور نفسا نفسی کا عالم ہے۔ غزل ارسال کررہا ہوں کسی قریبی شمارے میں جگہ دے دیں۔ آئندہ پرچہ ماہ جنوری 2014ء کا ہوگا، جس کے مطالعے کے لئے دل بہت بے تاب ہوگا۔ ہمیں نئے سال سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں خدا کرے کہ آنے والا سال ہم سب کے لئے خوشیوں اور امن کا گہوارہ ثابت ہو۔ تمام قارئین اور تمام اسٹاف کو نئے سال کی مبارکباد دیتا ہوں۔

☆☆ اسلم صاحب: آپ کو بھی نیا سال مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی وخوشحالی سے نوازے۔ آپ کا خلوص نامہ دل میں اتر جاتا ہے۔ امید ہے آئندہ بھی خوشی بھرا خط ضرور لکھیں گے۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈوالہ یار سے، ماہ دسمبر کا شمارہ اس وقت نگاہوں کے سامنے ہے۔ سرورق حسب معمول خوب صورت اور دلکش ہے۔ عشق ناگن کی دوسری قسط بھی دلچسپی سے بھرپور تھی۔ اے وحید کی رولوکا، قرآن کی باتیں، شہزادہ جانداذیب کی آخری صفحات پر کہانی کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ قوس قزح کے اشعار خوب پسند آئے، ساتھیوں کے انتخاب پر عش عش کر اٹھے۔ سنہری تابوت سمجھ سے باہر ہے، آغاز تو اچھا تھا مگر معلوم نہیں راحت صاحب کیا سوچ بیٹھے ہیں۔ پراسرار محبت راجہ باسط مظہر تشریف فرما ہیں اور مستقل رائٹر بھی اپنی کاوشوں کے ساتھ موجود ہیں بہت شکریہ ادارے کا اور ساتھیوں کا بھی شکریہ، ہمیں دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں آپ کے سوال کے جواب میں ہم دوست احباب عزیزوں کی ایک چھوٹی تنظیم ہے ہم اپنی ہر ماہ کی زکوٰۃ صدقہ کی رقم ہر ماہ نکال کر

تقریباً دوسو خاندانوں کو جن کا کمانے والا نہ ہو ہر ماہ ایک ماہ کا راشن مکمل ایک ہزار روپیہ نقد تقسیم کرتے ہیں ان کا سربراہ میرا فرزند ہے اس کے باوجود تنگ نہ آکر بیٹھ گیا۔ اس میں بھی اللہ کی بھلائی ہے.....

☆☆ شرف الدین صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی آپ کا اور آپ کے دوست احباب کا عزم دیکھ کر دل بہت خوش ہوا، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اور حوصلہ وہمت دے کہ آپ سب اس کار خیر کو اور بہتر طور پر آگے بڑھائیں۔ انسان کے ساتھ کیا جائے گا سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ تو کیوں نہ ہم نیکی کے راستے کو اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیر ساری خوشیوں سے نوازے۔

سید عبادت کاظمی ڈیرہ اسماعیل خان سے، السلام علیکم، امید کرتا ہوں کہ ڈر کا پورا اسٹاف خیر وعافیت سے ہوگا۔ سب سے پہلے تمام رائٹرز اور ڈر کے تمام اسٹاف کے لئے نیک تمنائیں، میں نے پہلے بھی خط لکھے تھے مگر انہیں شائع نہیں کیا گیا۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف، پہلے نمبر پر عشق ناگن تھی، دوسرے پر زندہ آتما اور تیسرے نمبر پر امر پریم تھی، باقی تمام رائٹرز کی کہانیاں زبردست تھیں۔ میں اپنی کچھ ذاتی شاعری بھیج رہا ہوں۔ اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو آئندہ بھی خط ارسال کروں گا۔

☆☆ عبادت صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں ویلکم، اس سے پہلے آپ کا خلوص نامہ موصول نہیں ہوا، چلئے حوصلہ افزائی ہوگئی، اب تو خوش ہیں ناں۔ کہانیوں کی تعریف اور آئندہ بھی خط لکھنے کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔

امین مراد انصاری کراچی سے، السلام علیکم، دسمبر 2013ء کا شمارہ 25 نومبر کو ملا، خطوط میں اپنا خط شامل پاکر دل خوش ہوا، آپ نے جس خلوص ومحبت سے ویلکم کہا اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی انشاء اللہ زندگی رہی تو آپ کا اور ہمارا ساتھ ہمیشہ رہے گا۔ ڈر ڈائجسٹ کا ابھی ٹھیک سے مطالعہ نہیں کیا ہے فوری خط لکھنا بھی ضروری تھا۔ میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ ترقی کے افق پر جگمگائے۔

☆☆ امین مراد صاحب: آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے اگر آپ کا خط بروقت آتا رہا تو حوصلہ افزائی ضرور ہوتی رہے گی، امید ہے آپ آئندہ کہانیوں کے متعلق اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار ضرور کریں گے۔

عثمان غنی پشاور سے، السلام علیکم، امید کرتا ہوں سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے، ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ 23 نومبر کو مارکیٹ سے ملا، ٹائٹل بہت زیادہ خوب صورت تھا۔ قسط وار تحریروں میں رولوکا اے ون ہے، سنہری تابوت الجھی ہے، جلدی سلجھایئے، عشق ناگن بھی ٹھیک ہے، اپنی کہانی موت کا خط شامل اشاعت دیکھ کر دل کو خوشی ملی، نئی کہانی خوفناک رشتے بھیج رہا ہوں، پلیز! جلدی شائع کرکے شکریہ کا موقع دیجئے گا۔ سب دوستوں کی کہانیاں زبردست تھیں، خاص کر ایس امتیاز نے بہت اچھی کوشش کی۔ سب رائٹرز کو خوب صورت پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ محمد عثمان علی، کیا بات ہے زبردست کہانی لکھی، اللہ ڈر کو مزید ترقیاں دے اور ڈر کو روشن ستارے کی مانند چمکتا دمکتا رکھے۔ آمین۔

☆☆ عثمان صاحب: خوش ہوجایئے، موت کا سامنا بھی شائع ہوگئی، ہر اچھی کہانی اپنا مقام خود بنالیتی ہے، خیر خلوص نامہ بھیجنے اور کہانیوں کی تعریف اور آئندہ ماہ نوازش نامہ کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔

قیصر جمیل ماموں کانجن سے، السلام علیکم! امید کرتا ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ کا سارا اسٹاف بالکل خیریت سے ہوگا مجھے ڈر ڈائجسٹ کا بہت انتظار تھا اور پھر آخر مل ہی گیا تو بہت خوشی ہوئی، سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں جو کہ بہت اچھی تھیں جنہیں پڑھ کر بہت سی اچھی باتوں کا پتہ چلا اور پھر کہانیاں پڑھیں، اور ان میں سے وجود جنات بہت ہی سپرہٹ کہانی رہی اور میں امید کرتا ہوں بلقیس خان آئندہ بھی ایسی ہی کہانی لکھیں گی اور باقی کہانیاں بھی بہت ہی عمدہ تھیں سب رائٹرز نے بہت ہی اچھا لکھا اور میری سب سے درخواست ہے کہ آئندہ بھی ایسی ہی کہانیاں لکھیں۔ اور امید کرتا ہوں کہ آپ کو ضرور پسند آئیں گی اور میری طرف سے تمام قارئین اور اسٹاف کو سلام، میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ مزید ترقی کرے۔

☆☆ قیصر صاحب: کہانی بھیجئے، رسالے کی پسندیدگی اور کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ، آپ کی کہانی بہت جلد جلوہ گر ہوگی، گھبرائیں نہیں، آئندہ ماہ بھی آپ کے تجزیہ کا انتظار رہے گا۔

غلام نبی نوری کھڈیاں خاص سے، السلام علیکم! سب سے پہلے ڈر کے تمام قارئین، معززین، اسٹاف اور دیگر عملے کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت بھرا پیار اور سلام کے تحفے قبول ہوں۔ امید ہے کہ تمام احباب خیریت سے ہوں گے۔ دراصل میں عرض کرتا

چاہتا تھا کہ میں گزشتہ ماہ کا ڈر نہیں پڑھ پایا۔ کیونکہ ایک کرمنل آپریشن کے دوران میرے بائیں بازو میں گولی لگ گئی تھی اور میں کافی دن اسپتال میں رہا اب اللہ کے فضل وکرم اور تمام قارئین و دوست احباب کی دعاؤں سے صحت یاب ہو رہا ہوں، میں سب کی دعاؤں کا منتظر ہوں، پلیز! میرے لئے دعا کیجئے گا تا کہ ہم جرم کے خلاف اپنا مشن جاری رکھیں۔ آخر میں شرف الدین صاحب و دیگر سب دوستوں کو سلام۔

☆☆ غلام نبی صاحب: دل کی اتھاہ گہرائی سے ہمارے اور قارئین کی طرف سے دلی دعائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل وکرم رکھے اور مشن میں کامیابی عطا کرے۔

شاھد اقبال قادری حافظ آباد سے، ماہ دسمبر 2013ء کا شمارہ دیکھا بہت ہی اچھا لگا، ہمارے پیارے ڈائجسٹ میں ہر کہانی اپنی مثال آپ ہوتی ہے، تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں مگر رولوکا کہانی کا اپنا ہی ایک انداز ہے اور سنا ہے کہ آپ نے رولوکا کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ تو یہ بہت اچھی ہے۔ اور اگر شائع کیا ہے تو ضرور اس کے بارے میں بتائیں اور ماشاء اللہ ڈر ڈائجسٹ کا ٹائٹل بھی کافی اچھا تھا۔ میں کافی عرصہ پہلے کچھ رسائل میں کہانیاں لکھ کر شائع کرا چکا ہوں۔ کیا اگر میں کچھ تحریر ارسال کروں تو کیا آپ حوصلہ افزائی کریں گے۔

☆☆ شاہد اقبال صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں ویلکم، آپ اپنی کہانی ضرور ارسال کریں اچھی ہوئی تو ضرور اصلاح کر کے شائع کر دی جائیں گی، آپ کی تحریروں کا شدت سے انتظار رہے گا۔ کتابی شکل میں رولوکا کی آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ساجد جاوید نارووال سے، السلام علیکم، سب سے پہلے ڈر ڈائجسٹ کے تمام قارئین اور رائٹرز واسٹاف کو میرا سلام اس بار ڈر ڈائجسٹ 23 تاریخ کو ملا، خطوط کی محفل میں اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی شکریہ، سب سے پہلے ایم الیاس کی عشق ناگن پڑھی بہت اچھی کہانی ہے اس کے بعد اے وحید کی 'رولوکا' بھی بہت اچھی کہانی ہے اس کے بعد خطرناک عفریت، شہزادہ چاند زیب عباسی کی کہانی پڑھی بہت اچھی لگی۔ اس کے بعد لاش گھر، جگنی، مُردوں کا جنگل، خونی ناگ منی، شراب اجل، خونی درخت، سارے رائٹرز نے بہت محنت کی ہے اور بہت اچھی کہانیاں لکھ رہے ہیں اس کے بعد غزلوں کی محفل میں اپنی غزل دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ میں خوشی سے ناچنے لگا، شکریہ امید ہے آئندہ بھی آپ ہماری حوصلہ افزائی کر کے شکریہ کا موقع دیں گے اور آخر میں میری طرف سے ڈر ڈائجسٹ کو دعا کہ یہ ہمیشہ ترقی کرتا رہے اور چلتا رہے ہم سب اس کے لئے لکھتے رہیں۔

☆☆ ساجد جاوید صاحب: آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے، ہم آئندہ بھی خوشی پہنچاتے رہیں گے، اگر بروقت آپ کا خط ملتا رہا تو اگر خط لیٹ ہوتا ہے تو صرف خط ہی شامل اشاعت ہوتا ہے اور اگر زیادہ لیٹ ہو تو خط بھی شامل اشاعت نہیں ہوتا، امید ہے آپ ضرور غور فرمائیں گے۔

ملک فہیم ارشاد ارشاد فیصل آباد سے، السلام علیکم، نومبر 2013ء کا خوب صورت اور دلکش سرورق کا حامل شمارہ اس وقت میرے ہاتھوں میں ہے سرورق بہت پسند آیا، قرآن کی سبق آموز باتیں پڑھنے کے بعد قارئین کی محفل میں پہنچا، خطوط کی محفل بھی کہانیوں کی طرح دلچسپ ہوتی ہے، کہانیوں میں اس مرتبہ خطرناک عفریت، جگنی، مُردوں کا جنگل اور شراب اجل پڑھی، دلچسپ اور مزیدار تھیں، باقی زیر مطالعہ ہیں وہ بھی اچھی ہی ہوں گی، اچھی ہیں اسی لئے تو ڈر کے صفحات کی زینت بنیں، میری کہانی خونی ناگ منی شائع کرنے پر شکریہ قبول کریں، میں نے دو کہانیاں ارسال کر دی ہیں، ایک تو بلا عنوان ہے اس کا اچھا سا نام رکھ دیجئے گا اور تیسری کہانی میں آپ کو اس کے ساتھ ارسال کر رہا ہوں، اندھیرے سے اجالا کا بھی کچھ سوچئے گا جناب۔

☆☆ فہیم صاحب: اندھیرا اجالا ضرور شائع ہو گی مگر تھوڑا انتظار کریں، دیگر کہانیاں تو چھپ رہی ہیں، نئی کہانی لرزہ براندام کمپوز ہو چکی ہے، اگلے شمارے میں ضرور جلوہ گر ہو گی۔

اسحاق انجم کنگن پور سے، السلام علیکم! ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نئے سال کی طرف گامزن خوب صورت شمارہ ہے۔ سرورق کی طرح کہانیاں بھی خوب ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی مانگ میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ خطوط کی محفل سے پتا چل رہا ہے کہ اس میں نئے نئے دوست شامل ہو رہے ہیں! ہم اگر کسی وقت خط نہیں لکھتے تو یہ مت سوچئے گا کہ ہم ڈر ڈائجسٹ نہیں پڑھتے، کبھی کبھی یہ ہوتا ہے کہ کئی قاری ڈائجسٹ ہمیں اپنے لکھے ہوئے خطوط دے جاتے ہیں یا دیگر اشعار وغیرہ تو ہم ان کو ایک جگہ مکمل کر کے آپ کی خدمت میں

ارسال کر دیتے ہیں جسے آپ شامل اشاعت فرماتے ہیں جس کے لئے ان دوستوں کی طرف سے بھی آپ کا شکریہ۔

☆☆ اسحاق صاحب: ڈر ڈائجسٹ سے آپ کی لگن قابل دید ہے اور ہم آپ کی چاہت سے باخبر ہیں، آئندہ آپ کو کسی شکایت کا موقع نہیں ملے گا، اور اگر خط دیر سے موصول ہوا تو اس کے لئے معذرت۔

ایس امتیاز کراچی سے، السلام علیکم، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہو گا۔ ماہ رواں کا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے۔ اسٹوریز اور غزلوں کا انتخاب لاجواب رہا...... آرٹیکلز لگانے کا شکریہ۔ میٹرز آپ کے پاس ہیں، پلیز دیکھیے گا۔ مزید ad میٹرز میں۔ ناگ کا انتقام، مراسلے، غزل ارسال خدمت ہیں۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ آپ کو اور دیگر اسٹاف اور "ڈر ڈائجسٹ" کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے ویورز کو دعا سلام...... پلیز اپنا خیال رکھیے گا۔

☆☆ امتیاز صاحب: خلوص نامہ، مراسلے، غزل اور کہانی بھیجنے پر بہت بہت شکریہ، آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔ کھائیں پئیں، خوش رہیں اور اپنا خیال رکھیں۔

محمد طاہر عباس شجاع آباد سے، السلام علیکم، امید کرتا ہوں ڈر ڈائجسٹ کا پورا اسٹاف خیریت سے ہو گا۔ ڈر کا شمارہ ماہ نومبر کا بہت ہی لیٹ ملا۔ دسمبر کا ابھی ہم نے پڑھا نہیں۔ نومبر میں سب سے اچھی کہانی جگنی اور خوفناک عفریت اچھی لگی اس کے بعد عشق ناگن، خونی درخت، خونی ناگ منی، پراسرار محبت تھیں، میں نے یہ خط دو ماہ پہلے بھیجا تھا لیکن جب ہمارا خط شائع نہیں ہوا تو میں نے دوبارہ نہیں لکھا۔ پھر جب دو ماہ بعد میرا خط شائع ہوا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اب میں یہ خط اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو میری کہانی یاد آ جائے اور آپ اسے شائع کر دیں۔ مجھے آپ سے امید ہے کہ میری کہانی آپ کو ضرور پسند آئے گی۔ آخر میں تمام قارئین اور ڈر ڈائجسٹ والوں کے لئے دعا کرتے ہیں کہ سب دن دگنی رات چوگنی ترقی کریں۔ (آمین)

☆☆ طاہر صاحب: جس طرح آپ کا خط شائع ہوا، اسی طرح بہت جلد آپ کی کہانی بھی شائع ہو جائے گی۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھول لیں گے نہیں۔

احسان سحر میانوالی سے، السلام علیکم، سب سے پہلے تو ڈر کے تمام اسٹاف، ممبرز اور پڑھنے والوں کے لئے ڈھیر ساری دعائیں...... اللہ پاک آپ سب کو جہاں بھی رکھے، اپنی امان میں رکھے...... آمین...... ایک بات آپ سب سے کہنا چاہتا ہوں بلکہ بتانا چاہتا ہوں جو آج تک نہ بتا سکا کہ ڈر ڈائجسٹ کی طرح ہماری بھی اکتوبر یعنی 27 اکتوبر کو برتھ ڈے منائی جاتی ہے تو کیسا رہا سرپرائز بھائی آپ کے لئے نہ ہو لیکن ہمارے لئے تو ہے ناں...... میں نے اپنے دل کے آنگن میں پھولوں کو اگا رکھا ہے، اس چھوٹے سے گلستان کا مالی بھی اور مالک بھی میں ہوں، آنسوؤں کا پانی دے کر انہیں پال رہا ہوں، چند ماہ کے اندر یہ خوشبو کے قابل ہو جاتے ہیں، جن کی خوشبو چاہت کے تحفے میں قید کر کے اپنے چاہنے والوں کو بھیجتا ہوں اور ہر ماہ کی طرح ایک بار پھر یہ خوشبو آپ کے اور ہم سب کے گلاب (ڈر) کے لئے حاضر ہے۔ خاکسر کا معمولی تحفہ قبول کریں۔ شکریہ اور سالگرہ کا تحفہ ہماری ہماری طرف سے قبول کریں، پیار کا رشتہ ہمیشہ مضبوط ہو گا۔

☆☆ احسان صاحب: ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں کہ اکتوبر کے شمارہ میں آپ کو سالگرہ کی مبارکباد نہ دے سکے، کیونکہ اکتوبر سالگرہ نمبر میں آپ کی دوسری اسٹوری شائع ہوئی تھی، آئندہ آپ خط یا تجزیہ اسٹوری سے منسلک نہ کیجئے گا۔ ہماری طرف سے سالگرہ کی مبارکباد قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیروں خوشیوں سے نوازے، ایک مرتبہ پھر معذرت......

☆☆☆

نوٹ: قارئین کرام گزارش ہے کہ اپنی تحریر پر واضح اور صاف الفاظ میں Cell No اور مکمل ایڈریس ضرور لکھیں تا کہ بوقت ضرورت آپ سے رابطہ کیا جا سکے۔ اکثر قارئین آئے دن شکایت کرتے ہیں اور ناراض بھی ہو جاتے ہیں کہ ہمارا خط شائع نہیں ہوا، ہماری غزل یا اشعار شائع نہیں ہوئے، تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ جب خطوط دیر سے آتے ہیں یا پھر اکثر خطوط ملتے ہی نہیں ہیں تو اس کا کیا حل ہے۔ امید ہے ایسے قارئین آئندہ مثبت سوچ اپنائیں گے۔ شکریہ۔

پاگل پن

عمران قریشی۔کوئٹہ

ایک کمزور ناتواں شخص کے سامنے دیوھیکل پھاڑ جیسے جسامت کا شخص اپنی انگارہ برساتی آنکھوں سے اپنے مدمقابل کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک مدمقابل پر پانی پڑتے ھی مدمقابل نے دیوھیکل کو چٹکیوں میں مسل دیا، کیوں کر......

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیرے میں جنم لینے والی شکستہ دل کی عجیب کہانی

پہلے پاگل خانہ پھر پاگل بستی اوراب پاگل پن۔ میری تینوں تحریر کردہ کتابیں کامیابی کے ریکارڈ توڑ رہی تھیں۔ اور میرے پاس اب پاگلوں کی نسبت مواد نہ ہونے کے قریب تھا۔ اس کے باوجود بھی میں ایک مزید تحریر پاگلوں کے متعلق لکھنا چاہتا تھا۔ تیسری تحریر کے منظر عام پر آنے کے بعد میرا نام ملک کے نامور لکھاریوں کے اعداد و شمار میں شامل ہوسکتا تھا۔ اس لئے میں پاگلوں کی سیریز کی آخری تحریر پر بہت زیادہ محنت کرنے کے چکر میں تھا۔ اب مجھے ایک ایسی جاندار کہانی کی ضرورت تھی۔ جس پر محنت کرکے میں اسے منظر عام پر لاسکوں۔ اسی خیال کی مناسبت سے میں نے مسکوگی کے پاگل خانے کا رخ کیا۔ وہاں میری ملاقات ایک ایسے پاگل سے ہوئی۔ جس کا نام ڈکی تھا۔ وہ کسی بھی زاویے سے پاگل دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کے سنہرے بال پونی کی صورت میں کمر سے کچھ اوپر بندھے ہوئے تھے۔ چہرے کے نقوش پتلے اور دلفریب تھے۔ جن میں اداسی کا تاثر نمایاں تھا۔ اس کی سمندر کی نیلاہٹ سے مشابہت رکھتی آنکھیں سوچ میں گھری دکھائی دیتی تھیں۔ میرے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کے بعد طویل سانس لیتے ہوئے وہ ہمکلام ہوا۔

"میگی ایک معذور اور بھولی بھالی لڑکی تھی۔ میں اس سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا۔ اور کرتا ہوں۔ لیکن خدا کو ہمارا ہمیشہ کے لئے ملنا پسند نہیں تھا۔ اس لئے ہمارے درمیان جدائی کی دراڑ ڈال کر اس نے مجھے ہمیشہ کے لئے یک وتنہا کردیا۔ میں پہلے بھی پاگل نہیں تھا۔ اور اب بھی پاگل نہیں ہوں۔ لیکن پاگل ہونا چاہتا ہوں۔ اس کے فراق میں...... دھاڑیں مار کر رونا چاہتا ہوں۔ اس کی یاد میں......خودکشی کرنا چاہتا ہوں۔ صرف ملن کی آس میں۔ میرے خیال میں ایسا سب کچھ ناممکن ہے۔ لیکن میں ناممکن کو ممکن بنانا چاہتا ہوں۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ میری اور میگی کی لازوال محبت کو تحریری صورت دینا چاہتے ہیں۔ مجھے بے تحاشا خوشی محسوس ہوگی۔ اگر میگی اور میری محبت ہمیشہ کے لئے کتابی صورت میں امر ہوسکے۔ مہربانی کرکے آپ قلم اٹھایئے اور لکھتے چلے جایئے۔ میں واقعات کی منظر کشی کے لئے تیار ہوں۔" وہ خاموش ہوگیا۔ میں نے ہنکارہ بھرا۔ پھر جیب میں سے قلم اور ڈائری نکال کر تفہیمی نگاہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھنے لگا۔ ڈکی نے آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو پونچھا۔ پھر درد بھرے لہجے میں ہمکلام ہوا۔

"یہ تب کی بات ہے۔ جب میری عمر صرف پندرہ سولہ سال کے لگ بھگ تھی۔ باپ وفات پاچکا تھا۔ بوڑھی ماں میری سرپرست تھی۔ وہ مجھے ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ اور میں اس کے بغیر سانس لینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن مجھے آج تک اس بات کی سمجھ نہیں آسکی کہ خدا نے اگر محبت کو تخلیق کیا۔ تب اس کے ساتھ فراق کو کیوں بنایا۔ مجھے تنہائی سے وحشت ہوتی ہے۔ میں تنہا نہیں رہنا چاہتا۔ محبت کی سرزمین پر جینا چاہتا ہوں۔

بہرحال انہی دنوں مجھے یرقان ہوگیا۔ ماں نے مجھے قریبی اسپتال میں داخل کروادیا۔ وہ دن میں تین دفعہ مجھ سے ملنے اسپتال آتی تھی۔ کھانا مجھے اپنے ہاتھوں سے کھلاتی پھر گھر لوٹ جاتی تھی۔ مجھے اس کا یوں واپس گھر چلے جانا اچھا نہیں لگتا تھا۔ لیکن میں اس کی مجبوری کو محسوس کرسکتا تھا۔ ہمارے پاس اسپتال میں رہنے کے لئے اتنی رقم موجود نہیں تھی کہ ہم پرائیویٹ روم کی رقم بھر سکتے، اسی لئے وارڈ میں بیڈ لے کر علاج کروا رہے تھے۔ وارڈ میں عورتوں کا رہنا ممکن نہیں تھا۔ سو مجھے وہاں اکیلا رہنا پڑتا تھا۔

میں اس دن کو کبھی بھی بھلا نہیں پاؤں گا۔ ہفتے کی رات تھی۔ ماں نے مجھے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا۔ اس کا چہرہ نہ جانے کیوں مجھے پژمردہ اور مرجھایا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اس کی طبیعت کے متعلق دریافت کیا۔ لیکن اس نے بات کو ٹال دیا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے مجھے آرام کرنے کی نصیحت کی۔ اور بتایا کہ "ایک ہفتے کے پیشگی اخراجات کا بل وہ اسپتال کے اکاؤنٹ میں جمع کرواچکی ہے۔ جن میں کھانے پینے کا بل سرِاول ہے۔"

اس رات رخصت ہونے سے پہلے اس نے مجھے پیار کیا۔ پھر دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئی۔ دوسرے دن وہ اسپتال نہیں آئی۔ اسپتال والوں نے مجھے ناشتہ اور کھانا دیا۔ میں نے غصے کے ساتھ ٹرے کو دیوار کی جانب اچھال دیا۔ رات کو بھی والدہ اسپتال نہیں آئیں۔ تب میں نے خاموشی کے ساتھ راہ فرار اختیار کی۔ بھاگنا مشکل ثابت نہیں ہوا۔ اسپتال میں سیکورٹی نہ ہونے کے برابر تھی۔ مجھے روکنے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ صبح ہونے کے قریب تھی۔ جب میں گھر میں داخل ہوا۔ گھر کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ بلکہ تالا لگا ہوا تھا۔

میں نے حیرت کے ساتھ تالے کی جانب دیکھا۔ پھر ساتھ ہی موجود ہمسایوں کا دروازہ کھٹکھٹادیا۔ بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا۔ میرے استفسار پر اس نے مجھے بتایا کہ میری والدہ وفات پاچکی ہیں اور انہیں قریبی قبرستان میں دفن کردیا گیا ہے۔

میں ایسا سوچنا بھی گناہ کے مترادف تصور کرتا تھا۔ لیکن بوڑھی عورت نے مجھے بازو کے پاس سے تھاما۔ اور قبرستان میں لے جاکر ماں کی قبر کے سامنے کھڑا کردیا۔ قبر پر کتبہ موجود تھا۔ جس پر ماں کا نام تحریر تھا۔ میں حیران کھڑا قبر کو دیکھ رہا تھا۔ بوڑھی عورت نے مجھے گھر کی چابیاں تھمائیں۔ اور قبرستان سے باہر کی جانب چل دی۔ وہ تمام دن میں اپنی ماں کی قبر کے ساتھ لپٹ کر روتے ہوئے گزاردیا۔"

ڈکی کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ پھر وہ چھوٹے بچوں کی طرح ہچکیاں لے کر رونے لگا۔ میں نے حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا اور پریشان لہجے میں اس سے مخاطب ہوکر اسے تسلیاں دینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ خاموش ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ مجھے اپنے دل میں ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوئیں۔ اور اس کے لئے ہمدردانہ جذبے کی لہر بیدار ہونے لگی۔ میں نے آگے بڑھ کر بے اختیار اسے اپنے گلے سے لگالیا۔ وہ ہچکیاں لے کر روتے ہوئے بولے چلا جارہا تھا۔

"میں ماں کے بنا تنہا اور اکیلا ہوگیا تھا۔ محبت کے ساتھ جدائی کیوں ہوتی ہے؟ جدا ہوکر اکیلے رہنا اذیت ناک سزا کے مترادف ہوتا ہے۔ وہ مرگئی لیکن میں زندہ تھا اور مرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ لیکن جدائی کو ختم کرنا میرے اختیار میں تھا۔ میں نے گھر کا رخ کیا۔

کدال اور بیلچہ اٹھایا۔ پھر رات کو ماں کی قبر کو کھود کر اس کی تابوت میں بند لاش کو باہر نکالا اور گھر واپس لے آیا۔"

میں نے حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ ڈکی کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر عزم و استقلال کا ایسا سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے ایسا کرنا غلط نہ ہو۔ بلکہ ماں کی لاش پر اس کا حق ہمیشہ سے ہو۔ وہ درد بھرے لہجے میں بولا۔

"کیا میں نے کچھ غلط کیا۔ کیا میری تنہائیوں پر اس کا حق نہیں تھا؟ اگر تھا۔ تب اس کی لاش پر بھی میرا حق تھا۔ بہرکیف میں نے اسے کفن سے آزاد کیا۔ اور گھریلو کپڑے پہنانے کے بعد بستر پر لٹادیا۔ وہ تمام رات میں نے اس کے سرہانے بیٹھ کر لوریاں گاتے ہوئے گزاردی۔ یہ وہی لوریاں تھیں۔ جو کبھی اپنی زندگی میں وہ مجھے سنایا کرتی تھی۔

صبح آٹھ بجے کے قریب دروازہ کھٹکھٹا۔ تب میں نے باہر ہمسائی بوڑھی عورت کو کھڑے ہوئے پایا۔ اس نے ہاتھوں میں ناشتے کی ٹرے پکڑی ہوئی تھی۔ میں نے ٹرے لینے سے انکار کردیا۔ پھر مطمئن لہجے میں عورت کو بتایا کہ ناشتہ بنانے کے لئے میری ماں واپس گھر میں آچکی ہے۔ اگر اسے یقین نہیں آتا تو کمرے میں چل کر اسے دیکھ سکتی ہے۔ بوڑھی عورت کی آنکھیں حیرت کے مارے پھٹنے لگیں لیکن وہ سوال جواب کئے بغیر خاموشی کے ساتھ میرے پیچھے چلتی ہوئی ماں کے بیڈ روم میں چلی آئی۔ اب کی دفعہ مجھے اپنے پیچھے چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی۔ پھر ناشتے کی ٹرے دھماکے کے ساتھ زمین پر گری۔ اور بوڑھی عورت اول فول بکتی ہوئی کمرے سے باہر کی جانب بھاگ گئی۔

میں بے چین نگاہوں کے ساتھ بیڈ پر لیٹی ہوئی ماں کی جانب دیکھا۔ برتن ٹوٹنے کی آواز سے اسے جاگ جانا چاہئے تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اب بھی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ میں اسے بیدار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس کے سرہانے بیٹھ کر اسی کے جاگنے کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے یاد آیا کہ بوڑھی عورت کے باہر جانے کے بعد میں نے دروازے کو اندر سے لاک نہیں کیا تھا۔ ماں ہمیشہ مجھے سمجھاتی تھی۔ "گھر کے دروازے کو کھلا نہیں چھوڑنا چاہئے۔ چور گھر میں داخل ہوسکتے ہیں۔"

میں اٹھ کر صدر دروازے کی جانب چل دیا۔ دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا اور محلے کے پانچ چھ لوگ گھر میں داخل ہورہے تھے۔ ان کے تیور خطرناک تھے۔ میں نے گھبرا کر کمرے کی جانب بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے مجھے پکڑلیا اور پاگل قرار دینے کے بعد پاگل خانے بھجوادیا۔

اگر مرنے کے بعد بھی میں اپنی ماں کی لاش کو ہمراہ رکھنا چاہتا تھا۔ تب کون سی ایسی غیر اخلاقی بات تھی۔ جس کی بنا پر سزا کے طور پر مجھے پاگل خانے بھجوادیا گیا۔"

ڈکی نے ایک دفعہ پھر ہچکیاں لے کر رونا شروع کردیا۔ میں نے تاسف بھری نگاہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔ اور ایک جانب موجود جگ میں سے پانی نکال کر گلاس اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے گلاس اٹھایا۔ اور غٹا غٹ ایک ہی سانس میں پانی پی گیا۔ پھر ہونٹ پونچھتے ہوئے بولا۔

"پاگل خانے میں اذیت ناک لمحے گزارنے کے بعد مجھے اپنے چودہ طبق روشن ہوتے محسوس ہوئے۔ دماغی طور پر میں اپنے آپ کو پاگل تصور نہیں کرتا تھا۔ اس لئے میرے لحاظ سے یہ جگہ میرے لئے مناسب نہیں تھی۔

پاگل خانے کے ڈاکٹر مجھے رہا کرنے کے لئے رضامند نہیں تھے۔ تب میں نے ایک رات نہایت سوچ بچار کے بعد پاگل خانے سے فرار ہونے کا فیصلہ کیا۔ اکیلا فرار ہونا ممکن نہیں تھا۔ پاگل خانے میں میرے ہمراہ کمرے میں جو ساتھی مقید تھا۔ اس کا نام جوزف تھا۔ وہ سیاہ فام تھا۔ اس کا جسم پہاڑ کی مانند سخت اور ورزشی ہونے کے علاوہ وہ نہایت خوب صورت بھی تھا۔ پاگل ہونے سے پہلے وہ ویٹ لفٹر تھا۔ اسٹیج پر وزن اٹھاتے ہوئے اس کا

پاؤں لڑکھڑا گیا۔ وہ وزن کو سہار نہ سکا۔ اور لڑکھڑاتا ہوا اسٹیج سے نیچے فرش پر جا گرا۔ وزنی راڈ اس کے سر پر آ گرا۔ تماشائیوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے جوزف کے سر کو تربوز کی مانند پھٹتے ہوئے اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھا۔ اس کا بھیجا صاف دکھائی دیتا تھا۔ اسپتال میں اس کے دماغ کا آپریشن ہوا اور حیرت انگیز طور پر صحت مند ہوگیا۔ لیکن دماغی صلاحیتوں سے کمزور ہوتا چلا گیا۔ اس لئے علاج کے بعد اسے ایک سال کے لئے پاگل خانے منتقل کردیا گیا۔ حادثے سے پہلے بات بے بات مرنے مارنے کے لئے تیار ہوجانے والا جوزف حادثے کے بعد حقیر کیڑے کی طرح ہر بات بلا چوں و چرا کے ماننے اور چھوٹی موٹی باتوں پر دھاڑیں مار کر رونے والا انسان بن گیا۔ لیکن اس کا پہاڑ کی مانند مضبوط جسم مردہ حیوان کی مانند موجود تھا۔ جسے تھوڑی سی تربیت کے ساتھ دوبارہ استعمال کے قابل بنایا جاسکتا تھا۔

میں نے اسے استعمال کرنے کا ارادہ کیا۔ اور رات کو سونے سے پہلے اسے فرار کے منصوبے کے متعلق بتایا۔ تھوڑی سی دیر کے پس و پیش کے بعد جوزف پاگل خانے سے بھاگنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ جس کمرے میں مجھے اور جوزف کو بند کیا گیا تھا۔ اس کمرے میں کھڑکی کے علاوہ اور فرار کے لئے راستہ مفقود تھا۔ کھڑکی کے آگے سلاخیں لگا کر اسے بند کردیا گیا تھا۔ میرے خیال کے مطابق صدیوں پرانی زنگ آلود سلاخوں کو جوزف اپنی بے پناہ طاقت کے ذریعے اکھاڑ سکتا تھا۔ ہم نے رات کے تاریک ہونے کا انتظار کیا۔ بارہ بجے کے بعد جب ہر جانب خاموشی طاری ہوتی چلی گئی۔ تب میں نے جوزف کو اشارہ کیا کہ وہ کھڑکی کی سلاخوں پر قسمت آزمائی کے لئے تیار ہوجائے۔

جوزف نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کھڑکی کا رخ کیا اور زور آزمائی کا سلسلہ شروع کردیا۔ صدیوں پرانی سلاخیں زنگ آلود ہونے کے باوجود بھی نہایت مضبوط اور پائیدار تھیں۔ آدھے گھنٹے کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود بھی جوزف اسے ہلا نہ سکا۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہوگیا۔ اور زبان حلق سے باہر کو نکلنے لگی۔ لیکن مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ مجھے جوزف پر بے تحاشا غصہ آنے لگا۔ پہاڑ جیسے جسم کے ہونے کے باوجود بھی وہ ایک معمولی سلاخ کو اکھاڑ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے سلاخ کو چھوڑ دیا۔ پھر بے بسی کے عالم میں میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"اسے اکھاڑنا ممکن نہیں ہے۔ ہمیں فرار کے لئے کوئی اور ذریعہ تلاش کرنا ہوگا۔" میں غراتے ہوئے بولا۔ "تم بالکل وحشی سانڈ کی مانند جسم رکھنے کے باوجود اس حقیر سلاخ کو اکھاڑ نہیں سکتے۔ تھو ہے تمہاری زندگی پر......"

"میں نے کہہ دیا ناں...... کہ فرار کے لئے کھڑکی کی سلاخیں اکھاڑنا ممکن نہیں ہے۔ تو پھر نہیں ہے۔ مجھے تنگ نہ کرنا...... میں سونے کے لئے لیٹ رہا ہوں۔" وہ بات کرنے کے دوران ہی پلنگ پر لیٹ گیا۔

میرے غصے کی انتہا نہیں رہی۔ ہاتھوں کی انگلیاں مٹھی کی صورت میں بھنچ گئیں۔ لیکن میں اس سے ٹکرانے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ طاقت میں مجھ سے بہت زیادہ تھا۔ غصے کو دبانا جب میرے اختیار سے باہر ہوتا چلا گیا۔ تب میں نے میز پر رکھے ہوئے پانی سے لبالب بھرے ہوئے جگ کو اٹھالیا۔ اور سوچے سمجھے بغیر اس کے سر پر دے مارا۔ اسٹیل کے بنے ہوئے جگ کو رتی برابر بھی نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن تمام پانی جوزف کے سر پر گرتا چلا گیا۔ اس نے وحشت بھرے انداز میں چیخنا چلانا شروع کردیا۔ چیخنے چلانے کے دوران وہ بن مانس کی مانند سینہ کوبی بھی کئے جارہا تھا۔ اس کے بعد کمرے میں بھونچال کی کیفیت نمایاں ہوئی۔ کمرے کا مختصر فرنیچر تباہ و برباد ہونے لگا۔ اس نے چارپائی کو اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ میز کو دروازے پر دے مارا۔ میں بھیگی بلی کی طرح کمرے کے محفوظ کونے میں کھڑا پریشان نگاہوں کے ساتھ اس کو دیکھ رہا تھا۔ کمرے کے تمام سامان کو تہس نہس کرنے کے بعد جوزف غصہ بھرے انداز میں لوہے کی کھڑکی کی جانب بڑھا۔ مجھے اپنی آنکھیں حیرت کے

مارے پھٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

جب اس نے کھڑکی کی سلاخوں کو دونوں ہاتھوں کے ساتھ تھاما۔ پھر ایک ہی جھٹکے میں کھڑکی کو دیوار کے درمیان میں سے اکھاڑ کر کمرے کے درمیان میں پھینک دیا۔ کمرے کے دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر تالے میں چابی گھومنے کی آواز ابھری۔ میں نے پھرتی کے ساتھ آگے بڑھ کر دروازے کی چٹخنی اوپر چڑھادی۔ دروازے کو دھکا لگا۔ پھر مختلف قسم کی سرگرمیوں سے ماحول گونجا۔ جوزف کمرے کے درمیان میں کھڑا ہانپ رہا تھا۔ میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہارا غصہ ختم ہوگیا ہو۔ تب ہم بھاگنے کے لئے اس خلاء کو استعمال کرسکتے ہیں۔ جس کو بنانے کے لئے کچھ دیر پہلے مجھے تمہاری منتیں کرنی پڑ رہی تھیں۔ اور تم اسے اکھاڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔" جوزف نے سر کو جھٹکا دیا۔ پھر حیرت بھری نگاہوں سے خلا کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"کھڑکی کو کس نے اکھاڑا۔ کیا تم نے ایسا کیا؟"

"نہیں......" میں نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔ کمرے کے دروازے کے باہر اب چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ میں نے جوزف کو بازو کے پاس سے تھاما۔ اور کھینچتا ہوا کھڑکی کے درمیان پیدا ہونے والے خلاء کی جانب گھسیٹنے لگا۔ خلاء میں سے باہر نکلنا دشوار ثابت نہیں ہوا۔ جگہ ہمارے جسموں کے لحاظ سے کافی زیادہ تھی۔ کھڑکی سے باہر پاگل خانے کا پائیں باغ تھا۔ باغ کی مختصر دیوار کو پھلانگ کر ہم دونوں قریبی سڑک تک جا پہنچے۔ اب سوچنے کی بات یہ تھی کہ آگے کہاں جایا جائے۔

مسکوگی کا پاگل خانہ شہر سے کافی ہٹ کر پہاڑی علاقے کے درمیان واقع تھا۔ موسم ابر آلود تھا اور کسی بھی وقت بارش شروع ہوسکتی تھی۔ ہمارے پاس جائے پناہ کے نام پر اردگرد بلکہ دور دور تک کوئی بھی جگہ موجود نہیں تھی۔ بجلی بم کے دھماکے کی طرح پہاڑیوں پر گری۔ مختصر وقت کے لئے ماحول روشن ہوا۔ ہمارے سامنے کی جانب سڑک گھوم کر اوپر کی طرف آرہی تھی۔ اور نیچے گہرائی میں سڑک بل کھاتی دور تک چلی گئی تھی۔ اس بل کھاتی سڑک پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن ہوتی پھر اوجھل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے جوزف کا ہاتھ تھاما۔ اور سڑک کے درمیان کھڑا ہوگیا۔ جوزف نے کچھ نہ سمجھ آنے والی نگاہوں کے ساتھ میری جانب دیکھا۔ پھر سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا معاملہ ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ جو گاڑی اوپر کی جانب آرہی ہے ناں۔ اس میں لفٹ چاہیے۔ وہ ہمیں آسانی کے ساتھ لفٹ نہیں دے گا۔ اس لئے زبردستی لینی پڑے گی۔ تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

جوزف نے اثبات میں سر ہلادیا۔ گاڑی کی روشنیاں قریب آگئی تھیں۔ وہ پہاڑی جیپ تھی۔ جو انسانوں کے بوجھ سے دوہری ہوتی دکھائی دیتی تھی۔ کچھ انسان گاڑی کے دروازے سے باہر لٹکے ہوئے تھے۔ اور کچھ جیپ کی چھت پر چڑھے چیخنے میں مصروف تھے۔ مجھے اپنے جسم میں مایوسی کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ جیپ میں لفٹ لینا مشکل تھا۔ وہاں مزید کسی کے لئے بھی جگہ دستیاب ہونا ممکن نہیں تھا۔ جیپ قریب آگئی۔ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ اب لگاتار ہارن بجائے چلے جارہے تھے۔ جوزف نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اسے مزید مضبوطی کے ساتھ تھام لیا۔

جیپ میں موجود لوگ صاف دکھائی دینے لگے تھے۔ وہ سب شراب کے نشے میں دھت تھے اور گلا پھاڑ کر کوئی بے ہودہ قسم کا گانا گارہے تھے۔

ہمارے قریب پہنچ کر جیپ کے ٹائر چرچرائے۔ اور ضدی بچے کی طرح سڑک کے درمیان

کھڑے ہوکر غرانے لگی۔ ڈرائیور ہارن بجانے کے ساتھ ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بھی بڑھاتا چلا جارہا تھا۔ ہم دونوں نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی۔ تب شراب میں دھت تمام شرابی گالیاں بکتے ہوئے جیپ سے نیچے اترنے لگے۔ بارش طوفانی انداز میں برسنے لگی تھی۔ اور ہمیں اپنے پیچھے موجود پاگل خانے کی عمارت کی جانب سے لوگوں کے شوروغل کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر پاگل خانے کی عمارت کی جانب دیکھا۔ پاگل خانے کے اہلکار باہر نکل کر ہماری جانب دوڑے چلے آرہے تھے۔

میں نے پریشان نگاہوں کے ساتھ جوزف کی جانب دیکھا۔ وہاں شدید کرب کے تاثرات موجود تھے۔ اس کا متغیر چہرہ اس بات کی عکاسی کررہا تھا کہ کوئی بات اسے پریشان کئے دے رہی ہے۔ بارش کے پانی کی بدولت وہ بھیگے ہوئے سانڈ کی مانند دکھائی دیتا تھا۔ میرے خیال کے مطابق بارش کا پانی اسے تنگ کررہا تھا۔ سوچنے کا مزید موقع میسر نہ آسکا۔ اس نے دھاڑتے ہوئے سامنے آتے ہوئے دو شرابیوں کو گلے کے پاس سے تھاما اور سڑک کے کنارے موجود کھائی سے نیچے دھکیل دیا۔ دونوں شرابیوں کی چیخوں کی بازگشت کافی دیر تک سنائی دیتی رہی۔ پھر خاموشی طاری ہوگی۔ جیپ سے اترنے والے بقایا شرابی چابی ختم ہوجانے والے کھلونوں کی مانند جہاں تھے وہیں جم کررہ گئے تھے۔

پاگل خانے کے اہلکار ہمارے قریب پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے شرابیوں کو پہاڑی کھائی سے نیچے گرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے بے خوف وخطر آگے بڑھے چلے آرہے تھے۔ جوزف نے سب سے آگے والے اہلکار کے سینے پر مکا دے مارا۔ اہلکار کی آنکھیں درد کی شدت کی بدولت پھیلنے لگیں۔ اور وہ سینے کو دونوں ہاتھوں میں تھامے زمین پر بیٹھ گیا۔ باقی اہلکاروں نے جوزف کے ساتھ لپٹنے کی کوشش کی۔ جوزف نے جسم کو یوں جھٹکا جیسے پانی سے شرابور جسم کو پانی سے نجات کے لئے جھٹکا جاتا ہے۔ تمام اہلکار خزاں رسیدہ پتوں کی مانند جوزف کے جسم سے دور جاگرے۔ شرابیوں نے گھبرا کر جیپ میں گھسنے کی کوشش کی۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک شرابی کے چہرے پر مکا رسید کیا۔ وہ چاروں شانے چت زمین پر گر گیا۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ اور اچھل کر اندر بیٹھ گیا۔

جیپ اسٹارٹ تھی۔ میں نے اسے گیئر میں ڈالا۔ اور کلچ پر سے پاؤں اٹھادیا۔ جیپ جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی۔ اس مختصر وقت کے دوران جوزف شرابیوں کے علاوہ پاگل خانے کے اہلکاروں کو بھی ادھ موا کرچکا تھا۔ میں نے چلاتے ہوئے اسے جیپ کے اندر بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ وفادار کتے کی طرح سر اثبات میں ہلاتے ہوئے جیپ کے اندر بیٹھ گیا۔

پانی سے نجات ملتے ہی اس کے اوسان بحال ہونے لگے۔ اور اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جیپ کی سیٹ کے ساتھ سر ٹکادیا۔ میں بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

میرے خیال کے مطابق پانی کی ٹھنڈک اس کے وجود میں انتشار کا باعث بنتی تھی اور اس کے اعضاء میں مچھلی کی سی پھڑک پیدا کردیتی تھی۔ لیکن مچھلی کی مانند اسے پانی کی ٹھنڈک بھاتی نہیں تھی بلکہ بے چینی کی شدت میں اضافہ کردیتی تھی۔ اور وہ مرنے مارنے کے لئے آمادہ ہوجاتا تھا۔

بہرحال جیپ پہاڑی سے نیچے سرسبز میدانی علاقے کی جانب بھاگتی چلی جارہی تھی۔ بارش طوفانی انداز اختیار کرنے لگی تھی۔"

ڈکی خاموش ہوگیا۔ میرا قلم بھی ایسی ٹرین کی مانند آہستہ ہوتے ہوئے رکنے لگا۔ جس کا ڈیزل اچانک ہی ختم ہوگیا ہو۔

یہاں سے آپ بیتی نے رخ تبدیل کیا۔ اور آپ بیتی کے بجائے واقعات کے مجموعے کی شکل اختیار کرنے لگی۔ گزشتہ چند سطور پیشتر ڈکی کی محبوبہ میگی کا ذکر

شاید آپ کو یاد ہوگا۔ آگے کی تحریر میگی کے وجود کے گرد گھومتی ہے۔

میگی سترہ سال کی نہایت خوب صورت اور دلفریب چہرے کی مالک حسینہ کا نام ہے۔ جو دونوں ٹانگوں سے معذور ہونے کے علاوہ نہایت ذہین اور سمجھدار تھی۔ وہ اپنے ہر کام کے لئے اپنی بڑی بہن جولیا کی محتاج تھی۔ جولیا کے فارم ہاؤس میں میگی اور جولیا کے علاوہ تیسرا کوئی بھی وجود موجود نہیں تھا۔ اپنی کم سن اور اپاہج بہن کی بدولت جولیا نے تمام عمر شادی نہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ خوب صورت اور طرح دار جولیا کے پیچھے لڑکوں کی ناختم ہونے والی لائن ہر وقت موجود رہتی تھی۔ لیکن وہ سب جولیا کے وجود کو اپنانے کے لئے تو تیار تھے۔ لیکن اس کے ہمراہ میگی کے وجود کو برداشت کرنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔

سو جولیا پچیس سال کی عمر تک پہنچنے کے باوجود بھی کنواری تھی۔ اپاہج بہن کی بدولت اس کی ذمہ داریاں مزید سے مزید تر بڑھتی چلی جارہی تھیں۔ فارم ہاؤس میں سبزیوں کی کاشت جانوروں کی دیکھ بھال اس کے بعد میگی کے ناختم ہونے والے کام...... جولیا کے پاس فراغت کے لئے وقت نکالنا ممکن نہیں تھا۔ پھر بھی وہ صبر وشکر کے ساتھ کاموں میں مگن رہتی تھی۔

ان دنوں جولیا کی زندگی میں ایک ایسے لڑکے نے قدم رکھا۔ جو اسمارٹ اور خوب صورت ہونے کے علاوہ پڑھا لکھا بھی تھا۔ وہ بیچ ٹاؤن کی سبزی مارکیٹ میں اپنے باپ کے ہمراہ آڑھت کا کام کرتا تھا۔ اس لحاظ سے جولیا کے ساتھ اس کا واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ کچھ ہی ملاقاتوں کے دوران جولیا نے محسوس کیا کہ جونی اسے دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ جولیا نے حسب عادت اسے نظر انداز کرنا شروع کردیا۔ لیکن جونی موقع محل دیکھ کر اس سے بات چیت کرنے کی کوششیں ضرور کرتا تھا۔ جولیا بات چیت کرلیتی تھی۔ لیکن اسے حد آخر سے آگے نہیں بڑھنے دیتی تھی۔

ان دنوں ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے تفصیلی چیک اپ کے بعد جولیا کو بتایا کہ ٹانگوں کی پیچیدہ آپریشن کی بدولت میگی چلنے پھرنے کے قابل ہوسکتی ہے۔ لیکن آپریشن پر خرچہ زیادہ آسکتا ہے۔ رقم خطیر تھی۔ جولیا کے پاس اتنی رقم موجود نہیں تھی۔ لیکن وہ فارم ہاؤس کی زمین کو گروی رکھ کر رقم کا بندوبست کرسکتی تھی۔ جونی کا باپ چھوٹے موٹے سرمایہ کاروں کو رقم ادھار دے کر سود پر وصول کرتا تھا۔ جولیا بیچ ٹاؤن کی سبزی مارکیٹ میں واقع جونی کے باپ کی دکان کی جانب چل دی۔ دکان میں جونی کا باپ موجود نہیں تھا۔ لیکن جونی شراب کے نشے میں دھت کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کا باپ دکان اس کے حوالے کرنے کے بعد قریبی شہر کسی کام سے گیا تھا اور اس کی آمد چند روز تک متوقع نہیں تھی۔ اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جونی نے کیش کے دراز سے رقم باہر نکالی۔ اور اپنی پسند کی سرخ واڈکا شراب کی بوتل خرید کر اوپر نیچے دو تین گلاس حلق میں انڈیل لئے۔ اب جولیا کو سامنے کھڑے دیکھ کر اس کی آنکھیں فرط مسرت سے پھٹنے لگیں۔ جولیا اپنی پریشانی میں اتنی گم تھی کہ وہ شراب کی بو اور جونی کی مدہوش آنکھوں کو تقریباً نظر انداز کرگئی۔ اس نے جب اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔ تب جونی نے جولیا کو دکان کے پیچھے موجود اپنے باپ کے مختصر آفس کی جانب آنے کا اشارہ کیا اور خود اٹھ کر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ آفس کی جانب چل دیا۔

جولیا نے پریشانی سے اس کے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کی جانب دیکھا۔ لیکن پھر اس لئے اسے نظر انداز کردیا کہ اسے جونی کے باپ کے ساتھ غرض تھی اور اس کا باپ یقیناً آفس میں موجود تھا۔ وہ اس کی غیر حاضری سے بے خبر تھی۔ ورنہ جونی کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کبھی بھی اس کے ہمراہ اکیلے آفس میں جانے کی حماقت نہ کرتی۔ آفس میں داخل ہوتے ہی جونی نے یکدم آگے بڑھ کر جھٹکے کے ساتھ دروازے کو بند کرکے لاک میں چابی گھمادی۔ جولیا نے چلانے کی کوشش کی۔ تب جونی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

اور اسے دھکیلتا ہوا صوفے کی جانب کھینچنے لگا۔

ادھر میگی نے تمام دن اپنی بہن جولیا کے انتظار میں بھوکے پیاسے بیٹھے ہوئے گزار دیا۔ رات سر پر آ گئی۔ لیکن جولیا واپس نہیں آئی۔ ایسا آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ گھر جلدی آنے کی کوشش کرتی تھی۔ وجہ اس کی اپاہج بہن میگی کا نامکمل وجود تھا۔ کچھ عرصہ پہلے ایک رات کسی کام میں دیر ہو جانے کی بدولت اسے گھر آنے میں تاخیر ہوئی اور جب اس نے میگی کے کمرے میں قدم رکھا۔ تب اسے اوندھے منہ زمین پر گرے ہوئے پایا۔ اس کے کپڑے پیشاب میں بھیگے ہوئے تھے۔ اور وہ جولیا سے ناراض تھی۔

اس دن کے بعد جولیا نے دل میں پکا تہیہ کر لیا تھا کہ وہ آئندہ مغرب سے پہلے گھر آنے کی کوشش کرے گی۔ لیکن آج تو حد ہو گئی تھی۔ گھڑی رات کے بارہ بجے کا اعلان کر رہی تھی۔ لیکن جولیا کا نام ونشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میگی نے غصے کے عالم میں اپنے ارد گرد پڑے ہوئے سرہانے اٹھا کر دور پھینک دیئے۔ لیکن اس کے غصے کے بڑھتے ہوئے مورال پر کچھ خاص اثر نہیں پڑا۔ تب اس نے گلا پھاڑ کر جولیا کو گولیاں دینی شروع کر دیں۔ وہ جانتی تھی کہ جولیا اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ کسی مہنگے ہوٹل میں ڈنر پر مدعو ہو گی۔ اسی ڈنر نے جولیا کو میگی کے وجود سے بھی غافل کر دیا ہو گا۔ غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ تب میگی نے اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے رونا شروع کر دیا۔ وہ زارو قطار روتی رہی۔ لیکن اس کی آہ و پکار سننے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔

آدھا گھنٹہ لگاتار روتے رہنے کے بعد میگی پر غنودگی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اور وہ گہری نیند سو گئی۔ وہ بچپن سے لے کر اب تک ایک ہی خواب متواتر دیکھتی چلی آئی تھی۔ خواب میں وہ ایک بہت بڑے محل میں خوب صورت اور اسمارٹ شہزادے کے ہمراہ سفید کپڑوں میں ملبوس سنڈریلا کی طرح ناچتی پھر رہی ہوتی ہے۔ اس کی ٹانگیں مشین کی مانند چل رہی تھیں۔ لیکن اوپر کا جسم متحرک نہیں ہوتا۔ وہ تقریباً مفلوج تھا۔ شہزادہ اسے اپنی بانہوں میں سمیٹے چابی بھرے کھلونے کی مانند ہال کمرے کے درمیان میں گھومتا پھر رہا تھا۔

اچانک ہی جھٹکے کے ساتھ اس کا نچلا دھڑ بھی مفلوج ہو جاتا ہے۔ اور وہ بے جان لاشے کی مانند شہزادے کے ہاتھوں سے پھسل کر زمین پر چاروں شانے چت ڈھے جاتی ہے۔

میگی کی آنکھ جھٹکے کے ساتھ کھل گئی۔ کمرے کی لائٹ روشن تھی اور گھڑی صبح کے سات بجے کا وقت دے رہی تھی۔ بادلوں کے گرجنے کی آواز سے ماحول گونج رہا تھا۔ ابر آلود موسم اسے خوفزدہ کرتا تھا۔ ایسے موسم میں وہ جولیا کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتی تھی۔ لیکن آج جولیا فارم ہاؤس میں موجود نہیں تھی۔ نہ جانے وہ کہاں تھی۔ میگی کو اپنے جسم میں بے چینی کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے کروٹ بدلی۔ اور مفلوج جسم کو پلنگ سے نیچے گرا دیا۔ اسے سردی کا شدید احساس محسوس ہوا۔ لیکن اس نے پرواہ نہیں کی۔ اور جسم کو گھسیٹتے ہوئے پلنگ کے سامنے میز پر رکھے ہوئے ریڈیو کی جانب سرکنا شروع کر دیا۔ میز زیادہ اونچی نہیں تھی۔ میگی نے آدھے جسم کو اوپر اٹھاتے ہوئے ریڈیو کا بٹن آن کر دیا۔ کمرے کا خاموش ماحول موسیقی کی تیز آواز سے گونجنے لگا۔ وہ تنہائی کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ خاموشی کو ہمیشہ کے لئے گم کر دینا چاہتی تھی۔ جب بھی اس پر تنہائی کا دورہ پڑتا تھا۔ تب ایسے وقت میں ریڈیو بہترین ساتھی کے طور پر اس کا ساتھ دیتا تھا۔

موسیقی اچانک ہی رک گئی۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔ پھر اناؤنسر کی آواز سنائی دی۔

معزز سامعین ایک ضروری اعلان سماعت فرمائیں۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ مسکوگی کے پاگل خانے سے دو خطرناک پاگل رات کے بارہ بجے کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کا رخ بیچ ٹاؤن قصبے کی جانب ہے۔ وہ پرانی جیپ کے ذریعے فرار ہوئے ہیں۔ سامعین سے التماس ہے کہ بگڑتے ہوئے موسم کے مدنظر حالات کو سامنے رکھتے ہوئے حفاظتی

اقدام کرنے کی تدابیر کر لیں۔ دروازے اور کھڑکیاں بند کرنے کے علاوہ ارد گرد کے حالات پر کڑی نگاہ رکھنے کی کوشش کریں۔ بلیٹن سماعت ہوتا ہے۔

کمرے کا ماحول دوبارہ تیز موسیقی کی آواز سے گونجنے لگا۔ میگی نے چونک کر ریڈیو کی جانب دیکھا۔ پھر پھرتی کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر ریڈیو کا بٹن آف کر دیا۔ اس کا جسم سخت سردی کے باوجود بھی پسینے میں نہانے لگا تھا۔ وہ گھر میں اکیلی تھی۔ موسم کے تیور خطرناک تھے۔ اور فارم ہاؤس کے ارد گرد پاگل منڈلاتے پھر رہے تھے۔ اس نے جھرجھری لی۔ پھر اپنے جسم کو کمرے سے باہر کی جانب گھسیٹنے لگی۔ وہ جلد از جلد گھر کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے انہیں مقفل کر دینا چاہتی تھی۔ یخ بستہ زمین پر جسم کو گھسیٹنا آسان عمل نہیں تھا۔ کمرے میں قالین بچھا ہوا تھا۔ لیکن کمرے سے باہر کی زمین ننگی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے وہ برف کی سل پر اپنے آپ کو گھسیٹنے کی کوشش کر رہی ہو۔

مگر برداشت تو بہر حال کرنا ہی تھا۔ اس لئے وہ کرتی رہی۔ میگی کا کمرہ دوسری منزل پر واقع تھا۔ اس کے کمرے کے آگے راہداری تھی۔ پھر سیڑھیاں نیچے لاؤنج کی جانب جاتی تھیں۔ سیڑھیوں تک پہنچنے میں خیریت رہی۔ لیکن مفلوج ٹانگوں کے ساتھ اپنے آدھے جسم کی طاقت کو مجتمع کر کے سیڑھیوں سے نیچے کی جانب اترنا مشکل ثابت ہوا۔ خیر میگی نے دونوں بازوؤں کی مدد سے سیڑھیوں کے کنارے کو تھامنے کی کوشش کی۔ تب کنارے اس کے ہاتھوں سے پھسلتے چلے گئے اور وہ آڑھی ترچھی ہو کر سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی نیچے لاؤنج کے فرش پر جا گری۔ اسے فارم ہاؤس کی دیواریں گھومتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ ماتھے سے خون بہہ کر چہرے کو رنگین کرنے لگا۔ آنکھوں کے گرد اندھیرا چھانے لگا۔

بے ہوش ہونے سے پہلے اسے آخری احساس یہ ہوا کہ دو مضبوط ہاتھوں نے اسے کاندھوں کے پاس سے تھام کر ہوا میں اٹھا لیا۔ اس کے بعد اس کا دماغ ہر قسم کے احساسات سے عاری ہوتا چلا گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلنے پر میگی نے اپنے آپ کو کمرے میں بیڈ پر لیٹے ہوئے پایا۔ اس کے جسم کے گرد رضائی لپٹی ہوئی تھی اور کمرے کا آتش دان روشن تھا۔ بارش گرج چمک کے ساتھ برس رہی تھی۔ کبھی کبھی کمرے کا ماحول اچانک گرجنے والی بجلی کی بدولت روشن ہو جاتا تھا۔ پھر دوبارہ ملگجے اندھیرے کی صورت میں کمرے پر حاوی ہو جاتا تھا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہاں میگی کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ میگی نے سر گھما کر وال کلاک کی جانب نگاہ دوڑائی۔ صبح کے دس بجنے والے تھے۔ جولیا شاید واپس آ گئی تھی۔ اسے اپنے رگ و پے میں غصے کی شدید لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ پھر یک دم سر میں درد ہونے لگا۔ اس نے بے اختیار دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کو تھام لیا۔ سر پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اسے بے ہوش ہونے سے پہلے کے آخری لمحات یاد آئے۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اسے دو ہاتھوں نے تھام کر اوپر اٹھایا تھا۔ یقیناً وہ جولیا تھی۔ لیکن اب نہ جانے وہ کہاں تھی۔ اس نے چلاتے ہوئے اسے پکارا۔ جواب میں کسی کے بے سروپا انداز میں گانے کی آواز سنائی دی۔ آواز مردانہ تھی۔ اس کے بعد دوبارہ خاموشی طاری ہو گئی۔ میگی نے دوبارہ اونچی آواز میں جولیا کو آواز دی۔ اس دفعہ کمرے کے باہر قدموں کی آواز ابھری۔ پھر جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھل گیا اور سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والا خوب صورت اور ہینڈسم ڈکی کمرے میں داخل ہوا۔ میگی کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔ ڈکی نے بیڈ کے پاس پہنچ کر کمر کو خم کرتے ہوئے جھک کر سلام کیا۔ پھر نرم گرم لہجے میں بولا۔

"میڈم آپ کا خدمت گار حاضر ہے۔ مجھے حکم دیجئے کہ میں آپ کی خوشنودی کے لئے ایسا کیا کروں۔ جس سے خوش ہو کر آپ کی اور میری دوستی مستحکم ہو سکے۔"

"کون ہو تم......؟" میگی نے ہراساں لہجے میں پوچھا۔

"میرا نام ڈکی ہے اور میں مسکوگی کے پاگل خانے سے فرار ہونے والا پاگل ہوں۔ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسکوگی کے پاگل خانے میں موجود تمام پاگل صحت مند ہو چکے ہیں۔ میں تو پاگل ہی نہیں تھا۔ مجھے زبردستی پاگل خانے میں داخل کروا دیا گیا تھا۔" میگی نے حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ ڈکی کے سراپے کا جائزہ لیا۔

خوب صورت اور ہینڈسم ڈکی اسے کسی بھی زاویے سے پاگل دکھائی نہیں دیا۔ وہ تو ہالی وڈ کے کسی خوب صورت ہینڈسم ہیرو سے کم دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میگی کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات بکھرنے لگے۔ پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میری بہن جولیا کل رات سے گھر واپس نہیں آئی نہ جانے وہ کہاں کھو گئی ہے؟" ڈکی نے مسکراتے چہرے پر اچانک ہی کرب کے تاثرات ابھرنے لگے۔ پھر وہ غم زدہ لہجے میں میگی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہ جانے محبت کے ساتھ جدائی کیوں ہوتی ہے؟ میں جان سکتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ میرے ساتھ کم و بیش ایسا ہو چکا ہے۔ لیکن تم پریشان نہیں ہونا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور اگر تم یقین جانو تو اس بات سے بھی آگاہی رکھتا ہوں کہ تمہاری بہن اس وقت کہاں ہے؟"

میگی نے چونک کر ڈکی کی جانب دیکھتے ہوئے بے چین لہجے میں پوچھا۔

"وہ کہاں ہے؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر دور جا چکی ہے۔ میری ذمہ داریوں سے فرار ہو کر...... کب تک وہ مجھے سنبھالتی رہتی۔ اسے ایسا بہت پہلے کر لینا چاہئے تھا۔ ایک اپاہج انسان کو کون تمام زندگی سنبھال سکتا ہے۔"

ڈکی بولا۔ "تمہاری بہن فرار نہیں ہوئی۔ بلکہ محلے والوں کی سازش کا نشانہ بنتے ہوئے قبرستان کی رہائش بن چکی ہوگی۔ تم فکر نہ کرنا۔ میں اور جوزف اسے واپس لے آئیں گے۔ شاید کچھ وقت لگ جائے۔ لیکن ہم ایسا ضرور کریں گے۔"

"جوزف کون ہے؟" میگی نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"میرا پاگل ساتھی...... وہ بہت ہمدرد انسان ہے۔ لیکن غصے کی صورت میں پاگل سانڈ بن جاتا ہے۔ علاوہ ازیں بے ضرر ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"نیچے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا مار دھاڑ سے بھرپور فلم دیکھنے میں مصروف ہے۔ ڈکی نے اسے بتایا۔

"تم چل نہیں سکتی ہو۔ اپاہج ہو۔" میگی نے سرد آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں...... بچپن میں گاڑی کے حادثے کے دوران اپاہج ہو گئی تھی۔ ممی اور ڈیڈی موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ لیکن معجزانہ طور پر گاڑی کی پچھلی سیٹوں پر بیٹھی میں اور جولیا کسی بھی نقصان سے صاف بچ گئیں۔ سوائے اس کے کہ میری دونوں ٹانگیں تباہ ہو کر رہ گئیں۔ علاج کے بعد ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ ٹانگوں کے آپریشن پر لاگت بے اندازہ آ سکتی ہے۔ اس لئے کچھ عرصہ آپریشن نہ کروایا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نے آٹھ سال صبر کیا۔ لیکن اب معاملہ اختیار سے باہر ہونے لگا تھا۔ ہمارے پاس رقم نہیں تھی۔ لیکن فارم ہاؤس کو گروی رکھ کر رقم کا بندوبست کیا جا سکتا تھا۔

جولیا نے کوشش شروع کی۔ کل اس نے جونی کی آڑھت کی دکان پر اس سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا، وہ ملنے گئی لیکن واپس نہیں آئی۔ نہ جانے اسے زمین کھا گئی۔ یا آسمان نگل گیا۔ میں تنہائی سے گھبراتی ہوں۔ اس کے باوجود کل سے تنہا ہوں۔ میں نے چوبیس گھنٹوں سے کچھ نہیں کھایا۔" آخری الفاظ کی ادائیگی کے دوران وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ ڈکی نے آگے بڑھ کر اس کے آنسوؤں کو پونچھا۔ پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"روؤ مت...... میں اور جوزف جولیا کو واپس لانے کی کوشش کریں گے۔ تمہاری ٹانگوں کے آپریشن کے لئے رقم کا بندوبست کرنا بھی اب ہم دونوں کی ذمہ داری ہے۔ تم اپنے آپ کو ہر قسم کی پریشانی سے آزاد محسوس کرو۔ میں تمہارے لئے ناشتہ تیار کر کے لاتا ہوں۔ اس کے بعد جولیا کو تلاش کرنے کا لائحہ عمل تیار کریں گے۔" میگی نے افسردہ نگاہوں کے ساتھ ڈکی کی جانب دیکھا۔ پھر اپنا سر تکیے پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

ڈکی نے ناشتے سے پہلے میگی کا ہاتھ منہ دھلایا۔ پھر بچوں کی طرح اس کے کپڑے تبدیل کئے۔ اس کے بعد ناشتہ کروانے کے دوران میگی سے جونی کی دکان کا ایڈریس معلوم کیا اور جوزف کے ہمراہ جونی کی دکان کی جانب چل دیا۔ جونی دکان کے کاؤنٹر پر بیٹھا شراب نوشی میں مصروف تھا۔ جوزف اور ڈکی کی دکان میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے بوتل کو کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ اور تفہیمی نگاہوں کے ساتھ ڈکی کی جانب دیکھنے لگا۔ ڈکی نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ اور لہجے کو پر وقار بناتے ہوئے بولا۔

"جناب ہماری کزن جولیا کل صبح آپ کی دکان پر آئی تھی۔ لیکن واپس گھر نہیں پہنچ پائی۔ ہم اس کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ مہربانی کر کے آپ ہمیں بتائیے۔ کہ کیا وہ یہاں آئی تھی۔ اگر آئی تھی۔ تب پھر واپس گھر کیوں نہیں پہنچ پائی؟"

جونی نے کمال خوب صورتی کے ساتھ اپنے چہرے کے تاثرات چھپاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں کسی جولیا کو نہیں جانتا۔ میرا وقت فضول میں ضائع نہیں کرو۔ اور دکان سے باہر دفاع ہو جاؤ۔ ورنہ پولیس کو فون کر دوں گا۔" اس کی بے جا بدتمیزی پر ڈکی کا چہرہ خون کی مانند سرخ ہونے لگا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو نمایاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس بات سے آگاہی رکھتا تھا کہ اگر وہ کسی بھی غیر قانونی مسئلے میں ملوث ہوا۔ تب پولیس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے تحمل مزاجی کے ساتھ کام لیتے ہوئے اس نے خاموشی کے ساتھ باہر نکل جانے میں بہتری جانی۔

دوازے کے پاس پہنچ کر اسے اپنے اکیلے پن کا احساس ہوا۔ جوزف اس کے ہمراہ نہیں تھا۔ ڈکی نے پیچھے مڑ کر جوزف کی جانب دیکھا۔ وہ کاؤنٹر کے پاس کھڑا للچائی ہوئی نگاہوں کے ساتھ کاؤنٹر پر پڑی شراب کی بوتل کی جانب دیکھ رہا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ ڈکی یا پھر کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا ہوا جونی اسے روکنے کی کوشش کرتا۔ جوزف نے پھرتی کے ساتھ بوتل کو اٹھایا۔ اور ڈھکن کھول کر اسے منہ کے ساتھ لگا کر پینا شروع کر دیا۔

جونی کا چہرہ غصے کی شدت سے بگڑ کر ایسے گڈے کی صورت اختیار کرنے لگا۔ جسے خدوخال آگ کی بدولت پگھل کر آپس میں چلنے لگے ہوں۔ پھر اس نے جھٹکے کے ساتھ جوزف کے ہاتھ سے شراب کی بوتل چھینی اور دھماکے کے ساتھ اس کے سر پر دے ماری۔ بوتل کی کرچیاں ارد گرد بکھرتی چلی گئیں۔ اور بوتل کے اندر موجود شراب جوزف کے چہرے کو بھگونے لگی۔

شراب کی ٹھنڈک نے پانی کی تازگی کا کام کیا۔ جوزف کی آنکھیں پہلے حیرت کی بدولت پھیلنے لگیں۔ اس کے بعد چہرے کے خدوخال میں تغیر کی کیفیت نمایاں ہوئی۔ غصے کی شدت کی بدولت اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچ گئیں، رگوں میں تناؤ پیدا ہوا اور منہ سے دھاڑ سے مشابہت رکھتی ہوئی آواز نمودار ہوئی۔ پھر اس نے پھرتی کے ساتھ آگے بڑھ کر جونی کو گردن کے پاس سے تھاما۔ اور پوری قوت صرف کرتے ہوئے دکان کے شیشے کے دروازے پر دے مارا۔ شیشہ دھماکے کے ساتھ ٹوٹا اور جونی چیختا چلاتا ہوا دکان کے سامنے موجود تھڑے پر جا گرا۔

بازار میں پھرتے ہوئے لوگوں کے قدم جہاں تھے وہیں تھم گئے۔ وہ حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ دکان کے سامنے بے سدھ پڑے جونی کی جانب دیکھنے لگے۔ جس کا چہرہ لحمہ بہ لحمہ خون کی بدولت تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جوزف وحشی سانڈ کی مانند جونی کی دکان کے فرنیچر

کوتہس نہس کرنے لگا۔ اس کا غصہ مکمل عروج پر تھا۔ اور اسے روکنے کی کوشش کرنا حماقت کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ بازار سے گزرتے ہوئے لوگوں نے آگے بڑھ کر جونی کے بے سدھ پڑے جسم کو تھپتھپانے کی کوشش کی۔ پھر ان کی حیرت بھری آوازوں سے بازار کا ماحول گونج اٹھا۔ ''جونی مر چکا ہے۔''

شیشے کی کرچیوں نے اس کی شہ رگ کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ جس کی بدولت اس کی موت موقع پر ہی واقع ہوگئی تھی۔ موت کے متعلق معلوم ہونے کے فوراً بعد لوگوں نے موت کی وجہ معلوم کرنے کے لئے دکان میں گھسنے کی کوشش کی۔ جوزف نے غصے کی شدت سے دھاڑتے ہوئے دو تین آدمیوں کو گردن کے پاس سے تھاما اور کاؤنٹر پر پٹخ دیا۔ دکان کے دروازے کے پاس کھڑے باقی تماشائیوں میں کھلبلی مچ گئی اور وہ بازار سے باہر مخالف جانب بھاگنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں بازار سنسان ہوگیا۔ دکانوں کے شٹر بند ہونے لگے۔ اس اثناء میں جوزف کا غصہ کافی حد تک گم ہوگیا تھا۔ ڈکی نے جیب میں سے رومال باہر نکالا اور اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے کہا۔

''اپنے چہرے کو اچھی طرح صاف کرو۔ اور یہاں سے فوراً سے پیشتر فرار ہونے کی کوشش کرو۔ ورنہ مار دھاڑ اور قتل کے کیس میں دھر لئے جاؤ گے۔''

جوزف نے فرمانبردار بچے کی مانند رومال کے ساتھ چہرے کو صاف کیا۔ پھر خاموشی کے ساتھ ڈکی کی جانب دیکھنے لگا۔ ڈکی کی نگاہ دکان کے پیچھے موجود آفس کے دروازے پر ٹکی ہوئی تھی۔ دروازے کا آدھا حصہ ٹوٹ کر ایک جانب لٹکا ہوا تھا۔ نہ جانے ڈکی کے دل میں کیا سمائی۔ اس نے آگے بڑھ کر آفس کے اندر جھانکا۔ کمرے کے درمیان میں ایک نوجوان لڑکی کی برہنہ لاش صوفے پر پڑی تھی۔ اس کی زبان حلق سے باہر تھی۔ یقیناً اسے گلا دبا کر قتل کیا گیا تھا۔ لڑکی کی شکل و صورت میگی سے مشابہت رکھتی تھی۔ باہر دور سے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آواز سنائی دی۔ ڈکی نے کرنٹ لگی ہوئی بلی کی مانند تڑپ کر دکان سے باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔ جوزف نے اس کی تقلید کی۔ پولیس کی گاڑیاں ابھی تک بازار میں داخل نہیں ہونے پائی تھیں۔ اس لئے فرار ہونے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ مختلف گلیوں کے اندر سے ہوتے ہوئے میگی کے فارم ہاؤس تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ ان کی منتظر تھی۔

حالات سے آگاہی سے اور اپنی بہن جولیا کی موت کے متعلق معلوم ہوجانے کے بعد میگی نے بہن کی دردناک موت کو محسوس کرتے ہوئے زار و قطار رونا شروع کردیا۔ ڈکی اور جوزف اسے حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ دس پندرہ منٹ لگاتار روتے رہنے کے بعد میگی اچانک ہی خاموش ہوگئی۔ پھر ڈکی کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''بیچ ٹاؤن سے کافی دور اور سڑک سے ہٹ کر ایک ٹاؤن چیپ ٹاؤن واقع ہے۔ وہاں ہمارا مختصر لیکن مکمل رہائشی گھر واقع ہے۔ میرے خیال کے مطابق کچھ ہی دیر میں پولیس فارم ہاؤس تک پہنچنے والی ہے۔ اس لئے ہمیں فوراً سے پیشتر فارم ہاؤس کو چھوڑ کر چیپ ٹاؤن کی جانب روانہ ہوجانا چاہئے۔'' ڈکی نے اثبات میں سر ہلایا۔ لیکن جوزف سوالیہ لہجے میں ہمکلام ہوا۔

''بھلا پولیس یہاں تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟ ہم نے جونی کی دکان سے فرار ہوتے ہوئے پوری کوشش کی تھی کہ ہمیں فرار ہوکر فارم ہاؤس کی جانب آتے ہوئے کوئی بھی دیکھنے نہ پائے۔''

میگی بولی۔ ''بے وقوف انسان...... میری بہن جولیا کی لاش جب دکان کے اندر سے دستیاب ہوگی۔ تب وہ پوچھ گچھ کرنے کے لئے فارم ہاؤس کا رخ کریں گے۔ میری تو خیر ہے۔ لیکن تم دونوں نگاہوں میں آجاؤ گے۔ جولیا کی وفات کے بعد میرے لئے اب تنہا رہنا ممکن نہیں ہے۔ تم دونوں کا ساتھ میرے لئے اہمیت کا حامل ہے۔ اگر ساتھ نبھانے کا وعدہ کرو۔'' ڈکی نے جذباتی انداز میں آگے بڑھ کر میگی کے خوبصورت ہاتھ اپنے ہاتھوں میں

تھام لئے۔ پھر جذباتی لہجے میں بولا۔

''ڈیئر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ مرتے دم تک تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ تمہاری ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرنے کے لئے آخری دم تک کوشش کروں گا۔ تمہاری خوشی کے اوپر اپنی خوشیوں کو قربان کردوں گا۔''

میگی نے پرمسرت انداز میں سر کو اقرار میں ہلایا۔ اور دونوں ضروری سامان سمیٹنے لگے۔ دوپہر کے تین بجنے سے پہلے انہوں نے فارم ہاؤس کو چھوڑ دیا۔

مسکوگی کے پاگل خانے سے ہتھیائی ہوئی پہاڑی جیپ فارم ہاؤس سے کچھ دور موجود درختوں کے جھنڈ میں موجود تھی۔ انہوں نے فرار ہونے کے لئے اسی کا انتخاب کیا۔ آسمان کھلنے لگا تھا۔ اور بادلوں کے مختصر ٹکڑوں کے پیچھے سے سورج جھانک کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔ بیچ ٹاؤن سے باہر نکلتے ہی انہیں سڑک کے کنارے لگے ہوئے جابجا پوسٹر دکھائی دینے لگے۔ ڈکی نے ایک مختصر لوہے کے بورڈ کے سامنے گاڑی روکی اور بلند آواز میں پوسٹر کو پڑھنے لگا۔ لکھا ہوا تھا۔

''کروشی دی گریٹ کا اردگرد کے تمام ٹاؤنز کو چیلنج۔''

''دنیا کے طاقتور ترین ریسلر کو ہرانے والے انسان کو تیس ہزار ڈالر کی رقم بطور اعزاز پیش کی جائے گی۔ یاددہانی کے لئے اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ کروشی دی گریٹ کو گزشتہ دس سالوں کے دوران کوئی بھی انسان ہرا نہیں پایا۔ ہارنے کی صورت میں تیس ہزار ڈالر کی خطیر رقم کروشی کو دینا ضروری ہے۔'' نیچے فون نمبر اور ملاقات کا ایڈریس درج تھا۔ ڈکی نے ہنکارہ بھرتے ہوئے میگی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''میگی ڈیئر تمہاری ٹانگوں کے علاج کے لئے رقم کا بندوبست ہونے والا ہے۔ دس سال لگاتار جیتنے والے کروشی کے ہارنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اور جیت کی صورت میں تیس ہزار ڈالر کی رقم کے یقینی حقدار ہم ہوں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' میگی ہڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کہیں تم کروشی کے ساتھ کشتی لڑنے کی بات تو نہیں کررہے ہو۔ وہ پہاڑ نما انسان تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ ایسی حماقت کے متعلق سوچنے کی کوشش بھی نہیں کرنا۔'' ڈکی نے قہقہہ لگاتے ہوئے گاڑی کو گیئر میں ڈالا اور مکمل رفتار کے ساتھ سڑک پر بھگانا شروع کردیا۔

''مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ میں کروشی کے ساتھ لڑنے کی حماقت کروں۔ اس کی اور میری جسامت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہمارا جوزف دی گریٹ کروشی کے ساتھ لڑنے کے لئے کافی ہے۔'' پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے جوزف کے جسم میں تناؤ پیدا ہوا۔ پھر وہ احتجاجی لہجے میں بولا۔

''لیکن مجھے اس کا تجربہ نہیں ہے۔ ویٹ لفٹنگ اور ریسلنگ میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جس پہاڑ نما انسان کی تصویر پوسٹر پر چسپاں ہے۔ وہ وزن کے لحاظ سے مجھ پر سبقت رکھتا ہے۔ یقیناً مجھے اٹھا کر رنگ سے باہر پھینک دے گا۔''

ڈکی مسکراتے ہوئے بولا۔ ''ریسلنگ میں وزن کچھ خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ حقیقت داؤ پیچ کی ہوتی ہے۔ وہ میں تمہیں سکھا دوں گا۔ لیکن انکار کی صورت میں یہ یاد رکھنا کہ اگر میں نے مسکوگی کے پاگل خانے والوں کو تمہاری موجودگی کے متعلق انفارم کردیا۔ پھر تمہیں آئندہ کی تمام زندگی دوبارہ پاگل خانے میں بیتانی ہوگی۔ اور تم اس بات سے بخوبی آگاہی رکھتے ہو کہ مسکوگی پاگل خانے والے اپنے علاج کا آغاز کرنٹ لگانے کے عمل سے کرتے ہیں۔'' کرنٹ کے نام سے ہی جوزف کے جسم کو دھچکا لگا۔ اور وہ سر کو زور زور سے اثبات میں ہلاتے ہوئے بولا۔

''میں کروشی کے ساتھ کشتی لڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اسے یقیناً ہارنا ہوگا۔ اگر نہیں ہارا۔ تب میں اسے زبردستی مسکوگی کے پاگل خانے میں بھجوا کر رہوں گا۔''

ڈکی نے مسکراتے ہوئے گاڑی کو کھیتوں کے درمیان جاتی ہوئی سڑک پر موڑ دیا۔ یہ سڑک آگے جا کر

گھومتی ہوئی مختلف ٹاؤنز کے پاس سے گزر کر چیپ ٹاؤن کی جانب جاتی تھی۔ چیپ ٹاؤن باقی ٹاؤنز سے علیحدہ اور کچھ ویران تھا۔ یہاں آبادی تو موجود تھی۔ لیکن دور دور تھی۔ میگی کا گھر دو کمروں کچن اور باتھ روم پر مشتمل تھا۔ گھر کے سامنے اجڑا ہوا لان...... اور لان کے سامنے پودوں کی باڑھ موجود تھی۔ گھر میں ضروریات زندگی کا تمام سامان بمعہ راشن موجود تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ جیسے یہاں رہنے کے لئے میگی اور جولیا آتے رہتے ہوں۔ آسمان مکمل کھل گیا تھا اور چمکیلی دھوپ چمکنے لگی تھی۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ڈکی نے جوزف کو کھانا بنانے کے لئے کہا اور خود میگی کے ہمراہ جیپ میں بیٹھ کر چیپ ٹاؤن کے اکلوتے چرچ کا رخ کیا۔ وہ چیپ ٹاؤن کے موجودہ دن کو یادگار دن کی حیثیت کا اختیار دینے کے لئے آج میگی کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھنے کے لئے چرچ آیا تھا۔ ان دو ڈیڑھ دنوں کے دوران وہ میگی کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو گیا تھا۔ اور باقی زندگی اس سے جدا ہو کر نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ اس لئے جلد از جلد شادی کر کے اس کی زندگی کے حقوق اپنے نام کے ساتھ محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔

پادری نے ڈکی اور میگی کے ماں باپ کے ناموں کے متعلق دریافت کیا۔ پھر مختصر رسومات کے بعد انہیں شادی کے مقدس بندھن میں باندھ دیا۔ شادی سے فارغ ہونے کے بعد جب دونوں نے گھر کا رخ کیا۔ تب جوزف مزیدار کھانوں کے ساتھ ان کا منتظر تھا۔ گوشت کے روسٹ کئے ہوئے پارچے۔ آلو کے چپس اور سرخ شراب کے ہمراہ کینڈل ڈنر یادگار دن کے طور پر نمایاں ہوا۔ کھانے کے بعد جوزف ٹی وی اور لاؤنج میں بیٹھ کر ایکشن موری دیکھنے لگا۔ جبکہ میگی اور ڈکی لاؤنج سے متصل خواب گاہ میں چلے آئے۔ سہاگ رات میں عہد و پیمان ہوئے۔ ساتھ جینے اور مرنے کی قسمیں کھائی گئیں اس کے بعد بتی گل کر دی گئی۔

صبح ڈکی نے جوزف کو ہمراہ لیا۔ اور جیپ میں بیٹھ کر پوسٹر پر موجود اس ایڈریس کی جانب چل دیا۔ جس کے مطابق جیتنے والے کو تیس ہزار ڈالر کے انعام کا مالک قرار دیا جا سکتا تھا ایڈریس قریبی ٹاؤن کا تھا۔ اور بکنگ کلرک کمرے میں فارغ بیٹھا مکھیاں مار رہا تھا۔ سلام دعا کے بعد جب ڈکی نے آنے کا مقصد بیان کیا۔ تب کلرک اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''کروشی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے آپ کو تیس ہزار ڈالر کی رقم ایڈوانس کے طور پر جمع کروانی ہوگی۔ اگر آپ کروشی کو ہرا کر مقابلہ جیتنے میں کامیاب ہوئے۔ تب آپ کو ساٹھ ہزار روپے کی رقم اکٹھی دے دی جائے گی۔ لیکن اگر آپ کروشی سے مقابلے کے دوران ہار جاتے ہیں۔ تب آپ کی رقم کروشی کو دے دی جائے گی۔'' ڈکی کے چہرے پر سوچ کی لکیریں نمودار ہوئیں اور وہ پریشان لہجے میں بولا۔

''لیکن ہمارے پاس اتنی رقم موجود نہیں ہے۔ اور ہمیں تیس ہزار جیسی خطیر رقم کی اشد ضرورت بھی ہے۔ تم ہماری مجبوری کو محسوس کرو۔ میری بیوی کی ٹانگوں کے آپریشن کے لئے مجھے رقم درکار ہے۔ اگر رقم دستیاب نہ ہو سکی تو میگی تمام عمر اپاہج رہے گی۔'' کلرک نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''رقم کے علاوہ ایسا ناممکن ہے۔ یہ سب ڈالر کی گیم ہے۔ ڈالر نہیں تو پھر مقابلے کے متعلق سوچنے کی کوشش بھی نہیں کرنا۔''

ڈکی ساعت بھرے لہجے میں بولا۔ ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ہماری جیپ اور یہاں سے کچھ دور موجود لکڑی کا گھر رقم کے طور پر گروی رکھ لو۔'' کلرک پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

''تمہارے اندازے کے مطابق کیا جیپ اور مکان کی قیمت تیس ہزار ڈالر کے برابر بن سکتی ہے۔'' ڈکی نے بیچارگی کے عالم میں انکار میں سر ہلایا۔ کلرک غصیلے لہجے میں بولا۔

''تب بھلا یہ سودا کیونکر ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی

میرا وقت برباد کیا۔ فوراً سے پیشتر دفع ہو جاؤ۔"

ڈکی نے بیچارگی کے ساتھ اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے جوزف کی جانب دیکھا۔ جوزف نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بیوی کی معذوری کو دور کرنے کے لئے میں کروشی کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن تیس ہزار جیسی خطیر رقم کا بندوبست کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔ اس لئے معاف کرنا میرے دوست میں اس معاملے میں مجبور ہوں۔"

ڈکی لاچار قدموں کے ساتھ کرسی سے اٹھ کر کمرے کے دروازے کی جانب چل دیا۔ کلرک چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں تمہاری مجبوری کو محسوس کرسکتا ہوں۔ لیکن دور کرنے سے عاری ہوں۔ ہاں راستہ ضرور بتا سکتا ہوں۔ فورتھ ایونیو پر اسٹریٹ نمبر تین کے مکان نمبر پینتیس میں ڈیزی سے مل لو۔ وہ تمہاری مدد کرسکتی ہے۔"

دونوں نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل آئے۔ ڈیزی کا گھر مضافات میں تھا اور نہایت خوب صورت دیدہ زیب۔ صاف ستھرا تھا۔ بیل بجانے پر جس عورت نے دروازہ کھولا وہ کسی بھی اینگل سے پھول سے مشابہت رکھتی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ سیاہ فام بھدی اور کرخت چہرے والی ڈیزی کے چہرے پر خوب صورتی کا نام و نشان نہیں تھا۔ چہرہ سپاٹ اور پتھر کی مانند سخت تھا۔ اس نے سرد لہجے میں دونوں سے مخاطب ہوتے ہوئے آنے کی وجہ دریافت کی۔ تب ڈکی نے اپنا مسئلہ نہایت دلگداز اور رودینے والے لہجے میں اس کے سامنے بیان کردیا۔

ڈیزی نے اثبات میں سر ہلایا اور انہیں اپنے پیچھے مکان کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ دروازے کے ساتھ ہی سیٹنگ روم واقع تھا۔ صوفوں پر بیٹھنے کے بعد ڈیزی نے دونوں کے چہروں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اطمینان کا طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں رقم دینے کو تیار ہوں۔ ڈکی اور جوزف کے چہروں پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ انہیں جانتی نہیں تھی۔ لیکن رقم لگانے کے لئے فوراً آمادہ ہوگئی تھی۔ کچھ عجیب سی بات تھی۔ ڈیزی نے ان کے چہرے کے تاثرات بخوبی پڑھ لیے۔ اس لئے مسکراتے ہوئے بولی۔

"میرے کام کا طریقہ کار مختلف ہے۔ میں تیس ہزار ڈالر کی رقم لگانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن بدلے میں بہت کچھ مانگنے کے ایگریمنٹ پر بھی تمہیں دستخط کرنے ہوں گے۔ ایگریمنٹ کی رو سے اگر تم کروشی کو ہرانے میں کامیاب ہوجاتے ہو۔ جو کہ ناممکن بات ہے تب تیس ہزار ڈالر کی رقم میں سے پندرہ ہزار ڈالر میرے ہوں گے۔ ہارنے کی صورت میں جو کہ ایک یقینی امر ہے۔ میری ڈیمانڈ مختلف ہوگی۔" ڈکی نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"اور وہ کیا ہوگی؟" ڈیزی مسکراتے ہوئے پراسرار لہجے میں بولی۔

"ہارنے کی صورت میں میرے تیس ہزار ڈالر کا حقدار کروشی بن جائے گا۔ مجھے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس نقصان کی تلافی کرنے کے لئے تم دونوں کو اپنا ایک ایک گردہ میرے نام کرنا ہوگا۔"

وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگئی۔ ڈکی اور جوزف کے چہرے حیرت کدے کی صورت پیش کررہے تھے۔ ایسا بھیانک سودا آج سے پہلے ان دونوں کی زندگیوں میں کبھی تکمیل نہیں پایا تھا۔

ڈیزی دوبارہ بولنے لگی۔ "ایک ایک گردہ دینے کی صورت میں تم دونوں کی صحتوں پر کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن مجھے تم پر لگائی ہوئی رقم بمعہ سود واپس مل جائے گی۔ اگر گردے دینے کے لئے تیار ہو۔ تب ہاں کی صورت میں تم دونوں کو ڈاکٹر جیمز کے کلینک میں جاکر ایگریمنٹ پر دستخط کرنے ہوں گے۔ ہارنے کے فوراً بعد تم دونوں کا آپریشن کردیا جائے گا۔ اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ ایگریمنٹ پر سائن کے بعد تم دونوں کے پاس انکار کی گنجائش باقی نہیں بچے گی۔"

ڈکی نے پریشان نگاہوں کے ساتھ ڈکی کی جانب دیکھا۔ جوزف نے سر کو انکار میں ہلاتے ہوئے غیر رضامندی کا اظہار کیا۔ ڈکی جھٹکے کے ساتھ ڈیزی کی جانب مڑا اور آہستگی بلکہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"میں اور جوزف ایگریمنٹ پر سائن کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن ہار یقیناً کروشی کی ہوگی۔ اور ہماری جیت سے تمہیں اس بات کی کھلی اجازت ہے کہ ہماری جیت کے بعد تم کروشی کے دونوں گردے ڈاکٹر جیمز کے ہاتھوں فروخت کردینا۔ وہ یقیناً ناکارہ ہوچکے ہوں گے۔"

ڈیزی نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر دونوں کا ہاتھ تھامے پہلی دفعہ اسکول جانے والے بچوں کی طرح انہیں تقریباً گھسیٹتی ہوئی گھر سے باہر کی جانب چل دی۔ وہ تمام دن نہایت مصروفیت کے عالم میں گزرا۔ ایگریمنٹ پر سائن سے پہلے ڈاکٹر جیمز نے دونوں کے گردوں کا تفصیلی چیک اپ کیا۔ گردے صحت مند تھے۔ اس کے بعد ایگریمنٹ سائن کیے گئے۔ بعد ازاں مقابلے کی ایڈوانس رقم جمع کروائی گئی۔ ان مختصر کاموں کے دوران تمام دن گزر گیا۔ اور رات سر پر آگئی۔ جوزف اور کروشی کا مقابلہ ہفتے کی رات ہونا قرار پایا۔ وہ جمعرات کی رات تھی۔ اور ہفتے کی رات تک ان کے پاس دو دن باقی بچے تھے۔ جو انہوں نے گھومتے ہوئے گزار دیئے۔

سی ایم ہال رقبے کے لحاظ سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ لیکن چونکہ اوپن ہال تھا۔ اس لئے لوگوں کی زیادہ تعداد با آسانی سما سکتی تھی۔ سیچر ڈے کی رات جب مقابلے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بارش طوفانی انداز میں برس رہی تھی۔ ہال کی چھت نہیں تھی۔ اس لئے سر چھپانے کا معقول انتظام بھی نہیں تھا۔

امید تھی کہ لوگوں کی زیادہ تعداد مقابلہ دیکھنے نہیں آئے گی۔ لیکن مقابلہ شروع ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے بارش تھم گئی اور اردگرد کے ٹاؤن کے رہائشی جوق در جوق ہال کا رخ کرنے لگے۔ وہ برساتیوں میں ملبوس تھے۔ اور ہاتوں میں چھتریاں تھامے ہوئے تھے۔ مقابلے کا اہتمام ہفتے کی رات کو کیا جاتا تھا۔

دوسرے دن چھٹی کی بدولت ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہیں پائی جاتی تھی۔ مقابلہ رات دس بجے شروع ہوکر مخالف حریف کی پسپائی کے دورانیے تک طویل تر ہوسکتا تھا۔ ڈکی اور میکی ہال کی سب سے اگلی سیٹوں پر بیٹھے تھے۔ میکی وہیل چیئر پر براجمان تھی۔ جوزف سفید بنیان اور سیاہ پینٹ میں ملبوس ہال کے درمیان میں بنے رنگ کے درمیان میں کھڑا تھا۔ اس کا خوب صورت اور ورزشی جسم لباس میں سے نمایاں تھا۔ لوگ تعریفی نگاہوں سے اس کے جسم کو دیکھ رہے تھے۔ دس بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ کروشی کا نام و نشان موجود نہیں تھا۔ کمپیئر ہاتھوں میں مائیک تھامے اسٹیج پر نمودار ہوا۔ اور اس نے اعلان کرنے والے انداز میں جوزف کا ہاتھ تھاما اور مجمعے سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"ہفتے کا نیا مہمان جوزف گون آپ کے سامنے حاضر مقابلہ ہے۔ تیس ہزار ڈالر کی رقم سی ایم ہال کے اکاؤنٹ میں جوزف کی جانب سے جمع کروائی جاچکی ہے۔ ہارنے کی صورت میں جیتنے والے کھلاڑی کو نذرانے کے طور پر پیش کردی جائے گی۔ فری اسٹائل کشتی کا مقابلہ کسی بھی حریف کے بے ہوش ہوجانے یا پھر خود ہار مان لینے کے بعد ہوگا۔ ہال میں کسی بھی قسم کے ہتھیار پر مخالفت تھی۔ اس لئے مقابلہ سروع کرنے سے پہلے دونوں حریفوں کی سختی کے ساتھ تلاشی لی جائے گی۔ اب میں دس سال سے متواتر چیمپئن شپ کا اختیار رکھنے والے کروشی دی گریٹ کو ہال میں بلانے کی اجازت مانگتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ خدارا کسی بھی قسم کے غلط نعروں سے پرہیز کیجئے گا اور دوران ریسلنگ اخلاق تہذیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ مقابلہ دیکھنے کی گزشتہ روایت کا احترام کیجئے گا۔ تو دل تھام لیجیے، ہال میں گزشتہ دس سال کے ہیرو کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے یہاں آنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ کروشی دی گریٹ۔" کمپیئر اچانک خاموش

ہوگیا۔

"ہال کا ماحول تالیوں کی گونج سے جھنجھنا اٹھا۔ لوگوں کے چہرے سیڑھیوں کے درمیان بنے خارجی حصے کی جانب گھوم گئے۔ وہاں ہلچل کے اثرات نمایاں تھے۔ لوگ ایک جانب ہٹتے ہوئے راستہ بنانے کی کوشش کررہے تھے۔ پھر جیسے بل فائٹنگ کے دوران دروازہ کھلنے پر خونخوار بھینسا نتھنوں سے دھواں چھوڑتا ہوا نمودار ہوتا ہے۔ کچھ اسی طرح کروشی نمودار ہوا۔ وہ سرخ بنیان اور سیاہ نیکر میں ملبوس سیاہ فام تھا۔ بال گھنگھریالے۔ ناک بھدی جس کے سرے پر سونے کا کڑا نصب تھا۔ قد سات کے قریب اور جسم پہاڑ کی مانند ٹھوس اور ورزشی دکھائی دیتا تھا۔ منہ سے غیر انسانی آوازیں نکالتا ہوا وہ رنگ کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔

ڈکی اور میگی حیرت بھری نگاہوں سے طاقت کے اس دیو کو دیکھ رہے تھے۔ میگی خواب میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیا جوزف اس سات فٹے جن کو ہرا پائے گا۔ میرے اندازے کے مطابق اگر جوزف کی طرح کے چار اور پہلوان بھی جوزف کے ہمراہ اسٹیج پر آجائیں۔ تب بھی کروشی کو ہرا نہیں پائیں گے۔" ڈکی نے بے چین نگاہوں کے ساتھ آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"خدا کرے مقابلے کے دوران بارش شروع ہوجائے۔ ایک دفعہ جوزف کا چہرہ پانی سے بھیگ گیا۔ تب کروشی کی طرح کے چار پہلوان اور اسٹیج پر چڑھ آئے۔ تب بھی جوزف کو ہرا نہیں پائیں گے۔"

میگی نے حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ ڈکی کی جانب دیکھا۔ لیکن کچھ کہنے سے پہلے ہی کمپیئر نے کروشی کا نام لے کر تعارف کروانا شروع کردیا۔ کروشی رنگ کے درمیان میں اپنے پنجوں کے بل اچھل رہا تھا۔ اس کے اچھلنے سے رنگ میں زلزلے کی کیفیت نمایاں ہورہی تھی۔ ہال میں موجود تمام لوگ کروشی کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ جوزف کے چہرے پر پریشانی کے علاوہ خوف کے تاثرات دکھائی دینے لگے تھے۔ وہ کروشی کے پہاڑ نما جسم کے آگے بونے کی مانند دکھائی دیتا تھا۔ ریفری نے دونوں پہلوانوں کی جامہ تلاشی تفصیل کے ساتھ لی۔ پھر وسل بجا کر رنگ سے باہر نکل گیا۔ کروشی نے استہزائیہ نگاہوں سے جوزف کی جانب دیکھا۔ لیکن آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جوزف کو پہلے وار کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ جوزف نے سر کو جھٹک کر خوف کی چادر کو اپنے جسم کے اوپر سے کپڑے جھٹکتے ہوئے پنجوں کے بل اچھلنا شروع کردیا۔ کروشی کے بھدے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ جیسے وہ جوزف کے ہر عمل کے متعلق بخوبی آگاہی رکھتا ہو۔

جوزف نے اچانک ہی چھلانگ لگائی اور بھرپور طاقت کے ساتھ فلائنگ کک کروشی کے سینے پر دے ماری۔ اس کے دونوں پاؤں مکمل طاقت کے ساتھ کروشی کے سینے کے ساتھ ٹکرائے۔ جوزف کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے اس کے پاؤں گوشت پوست کے بجائے پتھر کی سخت چٹان کے ساتھ جا ٹکرائے ہوں۔ اسے اپنے جسم میں جھنجھناہٹ اٹھتی محسوس ہوئی اور وہ چاروں شانے چت زمین پر جا گرا۔ کروشی اپنی جگہ پر جم کر کھڑا تھا۔ اس کا جسم اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پایا تھا۔ تمام ہال تالیوں کی گونج سے تھرا اٹھا۔ ٹاؤ کے تمام لوگ کروشی کے طرف دار دکھائی دیتے تھے۔ جوزف کی جانب ڈکی اور میگی کے علاوہ شاید اور کوئی بھی نہیں تھا۔

ویزی بھی ہال کے ایک کونے میں بیٹھی کروشی کے جیتنے کی دعا مانگ رہی تھی۔ زمین پر گرتے ہی جوزف نے اسپرنگ لگے کھلونے کی مانند اچھل کر دوبارہ کھڑا ہوگیا۔ کروشی رنگ کے درمیان میں کھڑا ٹکٹکی باندھے جوزف کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی کا تاثر تھا۔ شاید وہ جوزف سے زیادہ پھرتی اور طاقت کی توقع باندھے ہوئے تھا۔ لیکن جوزف اس کے معیار پر پورا نہیں اتر پایا تھا۔ جوزف نے دوبارہ حرکت کی۔ اور اب کی دفعہ کروشی کی داہنی ٹانگ کے جوڑ

پر ضرب لگائی۔ وار کارگر ثابت ہوا اور کروشی کا جسم ایک جانب جھکتا چلا گیا۔ جوزف نے پھرتی کے ساتھ گھومتے ہوئے اس کی بائیں ٹانگ کے جوڑ پر ضرب لگائی اور وہ اکڑوں پاؤں کے بل بیٹھ گیا۔

ہال میں موجود تماشائیوں کو سانپ سونگھ گیا۔ جوزف کی ہمت بڑھانے کے لئے ڈکی اور میگی نے اس کے حق میں نعرے لگانے شروع کردیئے۔ لیکن پھر جیسے سمندری طوفان اچانک ہی بپھرے ہوئے انداز میں نمودار ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح کروشی بپھرے ہوئے انداز میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ اس نے جوزف کو گردن کے پاس سے تھاما اور ہوا میں اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ دھماکے کی آواز سے ماحول گونج اٹھا۔ زمین پر گرتے ہی جوزف نے اٹھنے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن کروشی غصے میں بپھرے ہوئے انداز میں آگے بڑھا۔ اور اس نے ماہر فٹبالر کی طرح تمام جسم کی طاقت کو مجتمع کرتے ہوئے بھرپور ٹھوکر جوزف کے چہرے پر رسید کردی۔ ڈکی اور میگی نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں۔

ہال میں موجود تماشائیوں نے گلا پھاڑ کر کروشی کے حق میں کوئی بے سرا گانا گانا شروع کردیا۔ ڈکی نے جھٹکے کے ساتھ آنکھیں کھولیں۔ جوزف رنگ کے درمیان میں چاروں شانے چت زمین پر گرا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ بہتے ہوئے خون کی بدولت سرخ ہوتا چلا جارہا تھا۔

ریفری گنتی گننے میں مصروف تھا۔ لیکن جوزف کے جسم میں حرکت کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ڈکی نے زور وشور سے بارش ہونے کی دعا مانگنی شروع کردی۔ جوزف کے جسم پر ٹھنڈے پانی کے منفی اثرات کے کرشمے ڈکی پہلے دیکھ چکا تھا۔ لیکن بارش ہونا تو دور کی بات تھی۔ آسمان پر موجود بادل بھی تیزی کے ساتھ چھٹنے لگے تھے۔ ریفری چھ تک گنتی گن چکا تھا۔ جوزف کے جسم میں حرکت کے آثار نمودار ہوئے۔ اور اس نے جھٹکے کے ساتھ بند آنکھیں کھول دیں۔ پھر خون بہہ جانے سے پیدا ہونے والی نقاہت کے باوجود قدموں پر کھڑے ہونے کی کوششیں شروع کی۔ ریفری نو تک گنتی گن پایا تھا۔

جب جوزف لڑکھڑاتے قدموں پر کھڑے ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن ابھی وہ سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ کروشی نے آگے بڑھ کر اسے اپنے کاندھے پر اٹھالیا۔ پھر گھما کر دو تین چکر دینے کے بعد اسے رنگ سے باہر تماشائیوں کے قدموں میں پھینک دیا۔

یہ ڈکی کے مخالف مقام تھا۔ ڈکی اسی انتظار میں تھا۔ اس نے میگی کے پاس رکھی ہوئی پانی کی بوتل اٹھائی۔ اور دوسری جانب زمین پر گرے ہوئے جوزف کے پاس بھاگتا چلا آیا۔ ریفری دوبارہ گنتی گننے لگا تھا۔ ڈکی نے آگے بڑھ کر پانی سے بھرپور بوتل تمام کی تمام جوزف کے چہرے پر انڈیل دی۔ جوزف کے بے حس وحرکت پڑے ہوئے جسم میں ارتعاش کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس نے جھٹکے کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔ خون میں بھیگتے ہوئے چہرے پر پانی کی بوچھاڑ کی بدولت جو نقش ونگار نمودار ہوئے۔ ان کی بدولت جوزف کا چہرہ نہایت بھیانک دکھائی دینے لگا تھا۔

پاؤں پر کھڑے ہوتے ہی جوزف نے شیر کی مانند دھاڑتے ہوئے اپنی سفید بنیان کو پھاڑ کر ایک جانب پھینک دیا۔ پھر چیختے چلاتے ہوئے رنگ کے اندر کی جانب لپکا۔

کروشی رنگ کے درمیان میں کسی دیو کی مانند کھڑا تھا۔ جوزف نے آگے بڑھ کر اسے کلائی کے پاس سے تھاما۔ اور دھاڑ مارتے ہوئے اس کے بازو کو مخالف جانب موڑنے لگا۔ پہلی دفعہ کروشی کے چہرے پر تکلیف کے تاثرات نمایاں ہوئے۔ پھر وہ نہایت دردناک انداز میں چیختے چلاتے ہوئے اپنے بازو کو جوزف کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوششیں کرنے لگا۔ لیکن جوزف کی گرفت وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہونے لگی۔ وہ نہایت بے دردی کے ساتھ بازو کو مخالف جانب مروڑ رہا تھا۔

یکلخت ہال کے سکوت بھرے ماحول میں کڑک

کی آواز گونجی۔ اس کے ساتھ ہی کروشی کے چیخنے چلانے کی۔ اس کا سیدھا ہاتھ کہنی کے پاس سے ٹوٹ کر نیچے لٹک گیا اور وہ زمین پر اکڑوں بیٹھ کر آہ وزاری کرنے لگا۔ جوزف نے ہاتھ کو پنجے کی صورت میں بند کیا اور پوری طاقت کے ساتھ اس نے مکا کروشی کے چہرے پر رسید کیا۔ مکا اس کی کنپٹی پر لگا۔ کروشی کٹے ہوئے شہتیر کی مانند رنگ کے درمیان ڈھیر ہوگیا۔ ہال پر گہرا سکوت طاری ہوتا چلا گیا۔

ریفری نے گنتی شروع کی۔ دس تک گنتی مکمل ہوئی۔ لیکن کروشی کے جسم میں حرکت کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ گنتی مکمل کرنے کے بعد ریفری نے جوزف کے ہاتھ کو اوپر اٹھاتے ہوئے اس کی جیت کا اعلان کردیا۔

ڈکی اور میگی نے فاتحانہ انداز میں نعرے بازی کی۔ لیکن ہال پر سکوت طاری رہا۔ دس سال کی مدت میں ایسا پہلی بار ہورہا تھا کہ کوئی حریف کروشی جیسے پہاڑ کو گرا پایا ہو۔ وہ آج بے سدھ پڑا تھا۔ جبکہ جوزف غصے کی آخری حدوں کو پار کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ ریفری کے ہاتھ کو جھٹکنے کے بعد اس نے رنگ کے چاروں ستونوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ تختے اکھاڑ دیئے۔

ہال انتظامیہ کے پانچ کے قریب موٹے اور مسٹنڈے پہلوانوں نے آگے بڑھ کر اسے گھیرنے کی کوشش کی۔ تب جوزف نے انہیں کاغذ کے مجسموں کی مانند دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر رنگ سے باہر پھینک دیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس کا غصہ کم ہوتا چلا گیا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ خاموش ہوکر معصوم نگاہوں کے ساتھ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی جانب دیکھنے لگا۔ ڈکی نے آگے بڑھ کر اسے ہاتھوں سے تھامتے ہوئے رنگ سے باہر کھینچ لیا۔

ہال میں دو ڈاکٹر نمودار ہوئے۔ اور اسٹیج پر چڑھ کر بے ہوش پڑے کروشی کے جسم کا معائنہ کرنے لگے۔ یکدم ان کے چہرے پر حیرت کے شدید تاثرات نمودار ہوئے۔ اور انہوں نے چلاتے ہوئے اعلان کیا۔ ”کروشی دماغ کی رگ پھٹنے کی بدولت مرچکا ہے۔ جوزف کو گرفتار کرلیا جائے۔“

ہال میں موجود سیکورٹی کی وردی میں ملبوس افراد نے فوراً سے پیشتر جوزف کو گرفتار کرنے کے بعد اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ پچویشن ایک دفعہ پھر ڈکی کو ہاتھوں سے باہر نکلتی دکھائی دی۔ سیکورٹی کے ارکان جوزف کے ہمراہ اب اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ڈکی نے میگی کے ہاتھوں سے دوسری منرل واٹر کی بوتل چھینی اور اسے دوبارہ جوزف کے چہرے پر انڈیل دیا۔ آگ دوبارہ بھڑک اٹھی۔

جوزف نے چیختے ہوئے سیکورٹی کے ارکان کو ہوا میں اچھال دیا۔ اس کے بعد کرسیوں کو توڑنے پھوڑنے لگا۔ ہال میں ہلچل مچ گئی۔ ڈکی نے میگی کی وہیل چیئر کو تھاما۔ اور گھسیٹتا ہوا ہال سے باہر کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ لوگ افراتفری کے عالم میں ہال سے باہر نکلنے کی کوشش کررہے تھے۔ یکلخت بجلی کی چمک سے ماحول روشن ہوا۔ اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔

ڈکی نے سوچا۔ ٹھنڈے پانی کی بدولت جوزف مزید آپے سے باہر ہونے لگا ہوگا۔ موسلا دھار بارش کی بدولت اس کے بھڑکتے ہوئے جذبات کو واپس سرد ہونے میں بارش رکنے تک کا انتظار تو کرنا ہی ہوگا۔ لوگوں کی دھکم پیل کی بدولت میگی اور ڈکی کو اسٹیڈیم سے باہر نکلنے میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن وہ کسی نہ کسی طرح باہر نکلنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

جیپ میں بیٹھنے کے بعد ڈکی نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا پورا دباؤ ڈال دیا۔ جیپ طوفانی رفتار کے ساتھ چیپ ٹاؤن کی جانب بھاگنے لگی۔ مکان میں داخل ہونے کے بعد میگی پریشان لہجے میں بولی۔

”وہ جنگلی سانڈ جلد ہی گرفتار کرلیا جائے گا اور جب اس کی طبیعت اعتدال پر واپس آئے گی۔ تب وہ بھیگے ہوئے چوہے کی طرح تمہارے متعلق سب کچھ صاف صاف پولیس والوں کو بتادے گا۔ پولیس فوراً یہاں کا رخ کرے گی اور انہیں گرفتار کرکے لے جائے گی۔ کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ جگہ تمہارے لئے مناسب نہیں رہی۔ اس لئے ہمیں جلد از جلد یہاں سے فرار ہوجانا چاہئے۔“

ڈکی نے کند ذہن بچے کی مانند اثبات میں سر ہلایا اور پھر افراتفری کے عالم میں میگی کی ہدایات کے مطابق ڈکی نے سامان سمیٹنا شروع کردیا۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ دونوں جیپ میں بیٹھ کر شہر کی جانب روانہ تھے۔ روانگی سے پہلے میگی نے تمام جمع پونجی اپنے ہینڈ بیگ میں منتقل کرلی تھی۔ پانچ گھنٹوں کے طویل سفر کے بعد وہ دونوں تھکے ہارے فلوریڈا پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ سن لائٹ ہوٹل میں میگی پہلے تین چار دفعہ قیام کرچکی تھی۔ یہ معذوری سے پہلے کا زمانہ تھا۔ جب وہ اپنے ماں باپ کے ہمراہ گھومنے پھرنے کے لئے فلوریڈا آتی جاتی رہتی تھی۔ سن لائٹ درمیانے درجے کا ہوٹل تھا۔ لیکن معیار کے لحاظ سے فائیو اسٹار ہوٹل سے کم نہیں تھا۔ کمرہ حاصل کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ سامان کمرے میں منتقل کرنے کے بعد اور غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد میگی سفر کی تھکاوٹ کی بدولت گہری نیند سوگئی۔

لیکن ڈکی ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر بار دھاڑ سے بھرپور فلم دیکھنے لگا۔ فلم نہایت دلچسپ اور پرتجسس تھی۔ اسٹوری بھی جاندار تھی۔ دو دوست مسافر بردار طیارے کو اغوا کرنے کی پلاننگ کرتے ہیں۔ طیارہ اغوا ہوتا ہے۔ بعد میں وہ حکومت وقت سے اپنے مطالبات منوانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ لیکن ناکام ہونے کے بعد آخرکار دونوں مارے جاتے ہیں۔ فلم ختم ہوجاتی ہے۔

لیکن ڈکی کو بہت کچھ سمجھانے کے بعد...... میگی کی ٹانگوں کا علاج ضروری تھا۔ اور علاج کے لئے رقم ان کے پاس نہیں تھی۔ رقم کے حصول کے لئے کوئی بھی ذریعہ ان کے اردگرد موجود نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ غیرقانونی سرگرمیوں کا سہارا لیا جائے۔ جہاز کو اغوا کرنا کچھ آسان بات نہیں تھی۔ لیکن وہ میگی کے لئے آسمان سے تارے بھی توڑ کر لانے کے لئے آمادہ ہوسکتا تھا۔

ڈکی نے آئیڈیے پر سوچ بچار شروع کردی۔ جہاز کو اغواء کرنے کے لئے ہتھیار کا ہونا ضروری تھا۔ ہتھیار ان کے پاس نہیں تھے۔ اگر ہوتے بھی تو نہایت سخت چیکنگ کے درمیان انہیں جہاز کے اندر لے جانا ممکن نہیں تھا۔ جہاز کو اغوا کرنے کے لئے انہیں جہاز کے اندر موجود کچھ ایسا سامان درکار تھا۔ جسے ہتھیار کی صورت دی جاسکے۔ اور ایسے سامان کی دستیابی عقل کے ذریعے ممکن بنائی جاسکتی تھی۔ شام کو ڈکی نے اس موضوع پر میگی کے ساتھ بات چیت کی۔ میگی نے منصوبے کو پسند کرکے اس پر عمل درآمد کی مہر ثبت کردی۔

پھر جہاز کے انتخاب کا مرحلہ سامنے آیا۔ ایسے جہاز کا انتخاب کرنا ضروری تھا۔ جس میں مسافروں اور عملے کی تعداد کم ہو۔ قرعہ فال سی کے 950 کے نام نکلا۔ یہ پرانا اور مرمت شدہ طیارہ تھا۔ جس میں سفر کرنا مسافر ہتک آمیز خیال کرتے تھے۔ جینسن اینڈ برادر نے یہ سستا اور کم افراد کے سفر کے قابل طیارہ خرید کر مرمت کرنے کے بعد فلوریڈا کے اردگرد مختصر شہروں تک چلانے کا کام شروع کیا تھا۔ کام کچھ خاص ثابت نہیں ہوسکا اور منصوبہ ڈانوا ڈول ہوتا رہا۔ لیکن جینسن اینڈ برادر کام کو کسی نہ کسی طرح کھینچے چلے جارہے تھے۔

ڈکی نے سی کے 950 فلائٹ کا تفصیلی جائزہ لیا۔ مسافروں کی تعداد دس سے پندرہ کے درمیان رہتی تھی۔ فلائٹ کا شیڈول بھی ہفتے میں صرف چار دنوں پر منحصر تھا۔ مختصر تحقیق کے بعد ڈکی نے اگلے دن ہفتے کے دن کی فلائٹ میں اپنی اور میگی کی سیٹیں ریزرو کروالیں۔ اور فلائٹ کو اغوا کرنے کی مختصر تیاریوں میں مشغول ہوگیا۔

پھر ہفتے کی صبح مختصر تیاریوں کے بعد ڈکی اور میگی نے سفر کا آغاز کیا۔ فلائٹ میں ان کے نام بمعہ مختصر کاغذات کے درج تھے۔ دونوں کے پاس غیرقانونی اشیا نہیں تھیں۔ اس لئے چیکنگ کے مختصر مرحلے سے گزرنے کے بعد انہیں بوئنگ سی کے 950

میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ منصوبے کے مطابق ڈکی اور میگی کی سیٹیں جدا تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ میگی اور ڈکی میں کوئی بھی بات مشترکہ نہیں تھی۔ انہوں نے علیحدہ شخصیتوں کے حساب سے سیٹیں بک کروائی تھیں۔

منصوبے کے مطابق میگی نے ریموٹ کنٹرول سے مزین وہیل چیئر بھی خریدی۔ اس تمام اخراجات کے پیش نظر محدود تیاریوں کے دوران ان دونوں کا بجٹ بے حد متاثر ہوا۔ اب ان دونوں کے پاس رقم نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ لیکن منصوبہ قابل تعریف تھا۔ اور ان دونوں کو پکا یقین تھا کہ وہ جلد ہی حکومت وقت سے خاطر خواہ رقم علاج کی نیت کے علاوہ پرسکون زندگی کی گزربسر کے لئے حاصل کرلیں گے۔

جہاز کے مختصر عملے نے میگی کو وہیل چیئر کے ہمراہ خوش آمدید کہا۔ اور جہاز میں اکیلے سفر کرنے کی وجہ دریافت کی۔ تب میگی نے نہایت معصومیت کے ساتھ جواب دیا کہ منزل مقصود پر اس کی بہن اپنے شوہر کے ہمراہ اس کی منتظر ہے۔ اس کے علاوہ فلائٹ کا سفر بھی تنہا نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے مسافروں کے ساتھ نہایت دلکش اور اطمینان بخش ثابت ہوگا۔ ایئر ہوسٹس نے مسکراتے ہوئے اسے ویلکم کہا اور سب سے اگلی نشست پر خصوصی افراد کی نشست کے ساتھ بیٹھا دیا۔

ڈکی کی سیٹ پچھلے حصے میں تھی۔ اس کے ہمراہ مختصر سفری بیگ کے علاوہ اور کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ جہاز میں داخل ہوتے ہی ڈکی کی مڈبھیڑ ایک ایسے خبطی بوڑھے کے ساتھ ہوئی۔ جو چیپ ٹاؤن میں اسے جوزف کے ہمراہ ہی ایم ہال میں دیکھ چکا تھا۔ بوڑھے کی یادداشت قابل ستائش تھی۔ اس نے جہاز کے نامناسب ماحول کے درمیان بھی ڈکی کو فوراً پہچان لیا۔ اور زبردستی مصافحہ کرنے کے بعد جوزف کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ ڈکی نے بوڑھے کو پہچاننے سے صاف انکار کردیا۔ اور اسے غلط فہمی سے تشبیہ دیتے ہوئے اپنی سیٹ پر آبیٹھا لیکن بوڑھا مطمئن نہیں ہوا۔ جہاز کے پرواز کرنے کے بعد وہ ٹوائلٹ جانے کے بہانے اٹھ کر ڈکی کی جانب چلا آیا۔ اور جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مجھے اس بات پر مکمل یقین ہے کہ تم جوزف کے ساتھی ہو۔ لیکن نہ جانے تم کیوں اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو۔ جو بھی ہے اور جیسا بھی ہے۔ لیکن میں تمہارے منہ سے اقرار کروا کر رہوں گا کہ تم اس کے ساتھی ہو۔''

ڈکی زہرخند لہجے میں بولا۔ ''بڑے میاں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نا تو کسی جوزف کو جانتا ہوں اور نہ ہی چیپ ٹاؤن میں موجود کروشی سے واقف ہوں۔ اگر میں کچھ جانتا ہوں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ تمہارا دماغ عنقریب خراب ہونے والا ہے۔ اور اگر خراب نہیں ہوا تب میں سامنے پڑی ہوئی ٹرے کو تمہارے سر پر مار کر خراب کردوں گا۔'' بوڑھا قہقہہ لگاتے ہوئے اعلان کرنے والے انداز میں بولا۔

''ناظرین وحضرات آپ کے سامنے اس وقت چیپ ٹاؤن کے موجودہ ریسلروں میں چیمپئن شپ کا اعزاز رکھنے والے ڈکی ڈونلڈ کھڑے ہیں۔ جن کے گرگرے نے گزشتہ دس سال سے مسلسل چیمپئن شپ کا اعزاز رکھنے والے کروشی دی گریٹ کو نا صرف ناک آؤٹ کرکے رکھ دیا۔ بلکہ آپ یقین نہیں کریں گے کہ اس طاقت کے دیوتا کو موت کی گہری وادیوں میں دھکیل دیا۔ پولیس ڈکی اور اس کے ساتھی جوزف کی تلاش میں نہایت تندہی کے ساتھ سرگرداں ہے۔ اگر جہاز کے عملے تک میری آواز پہنچ رہی ہے۔ تو مہربانی کرکے اسے فوراً سے بیشتر گرفتار کرلیا جائے۔''

جہاز کے پرسکون ماحول میں کھلبلی مچتی چلی گئی۔ اس اثناء میں جہاز کے دروازے بند کئے جاچکے تھے۔ اور اڑنے کے لئے رن وے کے مخصوص حصے کی جانب رواں دواں تھا۔ مسافر اپنی سیٹوں پر براجمان تھا۔ ان کے چہرے بوڑھے اور ڈکی کی سیٹوں کی جانب تھے۔ اور وہ نہایت دلچسپی اور انہماک کے ساتھ بوڑھے کی گفتگو سننے میں مصروف تھے۔ جہاز میں سیکورٹی کا انتظام نہایت ناقص اور تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔

ڈکی نے اچانک ہی اپنی سیٹ سے کھڑے ہوتے ہوئے بوڑھے شخص کو گردن کے پاس سے تھاما۔ پھر دھکیلتے ہوئے سامنے موجود جہاز کے کاک پٹ کی جانب چل دیا۔ چند منچلے نوجوانوں نے اپنی سیٹوں سے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن ڈکی نے غراتے ہوئے انہیں خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر گھمبیر اور سرد لہجے میں بولا۔

''بوڑھے کی ناتواں گردن میرے ہاتھوں میں ہے۔ اگر کسی نے بھی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی۔ تب حالات کا ذمہ دار وہی ہوگا۔'' تمام مسافر جھاگ کی مانند واپس بیٹھتے چلے گئے۔

ڈکی بوڑھے کو گردن کے پاس سے تھامے گھسیٹتا ہوا کاک پٹ کی جانب چلنے لگا۔ ابھی وہ کاک پٹ سے کچھ دور تھا کہ کاک پٹ کا دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھلا اور سیکورٹی اہلکار کی صورت نمودار ہوئی۔ ڈکی کو سامنے کھڑے دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات نمودار ہوئے۔ پھر اس نے بولنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ ڈکی نے اس کے چہرے پر مکمل طاقت کے ساتھ مکا رسید کردیا۔ سیکورٹی اہلکار غوں کی آواز نکالتا ہوا مخالف جانب گرتا چلا گیا۔

ڈکی نے بوڑھے شخص کو سیٹوں کے درمیان دھکیلا اور آگے بڑھ کر نیچے سے اٹھتے ہوئے سیکورٹی اہلکار کے دائیں جانب لٹکتے ہوئے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔ چشم زدن میں ریوالور اس کے ہاتھوں میں موجود تھا۔ پھر اس نے اہلکار کے سنبھلنے سے پہلے ہی جھٹکے کے ساتھ کاک پٹ کا دروازہ کھولا۔ اور اندر گھستا چلا گیا۔ وہاں پائلٹ کے علاوہ کو پائلٹ سیٹوں پر براجمان تھا۔ ڈکی نے اندر داخل ہونے کے فوراً بعد دروازے کو جھٹکے کے ساتھ بند کرنے کے فوراً بعد لاک کو مخالف جانب گھما کر دروازہ مقفل کردیا۔ پھر پائلٹ کی جانب ریوالور کا رخ کرتے ہوئے نہایت سرد لہجے میں بولا۔

''طیارہ اغوا ہوچکا ہے۔ جہاز کے مسافروں کے درمیان میرے آدمی اسلحے سے لیس موجود ہیں۔ چوں وچرا کرنے کی صورت میں خون خرابے کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوپائے گا۔ اس لئے جیسا میں کہتا ہوں۔ خاموشی کے ساتھ ویسا ہی کرتے چلے جاؤ۔''

کو پائلٹ نے اپنی سیٹ سے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ ڈکی نے ریوالور کا دستہ اس کے چہرے پر دے مارا۔ وہ چیختا ہوا سیٹ پر گر گیا۔ پائلٹ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ڈکی کی جانب دیکھتے ہوئے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟ جیسا کہو گے۔ میں ویسا ہی کروں گا۔'' ڈکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''فوراً سے پیشتر جہاز کو دوبارہ ایئرپورٹ کی عمارت کی جانب لے چلو۔ نیچے اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عمارت کے اردگرد اڑاتے رہنا۔'' پائلٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور جہاز کو موڑنے لگا۔ وائرلیس سیٹ پر کال کی بیل بجنے لگی۔ ٹرمینل میں موجود عملہ جہاز کی غیر متوقع واپسی کی جانکاری کے لئے اصل معاملہ جاننا چاہتا تھا۔ پائلٹ نے تفہیمی نگاہوں کے ساتھ ڈکی کی جانب دیکھا۔ ڈکی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''وائرلیس ریسیو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد میں خود ٹرمینل والوں سے رابطہ کرنے کے بعد بات کا آغاز کروں گا۔ تب تک خاموشی کے ساتھ جہاز کو شہر سے باہر کی جانب اڑائے لے چلو۔'' پائلٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ کو پائلٹ اپنے چہرے کو سہلاتے ہوئے فرنٹ شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا۔

دوسری جانب ڈکی کے کاک پٹ میں گھسنے کے بعد نیچے پر گرے ہوئے سیکورٹی اہلکار نے جیب میں ہاتھ ڈال کر متبادل ریوالور کو باہر نکالا۔ پھر کاک پٹ کے دروازے کو دھڑدھڑانے لگا۔ دروازے کے دوسری جانب خاموشی طاری رہی۔ سیٹوں کے درمیان گرا ہوا بوڑھا شخص بھی اپنے جسم کو سہلاتے ہوئے اٹھنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ جہاز کے مسافر خوفزدہ نگاہوں کے ساتھ دونوں کی جانب دیکھ رہے تھے۔

سیکورٹی اہلکار جس کا نام کرسٹی تھا۔ اس نے پیچھے مڑتے ہوئے بوڑھے شخص سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

''آپ خیریت سے تو ہیں ناں...... زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔'' بوڑھا کہنی کو سہلاتے ہوئے بولا۔

''کچھ خاص نہیں......لیکن میں اسے اچھی طرح جان گیا ہوں۔ سی ایم ہال سے فرار ہونے والا ڈکی وہی ہے، پولیس اس کی تلاش میں سرگرداں ہے۔''

کرسٹی نے چونک کر بوڑھے کی جانب دیکھا۔ پھر پر تجسس لہجے میں پوچھا۔

''یعنی وہ مفرور مجرم ہے۔ اور جہاز کو اغوا کرکے ملک سے فرار ہوجانا چاہتا ہے۔'' بوڑھے نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے مزید بتایا۔

''صرف مجرم ہی نہیں بلکہ بے رحم اور سفاک قاتل کا ساتھی بھی ہے۔ حیرانگی کی بات ہے۔ تمہارا تعلق پولیس سے ہے۔ اور تم معاملے سے لاتعلق ہو۔ اس کے ساتھ ہی چیپ ٹاؤ کے سی ایم ہال میں دس سال سے چیمپئن شپ کا اعزاز رکھنے والے کروشی کو صرف پندرہ منٹ کے قلیل عرصے کے دوران موت کی نیند سلادیا۔ بعد ازاں اس نے ہال میں مچ جانے والی بھگدڑ کے دوران تین مزید انسانوں کی جان لی۔ یہ دونوں ہال سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پولیس کے محکمے نے ان دونوں کی گرفتاری پر ناصرف دس ہزار ڈالر کا انعام مقرر کردیا۔ بلکہ انہیں دیکھتے ہی گولیوں سے شوٹ کردینے کا حکم بھی جاری کردیا ہے۔''

کرسٹی کو پولیس کی جانب سے جاری کردہ احکامات یاد آنے لگے۔ جن کے مطابق ڈکی کو دیکھتے ہی گولی ماردینے کا حکم صادر کیا گیا تھا۔ لیکن تصویروں کی عدم موجودگی کی بدولت صرف مختصر حلیے سے آگاہ کرنے کے علاوہ یہ بتایا گیا تھا کہ وہ پاگل خانے سے فرار ہونے والا پاگل ہے۔ جبکہ گرفتاری کے وارنٹ کچھ دن پہلے سب شہروں میں بھجوائے جاچکے تھے۔ معاملے کی سنگینی کا تعلق اس قتل کے بعد نمایاں ہوا۔ جس میں سابقہ پولیس انسپکٹر جون کی سترہ سالہ لڑکی جنیفر سی ایم ہال میں مچ جانے والی بھگدڑ کے دوران جوزف کے ہاتھوں ہلاک ہوگئی۔ پولیس ڈپارٹمنٹ موجودہ حادثے کے بعد نہایت تندہی کے ساتھ ڈکی اور جوزف کو تلاش کرنے میں مصروف تھی۔

درپردہ ان کی تلاش کا مقصد ڈکی کو گرفتار کرنا نہیں تھا۔ بلکہ اسے دیکھتے ہی گولی مار کر ہلاک کردینا تھا۔ یہ وہ مختصر حالات تھے جو تمام پولیس ڈپارٹمنٹ میں موجود ارکان کے لبوں پر گردش کررہے تھے۔ کرسٹی ان واقعات سے باخبر تھا۔ اور واقعات کا پیدا کردہ مجرم اس وقت کاک پٹ میں موجود تھا۔ صرف دروازے کو توڑنے کے بعد اسے گرفتار کرلینا باقی تھا۔ اس کے بعد کرسٹی ناصرف دس ہزار ڈالر کی رقم کا حقدار گردانا جاتا۔ بلکہ ترقی کے بعد اچھی پوسٹ کے لئے بھی منتخب کیا جاسکتا تھا۔ اسے اپنے جسم میں موجود خون میں پارے کی گردش کی کیفیت کا احساس ہونے لگا۔ اور عضلات شدت جذبات سے پھڑکنے لگے۔ ریوالور کو ہاتھوں میں تھامے ہوئے اس نے بوڑھے کو سامنے موجود کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر مسافروں پر تنقیدی نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''اس کے ساتھ اور کون کون موجود تھا۔ وہ اکیلا جہاز کو ہائی جیک کرنے کی کوشش نہیں کرسکتا۔ یقیناً اس کے ساتھی مسافروں کے درمیان موجود ہوں گے۔'' بوڑھے نے چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد جواب دیا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ ڈکی کے ہمراہ جوزف کے علاوہ ایک لڑکی بھی مختصر وقت کے لئے دکھائی دی تھی۔ اور میرے اندازے کے مطابق لڑکی اپاہج تھی۔ اسے وہیل چیئر پر بیٹھا کر ہال میں لایا گیا تھا۔'' کرسٹی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سامنے بیٹھے ہوئے مسافروں کے چہروں پر نگاہ دوڑائی۔ بہت سے مسافروں کے درمیان اسے میگی کی وہیل چیئر ڈھونڈنے میں وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کرسٹی نے بوڑھے کو ہاتھ کے پاس سے تھاما۔ اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے میگی کی سیٹ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ پھر سرد لہجے

میں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ڈکی کی ساتھی لڑکی یہی ہے۔'' بوڑھے نے چند لمحے میگی کے سراپا کا جائزہ لینے کے فوراً بعد پرجوش لہجے میں سر اثبات میں ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''یقیناً وہ یہی تھی۔ اسے گرفتار کرلو۔'' ابھی بوڑھے کی بات پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ میگی نے جھپٹ کر کرسٹی کے ہاتھوں میں موجود ریوالور پر حملہ کردیا۔ کرسٹی کو اس بات کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے گھبرا کر پیچھے ہٹ جانے کے علاوہ مزید کچھ نہیں کرپایا۔ ریوالور کو تھامتے ہی میگی نے اس کی نال کا رخ کرسٹی کی جانب کرتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''منہ کھڑکیوں کی جانب کرکے خاموشی کے ساتھ سامنے موجود خالی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ ورنہ میں بے دریغ گولی چلادوں گی۔'' کرسٹی نے منہ کھڑکیوں کی جانب کرتے ہوئے دو قدم آگے بڑھائے۔ پھر الٹی قلابازی ہوا میں کھاتا ہوا میگی کی وہیل چیئر کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اسے اس بات کی تربیت دی گئی تھی اور وہ محدود جگہ میں بھی الٹی قلابازی کھانے کا ماہر تھا۔ میگی کو چند لمحے حالات کو جانچنے میں دشواری پیش آئی۔ اور جب اسے سمجھ آئی۔ تب اس نے سوچے سمجھے بغیر بے دریغ فائرنگ شروع کردی۔ وہیل چیئر کے سامنے کھڑا ہوا بوڑھا شخص بارش کی مانند برستی ہوئی گولیوں کا ہدف بنا۔ اس کے جسم کو دھچکا لگا۔ اور وہ اچھل کر سامنے موجود سیٹوں کے اوپر جاگرا۔ وہیل چیئر کے پیچھے قدموں کو ایڈجسٹ کرنے کے فوراً بعد کرسٹی نے ہاتھ آگے بڑھا کر میگی کے ہاتھوں سے ریوالور چھین لیا۔ تب تک کافی دیر ہوچکی تھی۔ ریوالور ہاتھ میں آتے ہی کرسٹی نے نفرت بھری نگاہوں سے میگی کی جانب دیکھتے ہوئے نال کا رخ میگی کے جسم کی جانب کرتے ہوئے فائر داغ دیا۔

ڈکی صورت حال سے لاپرواہ کاک پٹ میں موجود ٹرمینل میں بیٹھی جہاز کی انتظامیہ سے بات چیت کرنے میں مصروف تھا۔ وہ باہر کے حالات سے قطعی طور پر لاعلم تھا۔ جہاز کے مخصوص بلندی پر پہنچنے کے بعد جب ڈکی کی ہدایات کے مطابق پائلٹ نے ٹرمینل سے رابطہ قائم کیا۔ تب سرکردہ افراد کے پینل جن میں پولیس کے ارکان بھی شامل فہرست تھے۔ ڈکی نے بات چیت کا آغاز یوں کیا۔

''میں مسکوگی کے پاگل خانے سے فرار ہونے والا پاگل ڈکی آپ سب سے مخاطب ہوں۔ معاف کیجئے گا۔ حالات کی ستم ظریفی نے میرے وجود کو آپ سب کے لئے دردسری کا باعث بنادیا ہے۔ لیکن میرے عزائم خطرناک نہیں ہیں۔ جہاز کو اغوا کرنے کا مقصد اس کے علاوہ مزید اور کچھ نہیں ہے کہ میں اپنی اپاہج بیوی کی محتاجی کو ختم کردینا چاہتا ہوں۔ میرے پاس وسائل نہیں ہیں۔ کہ میں اس کا علاج کرپاؤں۔ پاگل خانے سے فرار ہوئے قیدی سے آپ کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ میں مجبور و لاچار ہوں۔ اپنی بیوی کو بغیر کسی سہارے کے پاؤں پر کھڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔''

باتوں کے دوران اس کی آنکھوں میں آنسو نمودار ہوئے۔ اور وہ رونے لگا۔ ٹرمینل میں موجود افراد اس کی مجبور و لاچار آواز سننے کے علاوہ تصویر دیکھنے سے قطعی قاصر تھے۔ ورنہ وہ اپنے دلوں میں اس کے خلاف نرم گوشہ ضرور محسوس کرتے۔ لیکن آواز کی لاچاری اور مجبوری کو نامحسوس کرتے ہوئے اس وقت ان سے مخاطب شخص صرف ایک ہائی جیکر کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ جس نے جہاز میں موجود بیس افراد کی زندگیوں کو داؤ پر لگادیا تھا۔ ڈکی بولے چلا جارہا تھا۔

''خدا کے واسطے میری مدد کریں۔ مجھے اپنی بیوی کے علاج کے علاوہ مزید اور کچھ نہیں چاہئے۔ بعد از علاج میں جہاز کے تمام مسافروں سے اپنے اس فعل کی بدولت ہونے والی تکلیف دہی کی معافی مانگ لوں گا۔ اور بقایا زندگی ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق پاگل خانے میں علاج کروانے کی بھی حامی بھرتا ہوں۔ لیکن صرف اس وقت جب آپ میرے مطالبے پر نظرثانی کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔

بصورت دیگر میں جہاز میں موجود کسی بھی جیتے جاگتے شخص کی زندگی کی ضمانت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ فولاد کی مانند سخت ہونے لگا۔" میں سب کچھ تہس نہس کردوں گا۔ میرے ہاتھوں میں موجود ریوالور صرف میری انگلی کی جنبش کا منتظر ہے۔" اس کی بات درمیان میں رہ گئی۔

باہر گولی چلنے کی آواز سے ماحول گونج اٹھا۔ پھر چند لمحے بعد میگی کی درد بھری چیخیں سنائی دیں۔ ڈکی نے ہڑبڑا کر کاٹ پٹ کا دروازہ کھولا۔ اور میگی پر بے دریغ فائرنگ کرتے ہوئے کرسٹی پر فائرنگ شروع کردی۔ کرسٹی کے جسم پر لاتعداد گولیوں نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کی مانند سوراخ کردیئے۔ ہر سوراخ سے خون بہہ کر اس کے کپڑوں کو رنگین کرنے لگا۔

میگی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ ڈکی نے ہاتھوں میں موجود ریوالور کو ایک جانب پھینکا۔ اور آگے بڑھ کر میگی کے ایک جانب ڈھلکتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ پھر اکڑوں بیٹھتے ہوئے سر کو اپنی گود میں رکھ لیا۔ میگی ڈوبتی ہوئی نگاہوں کے ساتھ ڈکی کی جانب دیکھتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

جہاز کے ماحول میں گھمبیر خاموشی طاری ہوتی چلی گئی۔ اس کے بعد ڈکی کے دھاڑیں مار کر رونے کی آواز سے ماحول گونج اٹھا۔ وہ ہچکیاں لے کر رو رہا تھا۔ جہاز کے مسافر تاسف بھری نگاہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے سر جھکا لئے۔ کچھ ہی دیر میں جہاز کو ایئرپورٹ پر واپس اتار لیا گیا۔ پولیس کے اہلکاروں نے جہاز میں داخل ہوتے ہی دھاڑیں مار کر روتے ہوئے ڈکی کے جسم پر گولیاں برسانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ پھر ایئرپورٹ کے باہر کھڑی پاگل خانے کی وین میں بیٹھانے کے بعد مسکوگی کے پاگل خانے بھجوادیا گیا۔ جہاں اس کا علاج نئے سرے سے کروانے کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔

"کہانی ختم ہوگئی۔" وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر کرب کے تاثرات تھے۔ وہ میری جانب دیکھنے سے گریز کررہا تھا۔ میز کی چمکدار سطح کو گھورتا چلا جارہا تھا۔ اب کی دفعہ جب وہ بولا۔ تب اس کی آواز کی کپکپاہٹ اس کے جذبات کی عکاسی کررہی تھی۔

"وہ مرگئی۔ مجھے کرنٹ کے جھٹکے دیئے گئے۔ میں سب کچھ بھولنے لگا۔ لیکن پھر بھی اسے نہیں بھلا پایا۔ وہ مجھے آج بھی یاد ہے۔ اور ہمیشہ یاد رہے گی۔ کل میرا پاگل خانے سے رہائی کا دن ہے۔ میں رہا نہیں ہونا چاہتا۔ باہر میرے لئے تنہائی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور پاگل خانے میں بلا جواز رہنا ممکن نہیں ہے۔ جواز پیدا کرنا میرے لئے مشکل نہیں ہے۔ لیکن پاگل خانے سے باہر جانا ناممکن ہے۔"

آخری الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ہی اس نے میز کی سائیڈ پر پڑے ہوئے شیشے کے جگ کو دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ اور میرے کچھ سمجھنے سے پہلے جگ کو میرے سر پر دے مارا۔ میں نے بچنے کی لاکھ کوشش کی۔ لیکن وار اتنا پھرتی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ بچ نہیں پایا۔ میرا تمام چہرہ کانچ کی کرچیوں کی بدولت خون سے بھیگنے لگا۔ وہ کہتا جارہا تھا۔

"میرے محسن مجھے معاف کرنا۔ لیکن میں تمہاری دنیا میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ اب میرے پاس جواز موجود ہے کہ میں صحت مند نہیں ہوں۔ اور مزید علاج کی ضرورت ابھی باقی ہے۔ تمہارے سر کے زخم جلد بھر جائیں گے اور شاید یہ زخم تحریر کے دوران تمہیں میری یاد دلاتا رہے گا۔ میں ایسا ہی چاہتا ہوں کہ تم اور تمہارے قارئین مجھے ہمیشہ یاد رکھیں۔ خدا حافظ۔" بات ختم کرنے سے پہلے ہی وہ کرسی کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور میں بے ہوشی کے عالم میں کرسی سے نیچے ڈھے گیا۔

غیبی طاقت

رفعت محمود۔ پنڈ ملہورا راولپنڈی

ایک دوشیزہ کی ناقابل یقین، ناقابل فراموش اور دل و دماغ کو مبھوت کرتی خوف کے لبادے میں لپٹی ہوئی خوفناک دہشت ناک حیرت ناک رونگٹے کھڑے کرتی لرزیدہ روداد۔

دل ودماغ کو حیرت اور اچنبھے میں ڈالتی ایک عجیب وغریب دلگداز اچھوتی کہانی

میری پیدائش آج سے تیس برس پہلے راولپنڈی کے گاؤں بگراں سیدہ میں ہوئی۔ میرے ابو اسلام آباد کے ایک ویران سے اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے ان کو رہنے کے لئے جو مکان ملا تھا، اس کے صحن میں کچی قبریں اور پرانے درخت تھے۔ قبروں کو ہموار کرکے درختوں کو ادھر ہی رہنے دیا گیا تھا۔ میری پیدائش کی وقت سے میری امی کے ساتھ میری خالہ رہتی تھیں۔ اور بڑے بھائی بھی ہمارے ساتھ ہی تھے، وہ مکان آسیب زدہ مشہور تھا۔ کسی نے بھی سرکاری ملازم کو یہ بتا کر ہمدردی جتانے کی کوشش نہ کی۔

ایک روز امی سبزی پکا رہی تھی۔ امی نے خالہ سے کہا۔ "آج شہر سے مچھلی آجائے تو کتنا مزہ آجائے۔"

امی نے یہ الفاظ ابھی ادا ہی کئے تھے کہ اچانک

اوپر سے ایک تازہ مچھلی جس کا وزن کوئی چار کلو ہوگا قریب ہی آن گری۔ سب حیران پریشان ہوگئے، باہر نکل کر دیکھا۔ چھت پر چڑھ کر ہر طرف دیکھا۔ مگر کوئی سراغ نہ مل سکا۔

پھر اکثر امی کو صبح کے وقت جھاڑو دینے کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں اور محسوس ہوتا تھا جیسے گھر میں کوئی چل پھر رہا ہے۔ اس کا ذکر امی نے کئی بار دوسروں سے کیا مگر سب نے اسے وہم قرار دیا۔ ایک روز تو گھڑے اور بالٹیاں سب خالی تھیں۔ کوئی تازہ تازہ نہا کر نکل چکا تھا۔ مگر وہ کون تھا ہمارے گھر کا تو کوئی فرد نہ تھا۔

میری پیدائش کے وقت امی بیس روز تک کمرے کے اندر ہی رہیں۔ اکیس دن کے بعد مجھے اور امی کو کمرے سے باہر نکالا گیا۔ تو میں ایک دم چلائی اور نیلی پڑگئی۔ اور میرا رنگ بھی سیاہ پڑگیا۔ میں چار پانچ منٹ تک بے ہوش رہی تھی۔ سب نے سمجھا کہ مجھے ہوا لگ گئی ہے مگر بے ہوشی کے یہ دورے مسلسل جاری رہے اور میں ہفتے میں کئی بار بے ہوش ہوجاتی۔

میرا خالہ زاد عاصم جو دس برس کا تھا اور لاہور میں تھا ہم دونوں ایک ہی دن ساتھ ساتھ بے ہوش ہوجاتے۔ میری عمر پانچ سال کی ہوگئی اور عاصم بھی دس سال کا ہوگیا تھا۔ امی ابو نے ہر قسم کے علاج کرائے مگر ڈاکٹروں کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ بیماری کیا ہے۔ اکثر ہم دونوں ایک ہی وقت بے ہوش ہوجاتے پھر مجھے بگراں سیدہ کے ایک اچھے اسکول میں داخل کروادیا گیا۔ خدا کے فضل سے میں بہت ذہین تھی۔ میرے پاس اول آنے کے تمام ہی سرٹیفکیٹ موجود ہیں۔ اس وقت کے وزیر تعلیم سے میں نے دوڑ میں اول انعام حاصل کیا تھا۔ میں واحد لڑکی تھی جو دوڑ میں ہمیشہ سب سے آگے ہوتی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ میں بڑی ہوتی گئی۔ عجیب عجیب واقعات گھر میں ہونے لگے تھے، جس سے گھر والوں کو بھی شک ہونے لگا تھا کہ میرے اندر کوئی اور ہی طاقت کام کررہی ہے، اس وقت تک میرے ابو ایک اور اسکول میں آگئے تھے اور راولپنڈی سے پچاس میل دور نور پور کے اسکول میں تھے۔ وہاں اس وقت نہ کوئی پکی سڑک تھی نہ گاڑی کے لئے کوئی اور راستہ تھا۔ راستے میں بری امام کا جنگل پڑتا تھا۔ جس میں پگڈنڈی کے راستے لوگ آتے جاتے تھے۔ ہم لوگ سید ہونے کی وجہ سے سخت پردہ کرتے تھے۔

ایک دوپہر جب سب لوگ سو رہے تھے میں پچاس میل دور ابو کے پاس نور پور پہنچ گئی۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو حیرت سے رہ گئے۔ "رابعہ۔" وہ حیرانی سے بولے۔ "بیٹی تم کدھر سے آئی ہو، اور یہاں کیسے پہنچی ہو۔"

"ابو میں ایک بارات کے ساتھ آئی ہوں۔"

"بارات کہاں ہے؟" ابو نے پوچھا۔ "کس کی شادی ہے؟"

"میری سہیلی فرحت کی بہن کی۔ اسی کے ساتھ آئی ہوں، وہ لوگ اس طرف پیچھے رہتے ہیں۔" میں نے درختوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس قدر گرمی اور حبس کے باوجود مجھ میں تھکن کے آثار بالکل نہ تھے، میں نے بالکل نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے جیسے ابھی ابھی کسی نے نہلا کر پہنائے ہوں۔

"ابو نے دور دور تک دیکھا۔ کوئی آدم زاد نہ تھا۔ میری پریشانی کی انتہا نہ تھی وہ میرے ساتھ درختوں تک آئے۔

"آپ یہ اسم تین بار پڑھیں۔" میں نے درختوں کی نیچے والی زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی زمین میں سیڑھیاں کھل جائیں گی۔ اس کے نیچے سارے لوگ اور بارات بھی ہے۔"

"تم کس گاڑی پر آئی ہو۔ تمہاری گاڑی کہاں ہے۔" ابو خوفزدہ ہوکر بولے۔

"میں گاڑی پر نہیں۔ ہوا میں اڑ کر آئی ہوں۔ میں کھڑے کھڑے ہوا میں بلند ہوسکتی ہوں۔" میں اوپر اچھلتے ہوئے بولی۔

صبح جب ابو مجھے گھر لے کر آئے تو سب حیران رہ گئے کہ اسے تو ہم نے اندر سلایا تھا یہ وہاں کیسے پہنچ گئی۔ اس بات پر دادا جان بہت پریشان ہوئے تھے۔ میرے دادا جان نے بہت سے فلیٹ بنا رکھے تھے جن میں کئی کرایہ داروں کے علاوہ دوسرے شہروں کے لوگ بھی رہائش کے لئے آتے رہتے تھے جو مری جاتے ہوئے قیام کرتے تھے۔ اور اچھا خاصا کرایہ مل جاتا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ رینگتا رہا۔ میں گھر کا سارا کام جلدی جلدی ختم کردیتی تھی۔ "رابعہ" میری امی اکثر مجھے کہا کرتیں۔ "باورچی خانہ صاف کرو۔ برتن دھودو۔ جتنے برتن الماریوں میں ہیں، انہیں دھو کر صاف کرکے رکھو۔ فرش پر صاف کپڑا لگاؤ۔"

یہ سب کہہ کر امی پڑوس میں زینب کے گھر چلی جاتیں اور ایک گھنٹے بعد جب وہ واپس آتیں تو سارا کام ختم ہوچکا ہوتا۔ کپڑے استری کرکے میں ٹانگ دیتی تھی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر گھر والے پریشان تھے ان کا کہنا تھا اس کے اندر کوئی جناتی طاقت کام کررہی۔

پھر ایک روز مجھے ماہر جنات کو دکھایا گیا۔ اس نے مجھے وہ اذیتیں دیں کہ گھر والے میری موت کی دعائیں مانگنے لگے۔ جب انہیں کئی میل سے گھر بلایا جاتا تو میں ہوش میں آجاتی۔ میری عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔ چھ سال کا بچہ اتنا ہوشیار اور چالاک کیسے ہوسکتا ہے، میرے خاندان والے سب حیران تھے ایک روز میری امی کی سونے کی بالیاں جو دادی جان نے انہیں بنوا کردی تھیں گم ہوگئیں، میں نے ذہن میں محسوس کرلیا تھا کہ بالیاں میری ایک قریبی رشتہ دار کے صندوق میں موجود ہیں میرے کہنے پر میری امی ان کے گھر گئیں اور صندوق سے بالیاں نکال لائیں۔

ایک شام میں اسکول کی لڑکیوں کے ساتھ چھتر پارک پکنک منانے کے لئے گئی۔ وہاں ایک نہر میں گر پڑی اور ڈوب گئی، لڑکیوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کردیا، ہر طرف شور اٹھا اور مجھے چند آدمیوں نے باہر نکالا اور بولے۔ "لڑکی مرگئی ہے۔"

میرے گھر والوں نے سنا تو دھاڑیں مار مار کر سب رونے لگے۔ ماموں اور دادا خاموش بیٹھے آنے جانے والوں کے ساتھ دعا کررہے تھے۔ جس وقت میں نہر میں ڈوبی تھی اس کے دس منٹ بعد میں اپنے ماموں کے گھر ایبٹ آباد میں جا پہنچی تھی۔ وہ سب حیران تھے کہ میں ہزاروں میل کا سفر کرکے یہاں کیسے پہنچ گئی ہوں۔ ریل گاڑی کا اسٹیشن وہاں سے کافی دور تھا۔ اگر میں صبح کے وقت گھر سے چلتی تو بھی چار پانچ گھنٹے کا سفر تھا۔ میرے ماموں کا کہنا تھا کہ میں چھت کے راستے سیڑھیاں اتر کر صحن میں آئی تھی۔

"تمہارے ساتھ کون آیا ہے۔ ابو کہاں ہیں۔ بھائی کدھر ہے؟" انہوں نے سوالوں کی بوچھاڑ کردی تھی۔

چند منٹ تو سب ہی یہی سمجھے کہ وہ لوگ باہر ہوں گے اور مجھے اندر بھیج کر مذاق کررہے ہیں۔

"ابو اور بھائی تو لاہور گئے ہوئے ہیں۔" میں نے ان سے کہا۔ "آپ کا پڑوسی ریاض ملا تھا اس کے حوالے مجھے کرگئے ہیں وہ مجھے یہاں لے آیا ہے۔"

دوسرے دن جب ریاض کی ماں سے پوچھا گیا تو وہ بولی کہ "میرا بیٹا تو تین دن سے آزاد کشمیر گیا ہوا ہے کل آئے گا۔"

دوسرے روز جب ریاض گھر آیا تو اس سے پوچھا گیا تو اس نے صاف انکار کردیا کہ میں تو اسے لے کر نہیں آیا۔"

اس دن کے بعد میری بے ہوشی کے دورے بڑھتے گئے۔ اب مجھے گھر میں اکیلا نہ چھوڑا جاتا۔ کئی عاملوں نے مجھ پر بڑی سختیاں کیں۔ سخت سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی کے گھڑے میرے اوپر ڈالے جاتے۔ سخت قسم کی ڈھونیاں دی جاتیں۔ میری ناک اور آنکھیں سوجھ جاتیں۔ میرے گرد چاقو سے حصار بنائے جاتے۔ میرا گھرانہ پڑھا لکھا ہونے کے باوجود ہر وہ کام کرنے لگ گیا جس سے میں صحت یاب ہوجاؤں۔ مگر بیماری عاملوں کے ٹوٹکوں سے

زیادہ بڑھ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے مجھ پر اثر انداز نادیدہ ہستی چڑھ گئی ہو۔

وہ جمعرات کا دن تھا۔ فیصل آباد سے ایک عامل صاحب آئے ان کا دور دور تک بہت چرچا تھا ابو نے سب حالات انہیں بتائے۔

''نثار صاحب۔'' وہ ابو سے بولے تھے۔ ''کل اپنی بچی کو لائیے گا۔ اگر اس پر کسی چیز کا سایہ ہے تو وہ میرے کمرے میں داخل نہیں ہوگی۔ بھاگنے کی کوشش کرے گی۔ میرے ساتھ آنکھ ملا کر بات نہیں کرے گی۔ میں جو تعویذ دوں گا وہ نہیں پئے گی۔ اور جو جلانے کے تعویذ ہوں گے۔ انہیں سنبھال کر رکھئے گا۔ ورنہ جلانے سے پہلے ہی غائب ہوجائیں گے۔''

ابو دوسرے روز جب مجھے کئی بہانوں سے وہاں لے گئے تو میں اندر نہیں جاتی تھی۔ وہ باریش بزرگ مجھے بڑے پیار سے اندر بلاتے مگر میں نہ جاتی تھی۔ آخر کئی لوگ مجھے پکڑ کر ان کے کمرے میں لے گئے۔ جب میں وہاں گئی، تو میں نے ان سے بات نہ کی، اور نہ ہی ان کی طرف دیکھا، پینے کے تعویذوں سے بھی میں نے انکار کیا، ان کی باتیں جن کا ذکر انہوں نے کیا تھا سب ٹھیک نکلیں۔

مجھے وہاں یہ کہہ کر لے جایا گیا کہ تمہاری پھوپھی کی لڑکی رانی کی منگنی ہے اگر وہ یہ نہ کہتے تو میں ہرگز وہاں نہ جاتی اس باریش بزرگ سے مایوس ہوکر ابو نے ڈاکٹروں کو دکھانا شروع کردیا۔ پابندی سے اچھی خوراک دی جاتی گھمایا جاتا اور رشتہ داروں کے گھر لے جایا جاتا کہ شاید میں ٹھیک ہوجاؤں۔

آخر گجرات کے رہنے والے ایک شاہ صاحب کو بلوایا گیا۔ انہوں نے ایک پیالے کے اندر کچھ لکھ کر دیا جس میں مجھے پانی ڈال کر پلایا جاتا تھا کچھ تعویذ دیئے جو اسی شام میری بے ہوشی کے وقت جلائے گئے۔ شاہ صاحب نے اپنے گرد حصار قائم کر رکھا تھا اور تعویذ پکڑ کر جلا رہے تھے کہ میں نے ایک دم بے ہوشی کی حالت میں چلانا شروع کردیا۔

سب گھر والے کہتے ہیں کہ میری آنکھیں ابل رہی تھیں، چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا، میں نے وہ شور شرابہ کیا کہ سب حیران رہ گئے۔

''مجھے مت مارو۔ میں لنگڑا ہوگیا ہوں۔ میں نے تم لوگوں کو کیا دکھ دیا ہے۔'' میں چیختے ہوئے بولی۔

شاہ صاحب نے سوال پوچھا۔ مگر میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر میرے گھر والوں کو کہا گیا کہ قرآنی آیات نہ پڑھیں۔ پانی مانگوں تو شراب پلائی جائے، کھانے کو مانگوں تو ثابت پیاز لوہے کا چاقو اور سوکھی روٹی دی جائے۔ رات کو گرم لوہا سرہانے رکھا جائے۔

یہ علاج سب سے کامیاب رہا۔ ادھر منہ میں شراب گئی، ادھر مجھے ہوش آگیا۔ ادھر پیاز منہ میں ڈالا تو آنکھیں کھول دیں۔ آخر کب تک یہ علاج رہتا میری صحت بری طرح گر گئی۔ کئی مہینے بیت گئے شاہ صاحب گجرات چلے گئے تھے، ایک دوپہر جب میں بے ہوش تھی میں نے امی کو دیکھ کر آنکھیں کھولیں۔

''امی کھانے کو کچھ ہے مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

امی پیاز لینے گئیں اور پیاز لاکر میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں نے غصے سے پیاز زمین پر دے مارے۔

''رابعہ۔'' امی غصے سے بولیں۔ ''کیوں تم نے مجھے تنگ کر رکھا ہے۔ کیا چاہتی ہو تم۔''

''میرا نام عبداللہ ہے۔'' میں ایک دم بولی تھی۔ ''اور میں بگراں سیدہ کا رہنے والا ہوں۔ اس کی خالہ نے بچے کو نماز کے وقت ایک درخت کے پاس پیشاب کروایا ہے۔ اس کا اپنا ایک لڑکا بھی ہماری گرفت میں ہے صرف آپ لوگوں کی ہمدردی اور اچھے سلوک کی وجہ سے متاثر ہوکر اسے مارا نہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے مار سکتے ہیں۔''

''ہماری بچی کا کیا قصور ہے۔'' امی نے آہستہ سے کہا۔ ''ہم نے کیا کیا ہے۔''

آپ نے کیا کرنا تھا۔ آپ سب اچھے ہیں۔''

وہ بولا۔

''تم کریم کو جانتے ہو؟'' ابو نے اس سے پوچھا تھا۔

''ہاں۔ جس نے حاضری کے رجسٹر میں گڑبڑ کی تھی اور چوکیدار کو بھی مارا تھا۔''

یہ ایسی باتیں تھیں جو ابو کے ساتھ ہوئی تھیں یہ سن کر ابو حیران رہ گئے۔

دوسرے دن شاہ صاحب بھی آگئے۔ انہوں نے آتے ہی میرے گرد حصار قائم کرکے پڑھنا شروع کردیا میں چیختی چلاتی رہی مگر وہ پڑھتے رہے۔ ''تم اس کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔'' شاہ صاحب جلال میں آکر بولے۔ ''ورنہ بھسم کردوں گا۔ تم مجھے جانتے نہیں ہو کہ میں کیا ہوں۔''

''میں جانتا ہوں۔ ہم اسے چھوڑ کر جارہے ہیں۔''

''نہیں۔'' شاہ صاحب غصے سے بولے۔ ''پہلے تم حضرت سلیمان بن داؤد کی قسم کھاؤ۔''

''میں نہیں کھاتا حضرت سلیمان کی قسم۔''

''تو تیار ہوجاؤ مرنے کے لئے۔'' شاہ صاحب بولے۔

''اچھا...... اچھا میں کھاتا ہوں قسم۔ میں اسے چھوڑ دیتا ہوں ہاں۔ جاتے ہوئے کوئی نشانی بھی دیتے جانا سمجھے ہو تم۔'' شاہ صاحب تیز تیز بولے۔ ''وہ گلدان پڑا ہے اسے گراتے جانا۔''

''ویسے تو میں لنگڑا ہوچکا ہوں۔'' وہ کہنے لگا۔ ''اگر میں اس کے ساتھ رہتا تو ساری عمر اس کو فائدہ پہنچاتا۔''

''جتنا فائدہ تم نے دینا تھا دے چکے ہو۔ اب اس کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔'' امی نہ چاہتے ہوئے بھی بول پڑی تھیں۔

''گلدان تو ہوا سے بھی گر سکتا ہے۔'' ابو بولے۔ ''بچوں کے اسکول کے باہر جو پیپل کا درخت ہے وہ گراؤ تو ہم سمجھیں کہ واقعی تم چلے گئے ہو۔''

ابھی اتنی بات ہوئی ہی تھی کہ گلدان زور سے گرا اور میں نے بھی رونا شروع کردیا تھا، بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے تھے جب رات کو مجھے ہوش آیا تو بہت سے لوگ میرے گرد جمع تھے میرے محلے کے لڑکے بھاگے بھاگے آئے اور بتایا کہ اسکول کے باہر جو پیپل کا درخت ہے وہ درخت گر گیا ہے۔

وقت کا پہیہ چلتا رہا۔ میں اب اس گھر میں بالکل اجنبی تھی۔ امی کے سوا کسی کو نہ پہچانتی تھی۔ دادا اور تمام گھر والوں سے پردہ کرتی تھی۔ سیڑھیاں چڑھنا مجھے بالکل نہ آتا تھا میں کھڑی ہوکر زور لگاتی کہ اوپر اٹھ جاؤں، مگر نہ اٹھ سکی تھی۔ اسکول کی تمام لڑکیاں میرے لئے اجنبی تھیں اور میں کئی کئی گھنٹے بات نہ کرتی۔ ''رابعہ۔'' ابو اکثر پوچھتے۔ ''عبداللہ کہاں ہے وہ کدھر گیا ہے۔''

''وہ...... وہ۔'' میں جواب دیتی۔ ''آسمانی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس کہیں کھو گیا ہے۔ آپ اسے ڈھونڈ لائیے تا میں اس کے ساتھ اوپر اڑ کر تمام مکانوں کے اوپر گھوم آؤں گی۔''

میرے ایک خالو جان ان دنوں گوجرانوالہ میں تھے وہ ہمارے گھر آئے۔ خالو جان نے مجھے بہت پیار سے سمجھایا اور مجھے اپنے ساتھ گوجرانوالہ چلنے کے لئے کہا۔ پہلے تو میں راضی نہ ہوئی مگر امی کے کہنے پر گوجرانوالہ آگئی، راولپنڈی سے گوجرانوالہ آئی تو خالو بولے۔ ''تم خالہ جان کو پہچانتی ہو۔''

''نہیں تو۔'' میں دھیرے سے بولی۔ ''میں نے انہیں آج سے پہلے کبھی دیکھا تک نہیں۔''

''چلو اب دیکھ لو! تمہیں دیکھ کر خالہ بہت خوش ہوں گی۔ تمہاری خالہ ہی نے مجھے تمہیں لینے کے لئے بھیجا تھا۔''

تو میرا ذہن اس قدر کمزور ہوچکا تھا کہ کچھ سمجھ نہ آرہا تھا میں نے خالہ کو سلام کیا تو وہ مسکرانے لگیں۔ اور میں خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ پھر وہاں میری

صحت دن بدن اچھی ہونے لگی۔ مجھ میں پہلی سی وہ تمام باتیں ختم ہوچکی تھیں۔

☆......☆......☆

راولپنڈی اوجڑی کیمپ میں جب بارود کے دھماکے ہوئے تھے۔ بارود کا اسٹور پھٹا تھا تو ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ سب لوگ بھاگنے میں لگے ہوئے تھے، میرے ابو اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ دادا جان دھماکوں کی آواز سن کر بے ہوش ہوگئے تھے۔ تمام عمارتیں خالی ہوگئیں۔ دادا جان کو ایک شخص نے آکر امی کے ساتھ ہی اٹھایا اور اپنے پیچھے پیچھے چلنے کو کہا۔

”بہن۔“ وہ شخص بولا۔ ”یہ وقت رونے دھونے کا نہیں ہے۔ مکان کو چھوڑ دیں اور اپنی جان بچائیں۔

ہم راتوں رات مکان کے اندر سے نکل کر دوسرے شہر پہنچ گئے تھے۔ میں پہچانتی تھی کہ وہ شخص عبداللہ تھا۔ جب ہم دوبارہ اپنے مکان میں آئے تو حیران رہ گئے تھے ہمارا مکان معجزے کے طور پر بچ گیا تھا، جب کہ آس پاس کے سارے مکان گرے پڑے تھے۔ ہماری ہر چیز سلامت تھی۔

اس حادثے میں میرے کئی رشتہ دار اسکول سے واپس ہی نہ آئے تھے۔ میرا چھوٹا بھائی بھی اسکول گیا تھا۔ وہ زندہ سلامت گھر پہنچ گیا تھا۔ امی نے اس سے پوچھا تو وہ بولا کہ نیلی ٹوپی والا ایک شخص اسے اسکول سے نکال کر گھر چھوڑ گیا تھا۔

اس روز لاہور سے میری خالہ، نانی، خالہ کی لڑکیاں اور ماموں آئے ہوئے تھے، ہر قسم کے کھانے پکائے گئے تھے۔ کھانا پکا کر فریج میں رکھ کر تالا لگا دیا گیا تھا۔ ہم سب سیر کے لئے شکر پڑیاں جا رہے تھے۔

”رابعہ کو مت لے جایئے گا۔ سیر کے لئے۔ یہ بے ہوش ہوجاتی ہے۔“ میری خالہ بولیں۔ مگر پھر بھی میں سب کے ساتھ گئی۔ رات کو جب ہم سیر سے واپس آئے اور فریج کھولا تو سارے کھانے غائب تھے، برتن کچن میں صاف پڑے تھے امی یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

☆......☆......☆

وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ اب میں نے بی اے کرلیا تھا اور ایک سرکاری اسکول میں ملازمت کر رہی تھی۔ اس روز میرے تایا زاد لاہور سے آئے ہوئے تھے۔ سخت سردیوں کے دن تھے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میں کھولنے گئی لیکن باہر کوئی بھی نہ تھا۔ واپسی پر چھت سے گیلے کپڑے اتار کر واپس آئی تو سب لوگ حیران تھے ان کے کانوں میں عجیب عجیب آوازیں آرہی تھیں لیکن مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

”تمہیں آوازیں نہیں آرہی ہیں؟“

”بالکل بھی نہیں۔“ میرا اتنا کہنا تھا کہ میں بے ہوش ہوکر گر پڑی۔

سب گھر والے میرے گرد جمع ہوگئے جب مجھے ہوش آیا تو سب کہنے لگے۔ ”کیا ہوا تھا؟“

”پتا نہیں۔ کسی نے زور سے مجھے تھپڑ مارا تھا۔“ میں نے پریشانی سے جواب دیا۔

اس کے بعد میں کئی بار بے ہوش ہوئی۔ ایک بار امی نے عبداللہ سے پوچھا تھا کہ ”تم نے تو قسم کھائی تھی کہ تم دوبارہ نہیں آؤ گے۔“

”ہاں میں نے قسم کھائی تھی۔ مگر اب تو شاہ صاحب فوت ہوگئے ہیں۔ اس لئے میری قسم ختم ہوگئی ہے۔ اب میں شاہ صاحب کی قسم سے آزاد ہوگیا ہوں۔“

اب ان واقعات کو کئی سال گزر چکے ہیں۔ میں کسی جن بھوت کا نام سن کر ہی ڈر جاتی ہوں۔ میری زندگی میں کوئی رونق نہیں رہی ہے۔ ہر رونق بے رونق ہوگئی ہے۔ مجھے اب بھی ایسا لگتا ہے کہ کوئی غیبی طاقت میری مدد کرتی ہے۔ میرا نکاح ارسلان سے ہوچکا تھا اور جلد ہی رخصتی بھی سادہ طریقے سے ہوگئی ہے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا ہے، اب عبداللہ ہماری نجی زندگی میں کوئی مداخلت نہیں کرتا، مگر غیبی طاقت اکثر میری مدد کرتی رہتی ہے۔

جن کی دوستی

ساجدہ راجا۔ ہنڈواں سرگودھا

رات کا سناٹا، قبرستان کا پرہول ماحول اور پھر قبرستان کے برابر میں موجود ایک کمرے میں اچانک کثیف دھواں اٹھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھواں ایک جن کی شکل اختیار کرگیا پھر اچانک......

خوف وہراس کے افق پر جھلمل کرتی ایک بہت ہی خوفناک اور دل گرفتہ کہانی

اپنے بارے میں آپ کو کیا بتاؤں؟ کچھ تعریف کے قابل تو ہے نہیں چلو جو بھی ہے اب آپ سے کیا پردہ......؟ نام میرا جلال الدین ہے مغل بادشاہ جلال الدین اکبر ہرگز نہیں آگے پیچھے کوئی ہے نہیں اور مستقل روزگار کا ذریعہ بھی کوئی نہیں تھا لیکن اب ماشاء اللہ برسرروزگار ہوں اپنا کھاتا کماتا ہوں اور دور دور تک مفلسی کے کوئی آثار نہیں۔ آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں اپنی آمدن کا ذریعہ کیوں نہیں بتا رہا۔

تو جناب سنیے۔ ملک میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اندھا دھند کسی عقید پر قائم ہوتے ہیں، خاص کر پیری مریدی کے سلسلے میں۔ اب میں یہ تو نہیں کہتا کہ حقیقتاً پیری مریدی کوئی چکر ہے۔ نعوذباللہ...... دنیا میں اولیاء اللہ موجود ہیں اور ان کی مریدی دنیا آخرت سنوار دیتی ہے، لیکن میں اپنے بارے میں صرف اتنا کہوں گا کہ میں

ایک ڈبہ پیر ہوں اپنے بارے میں مجھے حقیقت بتانا مشکل ضرور ہوتا ہے لیکن اب آپ تو سب کچھ جانتے ہیں تو آپ سے کچھ چھپانا فضول ہے ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں درحقیقت ایک عام سا انسان ہوں جو نماز روزے کی پابندی تو کرتا ہے لیکن پیری والی کوئی بات مجھ میں موجود نہیں۔

جب میرے پاس کمانے کا کوئی موقع نہیں رہا تو میں نے ایک کمرے کا آستانہ کھول لیا۔ برائے نام آستانہ اور اس پر ایک بورڈ لگا دیا۔

آستانہ مرشد محترم جلال الدین سائیں شاہ۔

ذات کا تو میں ترکھان ہوں لیکن لوگوں پر رعب بھی تو جمانا ہے جو شاہ کے لقب کے بغیر ممکن نہیں اس لئے اپنے نام گرامی کے ساتھ شاہ کا صیغہ لگا لیا۔ اب آپ سمجھ دار لوگ ہیں عقل و ہوش رکھتے ہیں کم از کم میرے مریدوں کی طرح تو نہیں جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایویں مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اب آپ ہی بتائیں اگر میں یوں لکھتا کہ سنگ آستانہ مرشد محترم جلال الدین شاہ ترکھان تو کیسا لگتا۔

امپریشن کا تو بیڑا غرق ہونا ہی تھا کوئی پاگل ہی مجھے پیر سمجھتا۔ اب میں اتنا بھی کورا نہیں کہ مجھے بالکل سمجھ نہ ہو۔ ذہین ہوں تب ہی یہ کاروبار کامیابی سے چلا رہا ہوں وہ تو میرے مرید ہی عقل کے کورے ہیں جو......

خیر اب اتنی بدتعریفی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ بازار سے خریدی ہوئی کتابوں کا انبار ہے میرے پاس جو پراسرار علوم اور وظائف پر مشتمل ہیں فرصت کے اوقات میں ان کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں انہی کتابوں کے نسخوں کو اپنے مریدوں پر آزمانے کی کوشش کرتا ہوں جو کامیاب بھی ہو جاتے ہیں اور ناکام بھی۔ کامیابی کی صورت میں دولت اور شہرت اور ناکامی کو اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اب ایک ایسا ہی واقعہ میں آپ لوگوں کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ لوگوں پر بھی میری پیری کی دھاک بیٹھ جائے۔

ایک دفعہ چند لوگ ایک ہٹے کٹے بابے کو میرے پاس لائے۔ اسے کوئی ایسی بیماری تھی جس میں وہ کچھ دیر کے لئے بالکل گم سم ہو جاتا تھا وہ لوگ سمجھتے تھے کہ اس پر سایہ وغیرہ ہو گیا ہے وہ چاہتے تھے کہ میں اس پر موجود جن کو بھگا دوں حالانکہ اس سے پہلے میں نے یہ تجربہ کبھی نہیں کیا تھا۔ اس دن سوچا چلو آزمائش شرط ہے۔ کر کے دیکھتے ہیں لیکن وہ آزمائش بہت مہنگی پڑی بابا جسامت کے لحاظ سے مجھ سے دوگنا تھا۔ اسے دیکھ کر ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے لیکن اپنی پیروی کی کچھ تو دھاک بٹھانی تھی؟ سو اس لئے سب سے کار آمد نسخہ آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے برسا برس کا آزمودہ ٹوٹکہ...... لوہے کی سلاخ سے جسم داغنا اور ڈنڈے سے جسم کی مالش کرنا وغیرہ۔

اپنے آستانے پر میں اک موٹا سا ڈنڈا ضرور رکھتا ہوں حفظ ماتقدم کے طور پر تو وہ ڈنڈا اس دن کام آیا اس وقت بابا اسی گم سم کیفیت میں تھا، میں نے موقع غنیمت جانا اور ڈنڈا لے کر بابا کے سر پر پہنچ گیا۔ احتیاط کے طور پر میں نے بیٹھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی کہ ہو سکتا ہے سر پر پیر رکھ کر بھاگنا نہ پڑے۔ پہلے میں نے احتیاطاً ڈنڈے کو ہلکا سا بابا کی کمر پر لگایا، دو تین بار پریکٹس کے بعد جب ہاتھ مضبوط ہوئے تو میں نے ڈنڈے کو بلند کیا کہ بابا کی کمر پر جڑ دوں لیکن ابھی ڈنڈا اپنا آدھا راستہ بھی طے نہ کر پایا تھا کہ بابا نے اپنی دولتی مجھے اتنی زور سے ماری کہ میرے چودہ طبق روشن ہو گئے میں منہ کے بل گر پڑا اور وہ ڈنڈا جو بابا کی مزاج پرسی کے لئے میں نے بلند کیا تھا اب میری کمر پر اتنی زور سے لگا تھا کہ مجھے لگا کہ میری ریڑھ کی ہڈی چکنا چور ہو گئی لیکن خیریت رہی کہ اس کے ساتھ آئے لوگ کمرے میں نہیں تھے ورنہ......؟

جب دس بیس منٹ بعد ہوش بحال ہوئے تو میں ہائے ہائے کرتا اٹھ بیٹھا اور غصے سے اس بدبخت بابا کی طرف دیکھا جواب مجھے مزہ چکھانے کے

بعد پھر اسی گم سم کیفیت میں لوٹ چکا تھا۔

خیر میں نے کسی نہ کسی طرح اس بابا کو ان لوگوں کے ہمراہ گھر بھیجا اور خود رحیم مالشیئے کی دکان کی طرف بڑھ گیا تا کہ کچھ درد میں افاقہ ہو۔ وہ دن اور آج کا دن میں نے آسیب نکالنے سے توبہ کر لی کیونکہ کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے مجھے کمر میں سخت درد ٹیسیں مارنے لگتا ہے۔ تو میں نئے سرے سے توبہ کرتا ہوں۔

ان سب باتوں کے باوجود میرے آستانے کی رونق میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے خواتین تو اتنی تعداد میں ہوتی ہیں کہ میں سوچتا ہوں ادھر دیکھوں کہ ادھر اسے حسین مانوں یا اسے؟ خیر مریدوں کی روز بروز بڑھتی تعداد کے پیش نظر مجھے کوئی ایسی جگہ چاہئے تھی جو کشادہ ہو بالکل اسی طرح جس طرح خواتین کے معاملے میں میرا دل کشادہ......!

جب میں نے یہ ایک کمرے کا آستانہ بنایا تھا تو اس وقت یہ کمرہ چوہوں کا مسکن تھا اور صفائی نہ ہونے کی وجہ سے جالے لپٹ لپٹ جاتے تھے میں نے اللہ کا نام لے کر صفائی شروع کی اور آج وہ کمرہ چمکتا دمکتا تھا۔ میرے مریدوں میں کچھ تو بہت امیر کبیر تھے میں نے انہیں کاروبار کے بارے میں کچھ مشورے دیئے جس کی وجہ سے انہیں لاکھوں کا منافع ہوا اور ماہانہ آمدن بھی بڑھی تو وہ میرے خصوصی چیلے بن گئے ہر جمعرات کو آتے بریانی اور چکن کی دیگیں چڑھاتے اور مریدوں میں بانٹ کر چلے جاتے اور ساتھ میں میری جیب بھی گرم کر جاتے۔

کبھی کبھی وہ مجھے اپنے دولت خانے بقول ان کے غریب خانے پر لے جاتے اور خوب خوب آؤ بھگت کرتے اعلیٰ قسم کے پکوان دسترخوان پر موجود ہوتے اور ان کی خوشبو پیٹ میں لاکھ چوہے دوڑاتی لیکن میں آنکھیں بند کئے ''اللہ ہو اللہ ہو'' کرتا رہتا۔

یہ اور بات ہے کن انکھیوں سے دیکھتا بھی رہتا اور منہ میں آئے پانی کو بصد طاقت پیچھے دھکیلتا رہتا۔ لیکن ان کے سامنے دو نوالے لے کر ہاتھ کھینچ لیتا کہ اللہ والے تو اللہ کی یاد سے پیٹ بھرتے ہیں۔

ہاں...... بعد میں وہ سارا کھانا انہیں اپنے آستانے پر پہنچانے کا کہتا کیونکہ موکل انتظار میں ہوتے تھے اور ان امیر مریدوں کی خواہش پر نماز کے لئے امامت کرواتا اور جان بوجھ کر نماز لمبی کر دیتا کہ نماز میں اللہ والے اللہ کے تصور میں ایسے گم ہوتے ہیں کہ انہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

آخر پیری کی دھاک بھی تو بٹھانی تھی ناں......؟

ایک بار تو نماز اتنی لمبی ہو گئی کہ میرا بلڈ پریشر لو (Low) ہو گیا اور جیسے ہی چکر آیا ما بدولت زمین بوس......! بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور جلدی جلدی نماز مکمل کی بعد میں میرے مریدوں نے اس کو بھی میری کرامت سمجھا کہ کہیں پیر صاحب کو غائبانہ کچھ حکم ہوا ہے ان پڑھ جاہل لوگ......!

کھانے کے ساتھ گھر جا کر نماز بھی دوبارہ پڑھنی پڑھتی اور ساتھ میں توبہ استغفار بھی کہ اللہ میرے گناہوں پر پردہ ڈال تیرا گناہ گار بندہ ہوں لیکن پیٹ بھی کچھ مانگتا ہے اور میرے کاروبار سے اگر فائدہ کسی کا نہیں تھا تو نقصان بھی نہیں تھا اگر لوگ مجھے یہ پیسے دیتے تھے تو اپنی مرضی سے دیتے تھے میں نے بھلا کب ان سے مانگے۔

ویسے بھی تو وہ فضول قسم کی تقریبات میں دل کھول کر خرچ کرتے ہی رہتے ہیں، اگر ان کے ان پیسوں سے مجھ جیسے غریب کا بھلا ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے......؟ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا......؟ ایک تو باتوں میں سے باتیں نکلتی جاتی ہیں اور میں اصل بات بھول جاتا ہوں۔

بات ہو رہی تھی جگہ کی تنگی کی تو وہ مسئلہ بھی میرے ایک امیر مرید نے حل کر دیا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک کافی کشادہ جگہ خرید کر دی لیکن اک چھوٹا سا مسئلہ پھر بھی تھا کہ وہ جگہ قبرستان کے کافی قریب تھی اب آپ کو سچ بتاؤں کہ مجھے قبرستان سے بہت خوف آتا ہے کیا پتہ کوئی مردہ اٹھ کر گردن نا پکڑ لے۔

لیکن میں اس کے سامنے اپنے خوف کا اظہار بھی نہیں کرسکتا تھا آخراپنا بھرم کیسے عزیز نہیں ہوتا خیر میں نے دل کڑا کرکے وہاں رہنے کی ٹھان لی ،وہاں ہر چیز کی سہولت موجود تھی بجلی ،یو پی ایس اور خود کار جنریٹر اور کچن کا تو کچھ نہ پوچھیں اتنے جدید انداز میں بنی ہوئی تھی کہ میرا دل چاہتا کہ میں سارا دن وہیں بیٹھا رہوں۔ ہر طرح کا سامان اس میں موجود تھا جب بھی مریدوں سے آستانے خالی ہوتا تو میں فوراً سے پیشتر کچن کا رخ کرتا فریج انواع واقسام کی چیزوں سے ہمہ وقت بھرا رہتا تھا اس لئے مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی میں نت نئی ڈشز تیار کرتا رہتا اور مزے سے کھاتا رہتا پھر میں کوکنگ میں اتنا ماہر ہوگیا کہ اگر میں پیری والا کام چھوڑ کر کسی ہوٹل کو چلاتا تو میرے ہاتھ کے ذائقے کی دھوم مچ جاتی۔

بیڈ روم بھی نہایت خوبصورت انداز میں سجا ہوا تھا اور مریدوں کے بیٹھنے کی جگہ بھی کافی اچھی تھی۔ میرے اس امیر کبیر مرید نے نہایت خوب صورتی سے اس مکان کو بنایا تھا ورنہ یقیناً یہاں الو بول رہے ہوتے۔

میں ہر وقت دل میں اسے دعائیں دیتے نہ تھکتا اور سب سے اچھی بات تو یہ تھی کہ اس مکان نما آستانے کے کاغذات میرے نام پر تھے ورنہ اگر کبھی میرا بھانڈا پھوٹتا تو سر چھپانے کو جگہ نہ ملتی اور میرے خیال میں حوالات سے بہتر کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔

قبرستان سے خوف جوں کا توں موجود تھا، میں رات کو کبھی کھلے صحن میں نہیں نکلتا کیونکہ دیوار چھوٹی ہونے کی وجہ سے قبرستان کا منظر صاف نظر آتا تھا اور گھپ اندھیری راتیں تو میرا خون خشک کردیتیں گیدڑوں کی آوازیں میرے دل کو دہلائے دیتی اور میں پسینے پسینے بستر میں دبکا رہتا کبھی کبھی دل چاہتا کہ کسی مرید کو مستقل اپنے ساتھ رکھ لوں لیکن اس صورت میں میری آزادی سلب ہوجاتی اور ہر وقت اپنی پیری کا بھرم رکھنا پڑتا اس لئے میں نے اس بارے میں کبھی غور نہیں کیا۔

آج کل تو ٹی وی کا دور ہے اس کے بغیر گزارہ ہی نہیں فارغ دنوں میں مجھے بھی کیبل کا چسکا پڑ گیا تھا، لیکن پیر بننے کے بعد اس عادت کو خیرآباد کہنا پڑا، اب جب الگ مکان ملا تو اس بارے میں غور وفکر کیا تو سمجھ آیا کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں۔

اب بندہ بشر دنیا میں رہ کر کیسے گناہوں سے خود کو محفوظ رکھے، سو میں نے ایک مرید سے ذکر کردیا کہ آج کل ملکی حالات خراب ہیں کرنٹ افیئرز پر مشتمل پروگرامز دیکھ کر میں کچھ وظائف کرنا چاہتا ہوں تاکہ ملکی حالات کچھ حد تک ٹھیک ہوجائیں۔ میرے منہ سے نکلی ہوئی بات دوسرے دن ہی پوری ہوگئی۔ وہ بدھو مرید 21 انچ کا رنگین ٹی وی لے کر آگیا اور کیبل کنکشن بھی لگوا کردیا۔ میرے تو عیش ہوگئے۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ مجھے قبرستان کی طرف سے کچھ شور کی آوازیں سنائی دیں۔ پہلے تو میں کچھ دیر ڈرتا رہا پھر کچھ ہمت کرکے جل جلال تو کا ورد کرتے ہوئے باہر آگیا باہر نکلا تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے استقبال کیا۔ آسمان کی طرف نظر کی تو وہ بادلوں سے بھرا نظر آیا بارش برسنے میں کچھ ہی دیر تھی میں نے قبرستان کی طرف دیکھا وہاں مجھے کچھ ہیولے نظر آئے، نہ جانے وہ کون تھے اور قبرستان میں آدھی رات کو کیا کررہے تھے......؟

میں نے زور سے آنکھیں مٹکائیں لیکن پھر بھی مجھے کچھ واضح دکھائی نہ دیا۔ اچانک بجلی اتنے زور سے کڑکی کہ میں اندر تک لرز گیا اور چھما چھم بارش برسنے لگی، میں بھاگ کر برآمدے میں پہنچا اور پھر مڑ کر قبرستان کی طرف دیکھا وہاں مجھے یہ نظر آیا کہ وہ ہیولے جو میں نے دیکھے تھے اب ان کا رخ میرے آستانے کی طرف ہوگیا تھا اور وہ سب بہت تیزی سے دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔ ساتھ میں کچھ عجیب سی زبان میں اونچا اونچا بولتے ہوئے بھی آرہے تھے۔

میں ایک دم سے خوف زدہ ہوگیا مجھے سب سے

پہلے جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ یہ ضرور مردے ہوں گے جو میرا کچومر بنانے آرہے ہیں، یہ سوچ کر میرے جسم پر دہشت طاری ہوگئی میں نے بیڈ روم میں پہنچ کر دروازہ بند کردیا اور کان باہر کی آوازوں کی طرف لگادیئے۔

پھر وہی ہوا جس کو سوچ کر میرا خون خشک ہورہا تھا وہ جو بھی تھے میرے آستانے کے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹانے لگے۔ مجھے لگا موت اب آئی کہ تب آئی۔

"دروازہ بجانے والے کافی مستقل مزاج تھے جب مجھے اور کچھ سمجھ نہ آئی تو میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے چلانا شروع کردیا اپنے خوف کو کم کرنے کا یہ سب سے آسان راستہ تھا نہ جانے میں کب تک چلاتا رہا، جب کانوں سے ہاتھ ہٹائے تو ہر طرف سکوت طاری ہوچکا تھا، وہ جو بھی تھے یقیناً وہ بھی میری آوازوں کو سن کر ڈر گئے ہوں گے اور وہاں سے دم دبا کر بھاگے ہوں گے میں نے احتیاطاً دروازہ کھول کر دیکھا باہر بارش کے علاوہ مکمل سکوت تھا۔ میں نے شکر ادا کیا اور سونے کے لئے لیٹ گیا یہ نسخہ بہت کارآمد نکلا میرے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

دوسرے دن مجھے پتہ چلا کہ رات کو قبرستان میں آنے والے لوگ کسی عورت کو دفنانے آئے تھے جب وہ تدفین کرچکے تو بارش شروع ہوگئی انہیں میرا آستانہ نظر آیا تو وہ پناہ لینے ادھر دوڑے لیکن اندر سے چلانے کی آوازیں سن کر وہ خوف زدہ ہوکر واپس پلٹ گئے۔ مریدوں کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ رات کو ایک سرکش جن کو قابو کیا وہ اسی کی چلانے کی آوازیں تھیں اس لئے میں اٹھ کر دروازہ نہیں کھول سکا اب ان کو کیا بتاتا کہ......؟

اس دن بھی بارش برس رہی تھی جب میں نے کھانا کھانے کے بعد سونے کا فیصلہ کیا جیسے ہی میں سونے کے لئے لیٹا مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میرے پیٹ کو گدگدایا ہو۔ پہلے تو میں نے اسے اپنا وہم سمجھا لیکن پھر اس میں شدت آگئی اور میرے منہ سے ہنسی کا فوارہ

چھوٹ پڑا۔ پتہ نہیں کون کم بخت تھا جو ہاتھ کو روک بھی نہیں رہا تھا، جب میں ہنستے ہنستے دہرا ہو گیا تب اسے رحم آیا جب ذرا میرے ہوش بحال ہوئے تو میں نے اردگرد نگاہ دوڑائی لیکن سوائے اندھیرے کے کچھ نظر نہ آیا میں نے جلدی سے اٹھ کر لائٹ روشن کی لیکن پھر بھی مجھے کچھ نظر نہ آیا۔

''کون...... کون گستاخ ہے جو ہم سے نامعقول حرکتیں کر رہا ہے۔؟'' میں نے اپنی آواز کو حتیٰ الامکان گرجدار بنانے کی کوشش کی لیکن پھر بھی خوف ظاہر ہو ہی گیا۔

''جلال الدین۔'' جواب آیا۔

''کون بد بخت جلال الدین......؟'' ہیں۔ (یہ کہیں میں اپنے آپ کو تو گالیاں نہیں دے رہا)

میری بڑبڑاہٹ پر کھی کھی کی آواز آئی تو میرا ازلی جلال عود کر آیا میں نے کہا۔ ''جو بھی ہو سامنے آ کر بات کرو ورنہ میں آگ میں جلا کر بھسم کر دوں گا۔'' لیکن میری بات کا خاک ہی اثر ہوتا اس نے آگے سے یہ گانا گانا شروع کر دیا۔

آگ لے لے آگ دے دے

آگ سے ہے زندگی یہاں

پتہ نہیں منحوس نے اتنی اچھی گائیکی کہاں سے سیکھی کہ میں تو مسحور سا ہونے لگا۔ ''آپ کیا سمجھے......؟ نہیں......؟'' نہایت بھونڈی آواز سے جب میرے سر میں درد ہونے لگا تو میں نے چلا کر کہا۔ ''دفع ہو جاؤ ورنہ میں ابھی لوہے کی سلاخ گرم کر کے لاتا ہوں۔'' اتنا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی ہوائی مخلوق ہے لیکن حیرت انگیز طور پر مجھے ذرا بھی ڈر نہیں لگا لیکن وہ بھی آگے سے ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا میرے سلاخ گرم کر کے لانے کی دھمکی پر کہنے لگا۔

''کیا تکے بھون کر کھلانے کا ارادہ ہے۔'' اس کی آواز میں شوخی نمایاں تھی۔

''نہیں تمہارا دم پخت تیار کرنا ہے۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''اچھا یار اتنا غصہ کیوں کرتے ہو۔ میرا نام ذرشال ہے اور میں اسی قبرستان میں کبھی کبھار آتا ہوں میری دنیا تو الگ ہے، لیکن مجھے انسانوں سے بہت پیار ہے اس لئے میں اس دنیا میں آ جاتا ہوں۔ پہلے جب میں ادھر آتا تھا تو یہ ایک ویران سا مکان تھا لیکن اس بار مجھے کافی اچھا اور آباد لگا تو میں ادھر آ گیا اور تمہیں سوتے دیکھا اور تمہارے بڑھے ہوئے پیٹ کو تو مجھے شرارت سوجھی اور میں اپنے ہاتھوں پر کنٹرول نہ کر سکا اور گدگدانے لگا۔'' اپنی بات کے اختتام ہی پر اس نے پھر کھی کھی کر کے ہنسنا شروع کر دیا تو میں نے جلدی سے اپنی توند پر ہاتھ پھیرا پھر سائیڈ پر رکھی قمیض اٹھا کر پہن لی۔

وہ اور زیادہ ہنسنے لگا تو مجھے مزید غصہ آیا۔ میں نے اسے دفعہ ہونے کا کہا تو فرمانبرداری سے چپ ہو گیا چونکہ وہ مجھے تنہر تو کرنے آیا نہیں تھا اس لئے اس کی خاموشی سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ چلا گیا تو میں بھی کلمہ شکر پڑھتے ہوئے لیٹ گیا۔

دوسری صبح میرے لئے خاصی ہنگامہ خیز تھی کیونکہ کچن میں کھانے پینے کی رکھی ہر چیز غائب تھی حتیٰ کہ فریج جو ہر وقت چیزوں سے بھرا رہتا تھا اس وقت خالی میرا منہ چڑا رہا تھا میں سخت حیرت زدہ تھا کہ سب چیزیں کہاں غائب ہو گئیں وہ تو شکر تھا کہ فریج میں ایک عدد انڈا موجود تھا اور تھوڑا سا دودھ بھی پیالی میں تھا۔ ڈبل روٹی کا ایک پیس بھی موجود تھا ورنہ میں تو بھوکے پیٹ کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا آملیٹ بنا کے توس سینکا اور پھر چائے پی کر اس تازہ کارروائی کے بارے میں غور کرنے لگا وہ جو کوئی تھا اتنا عقل مند تو تھا کہ میری بھوک کا بھی انتظام کر کے گیا تھا میرا خیال ابھی تک ذرشال کی طرف نہیں گیا تھا۔

''کیا یہ کسی بلی کی کارروائی ہے۔''

''نہیں...... نہیں بلی فریج کیسے کھول سکتی ہے اور ہر چیز بھی ویسے ہی قرینے سے پڑی ہوئی تھی جیسے میں رات کو چھوڑ کے گیا تھا۔ پھر وہ کون تھا۔'' ابھی میں

اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اس منحوس کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

''کیا ہوا مٹکے والے...... پریشان ہو......؟'' میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

''تم...... تم ابھی تک گئے نہیں......؟''

''نہیں...... مٹکے والے میرا دل یہاں لگ گیا ہے اب تو میں کہیں بھی جانے سے رہا۔''

اس کی آواز پر میرے چودہ طبق روشن ہو گئے کہ موصوف بھی اب یہاں رہیں گے۔

''تم کچن سے کھانے پینے کی چیزیں غائب ہونے پر پریشان ہو؟ تو میں تمہیں بتا دوں کہ وہ کھانا میں نے کھایا ہے۔'' اس نے اطمینان سے یوں بتایا جیسے بس بات ایک پلیٹ چاول کی ہو۔

''کیا...... کیا کہا تم نے......؟ ساری چیزیں تم نے کھا لیں......؟ کیسے کھائیں......؟'' میں سخت حیرت زدہ تھا۔

''یار مٹکے والے حیران کیوں ہوتے ہو تمہیں معلوم نہیں کہ جنات کتنا زیادہ کھاتے ہیں۔ سچ بتاؤ میرا تو پیٹ بھی نہیں بھرا تھا اور اس سے زیادہ بھی ہوتا تو بھی نہ بچتا۔'' اور میں حیرانی سے آس پاس نگاہیں دوڑائے گیا کیونکہ وہ نظر تو آ نہیں رہا تھا۔

اچانک میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ بار بار مجھے توندوالے کہہ رہا تھا جب میں نے اس بارے میں اس سے پوچھا تو وہ پہلے کھی کھی کر کے ہنسنے لگا جس سے مجھے چڑ ہوتی تھی پھر بولا۔ ''یار تم نے کبھی اپنے پیٹ پر غور کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی ورنہ تمہیں سمجھ آ جاتا کہ میں تمہیں ایسا کیوں کہہ رہا ہوں۔؟'' کھی کھی......

''اچھا اب ہنسنا بند کر دو اور ادھر سے پھوٹو اب میں تمہیں مزید یہاں برداشت نہیں کر سکتا۔''

لیکن میری اس بات پر اس کا ذرا اثر نہ ہوا الٹا کم بخت دھمکیاں دینے پر اتر آیا کہ اگر میں نے اسے یہاں نہ رہنے دیا تو وہ سب کو میری اصلیت سے آگاہ کر دے گا اور پھر میرے ساتھ جو ہو گا وہ سب کو توبہ کرنے پر مجبور کر دے گا۔ ''آئندہ مجھے یہاں سے جانے کے لئے مت کہنا۔''

اور میں نے توبہ کر لی کہ کبھی اسے یہاں سے جانے کے لئے نہیں کہوں گا۔!

''اچھا بھئی ذرا سامنے تو آؤ، میں بھی دیکھوں کہ جن کیسے ہوتے ہیں۔'' میں نے متجسس ہو کر کہا تو جواباً کچھ دیر وہ چپ رہا پھر بولا۔

''ٹھیک ہے توندوالے تمہارا اتنا تو حق بنتا ہے۔ بس تم ہنسنا مت......! دوسروں پر ہنسنے والا خود پر کسی کی ہنسی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔''

''اچھا نہیں ہنسوں گا۔'' اور پھر ایک ہیولہ آہستہ سے نمودار ہوا اور جب وہ ٹھوس ٹھوس شکل اختیار کر گیا تو میں نے غور سے دیکھا۔

اچھا خاصا نوجوان تھا لیکن اپنے کانوں اور آنکھوں کی وجہ سے انسانوں سے مختلف لگ رہا تھا۔ میں نے ستائش بھری نگاہوں سے اسے دیکھا، میری نگاہوں کو جب اس نے اپنے پر مرکوز پایا تو اس کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ دوڑ گئی اور بولا۔

''مٹکے والے ایسے کیا دیکھ رہے ہو......؟''

''یار تم تو بہت خوبصورت ہو ایسے ہی شرما رہے تھے اور وہ مزید شرما گیا......!''

اس دن کے بعد وہ ہر وقت میرے ساتھ رہتا تھا اس کی باتیں بہت مزیدار ہوتی تھیں۔ اب میرا وقت پہلے سے بھی اچھا گزرنے لگا تھا بس کھانے پینے کے معاملے میں بہت ندیدہ تھا، باتیں کرتے کرتے اچانک پٹڑی سے اتر جاتا تھا اور پھر کھانے پر آتا تو کوئی کم چیز اس کی نظر میں تکتی ہی نہیں تھی میں بڑا تنگ تھا اس کی شکم خوری کی عادت سے پتہ نہیں اپنی دنیا میں وہ کتنا پکاتے ہوں گے؟ اور کھاتے وقت کیسے پورا پڑتا ہو گا یہی بات جب میں نے ذرشال سے پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ ہر دنیا اور ہر مخلوق کا اپنا طریقہ ہوتا ہے اور یہ خدا ہی ہے جو ہر کسی کا رزق پورا کرتا ہے پہلی بار اس نے کوئی

معقول بات کی تھی سو مجھے قائل ہونا پڑا۔
باتوں کے دوران میں نے اس سے پوچھا کہ ''تمہاری دنیا کا انتظام کیا ہے کیا وہ بھی ہماری طرح ہوتی ہے۔''

''ہاں منکے والے...... ہماری دنیا بھی اسی طرح کی ہوتی ہے وہاں بھی تھانے عدالتیں ہوٹلز ہوتے ہیں وہاں بھی دیگر انتظام موجود ہے۔''

''کیا واقعی...... ؟'' میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''بالکل...... منکے والے، تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔'' اس کے لہجے میں ذرا سی ناراضگی کا عنصر نمایاں ہو رہا تھا۔

''نہیں یار...... ناراض مت ہو میں تو یونہی حیران ہو گیا تھا تم تو جن ہو پھر تم کو گاڑیوں وغیرہ کی کیا ضرورت۔؟'' میں نے لہجے میں خوشامد بھرتے ہوئے کہا کیونکہ اس کی ناراضگی بہت خوف ناک ہوتی تھی پھر میری کچن کا بیڑا غرق ہو جاتا تھا، وہ وہاں موجود ہر چیز ہڑپ کر جاتا تھا حتیٰ کہ میرے لئے ذرا سا بھی کچھ نہیں چھوڑتا تھا اس لئے مجھے اس کی ناراضگی سے بہت خوف آتا تھا۔

وہ ہماری دنیا سے ہمیں وہاں اپنے طریقے سے رہنا ہوتا ہے وہاں ہم غائب ہو کر کہیں نہیں جا سکتے ہمارے سردار جن کے اصول نہایت سخت ہیں ان سے ذرا بھی احتجاج برتنا اپنی شامت لانے کے مترادف ہے۔'' اس نے اپنی دنیا کے اصول گنوائے تو میں سوچنے لگا کہ۔

کاش ہمارے ملک کا ذمہ دار بھی اصول اور انصاف کا پکا ہوتا، خیر میرے سوچنے سے کیا ہوتا ہے ہونا تو وہی ہے جو ہونا ہے۔

''اچھا یہ بتاؤ۔'' میں نے تمہید باندھتے ہوئے کہا۔ ''تم کب واپس جا رہے ہو۔؟'' میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تو جواباً وہ تڑپ کر بولا۔ ''ارے منکے والے تم تو میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہو کہا نا کہ جب میرا دل چاہے گا تو میں جاؤں گا تم مجھے زبردستی نہیں بھیج سکتے۔''

''لیکن پھر بھی کچھ تو مدت مقرر کرو۔ مجھ غریب کی کچن کا ناس مار کے رکھ دیا ہے اچھا بھلا گزارا ہو رہا تھا۔'' میں نے اپنا وہی پرانا دکھڑا رو دیا لیکن اس پر خاک اثر ہونا تھا کہنے لگا۔

''میرا شکر ادا کرو جو تمہاری اصلیت نہیں کھولی ورنہ پڑے ہوتے حوالات میں۔'' اور میں بے چارہ اسی دھمکی پر سہم جاتا تھا کہ وہ سر پھرا کسی دن واقعی کچھ پھوٹ نہ دے۔

''ویسے منکے والے تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں۔'' اس نے لہجے کو پر تجسس بناتے ہوئے کہا، میں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے وہ انکشاف کر ہی دیا جو نہ جانے کب سے چھپائے ہوئے تھا۔

''بات یہ ہے کہ مجھے سردار جن نے ایک سزا کے طور پر انسانی دنیا میں بھیجا ہے جب تک وہ نہ چاہیں، میں کسی صورت واپس اپنی دنیا میں نہیں جا سکتا۔''

آخر بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔

''تم نے کیا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں تمہیں یہ سزا سنائی گئی...... ؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ دراصل...... '' اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک بار اپنی گرل فرینڈ جینتی کو ایک بہت بڑے ہوٹل میں اس کی سالگرہ پر اس کے بے حد اصرار پر کھانا کھلانے لے گیا لیکن اس وقت میری جیب خالی تھی اور میں کھانے کا بل ادا کرنے کے قابل نہیں تھا اب منکے والے۔'' اس نے کن انکھیوں سے میری جانب دیکھا اور مجھے سنجیدہ دیکھ کر بات مکمل کرنے لگا۔

''گرل فرینڈ کے سامنے اپنی بے عزتی کون برداشت کر سکتا ہے اسے میں نے کسی نہ کسی طرح گھر بھیجا اور خود ہوٹل کے مالک کو یوں چکما دے کر بھاگا کہ وہ بے چارہ میری کمر دیکھتا رہ گیا منہ اس لئے نہیں کیونکہ میں بھاگ کھڑا ہوا تھا خیر بعد میں اس کم بخت نے میری شکایت سردار جن سے کر دی تو مجھ سے جرمانہ

بھروانے کے بعد سزا کے لئے اس دنیا میں بھیج دیا تاکہ میں آئندہ کے لئے باز آ جاؤں اس نے کچھ اس مسکینی سے بات ختم کی کہ میری ہنسی چھوٹ گئی اور وہ شاکی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

شرارتوں میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا بعض دفعہ تو میں بہت محظوظ ہوتا اور کئی دفعہ مجھے سخت کوفت کا سامنا کرنا پڑا۔ کم بخت اپنی حرکتوں پر ذرا بھی شرمندہ نہیں تھا اپنی دنیا میں بھی اس نے کسی کو نہیں چھوڑا تھا اور ہماری دنیا میں بھی کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔ ایک دن کھی کھی کر کے ہنستا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔

''او منکے والے آج بہت زبردست واقعہ ہوا۔'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ پھر ہنسنے لگا جب میں نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا تب بولا۔ ''منکے والے آج صبح میں انسانی روپ میں نکلا گھومتے گھامتے میں ایک ایسی گلی میں جا نکلا جہاں سامنے کیچڑ بھرا ہوا تھا، جب تک دوسرا آدمی ہاتھ پکڑ کر نہ گزارتا میں گزر نہیں سکتا تھا، اتفاق کہ سامنے سے ایک آدمی آ رہا تھا میں نے اسے مدد کے لئے پکارا تو وہ بے چارہ جلدی سے آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا مجھے شرارت سوجھی، میں نے اپنے وزن میں اتنا اضافہ کر لیا کہ وہ بے چارہ مجھے کھینچتے ہوئے خود منہ کے بل دھڑام سے کیچڑ میں گر پڑا میری تو وہیں پر ہنسی چھوٹ گئی پھر میں نے ازراہ ہمدردی اسے اوپر اٹھنے میں مدد دی۔ بجائے اس کے کہ وہ مجھے کیچڑ میں سے گزارتا الٹا مجھے گزارنا پڑا۔ اور اسی کش مکش میں میرے کپڑے بھی گندے ہو گئے ہیں۔'' اس نے اپنے گندے کپڑوں کی طرف اشارہ کر کے کچھ ایسا منہ بنایا کہ میری بھی ہنسی چھوٹ گئی مجھے ہنستے دیکھ کر اس کا چہرہ گل و گلزار ہو گیا۔

''دیکھا منکے والے تمہیں میرا مذاق پسند آیا ناں؟'' اس نے میری ہنسی دیکھ کر شہ پائی اور بولا۔ ''اچھا میں کچھ دیر میں کپڑے اتاروں گا تم وہ دھو دینا اور اپنا کوئی صاف ستھرا سوٹ مجھے دے دو مجھے تو اس سے بڑی گندی بدبو آ رہی ہے۔'' اس نے مجھے حکم دیا کپڑے دھونے کا تو میری آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئیں۔

''کیا...... تم مجھ سے کپڑے دھلواؤ گے؟ مجھ سے۔؟''

''مرشد محترم جلال الدین سائیں...... عرف منکے والے۔'' اس کم بخت نے میری بات اچک لی اور میرے جلال میں مزید اضافہ ہو گیا، لیکن وہ کمینہ ہی کیا جس پر کچھ اثر ہو جائے میں نے پر جلال نظروں سے اسے گھورا لیکن وہ کسی خاطر میں نہ لایا الٹا بولا کہ ''اگر اپنا پیری کا بھرم عزیز ہے تو چپ چاپ جو میں کہتا ہوں وہ کرو ورنہ......؟'' اس نے انگلی اٹھائی اور میں سمجھ گیا کہ اس ''ورنہ'' کے آگے کیا ہے اس لئے خاموش ہو گیا۔

اور دوسرے دن ہی جمع شدہ پیسوں سے ایک واشنگ مشین کا آرڈر دے دیا کیونکہ اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ دن میں چار بار مجھ سے کپڑے دھلواتا۔

''اچھا منکے والے ذرا یہ چیک کرو اور کھا کر بتاؤ کہ کیا اس میں سے ادرک کا ذائقہ آ رہا ہے۔''

دوسرے دن وہ میرے پاس آیا اور مجھے ایک کیلا پکڑا کر بولا میں نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ سنجیدہ نظر آیا تو میں نے کیلے کو دیکھا لیکن وہ بالکل ٹھیک تھا اس میں ادرک کا ٹیسٹ تو ذرا بھی نہیں تھا پتہ نہیں یہ کیوں چیک کروا رہا تھا اور جب میں نے اس کو بتایا کہ اس میں ادرک کا ذائقہ تو نہیں تو اس نے میرے ہاتھ سے کیلا لے لیا اور پھر افسوس انداز میں گردن ہلاتا ہوا بولا۔

''وہی تو میں کہوں۔'' بندر کیا جانے ادرک کا سواد۔ یہ کہہ کر وہ قہقہہ لگاتا ہوا غائب ہو گیا اور میں اس کی شرارت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

ایک دن ایک آدمی میرے پاس آیا وہ بڑا پریشان تھا، میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے پریشانی کی وجہ پوچھی وہ کافی امیر کبیر تھا۔

اور جو ذرا انگریزی پارٹی ہو اس کا تو پھر خصوصی

خیال رکھنا پڑتا ہے، اس لئے اسے دیکھ کر میرے اندر کا پیر عود کر باہر آ گیا خود کو مزید پرجلال بنانے کے چکر میں، شاید میں بہت ہی عجیب لگ رہا ہوں گا لیکن اس وقت تو اپنا رعب قائم کرنا تھا، اس لئے جیسے ہی وہ میرے قریب آ کر بیٹھا تو میں نے اپنی آواز کو پرہیبت بنانے کی کوشش میں اتنا اونچا کر لیا کہ پھر جو ہمیں کھانسی شروع ہوئی تو آس پاس کا کچھ ہوش نہ رہا کھانس کھانس کر برا حال ہو گیا۔ مریدین دوڑے دوڑے مجھے اٹھا کر اندر لے گئے اور بیڈ پر لٹا دیا کوئی پانی پلا رہا ہے تو کوئی کچھ......!

اللہ اللہ کر کے کھانسی کا زور ٹوٹا تو اس امیر مرید کا خیال آیا لیکن وہ جا چکا تھا مجھے افسوس نے آ گھیرا کہ پتہ نہیں وہ واپس بھی آئے گا کہ نہیں لیکن دوسرے دن میں حیران رہ گیا جب وہ ڈھیروں ڈھیر نذرانے سمیت آ موجود ہوا خوشی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

وہ آتے ہی ہمارے قدموں میں جھک گیا اور چرن چھونے کی کوشش میں سر کے بل زمین پر......

میری ہنسی چھوٹنے والی تھی لیکن اچانک ہمیں خیال آیا کہ ہم تو پیر ہیں چاروناچار ہمیں خود کو کنٹرول کرنا پڑا وہ جلدی سے اٹھا اور پھر سے ہمارے قدموں کو ہاتھ لگانے لگا میں نے جلدی سے پیروں کو پیچھے کیا تو وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور عاجزی سے میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گیا۔

اس کی ہر حرکت سے عاجزی ظاہر ہو رہی تھی ،میرے دل میں خیال آیا کہ یقیناً اسے کوئی فائدہ ہوا ہے اور وہ اسے میرے نام سے منسوب کر رہا ہے۔

”مرشد محترم آپ کے طفیل میرا بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہے اور مجھے اتنا زیادہ منافع ہوا ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے میں تو آپ کا اور زیادہ معتقد ہو گیا ہوں راتوں رات آپ نے وہ ٹینڈر میری کمپنی کو دلوا کر مجھے کروڑوں کا فائدہ پہنچایا ہے اللہ آپ کا بھلا کرے۔“

اور میں حیران رہ گیا کہ میں نے کیا کیا ہے، بعد میں ذرشال نے بتایا کہ یہ سب اس نے میری عزت بچانے کے لئے کیا ہے تو میں اس کا بہت شکرگزار ہوا۔

جیسے ہی میں رات کو سونے کے لئے لیٹا تو وہ آ موجود ہوا خوشی اس کے چہرے پر گویا جم سی گئی تھی آتے ہی خوشی سے بولا۔

”مٹکے والے ...... مجھے سردار جن نے معاف کر دیا ہے اور واپس اپنی دنیا میں آنے کی اجازت دے دی ہے میں اب واپس جانے لگا ہوں تاکہ واپس جا کر اپنی گرل فرینڈ کو اپنی بیوی بنا سکوں میری شادی کی تمام تیاریاں بھی مکمل ہیں۔“ اور میں خاموش ہو گیا اس کے جانے کا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ مجھے لگا وہ اب بھی مجھے چھوڑ کے نہیں جائے گا۔

”مٹکے والے......تم اداس ہو گئے؟ مجھے پتہ تھا یار! میں بھی بہت یاد کروں گا تمہیں، تمہیں چھوڑنے کا دکھ تو مجھے بھی ہے لیکن اپنی دنیا اور اپنے لوگوں سے کوئی بھی زیادہ عرصہ دور نہیں رہ سکتا وہ کیا کہتے ہیں جہاں کی اینٹ وہیں پر سجے۔ اس لئے مجھے جانا تو ہے ناں......؟ ویسے تم فکر نہ کرو میں چکر لگاتا رہوں گا اپنی بیوی کو بھی لے کر آؤں گا تم اپنا کاروبار چلاتے رہو اور ہو سکے تو تم بھی شادی کر لو ویسے تمہارا پیٹ دیکھ کر کوئی لڑکی شادی نہیں کرے گی اس لئے کھانا کم کرو۔“ یہ کہہ کر وہ کھی کھی کر کے ہنستا ہوا غائب ہو گیا۔

وہ مجھے بہت یاد آتا ہے کافی عرصہ ہو گیا لیکن وہ مجھ سے ملنے نہیں آیا اپنی بیوی کو لے کر ہو سکتا ہے ابھی شادی کے چکروں میں مصروف ہو۔ اس کی نصیحت پر میں نے عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور کھانا پینا کم کر دیا ہے کیونکہ شادی تو مجھے بھی کرنی ہے اب ساری عمر تنہا تو نہیں گزرے گی۔

تہی دامن

شائستہ سحر-راولپنڈی

بچی زمین پر کسی اور لاچار جانور کی طرح بے بس پڑی تھی، اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح سے بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا اور وہ خوفزدہ نگاہوں سے جس سمت دیکھ رہی تھی، وہاں اس کی ماں کھڑی تھی۔

دماغ پر سکتہ طاری کرتی......لہولہو......لرزہ براندام......خونچکاں بھونچکاں حقیقی روداد

اس گھر میں جیسے قیامت کا سماں تھا، لوگوں کا ایک بڑا ہجوم گھر کے اندر اور باہر جمع تھا۔ لوگ حیرت وتجسس کے مارے بار بار اندر گھستے چلے آ رہے تھے۔

گھر کا سربراہ اسلم سر پر ہاتھ رکھے اردگرد سے بے نیاز کسی گہرے صدمے کا شکار تھا جبکہ دوسرے کمرے سے نسوانی چیخوں کی آوازیں مسلسل بلند ہو رہی تھیں۔ یہ دردناک اور ہولناک چیخیں اسلم کی بیوی پاکیزہ کی تھیں۔ جو روتے ہوئے خود کو یوں نوچ رہی تھی جیسے اپنا گوشت ہڈیوں سے الگ کر دینا چاہتی ہو۔

وہاں موجود عورتیں بڑی مشکل سے اسے اس عمل سے روک رہی تھیں۔ اسلم کا بھی دل چاہتا تھا کہ وہ بھی پاکیزہ کی طرح خوب روئے، اپنے غم وغصے کا اظہار کرے اور اس خطرناک جنونی قاتل کو بددعائیں دے جس نے اس کی تین کم سن بیٹیوں کو اس سے چھین لیا تھا۔

مگر آنسو تو جیسے آنکھوں میں جم سے گئے تھے، دل و دماغ تیسری بیٹی کی موت پر سراپا احتجاج تھے۔ مگر وہ سوائے اشک بہانے کے اور کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔

تقریباً دس سال قبل اس نے پاکیزہ سے شادی کی تھی۔ وہ پاکیزہ کو شادی سے قبل بہت پسند کرتا تھا اور اسے بہت چاہتا تھا۔ خود پاکیزہ بھی اس سے بے حد محبت کرتی تھی۔ دونوں کے خاندان کے بزرگوں نے بغیر کوئی رکاوٹ ڈالے دونوں کو شادی کے بندھن میں باندھ دیا تھا۔ دونوں ہی شادی کی ابتداء میں بہت خوش تھے۔

پاکیزہ یہی سمجھتی تھی کہ اسلم ساری زندگی اس کے ساتھ یونہی خوش رہے گا مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔

جب پاکیزہ کے گھر پہلی بیٹی کی ولادت ہوئی تو اسلم نے کئی دن تک نہ تو بیٹی کی شکل دیکھی اور نہ ہی پاکیزہ سے کوئی بات کی۔ کیونکہ اسلم کو پورا یقین تھا کہ اس کے گھر بیٹے کی پیدائش ہوگی۔ پاکیزہ بے چاری اسلم کے بدلے ہوئے تیور کی وجہ سے سخت پریشان ہوئی مگر پھر کچھ ہی عرصے میں اسلم کا رویہ معمول پر آ گیا۔

پاکیزہ کو جو اسلم کی طرف سے اندیشے لاحق ہوئے تھے وہ اب دور ہونے لگے تھے۔ پاکیزہ مطمئن ہو چکی تھی لیکن اس کا یہ سکون اور اطمینان زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ آنے والے چند سالوں میں چار بیٹیوں کی مسلسل پیدائش نے اسلم کو پاکیزہ سے مکمل طور پر دور کر دیا تھا۔ وہ معمولی معمولی باتوں پر پاکیزہ سے لڑنے جھگڑنے لگا تھا اور یہ لڑائی جھگڑے اس قدر خطرناک صورتحال اختیار کر جاتے تھے کہ وہ وحشیانہ تشدد سے بھی نہ کتراتا تھا، صرف پاکیزہ کی ذات ہی اس مار پیٹ اور تشدد کا نشانہ نہ بنتی تھی۔ بلکہ چاروں معصوم بچیاں بھی اسلم کی مار پیٹ کا شکار ہوتی رہتی تھیں۔ پاکیزہ بڑے صبر سے اسلم کی ہر ستم ظریفی کو برداشت کر رہی تھی۔

مگر اسلم نے تو ایک دن حد ہی کر دی۔ اس نے اپنے ہی پڑوس میں رہنے والی ایک لڑکی کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا لیا اور اس سے شادی کر لی۔ اس لڑکی کے والدین فوت ہو چکے تھے۔ وہ اپنی بیوہ خالہ کے پاس رہتی تھی۔ اس لئے اسلم کو اس لڑکی سے شادی کرنے میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ یہ شادی اس نے اولاد نرینہ کے حصول کے لئے کی تھی۔

دوسری شادی کے دو تین سال گزر جانے کے باوجود اسلم کی کوئی اولاد نہ ہو سکی تو اس نے تیسری شادی کا فیصلہ کر لیا۔ دوسری بیوی نے بہت شور مچایا اور احتجاجاً گھر ہی چھوڑ کر چلی گئی۔ پر اسلم کے کان پر جوں تک نہ رینگی، وہ بے حس ہو چکا تھا۔

اسے کسی کے جذبات اور احساسات کا کہاں احساس ہوتا، دوسری طرف پاکیزہ کمال برداشت کا نمونہ بن چکی تھی۔ اس پر پہلے ہی ایک سوتن کا پہاڑ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ تو جیسے کسی گہرے سمندر کی طرح خاموش تھی مگر اس کے اندر کتنے طوفان سر اٹھا رہے تھے۔ وہ خود بھی ان سے بے خبر تھی۔

اسلم نے اپنی فطری ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تیسری شادی کر لی۔ لیکن جو چیز انسان کے نصیب میں ہی نہ ہو وہ چاہے لاکھ کوشش کرے اسے حاصل کرنے کی مگر وہ ناکام ہی رہتا ہے۔

تیسری بیوی سے اولاد نہ ہونے پر اسلم نے اسے بھی چھوڑ دیا۔ اب اسلم کو سمجھ جانا چاہیے تھا کہ اسے اپنی وفا شعار بیوی اور چار معصوم بیٹیوں کی قدر کرنی چاہیے۔ مگر وہ ناشکرا انسان اپنی تمام تر محرومیوں کا ذمہ دار پاکیزہ کو ٹھہراتا تھا کیونکہ وہ اسے بیٹا نہ دے پائی تھی۔ مگر جو پیاری پیاری چار بیٹیوں کی صورت میں خدا کی رحمتیں اس کی جھولی میں ڈالی تھی۔ وہ اسلم کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ بے قدرا ان بچیوں کو نحوست کہتا تھا۔

شاید اسی بات کی بہت بڑی پکڑ ہوئی تھی خدا کی دی ہوئی رحمتیں جن کو اسلم نحوست سمجھتا تھا، ایک ایک کر کے اس کی جھولی سے غائب ہونے لگی تھیں۔

ان بچیوں کی موت طبعی نہ تھی بلکہ اس قدر ہولناک تھی کہ دیکھنے والا غم اور خوف سے لرز اٹھتا تھا۔ تین ماہ کے دوران تین بیٹیوں کی دردناک موت کوئی معمولی بات نہ تھی۔

اسلم کی سب سے بڑی بیٹی جس کی عمر نو سال تھی کی لاش کنوئیں سے ملی تھی۔ یہ کنواں گھر کے صحن میں ہی موجود

تھا اس معصوم بچی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا، یوں معصوم بچی کی انتہائی تکلیف داذیت میں موت واقع ہو چکی تھی۔

اس دردناک واقعے کو ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ اسلم کی دوسری بیٹی بھی اس سفاک قاتل کے ہتھے چڑھ گئی جو کہ پہلے ہی اسلم کی بڑی بیٹی کی جان لے چکا تھا، اس مرتبہ بھی اس بچی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے درخت کی ایک اونچی شاخ کے ساتھ لٹکا کر پھانسی دی گئی تھی جبکہ اسلم کی تیسری بیٹی کو مارنے کے لئے بھی قاتل نے عجیب طریقہ اختیار کیا تھا۔ بچی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر چارپائی کا ایک پایہ اس کی نازک گردن پر رکھ کر اس قدر چارپائی پر وزن ڈالا تھا کہ بچی کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور اس معصوم کی موت واقع ہو گئی تھی۔

پورے گاؤں کے لئے اسلم کی تینوں بیٹیوں کی موت کسی معمہ سے کم نہ تھی۔ قاتل کون تھا یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا؟ اس کو بھی کسی پر شک نہیں تھا کیونکہ اس کی گاؤں کے ہر بندے کے ساتھ اچھی دعا سلام تھی اس لئے وہ کسی پر بھی شک ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے خاندان کے لوگوں کی محبت اور توجہ دیکھ کر وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان میں سے کوئی اس کی بیٹیوں کا قاتل ہو سکتا ہے۔

عجیب بے بسی کا عالم تھا، قاتل لاپتہ تھا اور پولیس بھی قاتل کو ڈھونڈنے میں بالکل ناکام ہو گئی تھی۔

اسلم اس قدر خوفزدہ ہو چکا تھا کہ بچ جانے والی سب سے چھوٹی بیٹی زرینہ کو ایک پل کے لئے بھی خود سے جدا نہیں کرتا تھا۔ مگر پھر بھی وہ مطمئن نہیں تھا اس لئے اس نے شہر میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے اس فیصلے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اس نے شہر میں کرائے پر ایک مکان دیکھا اور اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ اس گھر میں شفٹ ہو گیا۔

اسلم گاؤں میں کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا مگر اب شہر آ کر وہ کوئی ایسا کام کرنا چاہتا تھا۔ جس کے اوقات کے دوران وہ زرینہ کو بھی اپنے ساتھ رکھ سکے۔ اس لئے اس نے اپنے گھر ہی میں سبزی کی دکان کھول لی۔ یوں دکان سے آنے والی آمدنی سے گھر کا خرچ اور کرایہ باآسانی نکل آتا تھا۔

بظاہر یوں لگتا تھا حالات معمول پر آ چکے ہیں۔ مگر کہیں ایسا اندیشہ اسلم کے دل میں موجود تھا جو اکثر رات کو اس کو گہری نیند سے جگا دیتا تھا اور وہ بے چین ہو کر اپنے پاس سوئی زرینہ کو ٹٹولتا، یہ جاننے کے لئے کہ وہ اس کے پاس ہے بھی کہ نہیں۔

بڑی عجیب بات تھی کہ جو شخص اپنی بیٹیوں کی طرف محبت سے دیکھنا گوارہ نہیں کرتا تھا اب یوں اپنی بیٹی کو ساتھ لئے پھرتا جیسے وہ ایک پل کے لئے بھی اسے اپنی آنکھوں سے دور کرے گا تو ہمیشہ کے لئے اسے کھو دے گا۔

وقت انسان کو اس کے کیئے کے مطابق اچھا یا برا سبق دیتا ہے، انسان جب بار بار غلطیاں کرنے کے باوجود باز نہیں آتا تو قدرت بھی انسان کو مزید ڈھیل دیتی ہے مگر وہ بے وقوف انسان یہ سمجھ نہیں پاتا کہ قدرت کی ڈھیل جس قدر طویل ہوتی ہے اس کی پکڑ اسی قدر سخت بھی ہوتی ہے۔ پھر انسان بھاگتا پھرتا ہے کہ کسی طرح اس پکڑ سے محفوظ رہ سکے لیکن وہ کہیں بھی جا چھپے قدرت کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔

اسلم بھی ماضی میں کی ہوئی غلطیوں کی تلافی کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا، اس کا رویہ پاکیزہ سے بہت اچھا ہو گیا تھا۔ وہ ہر طرح سے اس کا خیال رکھنے کی کوشش کرتا تھا، پاکیزہ خود بھی اسلم میں رونما ہونے والی اس اچانک تبدیلی پر حیران تھی۔ اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھرنے لگی تھی۔

اسلم سوچ رہا تھا۔ "زرینہ کا شہر کے کسی اچھے اسکول میں داخلہ کروائے گا، اپنی اس بیٹی کو وہ خوب اچھی تعلیم دلوائے گا۔ اگر اس کے نصیب میں بیٹا نہیں تو کیا ہوا وہ اپنی اس بیٹی کی ہی بہت اچھی تربیت کر کے اسے ایک تابناک مستقبل دے گا۔

مگر اس بے خبر کو یہ معلوم نہ تھا کہ مستقبل کو پانے کے لئے تو زندگی کی ضرورت ہوتی ہے مگر زندگی کی لکیر زرینہ کے ہاتھ سے تیزی سے مٹتی چلی جا رہی تھی۔

اسلم اپنی زندگی کو پرسکون بنانے کے لئے خوب ہاتھ پاؤں مار رہا تھا مگر اس کے باوجود اس کا ایک آخری امتحان باقی

تھا جو اس کی تمام زندگی کا سکون ملیامیٹ کرنے والا تھا۔

ایک رات وہ بہت برا خواب دیکھ کر جاگا تھا۔ وہ خواب اس نے زرینہ کے متعلق ہی دیکھا تھا۔

اس نے گھبرا کر اپنے پاس سوئی ہوئی زرینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اسے یوں لگا جیسے زرینہ بستر پر نہیں۔ اس کا دل گویا بند ہونے لگا، اس نے فوراً ٹیبل لیمپ کا بٹن آن کیا تو اس کا خدشہ یقین میں بدل گیا کیونکہ زرینہ واقعی بستر پر موجود نہیں تھی۔ تاہم پاکیزہ بھی بستر سے غائب تھی پاکیزہ کی غیر موجودگی اسلم کے لئے اطمینان کا باعث بن گئی تھی اور وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ پاکیزہ زرینہ کو واش روم تک لے کر گئی ہوگی۔

وہ پھر سے لیٹ گیا مگر اندر کی بے چینی اس کو مطمئن نہ کر پائی اور وہ کافی دیر تک خالی الذہن ہو کر پاکیزہ اور زرینہ کی واپسی کا انتظار کرتا رہا مگر کافی وقت گزرنے کے باوجود وہ دونوں واپس نہ آئیں تو اسلم پریشان ہو کر اٹھا اور صحن میں آ گیا۔

کچن کی لائٹ آن تھی جو کہ پاکیزہ کی کچن میں موجودگی کی نشاندہی کر رہی تھی۔ مگر وہ اس وقت وہاں کیا کر رہی تھی؟ یہ بات اسلم کے لئے بھی حیرت کا باعث تھی۔

وہ کچن کی طرف بڑھا مگر یہ جان کر اسے سخت مایوسی اور حیرت ہوئی کہ کچن کا دروازہ اندر سے بند تھا وہ فوراً کچن کی بائیں جانب موجود ایک کھڑکی کی طرف بڑھا جس پر مضبوط سلاخیں لگی تھیں، اس کھڑکی سے کچن کی اندرونی حالت کا نظارہ با آسانی کیا جا سکتا تھا۔

اسلم نے جیسے ہی کھڑکی سے جھانکا تو گویا اس کا دماغ چکرا سا گیا کیونکہ اندر کا منظر ایسا غیر یقینی دلخراش ہیبت ناک اور خونچکاں تھا کہ اسلم سے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔

زرینہ زمین پر کسی لاچار جانور کی طرح بے بس پڑی تھی، اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح سے بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ اور وہ خوفزدہ نگاہوں سے جس سمت دیکھ رہی تھی، اسلم نے بھی اس کی نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں دیکھا تو اس کی حیرت سے آنکھیں پھٹ گئیں۔

اسلم نے بے ساختہ خود کو گرنے سے بچانے کے لئے دیوار کا سہارا لے لیا اور غیر یقینی انداز سے اس وجود کو دیکھا جو بڑی سفاکی سے چھری تیز کرنے میں مصروف تھا۔ اسلم پوری قوت سے چلایا۔

"پاکیزہ!!" پاکیزہ نے فوراً سر اٹھا کر اسلم کی طرف دیکھا تو اسلم اس کی آنکھوں میں چھلکتی ہوئی اجنبیت اور سفاکی کو دیکھ کر کانپ اٹھا کیونکہ پاکیزہ کسی خونخوار بھیڑیے کی مانند لگ رہی تھی۔ جو اپنے شکار کو بری طرح سے چیر پھاڑ کر رکھ دینا چاہتا ہوں۔

پاکیزہ جیسے ہی چھری لے کر زرینہ کی طرف بڑھی تو اسلم گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

"رک جاؤ پاکیزہ! یہ تمہاری بیٹی ہے، اسے کیوں مار رہی ہو؟"

لیکن پاکیزہ نے تو جیسے کچھ سنا ہی نہیں وہ جیسے گونگی بہری ہو چکی تھی۔ اسلم بڑی تیزی سے کچن کے دروازے کی طرف بڑھا اور اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا، اس کوشش میں اس نے دروازے پر لاتیں اور مکے برسانے شروع کر دیئے مگر ساتھ ساتھ وہ کھڑکی کی طرف بھی چلا جاتا اور ہاتھ جوڑ کر پاکیزہ کو زرینہ کے قتل سے روکتا رہا۔ مگر پاکیزہ پر کسی بات کا اثر نہ ہوا، اس نے اسلم کے سامنے خوف سے سہمی ہوئی زرینہ کو سیدھا کیا اور اس معصوم کے گلے پر چھری پھیر دی۔

تیزی سے خون کی ایک دھار نکلی اور پاکیزہ کے وحشت سے بگڑے ہوئے چہرے کو سرخ کر گئی۔

اسلم یہ منظر دیکھ کر تڑپ اٹھا، وہ مسلسل چیختے ہوئے دیوانگی کے عالم میں اپنا سر کھڑکی کی سلاخوں کے ساتھ ٹکرانے لگا مگر پاکیزہ اسلم کی اس حالت سے بے نیاز ہو کر اس وقت تک زرینہ کے گلے پر چھری چلاتی رہی جب تک زرینہ کا سر کٹ کر تن سے جدا نہ ہو گیا۔

اسلم کا شور سن کر بیرونی دروازے کے باہر لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا تھا۔ وہ مسلسل دروازہ پیٹ رہے تھے اور اندرونی حالات جاننے کے لئے بے چین تھے۔ مگر اسلم کو

کچھ ہوش نہ تھا۔ وہ سلاخوں کے ساتھ سر ٹکرا کر خود کو لہولہان کر چکا تھا اور سر پکڑ کر چیخ رہا تھا۔

چند لوگ دیوار پھلانگ کر گھر میں داخل ہوئے اور کچن کا دروازہ کھولنے کے لئے انہوں نے اسے توڑ ڈالا۔

مگر اس وقت تک زرینہ کا سر کاٹ کر پاکیزہ جلتے ہوئے چولہے پر رکھ چکی تھی۔ اور خود اپنے بال نوچ کر بڑے بھیانک قہقہے لگا رہی تھی۔ اسلم جو بڑی دیر سے حواس باختہ ہو کر یہ منظر دیکھ رہا تھا وہیں گر کر بے ہوش ہو گیا۔

کچھ ہی دیر میں وہاں پولیس اور مختلف اخباری رپورٹرز بھی پہنچ چکے تھے۔

مگر ایک سگی ماں کے ہاتھوں سگی بیٹی کے قتل نے سب کو غم و حیرت سے ششدر کر دیا تھا، لوگوں کی آنکھیں گویا پتھرا سی گئی تھیں، دل غم سے چور ہو گیا تھا۔

پاکیزہ کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا تھا مگر وہ اپنے حواسوں میں ہی نہیں تھی۔ اس کو بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔

پاکیزہ کو جب تھانے میں ہوش آیا تو اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ اس نے رات کو کس قدر سفاک اور بھیانک کام کیا تھا۔ اپنی بیٹی زرینہ کی موت کی اسے کچھ خبر نہ تھی۔ مگر جیسے ہی اسے بتایا گیا کہ اس کی بیٹی قتل ہو چکی ہے اور وہ خود ہی اپنی بیٹی کی قاتل ہے تو اس نے اس قتل سے مسلسل انکار کیا اور وہ زرینہ کی موت پر یوں روئی کہ کوئی دیکھنے والا یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ عورت اپنی بیٹی کی قاتل بھی ہو سکتی ہے؟

پاکیزہ کی حالت دیکھ کر صاف اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی دماغی حالت نارمل نہیں اس لئے اسے ماہر نفسیات کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ دوران علاج مزید بھیانک اور دل دہلا دینے والے انکشافات ہوئے جن میں ایک دلخراش انکشاف یہ بھی تھا کہ پاکیزہ ہی اپنی پہلے قتل ہونے والی تین بیٹیوں کی قاتل ہے، نا صرف یہ بلکہ وہ ایک خطرناک اور جنونی ذہنی مریضہ بن چکی تھی۔

دوران علاج پاکیزہ نے وہ تمام باتیں کھول کر رکھ دی تھیں جو اس کی اس حالت کا باعث بنی تھیں۔

اسلم پاکیزہ سے شدید محبت کرنے کے بعد اچانک اس سے نفرت کرنے لگتا۔ اسے مارنا، پیٹنا ہر وقت ذہنی اور جسمانی اذیت میں مبتلا رکھنا اور پھر دوسری اور تیسری شادی کر لینا، یہ تمام زیادتیاں ایسی تھیں جس کا ذمہ دار وہ اسلم اور اپنی چار معصوم بیٹیوں کو سمجھتی تھی۔

وہ دل ہی دل میں کڑھتی تھی، اپنی حالت پر آنسو بہاتی تھی مگر بے بس تھی، وہ کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی تھی کیونکہ چاروں معصوم بچیاں اس کا خون تھیں اور اسلم اس کا مجازی خدا، وہ ان سب کا برا بھی نہیں چاہ سکتی تھی۔ اسی جلن اسی بغاوت اور اسی بے بسی نے اس کے اندر ایک ایسی عورت کو بیدار کیا جو ڈری ڈری سہمی سہمی رہنے والی پاکیزہ کے بالکل برعکس تھی، وہ اس قدر سفاک ہو گئی تھی کہ کسی رشتے تعلق کا لحاظ نہ کرتی تھی۔

یہ سفاک عورت جب بھی پاکیزہ میں بیدار ہوتی اس ہستی کو مٹا دیتی جسے پاکیزہ لاشعوری طور پر اپنی تکلیف کا باعث سمجھتی تھی، اسی انتقام میں اس نے پاکیزہ کی چار بیٹیوں کو قتل کر دیا تھا، پاکیزہ اپنے اندر موجود اس عورت سے بالکل بے خبر تھی۔ وہ نفسیاتی عارضہ جو پاکیزہ کو لاحق ہو چکا تھا اس نے پاکیزہ کی شخصیت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پاکیزہ کی گھریلو زندگی کو تہس نہس کر دیا تھا اب سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔

پاکیزہ کی ذہنی حالت مزید بگڑ چکی تھی۔ اس لئے پاکیزہ کو پاگل خانے بھیج دیا گیا۔ اور وہ اب تک پاگل خانے میں بے یار و مددگار زیر علاج ہے۔ مگر ڈاکٹر کو یقین نہیں کہ وہ کبھی ٹھیک ہو پائے گی جبکہ اسلم زرینہ کی لاش لے کر گاؤں آ گیا۔ اور گاؤں میں اپنی بیٹیوں کی قبروں کی دیکھ بھال کرنے لگا تھا، وہ دن رات اپنی بیٹیوں کی قبروں کے پاس بیٹھ کر اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتا رہتا اور ہر ملنے والے شخص سے یہی کہتا پھرتا ہے۔ کبھی بیٹیوں کو نحوستیں مت سمجھنا کبھی ان کی ناشکری مت کرنا، ورنہ میری طرح تہی داماں رہ جاؤ گے۔

اسلم کی حالت مصلحت خداوندی سے انحراف لوگوں کے لئے مقام عبرت ہے اگر کوئی سمجھے تو......

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر: 104

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شازیہ کی بپھری ہوئی روح شاہنواز کو دھمکی دے کر چلی گئی تھی۔ شاہنواز ڈرا سہما اور خوفزدہ حالت میں رولوکا کے پاس آیا چونکہ شازیہ کی روح پہلے ہی رولوکا کو اپنی روداد سنا چکی تھی۔ اور رولوکا بہت غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ہر صورت شازیہ ہی قصوروار ہے اور اب شاہنواز کو تختہ مشق بنا رہی ہے اور اگر شازیہ کی روح کو مزید ڈھیل مل گئی تو بہت سارے لوگ بمعہ شاہنواز کو بھی موت سے ہمکنار کردے گی۔ لہٰذا رولوکا نے اسی رات شازیہ کی روح کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا۔ ایک صبح رولوکا سے حکیم وقار بولے۔ ’’وکیل حیدر علی آئے تھے جب انہوں نے اپنی روداد سنائی تو میں حیرت میں پڑ گیا۔ بقول ان کے ایک نوجوان لڑکی تھی، روزی جب وہ جوانی کی دہلیز پر پہنچی تو اپنی مست جوانی کے چکر میں لوگوں کی نیندیں حرام کردیں وہ معمولی نوکر کی لڑکی تھی مگر اس کی مست جوانی کے باعث انگریز کمشنر بھی لٹو ہوگیا اور پھر ایک وقت آیا کہ کمشنر نے اس سے شادی کرلی اور پھر کمشنر اپنی جان سے گیا اور کمشنر کا سارا بینک بیلنس روزی کے ہاتھ لگا۔ پھر تو روزی عمر رسیدہ لوگوں کو پھانس پھانس کر شادی کرنے لگی اور ہر مرتبہ اس کا شادی شدہ شوہر کوئی نہ کوئی بوڑھا ہوتا۔ چند ماہ بعد ہی بوڑھا شوہر دنیا سدھار جاتا اور اس طرح کی ساری دولت روزی کے حصے میں آجاتی۔ خیر وکیل صاحب اس کے چکر میں پڑ گئے اور روزی کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے کا سوچا اور وکیل صاحب کو پتہ لگ گیا کہ روزی کی جوانی کا اصل راز کوئی عمل ہے، اور اس عمل کے ذریعے روزی کی جوانی برقرار ہے۔ اور عمل بتانے والا یا عمل کا محافظ ایک ہندو دھوبی غولو تھا۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ چند ماہ پہلے غولو کا انتقال ہوگیا تو روزی بھی اپنی جوانی سے ہاتھ دھو بیٹھی اور اپنی جان سے گئی، لیکن روزی کے مرنے سے پہلے وکیل صاحب اس کی ساری دولت و جائیداد پر قابض ہوچکے تھے اور اب وکیل صاحب اپنے حال سے بے حال ہیں۔ یہ سن کر میں واقعی حیران ہوا ہوں کہ کیا کوئی کسی عمل سے اپنی جوانی برقرار رکھ سکتا ہے۔‘‘ حکیم وقار کی بات سن کر رولوکا بولا۔ یہ حقیقت ہے ایسا ہوتا ہے کہ ایک عامل یا جادوگر اپنی ذہنی قوت کو اتنا قوی کرلیتا ہے اور پھر وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے۔ اب میں آپ کو ایک آسان مثال سے سمجھاتا ہوں۔

(اب آگے پڑھیں)

رولوکا کی بات سن کر حکیم وقار بولے۔

’’حکیم کامل اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کا زیادہ تر دارومدار انسان کی اندرونی یا مخفی قوت پر موقوف ہے یعنی کہ انسان کی چھٹی حس جتنی زیادہ طاقتور ہوگی وہ انسان اتنا ہی مضبوط ذہن کا مالک ہوگا۔ یا پھر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی انسان کا تصور بھی جتنا قوی ہوگا وہ اسی قدر مخفی قوت پر قادر ہوگا۔‘‘

حکیم وقار کی بات سن کر رولوکا بولا۔ ’’بالکل یہی بات ہے، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک شخص چاہے نوری یا ناری عمل کرتا ہے وہ 41 دن کا عمل شروع کرتا ہے اور ٹھیک 41 دن پورے ہوتے ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ عمل کے دوران اس عامل کا کام یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی تنہائی کی جگہ بیٹھ کر کوئی عمل پڑھتے ہوئے اپنے ذہن کو ایک نقطہ پر مرکوز کرلیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس شخص کا ذہن قوی ہوتا چلا جاتا ہے۔

کچھ لوگ 41 دن کے بجائے 90 دن کا عمل کرتے ہیں یا پھر 120 دن کا یا پھر ایک طویل مدت کا بھی عمل کرتے ہیں اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

حکیم صاحب آپ نے اکثر عام زندگی میں بھی دیکھا ہوگا کہ ایک نوجوان کسی لڑکی سے یا پھر کوئی
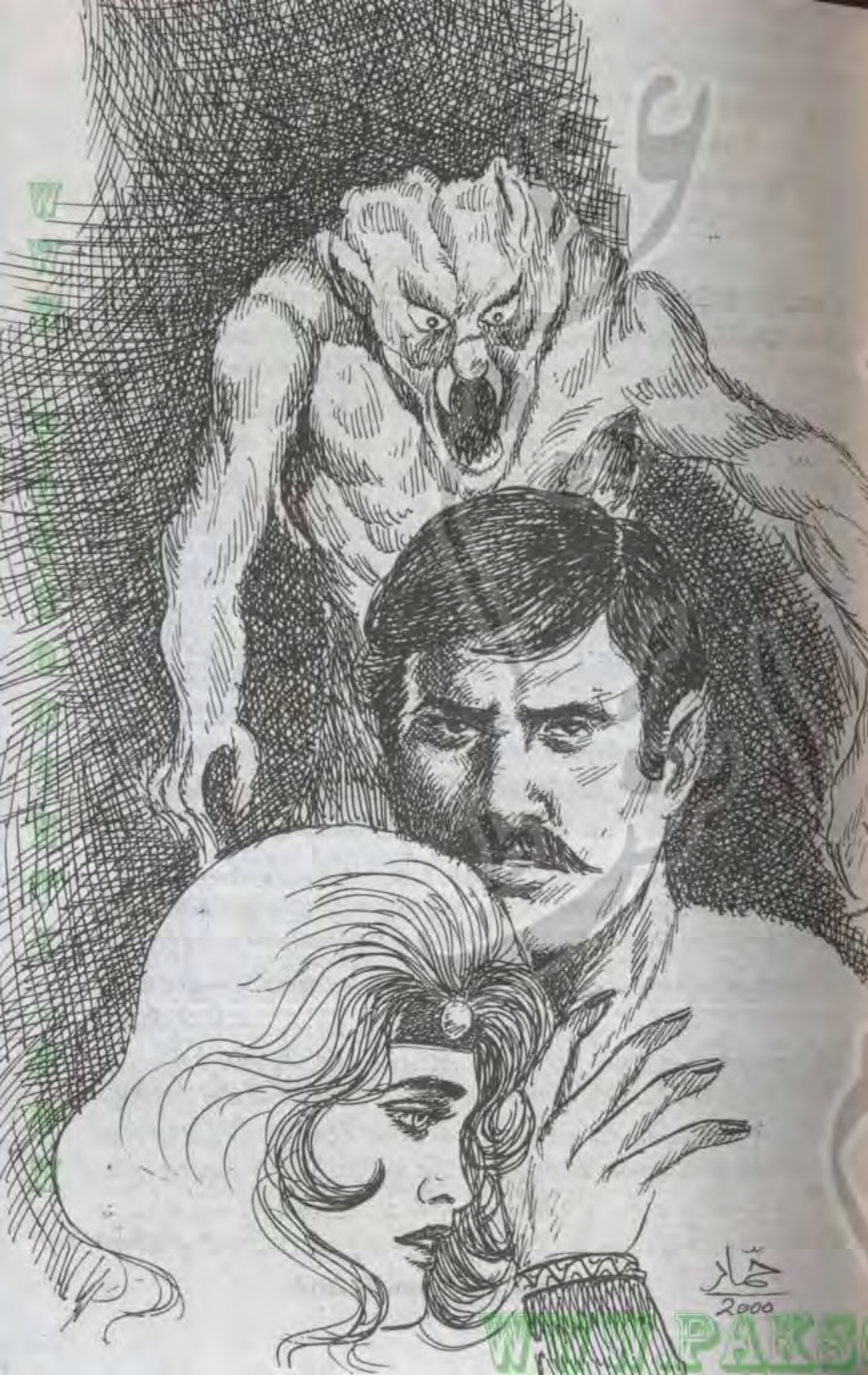
لڑکی کسی نوجوان کے عشق میں گرفتار ہوجاتی ہے تو یہ کیا چکر ہے؟

دراصل ہوتا یہ ہے کہ دونوں فریق میں سے پہلے ایک اپنے محبوب کا تصور کرتا ہے اور وہ تصور ایسا ہوتا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے وہ اپنے محبوب کا تصور کرتا رہتا ہے لہٰذا اس صورت سے اس کے دماغ سے برقی لہریں متواتر خارج ہوکر اس کے محبوب تک پہنچتی رہتی ہیں اور پھر کسی وقت ایسا آتا ہے کہ کسی بھی صورت سے اس کے محبوب کو اس کی چاہت کا علم ہوتے ہی وہ بھی اس کے عشق میں گرفتار ہوجاتا ہے اور وہ اپنے چاہنے والے کی خواہش کا دم بھرنے لگتا ہے۔

کبھی کبھی دونوں کی چاہت میں اس قدر پختگی آجاتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ایک پل کی بھی جدائی برداشت نہیں کرپاتے، اور اگر کبھی ایسا ہوجاتا ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کردیا جاتا ہے یا پھر دونوں کسی بھی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہوجاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کی جدائی برداشت نہ کرتے ہوئے اپنی جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

حکیم وقار اب میں ایک عمل کے متعلق بتاتا ہوں اور یہ بالکل حقیقت ہے، ہمزاد کو قابو کرنے کا عمل۔

سب سے پہلے عامل اپنے دماغ میں پختہ یقین کرلیتا ہے کہ میں نے اپنے ہمزاد کو قابو کرنا ہے تو وہ اس کی تیاری شروع کردیتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی پہنچے ہوئے استاد کی رہنمائی حاصل ہو، ورنہ استاد کی رہنمائی کے بغیر ہمزاد کو قابو کرنے والا عامل جانی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے۔

استاد کی رہنمائی یوں ضروری ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو اس عمل کے متعلق پوری تفصیل بتاتا رہتا ہے اور اس طرح شاگرد ذہنی طور پر تمام حالات کے لئے تیار ہوتا ہے اور پھر شاگرد یہ بھی سمجھتا ہے کہ میرے استاد کی مدد میرے ساتھ ہے۔ اب شاگرد استاد کے حکم کے مطابق کسی بہت ہی تنہا کمرے کا انتخاب کرتا ہے، وہ جگہ اس قدر تنہائی کی ہوتی ہے کہ جیسے ہلکا سا بھی شور نہ سنائی دیتا ہو بلکہ یہاں تک کہ کمرے میں پنکھا بھی نہ ہو۔ کیونکہ پنکھا کے چلنے کی آواز سے ذہن منتشر ہوجاتا ہے۔

استاد عمل کے الفاظ بتاتا ہے جسے شاگرد ازبر یاد کرلیتا ہے اس کے بعد شاگرد اس تنہا کمرے میں ایک قد آور آئینہ دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہے۔ پھر رات میں ایک مقررہ وقت پر شاگرد اپنی پشت پر ایک بڑا سا تیل کا چراغ روشن کرتا ہے، چراغ میں ارنڈی کا تیل ہوتا ہے۔

شاگرد اپنے کپڑے اتار کر اور ایک لنگوٹی پہن کر آئینہ کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور آئینے پر اپنی نظریں مرکوز کردیتا ہے۔ منہ ہی منہ میں عمل کے الفاظ پڑھتا رہتا ہے۔ شاگرد کا ذہن ایک نقطے پر مرکوز ہوتا ہے۔ شاگرد اپنے دماغ میں یہ سوچ بیٹھا لیتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ آئینہ میں سے اب میرا ہمزاد باہر نکل کر مجھ سے ہمکلام ہوگا۔ شاگرد روزانہ یہ عمل ایک مقررہ وقت تک کرتا ہے۔ پشت پر چراغ جلنے سے شاگرد کا عکس آئینہ میں واضح نظر آتا ہے۔

اور پھر وقت مقررہ پر یعنی اکتالیسویں رات حقیقت میں عامل کا ہمزاد آئینہ میں سے باہر نکل کر ہمکلام ہوتا ہے۔ عمل کے دوران عامل ہمیشہ ایک مضبوط حصار میں بیٹھا ہوتا ہے۔

ہمزاد سے عہد و پیمان ہونے کے بعد وہ ہمزاد عامل کے طابع ہوتا ہے اور عامل کے حکم کا پابند ہوکر عامل کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے عامل کا بتایا ہوا کام کرتا ہے۔

ہمزاد کے طابع ہونے کے بعد اب عامل پر فرض ہوتا ہے کہ ہمزاد سے قول قرار کے مطابق اچھے کام کرائے اور خاص طور پر عامل یہ خیال رکھے کہ ہمزاد نے غیر شرعی اور احکام خداوندی کے خلاف کوئی کام نہ لے، ورنہ ہمزاد عامل سے نفرت کرنے لگتا ہے اور موقع کی تلاش میں رہتا ہے اور جب عامل کی کوئی کمزوری اس

کے ہاتھ لگ جاتی ہے تو عامل کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔

ہمزاد کو قابو کرنے کے معاملے میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ یکسوئی کے ساتھ عمل کیا جائے۔ کیونکہ اگر عامل کا ذہن ایک نقطے پر مرکوز نہیں ہوگا تو کسی صورت بھی ہمزاد قابو میں نہیں آئے گا۔ اور پھر اس طرح عامل ذہنی خلفشار کا شکار ہوجاتا ہے۔

عمل کے دوران عامل پر یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ عامل زیادہ لوگوں سے نہ ملے بلکہ زیادہ تر اکیلے رہے اور جب زیادہ اہم ہو تو اس صورت میں لوگوں سے بات چیت کرے۔ ایسا یوں ہے کہ زیادہ لوگوں سے ملنے سے عامل کے ذہن میں لوگوں کی باتیں گڈمڈ ہوکر رہ جاتی ہیں اور عمل کے دوران یکسوئی پیدا نہیں ہوتی بلکہ ذہن منتشر رہتا ہے۔

جادو ٹونا، عمل عملیات، ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم اور مراقبہ، ان تمام چیزوں کا تعلق صرف اور صرف مضبوط تصور سے ہی ہے۔ جب ایک انسان کا تصور بہت زیادہ طاقتور ہوجاتا ہے تو وہ انسان اپنے ذہن میں جو کچھ بھی سوچتا ہے وہ عملی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔

کبھی کبھار تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان یہاں بیٹھا ہے اور تصور میں دوسری جگہ کا سوچتے ہی وہ انسان دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔

یہ دنیا جب سے بنی ہے تو اس کے ہر دور میں ہر قوم، ہر مذہب، ہر زبان کے لوگوں میں جادو ٹونا اور عمل عملیات کا چکر رہا ہے اور جب تک دنیا رہے گی اس وقت تک یہ چکر چلتا رہے گا۔

دراصل عمل عملیات میں کچھ مخفی قوتیں درپردہ ہوتی ہیں اور جب انسان اپنے عمل اور یکسوئی کے ذریعہ ان قوتوں کو مسخر کرلیتا ہے تو وہ قوتیں اس عامل کے طابع ہوکر اس کا حکم مانتی ہیں۔

ایک انسان ہزاروں میل دور بیٹھا ہوتا ہے اور پل بھر میں ہزاروں میل دور کی خبر جان لیتا ہے بلکہ ہزاروں میل دور کیا ہورہا ہے وہ من وعن اس کے سامنے آجاتا ہے۔

بلکہ گزرے ہوئے حالات اور آنے والے واقعات کے متعلق بھی عامل باخبر ہوجاتا ہے اور لوگوں کو ان کے حالات سے باخبر کردیتا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے جادوگر آئے اور چلے گئے۔ ان تمام جادوگروں میں سامری جادوگر کا نام نمایاں ہے۔ بے شمار مخفی قوتیں اس کے طابع تھیں، وہ جادو پر عبور رکھتا تھا۔

خیر عمل عملیات کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ عمل کے شیدائی اور شوقین عمل سیکھتے رہیں گے۔ مخفی اور نادیدہ قوتوں کو مسخر کرتے رہیں گے۔ دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک عامل موجود ہے جو کہ اپنے عمل سے لوگوں کو حیران کردیتا ہے۔" رولو کا یہاں تک بول کر خاموش ہوگیا۔

"جی حکیم صاحب آپ بالکل صحیح فرمارہے ہیں، آپ کی باتیں میرے دل ودماغ میں بیٹھ گئی ہیں اور آج آپ کی مفصل باتیں سن کر میں بھی جادو ٹونے اور عمل عملیات کا قائل ہوگیا ہوں، نادیدہ قوتوں کی موجودگی اس دنیا میں ہے اور اکثر لوگ ان پر قابو پاتے رہتے ہیں، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ عمل کسی کی میراث نہیں بلکہ عمل عملیات دنیا کے ہر مذہب اور ہر زبان میں موجود ہے، اس کے طریقے الگ الگ ہیں اور ان پر جو محنت کرتا ہے اس کا پھل ملتا ہے۔

اور ہاں ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ حکیم کامل یہ بتائیں کہ کیا میں بھی کوئی عمل سیکھ سکتا ہوں اس کا شوق میرے دماغ میں بھی سر ابھار رہا ہے۔" حکیم وقار بولے۔

حکیم وقار کی بات سن کر رولو کا مسکرایا اور پھر بولا۔ "حکیم صاحب! آپ پر مطب کی ذمہ داریاں کیا کم ہیں، آپ کس قدر اپنی ذمہ داریوں کے نیچے دبے ہوئے ہیں، رات ہو یا دن بہت ہی کم وقت بلکہ وقت ہی نہیں ملتا کہ آپ مطب سے دور رہیں، ہر وقت آپ دواؤں اور مریضوں میں اور جڑی بوٹیوں کے چکر میں الجھے رہتے ہیں۔

ابھی میں آپ کے گوش گزار کر چکا ہوں کہ عمل کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ عامل اپنے آپ کو دنیاوی الجھنوں سے الگ کرلے، عامل کا ذہن ہر وقت ہلکا اور دباؤ سے پاک رہے، عامل لوگوں سے الگ رہے، گوشہ نشینی اختیار کرے، زیادہ سے زیادہ اپنے پیٹ کو نہ بھرے اس لئے کہ زیادہ کھانے سے غنودگی آتی ہے اور پھر عمل میں خلل پڑ سکتا ہے، عمل کے دوران چاک و چوبند اور حاضر دماغ رہنا پڑتا ہے۔

استاد کی بتائی ہوئی باتوں پر مکمل عمل کرنا پڑتا ہے۔ جب تک عمل کی مدت پوری نہیں ہوجاتی، عامل اس وقت تک اپنے آپ کو دنیاوی کاموں اور الجھاؤ سے دور رکھتا ہے، اگر عامل دنیاداری میں لگا رہے گا تو کبھی بھی عمل پر مکمل توجہ نہیں دے سکتا، اور جب بالکل عمل کی جانب متوجہ نہیں ہوگا تو عمل میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

میں اپنے ایک ساتھی کا واقعہ سناتا ہوں جو کہ بضد رہا کہ استاد اسے کسی عمل میں کامیاب کرائیں، وہ دنیاداری میں لگا رہنا چاہتا تھا اور عمل میں کامیاب بھی ہونا چاہتا تھا۔ ایک دن استاد اچھے موڈ میں تھے۔ انہوں نے اس کی بات مان لی اور ایک عمل کے متعلق بتادیا کہ وہ عمل شروع کردے۔ استاد نے عمل کے تمام اونچ نیچ سے باخبر کردیا۔ استاد کی باتیں سننے کے بعد وہ بہت خوش ہوا اور عمل کے لئے کمربستہ ہوگیا اور وقت مقررہ پر رات کی تنہائی میں عمل شروع کردیا۔ استاد اس کی طرف سے غافل نہیں تھے اس کی تمام خبریں رکھتے تھے۔

اس کا نام مناشا تھا۔ خیر مناشا نے عمل شروع کردیا۔ ایک دن دو دن، اور پھر اس طرح عمل کے دن بڑھتے رہے، استاد نے اسے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ عمل کے دوران بہت سے ناقابل یقین اور ناقابل فراموش منظر رونما ہونگے۔ جن سے تم نے ڈرنا نہیں، بلکہ تمام خوفناک دہشت ناک اور وحشت ناک مناظر صرف اور صرف ڈرانے تک موقوف رہیں گے۔ چونکہ تم ایک مضبوط حصار میں رہوگے تو اس عمل کی نادیدہ قوتیں تمہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچاسکیں گی بلکہ ان قوتوں کا سارا چکر یہ ہوگا کہ تم عمل میں کامیابی نہ حاصل کرسکو اور عمل چھوڑ دو۔"

خیر مناشا دل لگا کر عمل کرتا رہا۔ وہ بہت خوش تھا کہ عمل احسن طریقے سے جاری وساری ہے۔ رات میں عمل کرتا اور دن بھر دنیاداری کے کاموں میں لگا رہتا اور یہی نہیں بلکہ دن بھر دوست یاروں میں بھی مست رہتا۔

بیس بائیس دن کے بعد ہی بقول اس کے، ہلکے پھلکے ڈراؤنے مناظر ظاہر ہونا شروع ہوگئے تھے۔ خیر انتالیس دن خیر وخوبی سے گزر گئے۔ چالیسویں کی رات وہ عمل میں مصروف تھا اور روزانہ کی طرح عمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک اسے نظر آیا کہ نو دس سال کا ایک کالا بھجنگ حبشی بچہ اپنی ماں کے ساتھ اسی کی جانب آرہا ہے۔

جب دونوں ماں بیٹے کچھ قریب آگئے تو بچہ بے قرار طریقے سے اپنی ماں سے بولا۔ "اماں...... اماں مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے اور بھوک اتنی ہے کہ اب مجھ سے برداشت سے باہر ہورہی ہے۔ مجھے کھانا چاہیے۔"

بچے کی بات سن کر ماں نے بغور بچے کو دیکھا۔ اتنی دیر میں ایک موٹا سا کالا بکرا، ان کے قریب سے گزرنے لگا۔ بکرے کو دیکھ کر جھٹ ماں بولی۔ "ارے بھوک لگی ہے تو اس بکرے کو پکڑ اور اپنی بھوک مٹالے۔"

یہ سننا تھا کہ بچہ تیزی سے بکرے کی جانب بڑھا اور پھر ایک ناقابل یقین منظر مناشا کے سامنے تھا۔

بچے نے پلک جھپکتے ہی بکرے کو چیر پھاڑ دیا اور مزے مزے سے بکرے کا سارا گوشت کھا گیا اور ساتھ ہی ساری ہڈیاں بھی چبا گیا۔

مناشا جو کہ اپنے عمل میں مصروف تھا اپنی نظروں کے سامنے وہ منظر دیکھ کر سہم گیا اور اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ لیکن پھر اس نے اپنا دل مضبوط کیا اور عمل پڑھنے لگا۔

چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ پھر بچے کی آواز سنائی دی۔ "اماں...... اماں...... مجھے ابھی بھی بھوک لگی ہے، بکرا کھا کر میرا تو پیٹ بھرا نہیں۔"

یہ سن کر بچے کی ماں نے غصے سے بچے کی طرف دیکھا اور کڑک دار آواز میں بولی۔ "وہ دیکھ سامنے بیل کھڑا ہے...... جا اسے کھالے تیرا پیٹ بھر جائے گا۔"

بچے نے سامنے دیکھا تو واقعی ایک بہت ہی لحیم شحیم بیل کھڑا تھا۔ بیل اپنی جگہ کھڑا تھا جو کہ مناشا کو بھی نظر آیا۔

بچہ فوراً بیل کی جانب لپکا اور بیل کے قریب جاتے ہی قلابازی کھائی اور بیل کے دونوں سینگ پکڑ کر جو جھٹکا دیا تو بیل چاروں شانے چت نیچے گر پڑا۔ بچے نے بجلی کی تیزی سے بیل کے گردن پر اپنا منہ مارا اور چشم زدن میں بیل کا نرخرہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ بیل بہت اچھلا کودا مگر بچے کی گرفت ناقابل یقین تھی۔

اور پھر دیکھتے ہی وہ نو دس سال کا بچہ بیل کو ہڑپ کرگیا۔ سارا گوشت اور ساری ہڈیاں تک اس نے پیٹ میں اتارلیں۔ بچہ جو بھی کررہا تھا وہ سب کچھ مناشا کو واضح طور پر نظر آرہا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنا عمل پڑھنے میں مصروف ہی رہا۔

بچہ خوشی خوشی اپنی ماں کے پاس آگیا تو اس کی ماں نے پوچھا۔ "ارے اب تو تیرا پیٹ بھر گیا ہوگا۔"

یہ سن کر بچہ پھر بولا۔ "ارے اماں...... میں تو ابھی بھی بھوکا ہوں...... پیٹ ابھی پورا نہیں بھرا...... کوئی اور اپائے کرنا پڑے گا۔ بھوک سے تو میرا چلنا بھی دوبھر ہورہا ہے۔"

یہ سن کر پھر اس کی ماں بولی۔ "تیرا پیٹ نہیں بھرا تو اب مجھے کھائے گا۔ دیکھ وہ سامنے تیرا باپ آرہا ہے، اب تو اسے ہی کھالے تاکہ تیرا پیٹ بھر جائے۔"

اتنے میں نظر آیا کہ ایک بہت ہی موٹا شخص کسی درخت کے تنے کی جسامت کا جھومتا ہوا آرہا ہے۔ جب وہ ذرا قریب آیا تو وہ بچہ جو کہ اپنی ماں کے قریب بہت ہی معصوم بنا کھڑا تھا۔ بجلی کی سی تیزی سے اس شخص کی طرف لپکا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص کا خون کردیا۔ اس کے بعد بڑی رغبت سے اس شخص کا سارا گوشت ہڈی سمیت چٹ کرگیا۔

یہ سارا منظر مناشا کو بخوبی نظر آرہا تھا۔ اس کے باوجود وہ عمل میں مصروف رہا۔

ایسا کرنے کے بعد بچہ اپنی ماں کے پاس آیا تو ماں نے پوچا۔ "باپ کو کھانے کے بعد اب تو تیرا پیٹ بھر گیا ہوگا؟"

ماں کی بات سن کر بچہ بہت ہی نڈھال طریقے سے بولا۔ "ارے اماں...... کیا بتاؤں ابھی بھی میرا پیٹ خالی ہے......" "ابھی بھی بھوک باقی ہے۔"

یہ سن کر ماں بولی۔ "اب تو میرے بس سے باہر ہے کہ میں تجھے کچھ اور کھلاؤں...... چپ چاپ میرے ساتھ آگے کو چل...... جہاں ہم جارہے ہیں۔ وہیں چل کر میں تیرے لئے اور کوئی بندوبست کروں گی، یہاں تو ممکن نہیں۔"

ماں کی بات سن کر بچہ بولا۔ "اماں...... بھوک کی وجہ سے میرا آگے کو چلنا بہت مشکل ہے۔ بغیر مزید کچھ کھائے میں آگے نہیں چل سکتا۔ میری بھوک کے لئے تجھے کوئی نہ کوئی بندوبست تو کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ میں یہیں بیٹھا رہوں گا۔"

یہ سن کر ماں نے بچے کے سر پر ہلکا سا چپت مارا اور بولی۔ "تیری بھوک تو میری سمجھ سے باہر ہے...... خیر میں کچھ کرتی ہوں۔" اور پھر بچے کی ماں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

پھر وہ بولی۔ "چل ایک اپائے اور ہوسکتا ہے اور یہ آخری اپائے ہے۔ اس کے بعد تیری بھوک کے لئے میں کچھ بھی نہیں کرسکتی۔

دیکھ وہ سامنے عامل بیٹھا ہے اور مزے مزے سے اپنا عمل پڑھ رہا ہے جا اور جا کر اسے کھالے۔ شاید ایسا کرنے سے تیری بھوک ختم ہوجائے۔"

یہ سننا تھا کہ مناشا کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اس کے بدن کے مساموں سے ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے باہر کو آنے لگے۔

ماں کی بات سن کر بچے نے بغور مناشا کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”اماں...... یہ ٹھیک رہے گا...... میں جارہا ہوں...... اور اسے کھا کر آتا ہوں۔“ یہ بولتے ہی بچے نے مناشا کی طرف دوڑ لگادی۔

بچہ مناشا کے قریب پہنچا ہی تھا کہ مناشا جھٹ سے اٹھا اور حصار سے باہر دوڑ لگادی۔ دوڑتے دوڑتے مناشا کا دماغ ایک دم بھک سے ہوگیا۔ دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ وہ خوف اور ڈر کی وجہ سے سہم چکا تھا۔ اس کے جسم پر کپکپی طاری ہوچکی تھی۔

مناشا کا عمل ادھورا رہ گیا تھا۔ اور اسے عمل سے روکنا ہی اس بچہ اور اس کی ماں کا سارا حربہ تھا کیونکہ اصل میں وہ اس عمل کا موکل تھا جو کہ بچے کے روپ میں آیا تھا۔ مناشا سرپٹ دوڑتا ہوا استاد کے آستانے پر آیا اور دھڑام سے استاد کے سامنے فرش پر گر پڑا۔

مناشا کو اس حالت میں دیکھ کر استاد سمجھ گئے کہ اس کے ساتھ جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ خیر استاد نے جو بھی کرنا تھا، اس کے ساتھ کیا تو کہیں جا کر اس کے حواس درست ہوئے، ایک طویل عرصہ تک اس کا ذہنی توازن ڈانواں ڈول رہا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ نارمل حالت میں آیا۔ اس کے بعد استاد نے اس پر حکم صادر کردیا کہ عمل کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔“

حکیم وقار بولے۔ ”حکیم صاحب کیا اس عمل کے موکل نے مناشا کے دماغ کو تہہ و بالا کردیا تھا؟“

یہ سن کر رولو کا مسکرایا اور بولا۔ ”جی نہیں...... دراصل کسی بھی عمل کا موکل، بیر، محافظ یا جن جنات، عامل پر براہ راست حملہ نہیں کرتے اور نہ ہی اسے نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ موکل ایسے ایسے خوفناک اور جان لیوا مناظر عامل کے سامنے لاتے ہیں تاکہ عامل خوف اور ڈر کی وجہ سے عمل کو ادھورا چھوڑ دے اور یہی ہوتا بھی ہے کہ خوفناک اور ڈراؤنے مناظر دیکھ کر عامل بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور پھر اس عامل کا ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے۔ عامل اس قدر دہشت زدہ ہوجاتا ہے کہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی اس کا دماغ نارمل نہیں ہوتا۔

یا پھر کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ خوف کی وجہ سے عامل کی موت واقع ہوجاتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ عمل کے موکل یا محافظ نے عامل کی جان لے لی۔

جہاں تک جان جانے کی بات ہے تو میں ایک اور واقعہ سناتا ہوں جس میں عامل اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک شاگرد نے اپنے استاد سے ضد کی کہ استاد اسے کوئی بڑا عمل بتادیں تاکہ وہ شاگرد بھی ایک بڑا عامل بن جائے۔

استاد بہت پہنچے ہوئے تھے اکثر شاگرد کی بات کو ٹال جاتے اور سمجھاتے کہ ”بھئی جب ایسا وقت آئے گا اور جب میں مناسب سمجھوں گا کہ تم عمل کے قابل ہوگئے ہو تو میں تمہیں کوئی بڑا عمل اپنی سرپرستی میں کروادوں گا۔ لیکن فی الحال تم میں کسی بڑے عمل کو سہارنے کی طاقت نہیں ہے۔ تم اندرونی طور پر فی الحال کم ہمت ہو۔ لہٰذا وقت کا انتظار کرو۔“

یہ سن کر شاگرد طیش میں آگیا مگر اس نے اپنا طیش استاد پر ظاہر نہیں ہونے دیا، اس کے بعد دن بدن وہ شاگرد استاد کی خدمت میں حاضر ہونا کم کرتا گیا۔ ایک دن استاد نے پوچھا۔ ”بھئی کیا بات ہے لگتا ہے کہ آج کل تم کچھ زیادہ ہی مصروف رہنے لگے ہو۔“

استاد کی بات سن کر شاگرد بولا۔ ”استاد جی! دراصل آج کل کچھ گھریلو مصروفیات زیادہ ہوگئی ہیں اور پھر کھیتوں میں بھی کام بڑھ گیا ہے، میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ روزانہ آپ کی خدمت میں حاضری دوں مگر تھکن کی وجہ سے گھر میں قدم رکھتے ہی نڈھال ہوجاتا ہوں اور پھر چارپائی کا ہوکر رہ جاتا ہوں۔“

شاگرد کی بات سن کر استاد مسکرانے لگے پھر گویا ہوئے۔ ”بھئی ایک تو مصروفیات ہوتی ہیں اور ایک ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود کو زیادہ مصروف تصور کرنے لگتا ہے، زیادہ تھکن اپنے اوپر سوار نہ ہونے دیا کرو، اگر انسان اپنے اوپر زیادہ تھکن سوار کرلیتا ہے تو پھر اس کا......“ اور استاد نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

استاد کی بات سن کر شاگرد بولا۔ ”استاد جی آپ کی باتوں پر ضرور عمل کروں گا، اور خوش و خرم رہنے کے لئے تمام طریقے پر عمل کروں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں، پھر آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا، آپ میرے لئے دعا ضرور کیجئے گا۔“ یہ بول کر شاگرد نے استاد سے مصافحہ کیا اور واپس چلا گیا اور پھر استاد نے وقت کے ساتھ اس شاگرد کو اپنے ذہن سے الگ کردیا اور ایک وقت آیا کہ وہ شاگرد استاد کے پاس آیا بالکل چھوڑ دیا۔

اس گاؤں سے ہٹ کر دوسرے گاؤں میں ایک پیر صاحب تھے جو کہ نیم حکیم خطرہ جان تھے۔ انہوں نے اپنی مشہوری بہت کر رکھی تھی۔ وہ شاگرد، ان کے پاس پہنچا اور پھر اس کا ان پیر کے پاس آنا جانا زیادہ ہونے لگا۔

وقت کے ساتھ ساتھ شاگرد، پیر سے زیادہ بے تکلف ہوگیا اور پھر ایک دن شاگرد نے اپنے پرانے استاد کی ساری باتیں بتادیں کہ استاد نے میری خواہش کا احترام نہیں کیا۔ استاد نے مجھے کم ہمت، ناکارہ اور نامکمل قرار دے کر الگ کردیا، جبکہ میں بہت ہمت والا اور اس قابل ہوں کہ بڑے سے بڑا عمل چٹکیوں میں کرسکتا ہوں، مجھے تو لگتا ہے کہ استاد خود ہی مکمل نہیں ہیں، ورنہ مجھے مایوس نہ ہونا پڑتا۔“

شاگرد کی بات سن کر پیر نے فرمایا۔ ”بھئی تم واقعی بہت ہمت والے اور طاقت کے مالک ہو، میں نے تمہیں اندرونی طور پر جانچ لیا ہے کہ تم بڑے سے بڑا عمل بغیر خوف کے کرسکتے ہو، خیر تم گھبراؤ نہیں میں بہت جلد ایک بہت ہی بڑا اور جلدی کا عمل بتادوں گا، اس عمل کی کامیابی کے بعد تمہارے جوڑ کا کوئی بھی عامل نہیں ہوگا، بلکہ عمل کے میدان میں تم خود ایک استاد بن جاؤ گے۔“

پیر کی بات سن کر شاگرد بولا۔ ”استاد کب تک میں یہ عمل کرسکوں گا۔“

شاگرد کی بات سن کر پیر ہنسا اور بولا۔ ”بھئی بات یہ ہے کہ پہلے تم میرے پکے شاگرد یعنی مرید تو بن جاؤ، تمہیں یہ بھی پتہ ہوگا کہ مرید یا شاگرد بننے کے لئے کیا کرنا پڑتا ہے۔ پکا شاگرد بنتے ہی آنے والے نئے چاند سے عمل کرانا شروع کردوں گا۔“

پیر کی بات سن کر شاگرد مسکرایا اور پیر کا ہاتھ چومنے لگا پھر بولا۔ ”استاد جی! بہت جلد میں آپ کا پکا شاگرد بننے کے لئے مطلوبہ چیزیں لے آؤں گا تاکہ لوگوں کو بھی پتہ لگ جائے کہ میں واقعی آپ کا پکا شاگرد ہوں۔“

شاگرد کی بات سن کر پیر مسکرائے اور کہا۔ ”بھئی زیادہ دیر نہ کرنا کیونکہ دس دن بعد نیا چاند طلوع ہوجائے گا اور پھر نئے چاند میں ہی تم نے عمل شروع کرنا ہے۔“

پیر کی بات سن کر شاگرد کی باچھیں کھل گئیں، وہ اتنا خوش ہوا کہ اچھلنے کودنے لگا، اس کے دل میں فوراً آیا کہ خواہ مخواہ میں نے اپنا وقت ضائع کیا، سابقہ استاد کے پاس اور پھر استاد جی نے بھی دل کھول کر مجھے لارے لپے میں رکھا اور ایک طویل مدت تک اپنی خدمت کرائی۔

اور یہ پیر صاحب کتنے اچھے اور پہنچے ہوئے ہیں کہ ایک قلیل مدت میں ہی مجھے مرید بنا کر عمل میں کامیابی دلوادیں گے۔

اب تو بلاناغہ وہ شاگرد نئے استاد کی خدمت میں آنے جانے لگا اور ایک دن بولا۔ ”استاد جی جیسے ہی نیا چاند ہوگا میں ساری استادی شاگردی کی چیزیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر دوں گا۔ اپ کچھ سوچتے گا نہیں۔“

شاگرد کی باتیں سن کر پیر صاحب نے کہا۔ ”تم میرے بہت اچھے شاگرد بنو گے، تمہیں دیکھ کر میرا دل شاد باغ ہوجاتا ہے۔ میری بھی خواہش ہے کہ تم جلد از جلد اپنا عمل شروع کردو، کیونکہ جس کام کی نیت کرلی جائے وہ کام جلد از جلد ہوجانا چاہئے۔ بلکہ میں تو تمہارے لئے یہ الفاظ استعمال کررہا ہوں کہ تم بہت ہی لائق اور فرمانبردار میرے شاگرد ہو۔“

اور پھر ایک ایک دن کر کے وقت گزرتا رہا اور وہ دن بھی آ گیا جس شام نیا چاند طلوع ہوا۔ نئے چاند کو دیکھ کر شاگرد اچھلنے لگا اس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اور پھر صبح ہوتے ہی اپنے استاد کے لئے کپڑے، پگڑی اور تمام دیگر چیزیں خریدنے لگا۔

ایک دو دن میں اس نے ساری چیزیں خریدلیں۔ اور پھر خوشی خوشی ان تمام چیزوں کو لے کر استاد کی خدمت میں بمعہ مٹھائی کے حاضر ہوگیا۔

شاگرد کی لائی ہوئی ساری چیزیں دیکھ کر استاد کا دل خوش ہوگیا اور پھر فوراً اٹھ کر استاد نے شاگرد کو گلے لگایا اور اپنے ہاتھ سے شاگرد کو مٹھائی کھلائی۔

یہی نہیں بلکہ آستانے میں موجود تمام لوگوں کو مٹھائی کھلائی گئی۔ سب نے نئے شاگرد کی خوب خوب تعریف کی اور شاگرد کی خوشی دیدنی تھی۔

استاد کے لئے شاگرد نے اچھی خاصی رقم خرچ کر ڈالی تھی اور پھر ساتھ ہی اس نے تمام چیزوں کے علاوہ اچھے خاصے روپے بھی نذرانے کے طور پر دیئے تھے۔

خیر شاگرد خوشی خوشی اپنے گھر واپس آیا، وہ رات شاگرد کے لئے بڑی اہم تھی خوشی کے مارے شاگرد کو نیند آ کے نہیں دے رہی تھی۔ خیر بڑی تگ و دو کے بعد وہ خواب کی وادی میں کھوگیا۔ اس نے خواب میں دیکھا۔

وہ اپنے استاد کے سامنے سر جھکائے بیٹھا ہے۔ استاد اسے کچھ سمجھا رہے ہیں اور وہ خوشی خوشی اپنا سر ہلا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ استاد کے پاس سے اٹھا اور اپنے گھر آ گیا۔ رات ہوئی تو اس نے اپنے کمرے میں ایک چھوٹی سی دری بچھا کر اس پر بیٹھا اور استاد کے بتائے ہوئے عمل کو پڑھنا شروع کردیا۔

ایک دن دو دن اور پھر اسی طرح کر کے مطلوبہ دن آ گیا۔ شاگرد کو اپنا عمل کامیاب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے شاگرد اپنے عمل میں کامیاب ہوگیا۔

شاگرد ایک بہت کامیاب عامل بن گیا تھا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ شاگرد اتنا بڑا عامل بن گیا تھا کہ چٹکیوں میں وہ لوگوں کا مسئلہ حل کرنے لگا۔ اسے اچھے برے کی تمیز نہ رہی تھی۔

اس کے پاس لوگ آتے اور سجدہ ریز ہوتے اس کے قدموں میں ضروریات زندگی کی چیزوں کا ڈھیر لگا دیتے۔

شاگرد اس قدر آگے پہنچا تھا کہ ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ وہ جہاں چاہتا پلک جھپکتے ہی پہنچ جاتا۔ جو چاہتا وہ کرتا، پھر آہستہ آہستہ وہ مغرور سے مغرور تر ہوتا چلا گیا۔

وہ شاگرد ایک دن اپنے سابقہ استاد کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ استاد جی سر جھکائے کسی سوچ میں غرق تھے۔ ان کو دیکھتے ہی شاگرد طنزیہ ہنسی ہنسا اور بولا۔

”استاد جی آپ کا شاگرد!! کیا آپ اپنے کامیاب شاگرد کو اس کی کامیابی پر مبارکباد نہیں دیں گے۔ استاد جی دیکھئے میں ایک مکمل اور پہنچا ہوا عامل بن گیا ہوں۔

آپ تو میرا صرف وقت برباد کرتے رہے تھے، آپ نے میری قدر نہ کی، آپ نے میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہ کیا۔ لہٰذا مجھے کسی اور کے پاس جانا پڑا۔

آپ مجھے بغور دیکھیں کہ نئے استاد نے مجھے کس قدر کامیاب اور پہنچا ہوا عامل بنا دیا ہے۔ مجھ میں اتنی قوت آ گئی ہے کہ میں جو چاہے کرسکتا ہوں۔“

شاگرد طنزیہ ہنسی ہنسنے لگا۔ اور پھر بولا۔

”آپ مجھے گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہیں، اگر میں چاہوں تو چٹکی بجاتے ہی آپ کو غائب کردوں کہ آپ کا نشان تک نہ ملے۔“

اور یہ سننا تھا کہ استاد کی آنکھوں میں انگارے سے بھر گئے، ان کا چہرہ سرخ ہوگیا وہ جلال میں آ گئے اور پھر انہوں نے شاگرد کی طرف پھونک ماری تو شاگرد دھڑام سے ایک بہت بڑے پہاڑ پر ایسے گرا کہ اس کا جسم ہڈیوں سمیت چور چور ہوگیا۔

اور پھر اچانک شاگرد کی آنکھ کھل گئی۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ دل کی حالت بہت غیر تھی۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ چکے تھے، جسم کا ہر اعضاء تکلیف سے دوچار تھا۔ پیاس کی وجہ سے حلق خشک ہوچکا تھا۔ کبھی آنکھیں کھل جاتیں تو پھر فوراً ہی بند ہوجاتیں، وہ بالکل بھی اپنے حواس میں نہ تھا، سانس کے اندر باہر ہونے کی وجہ سے اس کا سینہ بالشت بھر اٹھ اور پچک رہا تھا۔

کوئی دو ڈھائی گھنٹے تک اس کی حالت ماہی بے آب کی طرح رہی۔ اسے کسی پل چین آ کے نہیں دے رہا تھا۔

خیر وہ ہانپتے کانپتے لرزتے قدموں کے ساتھ اٹھا اور پاس پڑے گھڑے سے چار گلاس پانی چڑھا گیا۔ پانی پینے کے بعد اسے ذرا سا سکون ملا تو وہ سوچنے لگا۔ ”میں نے یہ کیسا خواب دیکھ لیا۔ لگتا ہے سابق استاد جی مجھ سے جلنے لگے ہیں اور میرے متعلق بے سری باتیں سوچنے لگے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ لہٰذا ہر صورت میں مجھے ان کے سامنے نہیں جانا چاہئے اور میں اس خواب کا ذکر اپنے نئے استاد سے بھی نہیں کروں گا۔ ورنہ استاد جی سوچیں گے اور بولیں گے۔ ”لگتا ہے تم اب بھی اپنے استاد کو ذہن میں رکھتے ہو۔“

خیر صبح ہوتے ہوتے اس کی حالت قدرے سنبھل چکی تھی۔ اس نے اپنے دل و دماغ کو بہت تسلی دی۔ مگر پھر بار بار اس کے دماغ میں آتا کہ ”میں نے ایسا خواب کیوں دیکھا اور پھر آخر میں، میں اڑتا ہوا ٹھوس پتھریلے پہاڑ پر گر پڑا کیوں؟“

خیر وقت گزرتا رہا اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب نئے استاد نے اس شاگرد کو ایک عمل بتا دیا اور ہر طرح سے سمجھا دیا اور پھر یہ بھی بولا۔ ”اپنا دل مضبوط کر کے عمل کرنا، ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر ڈر گئے تو ساری ذمہ داری تم پر ہوگی۔ مضبوط دل و دماغ سے ہی انسان کامیاب ہوتا ہے۔“

استاد کی باتیں سن کر شاگرد سر ہلاتا رہا اور بولا۔

”استاد جی آپ فکر نہ کریں آپ کا کام مکمل بتانا تھا، میں نے عمل زبانی یاد کرلیا، اب ساری ذمہ داری میری ہے، میں ویسے بھی بہت مضبوط دل و دماغ کا ہوں اور میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے کہ میں ضرور کامیابی حاصل کرلوں گا، پھر میں سابقہ استاد کے پاس ضرور جاؤں گا۔“ استاد نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی اور وہ اپنے گھر واپس آ گیا اور دوسرا دن گزار کر جب رات آئی تو وہ عمل پڑھنے کے لئے تیار ہوگیا۔

اور پھر استاد کے بتائے ہوئے وقت پر عمل پڑھنے کے لئے بیٹھ گیا۔ وہ عمل پڑھتا رہا اور وقت مقررہ پر عمل کی تعداد پوری کر کے اٹھ گیا۔ وہ بہت خوش تھا کہ اس نے پہلے روز کا عمل مکمل کرلیا تھا۔

دوسری رات، تیسری رات اور پھر اس طرح اس نے بیس راتیں گزار لیں۔ وہ کامیابی کے ساتھ اپنا عمل کرتا رہا تھا۔

نوٹ: ”قارئین کرام! میں آپ سب کے گوش گزار کرتا ہوں کہ جب کوئی بھی عامل 41 دن کا عمل کرتا ہے تو شروع شروع کے بیس بائیس دن بغیر کسی خوف و خطر کے گزر جاتے ہیں اور عامل اپنی کامیابی پر خوش ہوتا ہے۔

بیس بائیس راتیں گزرنے کے بعد اس عامل کے موکل یا موکلان کے جسم میں ہلکی سی تپش محسوس ہوتی ہے تو اس عمل کے موکل کو سوچنا پڑتا ہے کہ لگتا ہے کوئی عامل مجھے مسخر کرنے کے لئے عمل کر رہا ہے۔ اس کے بعد جوں جوں مزید راتیں گزرتی ہیں تو موکل کے جسم کو تیز سے تیز تر تپش لگنے لگتی ہے۔ لہٰذا وہ عامل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پھر طرح طرح کے ڈراؤنے مناظر دکھلا کر یا پھر مختلف خوفناک ڈراؤنی شکل میں عامل کو ڈراتا ہے کہ ڈر اور خوف سے بدحواس ہو کر عمل ترک کردے۔

تو قارئین کرام! جو عامل بے استادی ہوتا ہے۔ استاد کامل نہیں ہوتا یا پہنچا ہوا نہیں ہوتا تو وہ شاگرد یقیناً

اپنا ذہنی یا جانی نقصان کر بیٹھتا ہے اور جب استاد کامل ہوتا ہے تو اپنی طاقت اور قوت سے اپنے شاگرد کی خبر رکھتا ہے اور پھر ہر روز رات میں آنے والے ڈراؤنے مناظر یا پھر موکل کے خوفناک شکل اختیار کرنے کے بارے میں بتاتا رہتا ہے لہٰذا شاگرد ذہنی طور پر تیار رہتا ہے کہ استاد کے کہنے کے مطابق ایسا بھی ہوتا ہے جو کہ خوفناک منظر وہ عمل کے دوران رات میں دیکھتا ہے۔

اور یہی نہیں بلکہ استاد اپنے شاگرد کی پوری پوری خبر گیری رکھتا ہے اور پوشیدہ طور پر استاد اپنی خفیہ و پوشیدہ طاقتوں کو شاگرد کے اردگرد لگائے رکھتا ہے کہ شاگرد کسی خوفناک شکل یا منظر کو دیکھ کر بدحواس نہ ہو جائے اور پھر حصار سے باہر نہ نکل پڑے۔

پہنچے ہوئے کامل استاد کی پوشیدہ اور نادیدہ ہستیاں شاگرد کی حفاظت کرتی ہیں اور کبھی کبھی تو استاد کی باتیں بھی خوفناک منظر دیکھتے وقت شاگرد کو سنائی دیتی ہیں اور پھر استاد کی آواز سن کر شاگرد بے خوف ہو کر سنبھل جاتا ہے اور حصار میں ہی رہتا ہے۔

مگر نیم حکیم خطرۂ جان استاد اپنے شاگرد کی کوئی بھی حفاظت نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے شاگرد کی کوئی خبر رکھتا ہے اور نہ ہی روز پیش آنے والے حالات کے متعلق اپنے شاگرد کو کچھ بتاتا ہے، کیونکہ استاد کو خود کچھ پتہ نہیں ہوتا اور پھر ایسی صورت میں ایسے استاد کے شاگرد اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے یا پھر کبھی کبھی اپنی جان بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔

خیر بیس بائیس راتیں گزرنے کے بعد اس نے شاگرد کے سامنے ہلکے پھلکے ڈراؤنے مناظر آنے لگے۔ کبھی کبھار شیر ببر، سانپ بچھو، خونخوار ریچھ اور لومڑی اور دیگر اسی قسم کے خوفناک اور خونخوار مناظر نظر آنے لگے تھے۔

چونکہ شاگرد واقعی بہت دل گردے والا تھا اور ویسے بھی وہ اپنے سابقہ استاد کے پاس بیٹھ کر عمل اور عملیات کے متعلق حالات و واقعات سنتا رہتا تھا لہٰذا اسے پتہ تھا کہ عمل کے دوران ایسا بھی ہوتا ہے۔

نئے استاد نے اسے کوئی بہت زیادہ مضبوط حصار بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ شاگرد روزانہ کمزور حصار کر کے عمل شروع کر دیتا تھا۔

چھبیسویں رات آئی اور شاگرد عمل پڑھنے بیٹھ گیا۔ جب وہ آدھے عمل کے دوران پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ہلکی ہوا چلنے لگی ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہلکی ہوا نے طوفان کی شکل اختیار کر لی اور پھر یہی نہیں طوفان کے ساتھ ناقابل یقین بارش شروع ہو گئی۔ چرند پرند اور درندے چیخ و پکار اور چنگھاڑنے لگے، ان کی آواز اذیت سے دوچار ہو کر چاروں طرف گونجنے لگی۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس کے گاؤں کے لوگ اور پھر اس کے رشتہ دار بھائی بہن ماں باپ طوفان میں بے یارومددگار ”بچاؤ...... بچاؤ“ کرتے ہوئے چیخ رہے ہیں۔ اور پھر وہ سب چیختے چلاتے اس کے قریب آ گئے اور اپنی مدد کے لئے اس سے التجا کرنے لگے کہ اتنے میں اس کا عمل پورا ہو چکا تھا کہ اچانک وہ منظر غائب ہو گیا۔

ستائیسویں کی رات آئی۔ شاگرد حسب معمول تیار ہو کر عمل پڑھنے میں مشغول ہو گیا اور جب آدھا عمل پڑھ چکا تو اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے ہر طرف چیخ و پکار کا بازار گرم ہے۔ بے شمار لوگوں کو اذیت سے دوچار کیا جا رہا ہے۔ پھر اسے نظر آیا کہ سو ڈیڑھ سو کے قریب ایک قطار میں لوگ بیٹھے ہیں ان کے گلے میں لوہے کے کڑے ہیں اور ان کڑوں میں زنجیر موجود ہے، اور ہاتھ میں ہتھکڑیاں بھی ہیں، وہ اذیت سے بلبلا رہے ہیں۔

اتنے میں دائیں بائیں سے چند لحیم شحیم کالا بھجنگ ٹائپ بندے آئے اور ان لوگوں کو دیکھ کر قہقہہ لگانے لگے، ان لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ موٹا تھا وہ بولا۔ ”تم لوگ عامل بننا چاہتے تھے اور عمل کرو، میں تم لوگوں کا وہ حشر کروں گا کہ تاریخ تھرا جائے گی، ایسے خوفناک اور اذیت ناک سزا سے دوچار کروں گا کہ دیکھنے والے اپنا دل پکڑ کر بیٹھ جائیں گے۔

دوستو! اب دیر نہ کرو اور ان کی جو سزا تجویز کی

گئی ہے اس پر فوراً عمل شروع کرو۔'' یہ سننا تھا کہ اس کے ساتھی آگے بڑھے اور قطار میں زنجیروں سے جکڑے ہوئے تین بندوں کو بالوں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور ان تینوں کو بڑی بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے ایک طرف کو لے جانے لگے۔

اذیت دینے والوں کا ہر عمل اور ہر حرکت عمل کرنے والے شاگرد کو واضح نظر آ رہا تھا۔ مگر وہ مضبوط دل کے ساتھ اپنے عمل میں مصروف تھا، اس کے دماغ میں یہ بات تھی کہ عمل کے دوران، عمل کے موکلان طرح طرح کے خوفناک اور ناقابل یقین ڈراؤنے مناظر دکھا کر عامل کو خوفزدہ کرتے ہیں تا کہ عامل اپنا عمل ترک کردے اور حصار سے باہر نکل جائے، اور ایسا کرنے سے عامل کا عمل فوراً باطل ہو جاتا ہے۔

خیر ان لوگوں نے ان تینوں کو لے جا کر ایک طرف کھڑا کردیا، پھر حکم کے مطابق ایک کو کھڑا کر کے اس کے دونوں ہاتھوں میں موٹی موٹی کیلیں ٹھونک دی گئیں۔ جس سے عامل کی فلک شگاف چیخیں قرب و جوار کو دہلانے لگیں اور خون کا فوارہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ چکا تھا۔

دوسرے کو انہوں نے الٹا کر کے دونوں ٹانگیں باندھ کر لٹکا دیا، جسے لٹکایا گیا تھا اس کے جسم پر کپڑا نہ ہونے کے برابر تھا۔ اتنی دیر میں دو بندے ایک طرف سے ایک بہت بڑا لکڑی چیرنے کا آرا لئے ہوئے نمودار ہوئے، اور اذیت دینے والے کئی اس جگہ کھڑے تھے ان میں سے سب سے زیادہ موٹا شخص جو کہ شاید ان کا افسر یا سردار معلوم ہوتا تھا وہ بولا۔'' اب تمہیں عمل کرنے کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا، اور تمہیں دیکھ کر شاید ہی اب کوئی عمل کرے۔''

جو دو بندے آرا لئے کھڑے تھے انہوں نے آرا سیدھا کیا اور اس الٹے لٹکے ہوئے شخص کو دونوں ٹانگوں کے درمیان سے کاٹنا شروع کردیا۔ اذیت اور تکلیف سے اس شخص کی چیخیں زمین و آسمان کو ہلانے لگیں۔ میدان میں موجود دوسرے لوگ جو کہ زنجیروں میں جکڑے پڑے تھے خوف سے ان کی آنکھیں جیسے باہر کو ابل رہی تھیں اور یہی نہیں بلکہ ان پر لرزہ طاری ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ تھر تھر کانپ رہے تھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص کو آرے سے چیر دیا گیا۔

اب عامل کے جسم کے رونگٹے آہستہ آہستہ کھڑے ہونے لگے تھے، اس کی آنکھیں سامنے کو لگی پڑی تھیں اور وہ وحشت زدہ نگاہوں سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا۔ جسے بڑی بے دردی سے دو حصوں میں لکڑی کی طرح چیر دیا گیا تھا۔

اس کے بعد تیسرے شخص کو گھسیٹتے ہوئے لایا گیا اور پھر اس کی دونوں ٹانگوں میں موٹا رسا باندھ دیا گیا اس کے بعد کئی لوگوں نے دونوں ٹانگ میں بندھے رسے کو پکڑ کر مخالف سمت میں کھینچنے لگے، رسا کھینچنے سے اس بندھے ہوئے شخص کی دونوں ٹانگیں پھیلنے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص کو دو حصوں میں درمیان سے چیر دیا گیا۔

اذیت پانے والوں کے جسم سے خون فوارے کی طرح بہہ رہا تھا اور اس جگہ کی زمین خون سے جیسے جل تھل ہو چکی تھی۔ زنجیر میں جکڑے ہوئے لوگوں پر حقیقت میں کپکپی طاری ہو چکی تھی اور کئی تو اپنی جگہ خوف سے بے ہوش ہو چکے تھے۔

اتنے میں اذیت دینے والوں میں سے ایک شخص کی آواز سنائی دی۔'' ارے اس طرف بھی تو دیکھو سامنے ایک عامل بیٹھا عمل پڑھ رہا ہے۔ اس سے پہلے تو اس پر ہماری نظریں نہ پڑیں ورنہ سب سے پہلے عبرت ناک انجام سے دو چار کردیتے۔ خیر اب بھی کچھ بگڑا نہیں، چلو اب اسے لا کر اسے عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں۔''

اور پھر وہ لوگ اس شاگرد کی طرف بڑھے جو کہ اپنے عمل میں مصروف تھا۔ بڑی تیزی سے وہ لوگ شاگرد کی طرف بڑھنے لگے اور پھر اس کے بہت قریب پہنچ گئے وہ سب بڑی بھیانک قہقہہ لگا رہے تھے، ان کی آنکھیں سرخ ہو کر جیسے انگارہ برسا رہی تھیں کہ اتنے

میں ایک فلک شگاف اور گونجدار آواز گونجی، آواز کی بازگشت اتنی زوردار تھی کہ جیسے کان کے پردے پھٹ جائیں۔'' اب وقت ختم ہوا، بچ جانے والے لوگوں اور مصروف عمل عامل کو زنجیروں میں جکڑ دیا جائے، ان کی سزا پر کل عمل ہوگا۔''

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورا میدان بالکل صاف ہوگیا۔ اب سے چند لمحے پہلے جو اذیت اور آہ و فغاں کا بازار گرم تھا وہ غائب ہو چکا تھا۔ اتنی دیر میں شاگرد اپنا عمل ختم کرچکا تھا۔ عمل ختم کرنے کے بعد بھی وہ شاگرد کافی دیر تک حصار میں ہی بیٹھا رہا۔ اس پر ابھی بھی لرزہ طاری تھا۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ خیر کافی دیر بعد اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے حصار سے باہر آ کر کئی گلاس پانی کے پئے اور پھر بستر پر لیٹ کر ماضی، حال اور مستقبل کے تانے بانے میں الجھتا چلا گیا۔

آج صبح سویرے وہ جلدی جاگا نہیں بلکہ بے سدھ بستر پر ہی پڑا رہا، اس کے گھر والے آج اس کی حالت کے پیش نظر اچنبھے میں تھے کہ ہر روز تو یہ علی الصبح ہی اٹھ جایا کرتا تھا۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ بہت زیادہ تھکن کی وجہ سے نیند میں پڑا ہے۔ اور پھر کسی نے اسے جگایا نہیں۔ وہ سوتا رہا پھر اپنی مرضی سے اٹھا، نو بجے کے قریب۔ ہاتھ منہ دھویا اور پھر تیار ہو کر استاد سے ملنے کے لئے روانہ ہوگیا۔ وہ استاد کے آستانے پر پہنچا تو لوگوں کی بھیڑ لگی پڑی تھی۔

اس نے استاد سے مصافحہ کیا اور استاد کے اشارہ کرنے پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ دو پہر تک لوگوں کی بھیڑ چھٹ گئی تو پھر وہ استاد کے قریب آیا۔

استاد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے۔ ''بھئی کیا بات ہے آج تمہارے چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے کیا گھر والوں نے کچھ بولا ہے یا طبیعت ٹھیک نہیں۔''

استاد کی بات سن کر اس نے ایک بہت لمبا

جھوٹ

ایک صاحب اپنے ایک دوست کو بتا رہے تھے۔ مغربی ملکوں کی عدالتوں میں اب جھوٹ پکڑنے والا آلہ استعمال ہونے لگا ہے۔ جب کوئی شخص جھوٹ بولنا شروع کرتا ہے۔ تو یہ آلہ فوراً یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔

دوست بولا تو اس میں کمال کی کیا بات ہے یہ کام تو میری بیوی بھی کر دکھاتی ہے۔

(محمد خلیل بھٹی۔ گلاسکو اسکاٹ لینڈ)

سانس کھینچا اور پھر رات میں عمل کے دوران نظر آنے والی ساری حقیقت استاد کو سنا دی۔ جسے سن کر استاد چند منٹ تک گردن جھکائے بیٹھے رہے پھر مسکراتے ہوئے بولے۔'' اس میں گھبرانے والی کوئی بات نہیں، اکثر عمل کے دوران ایسا ہوتا ہے۔ کبھی کبھار تو اس سے بھی زیادہ خونی اور خطرناک مناظر آتے ہیں، لیکن ان مناظر اور ڈراؤنی شکلوں سے بالکل بھی نہیں ڈرنا چاہئے۔ تم بے فکر ہو کر اپنا عمل جاری رکھو، بہت سارے دن بیت گئے اب تو بہت ہی تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ تم بہت جلد کامیابی حاصل کرلو گے، اس وقت تم میرے ہونہار شاگرد میں شمار ہوگے۔''

استاد کی باتیں سن کر جھٹ شاگرد بولا۔'' استاد جی ایک بات پوچھوں؟''

'' ارے بھائی ایک کیا تم بہت ساری باتیں پوچھ سکتے ہو۔'' استاد نے کہا۔

'' استاد جی! آپ جب عامل بنے تھے تو کیا عمل کے دوران ایسے ہی خطرناک اور خوفناک ڈراؤنے مناظر نظر آتے تھے؟'' شاگرد نے پوچھا۔

شاگرد کا سوال سن کر استاد جی ششدر رہ گئے کہ آج اس نے کیسا سوال کر ڈالا۔ کیونکہ استاد جی خود تو کسی عمل سے نابلد تھے، انہوں نے کبھی کوئی بھی عمل نہیں

کیا تھا، کیونکہ وہ کسی پہنچے ہوئے استاد کے شاگرد نہیں تھے۔ اندرونی طور پر استاد جی بہت ڈرپوک تھے اور اس بزدلی کے باعث انہوں نے کبھی کسی عمل کے مطابق سوچا تک نہیں تھا۔ وہ تو بس اوپری دکھاوے کے لئے پیر بن بیٹھے تھے اور کئی شعبدہ بازی کی وجہ سے لوگ انہیں پیر مانتے تھے۔

استاد جی زیرلب مسکرائے اور بولے۔ ''عمل کے دوران سب کے ساتھ ایسا ہوتا ہے اور اچھے شاگرد استاد سے ایسے سوالات نہیں کرتے۔ میری بات سمجھ گئے ناں۔''

''جی استاد جی! آپ نے ٹھیک کہا۔'' شاگرد اب استاد سے اور کیا پوچھتا، تھوڑی دیر تک وہ آستانے میں استاد کے پاس بیٹھا رہا، ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ بولا۔ ''اچھا استاد جی اب میں چلتا ہوں، پھر ملاقات ہوگی۔''

اتنے میں استاد بولے۔ ''پتر آج تو تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ، آج تمہیں کھانا کھا کر جانا پڑے گا، اور ہاں ایک بات اور یاد رکھنا عمل مکمل ہونے کے بعد قاعدہ قانون کے مطابق میرے لئے کپڑے کا جوڑا اور دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ ایک دیگ کا بھی انتظام کرنا پڑتا ہے۔''

استاد کی بات سن کر شاگرد پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا دماغ جھنجھنا کر رہ گیا کیونکہ استاد نے اپنے جوڑے اور دیگر لوازمات کے ساتھ دیگ کی بات کردی تھی۔

طوعاً وکرہاً شاگرد کے منہ سے صرف اتنا نکلا۔ ''جی استاد جی۔''

''پتر میں لوگوں کو بتاؤں گا کہ تم میرے واحد فرمانبردار اور ہونہار شاگرد ہو۔ میں تم پر فخر کروں گا اور تم ہی میرا نام روشن کروگے، کیوں ٹھیک ہے ناں۔'' استاد نے کہا۔

''اچھا استاد جی اب میں چلتا ہوں۔ رب راکھا۔'' یہ بول کر شاگرد نے استاد سے مصافحہ کیا۔ اور واپس چلا آیا۔

آج شاگرد کچھ زیادہ ہی چپ چپ تھا، اسے دیکھ کر گھر والے پریشان ہوگئے۔ ''پتر آج کیا بات ہے تم کچھ زیادہ الجھے الجھے سے لگ رہے ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔ اگر طبیعت ٹھیک نہیں تو جا کر حکیم صاحب سے دوا لے آؤ۔ تمہارے بابا آج جلدی کھیت پر چلے گئے، بول رہے تھے کہ آج کام زیادہ ہے۔ صداقت اگر جلدی اٹھ جائے تو میرے پاس بھیج دینا۔ مگر تم تو آج دیر سے اٹھے اور پھر استاد جی کے پاس چلے گئے، اب تو وقت ہے نہیں کہ تم بابا کے پاس جاسکو، تھوڑی دیر میں وہ خود ہی آجائیں گے، خیر کوئی بات نہیں میں ان سے کہہ دوں گی کہ آج تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے تم گئے نہیں، ویسے پتر تم اپنا خیال رکھا کرو اور کوشش کرو کہ بابا کا ہاتھ بٹاؤ۔ جوان پتر پر فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کا بوجھ اٹھائے۔ میری بات سمجھ گئے ناں۔'' ماں نے بولا۔

''جی ماں جی، اب آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔'' صداقت نے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ شام ہوئی اور پھر رات ہوگئی۔ اس نے گھر والوں کے ساتھ کھانا کھایا، چند باتیں کیں اور پھر گھر والوں کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اور وقت مقررہ پر اپنا عمل پڑھنے کے لئے بیٹھ گیا۔

آج عمل کا تیسواں دن تھا۔ جب عمل پڑھتے پڑھتے درمیان میں پہنچا تو اچانک اس کے سامنے ایک میدان کا منظر ظاہر ہوا۔ میدان بہت بڑا تھا۔ کوئی پہاڑی علاقہ لگتا تھا اور ساتھ ہی ارد گرد گھنا جنگل بھی تھا۔

اتنے میں اسے جنگل میں کان پھاڑ دینے والی چنگھاڑ سنائی دی۔ کوئی بہت ہی خونی اور خطرناک جانور لگتا تھا۔ چنگھاڑ اتنی تیز تھی کہ جب اس کے کان کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کیونکہ ایک نہیں بلکہ بہت سارے ڈائنا سور جیسے ہاتھی سے مشابہہ جانور جنگل سے نمودار ہوئے۔

اس میدان میں بے شمار لوگ بھی تھے۔

ان جانوروں کے منہ سے آگ کی لپٹیں بھی نکل رہی تھیں۔ وہ سارے جانور میدان میں موجود لوگوں کی طرف لپکے اور پھر انہوں نے لوگوں کو لقمہ اجل بنانا شروع کردیا۔ وہ اپنے خونی جبڑوں میں لوگوں کو جکڑتے اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کو اپنے حلق کے راستے پیٹ میں اتار لیتے۔ پورے میدان میں قیامت کا منظر تھا۔ میدان میں لوگوں کی چیخ و پکار اور خونی جانوروں کی چنگھاڑیں کان پھاڑ رہی تھیں کہ اتنے میں ایک اور دل دہلاتی فلک شگاف کان میں پگھلا سیسہ اتارتی گونجدار آواز سنائی دی۔

آواز اتنی تیز اور گونجدار تھی کہ میدان میں موجود لوگوں اور خونی جانوروں کی نگاہیں اس سمت اٹھ گئیں جس طرف سے وہ قیامت خیز آواز آرہی تھی۔

عامل صداقت اپنی جگہ ڈرا سہما بیٹھا عمل میں مصروف تھا۔

اچانک ایک دیوہیکل پہاڑ سے اونچا جسامت میں دو ہاتھیوں کے برابر ایک شخص نمودار ہوا۔ وہ شخص اتنا کیم شحیم اور پہاڑ جیسا تھا کہ وہ جہاں بھی قدم رکھتا تو ایک فٹ زمین میں گڑھا پڑ جاتا۔ اس نے لوگوں کو اپنے قدموں تلے روندنا شروع کردیا اور پھر یہی نہیں وہ ہاتھی مشابہہ جانوروں کو گردن یا ٹانگوں سے پکڑتا اور ان کی گردن مروڑ کر یا پھر ان کی ٹانگیں چیر کر اپنے ہاتھ سے بہت دور اچھال دیتا۔

اس شخص کا خونی کھیل زور و شور سے جاری تھا۔ جانوروں کی کوشش تھی کہ حملہ کرکے اس شخص کا خاتمہ کردیں، جانور بڑی تیزی سے اس شخص کی طرف لپکے مگر وہ شخص اپنے وجود پر حملہ ہونے سے پہلے ان جانوروں کا تیاپانچاں کردیتا۔

پورا میدان خون سے جل تھل ہوگیا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان ڈائنا سور سے مشابہہ جانوروں کا ایک ایک کرکے خاتمہ ہوگیا۔

ایسا لگتا تھا کہ وہ دیوہیکل پہاڑ جسامت والا شخص جنونی ہوگیا ہو۔ پھر وہ ایک بہت ہی موٹے درخت کی طرف بڑھا اور اس نے اس درخت کو اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر جڑ سے اکھاڑ لیا۔

درخت کا اس کے ہاتھ میں آتے ہی اس نے پورے کا پورا درخت، میدان میں موجود لوگوں پر پھینک دیا۔ درخت کا لوگوں پر گرنا تھا کہ لوگ کیڑے مکوڑے کی طرح فلک شگاف چیخوں کے ساتھ مرنے لگے۔ منظر اتنا بھیانک اور خونی تھا کہ شاید ہی دنیا میں کسی نے تصور میں بھی سوچا ہوگا۔

پھر جب اس شخص نے پورے میدان میں اپنی نظر گھمائی تو پورا میدان کسی بھی ذی روح سے خالی تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے ایک فلک شگاف آواز خارج کی اور جب اس کی نظر میدان کے ایک کونے میں بیٹھا۔ عمل پڑھتے صداقت پر پڑی تو وہ جیسے اچنبھے میں پڑ گیا۔ اس کے جنون میں اضافہ ہوگیا۔

وہ بڑی تیزی سے صداقت کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر بولا۔ ''ارے تو کیسے زندہ بچ گیا۔ میں تو تیرا کچومر نکال دوں گا۔ تو گھبرا نہیں میں تیرا وہ حشر کروں گا کہ آئندہ کوئی بھی عامل تیرے جیسا عمل نہیں کرے گا۔ ٹھہر جا میں تیرا حشر نشر کرتا ہوں۔'' یہ بول کر وہ پہاڑ کی جانب دوڑ پڑا۔

اس شخص کی چنگھاڑتی آواز سن کر صداقت کی سٹی گم ہوگئی۔ اس کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہوگئے جسم کے تمام مساموں نے ٹھنڈے پسینے اگلنا شروع کردیئے۔ پورے وجود پر جیسے لرزہ طاری ہوگیا۔

آنکھوں سے جیسے بھاپ سی نکلنے لگی۔ اس کی حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھیں جیسے یک ٹک ہو کر سامنے مرکوز ہوگئی تھیں، اب اس کے منہ سے عمل کے الفاظ اٹک اٹک کر نکل رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کا گلا اب بند ہوا کہ تب وہ بار بار تھوک نگلنے لگا۔ اس کی کوشش تھی کہ اس کی اندرونی حالت اعتدال پر آجائے مگر خوف

اسے اپنے شکنجے میں جکڑ چکا تھا۔

اس نے دیکھا کہ اس دیوہیکل شخص نے پہاڑ سے نیچے پڑا ہوا ایک کئی ٹن وزنی پتھر آسانی سے اٹھالیا اور پھر پلٹ کر اس کی طرف دوڑنے لگا۔ وزنی پتھر کو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سر کے اوپر اٹھا رکھا تھا۔

وہ قریب سے قریب تر ہوتا جارہا تھا اور پھر پلک جھپکتے میں وہ صداقت کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''اب تو کسی صورت بھی نہیں بچ سکتا، میں تیرا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹا دیتا ہوں، تیرا وجود مٹی جیسا ہوکر ہوا میں اڑ جائے گا۔ دیکھ پھر......'' اور یہ بولتے ہی اس نے کئی ٹن وزنی پتھر صداقت پر دے مارا۔

چشم زدن میں صداقت نے جست لگائی اور حصار سے باہر نکل گیا۔

حصار سے باہر نکلنا تھا کہ اچانک تیورا کر نیچے کمرے کے فرش پر گر پڑا۔ اب صداقت بے سدھ ہوچکا تھا۔ اس میں زندگی کی رمق باقی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں خوف کی حالت میں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ صداقت کے دل کی دھڑکن بند ہوگئی تھی۔

صبح کا سورج طلوع ہوا، صداقت اپنے کمرے سے باہر نہ نکلا، کئی گھنٹے ہوگئے مگر صداقت کی کوئی آواز بھی باہر نہ سنائی دی۔ دس بجے کے قریب اس کی ماں جب کمرے میں گئی تو صداقت پر نظر پڑتے ہی ایک فلک شگاف چیخ ماری۔

ماں کی چیخ سن کر دیگر بچے جس میں بہن بھائی شامل تھے وہ سب کے سب جب کمرے میں پہنچے تو دیکھا کہ صداقت کمرے کے درمیان اوندھے منہ بے سدھ پڑا تھا۔ اور ماں دروازے کے قریب بے ہوش پڑی تھی۔

بچوں نے وہ سب دیکھ کر رونا دھونا اور شور مچانا شروع کردیا۔ بچوں کے رونے کی آواز سن کر پاس پڑوس کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ کمرے میں دونوں بے سدھ تھے۔ عورتوں نے صداقت کی ماں پر پانی کے چھینٹے مارے اور کوشش کی تو صداقت کی ماں کو ہوش آگیا۔ مگر صداقت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوچکا تھا۔

جب لوگوں نے صداقت کو سیدھا کیا تو حیران رہ گئے کیونکہ صداقت کی ناک اور منہ سے گاڑھا گاڑھا خون نکل کر اردگرد جما پڑا تھا۔ یعنی صداقت کا دل سینے کے اندر پھٹ گیا تھا۔

عمل کے دوران دوڑانی شکل اور خوفناک منظر دیکھ کر صداقت بدحواس ہوا، اور اتنا ڈرا کہ خوف سے اس کا دل پھٹ گیا، اور وہ اپنی جان سے گیا۔

صداقت کے متعلق اس کے گھر والوں کو صرف اتنا معلوم تھا کہ صداقت کسی استاد کے پاس جاکر اللہ رسول کی باتیں سنتا ہے اور قران کی تعلیم بھی لیتا ہے اس سے آگے کا انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ کوئی عمل بھی کررہا ہے۔ وہ گھر والوں سے چھپ چھپا کر جلدی عمل کرنے لگا تھا۔

اس لئے کہا گیا ہے کہ والدین کو اپنی اولاد پر کڑی نظر رکھنی چاہئے کہ ان کی اولاد کس رنگ میں چل پھر رہی ہے اور پھر اولاد پر بھی فرض ہے کہ اپنے والدین کو اپنی سرگرمیوں سے باخبر رکھے تاکہ کسی بھی پریشانی کے وقت والدین اسے سنبھال لیں۔'' رولوکا یہاں تک بول کر خاموش ہوگیا۔

حکیم وقار رولوکا کی باتیں سن کر بولے۔ ''حکیم صاحب آپ نے بہت جامع معلومات فراہم کی اور جہاں تک میرے دماغ میں آیا ہے کہ عمل عملیات ہر کسی کے بس کی بات نہیں اور یہ بھی میرے مشاہدے میں آیا ہے کہ کام سے جی چرانے والے اکثر نوجوان جو بڑے بوڑھوں کی محفل میں بیٹھتے ہیں اور جب عمل عملیات کی بات ہوتی ہے تو وہ اپنے ذہن میں عمل کرنے کی باتیں بیٹھا لیتے ہیں۔

ان کی یہ خواہش جڑ پکڑ جاتی ہے کہ میں بھی عمل کرکے کسی موکل کو قابو میں کرلوں گا اور پھر اس موکل سے اپنی خواہشات کے مطابق کام لوں گا۔ اس میں جاتا ہی کیا ہے ارے صرف اور صرف اکتالیس راتوں کا عمل ہی تو ہے۔

اور پھر نوجوان یا عمر میں پختہ لوگ بازار میں موجود کتابوں سے مدد لیتے یا پھر نیم حکیم خطرہ جان استاد یا پیر صاحب کے چکر میں پڑ کر اپنی زندگی کو اجیرن کرلیتے ہیں۔''

''حکیم صاحب بالکل یہی بات ہے، پہنچے ہوئے عامل یا استاد اپنے اس شاگرد پر محنت کرتے ہیں۔ جو واقعی کسی عمل کا متحمل ہوتا ہے۔ استاد اس شاگرد کو ہر طرح یعنی اندرونی بیرونی دونوں حالتوں میں پرکھتا ہے، عمل کرانے سے پہلے شاگرد کو عمل کے متعلق مفصل بتاتا رہتا ہے، شاگرد کے ذہن کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا رہتا ہے۔

پہنچے ہوئے استاد ہمیشہ اپنے شاگرد کو شروع سے لے کر چلتے ہیں جیسے کہ جب ایک بچہ مدرسے میں جاتا ہے تو استاد اس بچے کو سب سے پہلے ''الف، ب سے سبق دینا شروع کرتا ہے۔ یہی حالت عملیات کی بھی ہے۔ عملیات کے مطابق استاد کی تعلیم شاگرد کے دل میں بیٹھتی چلی جاتی ہے۔ ایک اچھا اور ہونہار شاگرد استاد کی باتوں کو ذہن میں بیٹھاتا چلا جاتا ہے۔

استاد اپنے شاگرد کے متعلق جانتا ہے کہ میرے فلاں شاگرد یا فلاں مرید میں کس قدر شعور ہے، کس قدر گہرائی ہے، شاگرد یا مرید کسی عمل کے وزن کو سہار سکتا ہے یا پھر شاگرد میں عمل کی گرمی برداشت کرنے کی سکت ہے بھی کہ نہیں۔

اور جب استاد اپنے شاگرد یا مرید کی طرف سے بالکل مطمئن ہوجاتا ہے اور پھر استاد اپنے شاگرد کو باطنی طور پر بھی تول لیتا ہے تو پھر استاد شاگرد سے شروع شروع میں آسان ہلکا پھلکا عمل کرانا شروع کردیتا ہے۔

اس طرح چھوٹے چھوٹے عمل سے شاگرد میں پختگی آتی چلی جاتی ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ روزانہ تنہائی میں پیش آنے والے حالات سے استاد اپنے شاگرد کو باخبر بھی رکھتا ہے یعنی یہ بتایا جاتا ہے کہ ''اب یہ مرحلہ آنے والا ہے، ایسے مناظر دیکھنے کو ملیں گے، ایسی ایسی ڈراؤنی شکلیں سامنے آئیں گی ایسے ایسے الفاظ سننے کو ملیں گے، لیکن تم نے کسی صورت بھی گھبرانا نہیں ہے کیونکہ تمام دلخراش اور خوفناک مناظر، وحشت ناک اور دہشت ناک شکلیں صرف اور صرف خوفزدہ کرنے والی ہوں گی۔

تم میرے بتائے ہوئے مضبوط حصار میں موجود رہتے ہو، اور وہ حصار اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ کوئی بھی نادیدہ قوت اس حصار میں داخل نہیں ہوسکتی بلکہ جو کچھ بھی ہوگا وہ حصار کے باہر ہی باہر صرف ڈرانے کی حد تک ہوتا ہے۔

اور ویسے بھی خوف کھانے کی قطعی ضرورت نہیں کیونکہ میں ہر پل ہر لمحہ تمہاری پشت پر ہوتا ہوں۔ یا پھر میں عمل کے دوران تم پر نظر رکھتا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ میری بھی نادیدہ قوتیں تمہاری حفاظت پر مامور رہتی ہیں۔ تم اپنے دل سے خوف کو نکال کر عمل میں مشغول ہوا کرو۔ عمل کے دوران یہ خیال رکھا کرو کہ کوئی بھی ڈراؤنی مخلوق تمہارا بال تک بیکا نہیں کرسکتی۔''

اب حکیم صاحب آپ خود بتائیں جب ایک پہنچا ہوا استاد اپنے شاگرد کو ایسی ایسی باتیں بتا کر اس کا دل و دماغ مضبوط کرتا ہے تو شاگرد کیوں کر ڈرے گا۔

عمل کرنے والے شاگرد کو جب پہلے سے پتہ ہے کہ میرے سامنے عمل کے دوران جتنی بھی ڈراؤنی ناقابل یقین شکلیں آئیں گی یا پھر جو بھی دہشت ناک مناظر آئیں گے وہ سب کے سب چند لمحے کے لئے ہوں گے اور صرف خوفزدہ کرنے کے لئے تو یقیناً شاگرد اندرونی طور پر باہمت ہوتا ہے۔

اور پھر جب استاد یہ بھی کہتا ہے کہ بیٹا گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں کیونکہ میں اور میری نادیدہ قوتیں ہر پل تمہارے ساتھ ہوتی ہیں۔'' تو شاگرد ویسے ہی مضبوط سے مضبوط تر ہوجاتا ہے۔ شاگرد بے خوف وخطر عمل پڑھنے میں مشغول رہتا ہے اور جب اس کے سامنے خوفناک مناظر آتے ہیں تو وہ اندرونی طور پر مسکراتا بھی ہے کہ یہ چیزیں خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع

کر رہی ہیں۔
اور پھر جوں جوں عمل کے دن بڑھتے رہتے ہیں شاگرد کا دل اندرونی طور پر پختہ ہوتا چلا جاتا ہے استاد کی عزت و حرمت اس کے نزدیک بڑھتی رہتی ہے اور شاگرد عملی میدان میں سرپٹ دوڑتا رہتا ہے۔

عمل کے دوران جب وہ چیزیں اسے ڈراتی ہیں تو اسے اور بھی مزہ آتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ”ارے تم سب مجھے کیا ڈرا پاؤ گے، میرے پیچھے تو میرے استاد کا مضبوط ہاتھ ہے، میرے استاد تم لوگوں کا تیا پانچاں کردیں گے۔“

اور وہ شاگرد احسن طریقے سے دل کی مضبوطی سے عمل کے پورے اکتالیس دن پورے کرلیتا ہے۔
اور پھر استاد کے سمجھانے اور بتانے پر کہ جب عمل کا موکل اصل شکل میں حاضر ہوگا اور بات کرنے میں خود پہل کرے گا تو شاگرد کس طرح موکل سے بات کرے گا۔ اور پھر کس طرح اور کن الفاظ میں قول وقرار کرے گا، اور موکل سے اپنی بات اور کلام کے لئے کن شرائط پر کس طرح بات کرے گا۔

لہٰذا عامل اپنے استاد کے بتائے ہوئے طور طریقے سے موکل سے شرائط طے کرکے عمل میں کامیاب ہوجاتا ہے اور پھر وہ عامل موکل سے یہ بھی معلوم کرتا ہے کہ وہ کون سے الفاظ ہوں گے یا پھر وہ کون سا طریقہ ہوگا جس کے ذریعہ میں تمہیں اپنے سامنے حاضر کروں گا۔

عامل کی بات سن کر موکل عامل کو وہ طریقہ بتادیتا ہے جس کے ذریعہ عامل اسے حاضر کیا کرے گا، بلکہ عمل میں یہ بھی طے ہوتا ہے کہ ”اے موکل میں تمہیں اتنے سالوں کے لئے اپنا معمول بنا رہا ہوں، اور اتنے سال پورے ہوتے ہی تم میری طرف سے آزاد ہوگے۔“

لیکن ایک بات یہ بھی قابل دید ہے کہ اگر عامل موکل سے کہتا ہے کہ میں تمہیں دس، بیس یا پھر اس سے زیادہ سالوں کے لئے اپنا پابند کرتا ہوں تو موکل اس مدت پر راضی نہیں ہوتا یعنی عامل کی جتنے سالوں کی زندگی ہوتی ہے اس سے آگے کے سال کے لئے موکل کسی صورت بھی راضی نہیں ہوتا۔ اگر عامل کی زندگی پندرہ سال باقی ہے تو موکل کبھی بھی پندرہ سال سے زیادہ پر عامل کا پابند رہنا قبول نہیں کرے گا۔

لہٰذا عامل کو سمجھ لینا چاہئے کہ میں پندرہ سال سے زیادہ زندہ نہیں رہوں گا۔

”واہ جی حکیم صاحب! آپ نے بہت خوب بات کہی۔ کیا موکل کو یا اس عامل کے ہمزاد کو پتہ ہوتا ہے کہ عامل کی زندگی کتنے سال کی ہے؟“

”جی! موکل یا ہمزاد کو پتہ ہوتا ہے کہ عامل کی زندگی کے کتنے سال باقی ہیں۔“ رولوکا بولا۔ ”اور ہاں میں ایک بات آپ کو اور......“ کہ رولوکا کی بات ادھوری رہ گئی۔

مطب کا ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا اور بولا۔ ”حکیم صاحب ایک وکیل تشریف لائے ہیں اور آپ سے ضرور ملنا چاہتے ہیں۔“

یہ سن کر حکیم وقار رولوکا سے بولے۔ ”حکیم صاحب میں نے جن صاحب کے لئے آپ سے ذکر کیا تھا اور جنہوں نے اپنی روداد سنائی تھی وہی روزی والی بات......“

”ارے ہاں یاد آیا...... آپ نے سنایا تھا۔“ رولوکا بولا۔ ”چلئے انہیں بلالیں ان سے بھی بات کرلیتے ہیں۔“

یہ سن کر حکیم وقار ملازم سے مخاطب ہوئے۔
”میاں تم اندر لے آؤ، ان سے مل لیتے ہیں۔“
حکیم وقار کی بات سن کر ملازم چلا گیا اور چند منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک صاحب تھے۔ وائٹ شرٹ اور کالی پینٹ کوٹ پہنے ہوئے۔ ملازم ان صاحب کو اندر چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

آنے والے صاحب نے خوشدلی سے حکیم وقار اور رولوکا سے مصافحہ کیا اور حکیم وقار کے کرسی کی طرف اشارہ کرنے پر وہ سامنے موجود کرسی پر بیٹھ گئے۔ جب وہ بیٹھ گئے تو حکیم وقار نے کہا۔ ”وکیل صاحب اور

سنائیں کیا حال ہیں کیسی طبیعت ہے؟“
یہ سن کر وہ بولے۔ ”حکیم صاحب طبیعت تو ٹھیک ہے مگر دل دماغ میں بے چینی بہت بڑھ گئی ہے، رات ہو یا دن سکون کو ترس گیا ہوں۔ نہ جانے ایسا کیا ہوگیا ہے کہ میرا سکون مجھ سے دور ہوتا جارہا ہے۔“

اس کے بعد حکیم وقار نے وکیل سے رولوکا کا تعارف کرایا۔ ”وکیل صاحب یہ ہیں میرے بھائی حکیم کامل۔ یہ روحانی علاج کرتے ہیں اور آپ کو تو پتہ ہے کہ میں جڑی بوٹیوں سے جسمانی علاج کرتا ہوں۔“ اور حکیم وقار تو رولوکا کا وکیل سے غائبانہ تعارف کرا ہی چکے تھے۔

رولوکا کی نظریں وکیل پر مرکوز تھیں۔ حکیم وقار وکیل سے باتیں کرتے رہے، اس وقت وکیل صاحب واقعی شکل سے بہت زیادہ پریشان حال اور گھبرائے ہوئے لگ رہے تھے۔ چہرہ فق ہورہا تھا اور آنکھوں میں خوف نمایاں تھا۔

”وکیل صاحب! کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ اندرونی طور پر خوفزدہ رہتے ہوں۔“ رولوکا بولا۔ ”میں اندازہ کررہا ہوں کہ جیسے آپ ڈرے ڈرے سہمے سہمے رہتے ہوں، کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے کورٹ میں کسی ایسے کیس کی وکالت کی ہو جو کہ آپ کے ضمیر کے خلاف ہو اور یہ کورٹ کچہری میں اکثر ہوتا ہے کہ وکیل صاحبان کبھی کبھار اپنے ضمیر کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں۔

جو وکلا زیادہ مضبوط دل اور حساس نہیں ہوتے۔ وہ تو کسی بھی جائز اور ناجائز کو بخیر و خوبی نمٹا دیتے ہیں اور جو زیادہ باضمیر اور حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں وہ غلط کیس کی ایک تو پیروی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو اپنے ضمیر کے زیادہ خلاف قدم نہیں اٹھاتے۔“

”حکیم صاحب! میری تو اکثر کوشش ہوتی ہے کہ میں اپنے ضمیر کے خلاف کوئی سنگین قدم نہ اٹھاؤں، مگر یہ پیشہ ایسا ہے کہ کہیں نہ کہیں بھول چوک ہو ہی جاتی ہے اور کیس کو شروع کرتے وقت پتہ نہیں چلتا کہ یہ آگے چل کر کیا رخ اختیار کرے گا۔“ وکیل نے ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر ادا کیا۔

رولوکا بولا۔ ”وکیل صاحب آپ اپنے ذہن پر زور ڈالیں کہ کہیں آپ نے کسی کے ساتھ کسی کیس کے معاملے میں زیادتی تو نہیں کی، آپ نے اپنے موکل کا دل بہت زیادہ دکھایا ہو اور آپ ضمیر کے کچوکے لگانے پر پچھتا رہے ہوں۔“

پھر رولوکا حکیم وقار کی جانب متوجہ ہوا اور بولا۔ ”حکیم صاحب اب آپ ذرا ان کے دل کی دھڑکن اور جسمانی چیک اپ کریں کہ کوئی ذہنی یا اعصابی بیماری تو لاحق نہیں ہورہی یا ہوچکی ہو، آپ ذرا باریک بینی سے چیک کریں۔“

رولوکا کی بات سن کر حکیم وقار بولے۔ ”وکیل صاحب آپ اپنی نبض دکھائیں، میں چیک کرتا ہوں۔“ یہ بول کر حکیم وقار نے وکیل کے ہاتھ کی نبض پر اپنی انگلی رکھ دی۔ حکیم وقار اپنا سر جھکائے نبض پر غور کرتے رہے۔ اس درمیان تینوں پر خاموشی طاری تھی۔

اس درمیان کئی مرتبہ حکیم وقار نے اپنے سر کو ہلکا سا ہلایا اور پھر سر کو اوپر نیچے جنبش دیتے رہے۔ پھر کوئی دو ڈھائی منٹ بعد نبض پر سے اپنی انگلی ہٹائی اور بولے۔ ”وکیل صاحب یہ حقیقت ہے کہ آپ کے دل کی دھڑکن اپنے اعتدال سے کافی زیادہ تیز ہے اور میری معلومات کے مطابق کوئی نہ کوئی کام ایسا ہوا ہے جو کہ آپ کے ضمیر کے خلاف ہے اور آپ اسی کے باعث خوفزدہ ہوگئے ہیں۔“

پھر رولوکا بولا۔ ”وکیل صاحب اچھا یہ بتائیں کہ آپ کو رات میں زیادہ بے چینی ہوتی ہے یا دن میں۔“

رولوکا کی بات سن کر وکیل نے اپنے سر پر اپنا سیدھا ہاتھ مارا اور پھر کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ”حکیم صاحب رات میں بے چینی اور بے سکونی بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور چلی جاتی ہے اور پھر میں نیند کے لئے رات بھر جیسے

تڑپتا رہتا ہوں۔

سب سے زیادہ میری بے چینی یوں بڑھ جاتی ہے کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ کوئی میرے کمرے میں موجود ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ہستی کی سانس لینے کی آواز تک سنائی دیتی ہے۔ جب میں زیادہ پریشان ہوجاتا ہوں تو میں بول پڑتا ہوں۔ کون ہے...... اگر کوئی ہے تو سامنے آئے۔" مگر میری اپنی ہی آواز دیواروں سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہے۔

پوری رات میں اس نادیدہ وجود کو اپنے کمرے میں محسوس کرتا ہوں اور پھر یہ ہوتا ہے کہ جب میں کمرے سے باہر نکلتا ہوں تو وہ نادیدہ وجود میرے ساتھ چلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن دن میں ایسا کم ہوتا ہے لیکن ہوتا ضرور ہے۔"

وکیل کی بات سن کر حکیم وقار بولے۔ "وکیل صاحب! آپ گھبرائیں نہیں میں کچھ دوائیں دیتا ہوں، آپ برائے مہربانی رات کا کھانا کھانے کے بعد جب آپ یہ سمجھیں کہ اب کوئی کام نہیں صرف سونا ہے، اس وقت آپ یہ دوا کھالیا کریں۔ دوا کھانے کے چند منٹ بعد ہی آپ کو گہری نیند آجائے گی اور آپ اس طرح پوری رات سکون سے سوجائیں گے۔

وکیل صاحب! اپنے دماغ سے ٹینشن بالکل نکال دیں، میرے خیال میں کچھ زیادہ ہی اعصابی تناؤ ہے۔ چند دن میں آپ ٹھیک ہوجائیں گے۔"

"جی بہت مہربانی...... آپ دوا دے دیں۔ میں وقت مقررہ پر دوا کھالیا کروں گا۔" وکیل نے کہا۔

پھر رولوکا بولا۔ "پھر بھی اگر آرام نہ آئے تو تشریف لے آیئے گا، آپ ہم سے کون سا دور رہتے ہیں۔ دلی شہر میں آپ کی رہائش کوئی دور نہیں۔"

اس کے بعد حکیم وقار نے ایک کاغذ کی پرچی پر ایک نسخہ لکھا اور گھنٹی بجائی تو ایک ملازم فوراً حاضر ہوا تو حکیم صاحب نے اسے پرچی دی اور بولے۔ "مختار جلدی سے یہ نسخہ بنوا کرلاؤ۔"

یہ سنتے ہی ملازم پرچی لے کر فوراً واپس چلا گیا اور پھر چند منٹ بعد ہی واپس آگیا اس کے ہاتھ میں ایک پڑی تھی جس میں چند چھوٹی چھوٹی پڑیاں تھیں۔

حکیم وقار نے ملازم کے ہاتھ سے پڑیا لی اور کھول کر دیکھا پھر گویا ہوئے۔ "وکیل صاحب یہ پانچ پڑیاں ہیں۔ آپ روزانہ رات میں ایک پانی سے کھالیجئے گا۔ چھٹے روز آکر آپ اپنی کیفیت بتایئے گا۔ اور اگر زیادہ تکلیف یا بے چینی محسوس کریں تو پھر جب جی چاہے آسکتے ہیں۔"

وکیل نے حکیم وقار کے ہاتھ سے دواؤں کی پڑیا لی اور اپنی جیب میں رکھ لی۔ پھر بولے۔ "حکیم صاحب کتنے روپے ہوئے؟"

یہ سن کر حکیم وقار بولے۔ "جب آپ دوبارہ آئیں گے تو میں روپے لوں گا، اسے آپ رکھ لیں اور خوشی خوشی جائیں۔"

وکیل صاحب نے رولوکا اور حکیم وقار سے مصافحہ کیا اور کمرے سے نکل گئے۔

وکیل کے جانے کے بعد رولوکا بولا۔ "حکیم صاحب مجھے یہ معاملہ ہوائی لگتا ہے یعنی کوئی بدروح پیچھے لگ گئی ہے اور وہ کھل کر سامنے نہیں آرہی، فی الحال اس کا منشاء ہے کہ وکیل کا چین سکون برباد ہوجائے، پل پل اور لحہ لحہ چین سکون کے لئے ترسے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بھٹکتی ہوئی روحیں اپنے مطلوب کو ہراساں زیادہ کرتی ہیں۔ وہ اپنے مطلوب کو تھکا تھکا کر ہلکان کرتی ہیں اور ایسا کرنے میں انہیں کچھ زیادہ ہی مزا آتا ہے۔ ایسا کرنے سے ان کا مطلوب بے چینی کا شکار ہوجاتا ہے اور سب سے پہلے یہی ہوتا ہے یعنی اس کی نیند اچاٹ کردی جاتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نیند بھی انسانی زندگی کے لئے نعمت خداوندی ہے۔ جب کسی انسان کی نیند بالکل اچاٹ ہوجاتی ہے تو وہ انسان ماہئی بے آب ہوجاتا ہے۔ ایک دو دن تو نیند نہ آنے کی اذیت برداشت کرلیتا ہے مگر جب وقفہ زیادہ بڑھ جاتا ہے تو انسان کی بے چینی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔

اس لئے اکثر روحیں یا دیگر نادیدہ قوتیں سب سے پہلے نیند کو ختم کردیتی ہیں، اور یہی کچھ وکیل صاحب کے ساتھ شروع ہوچکا ہے۔

اور جہاں تک میرا دماغ کہتا ہے کہ اب وقت کے ساتھ ساتھ نیند نہ آنے اور بے چینی میں مزید اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور بہت جلد وکیل صاحب پریشان ہوکر یہاں تشریف لائیں گے۔

میں نے یہ بھی اندازہ لگایا ہے کہ وکیل صاحب دروغ گوئی سے کام لے رہے ہیں، کوئی نہ کوئی ایسا معاملہ ان کے ہاتھ یا ان کی ذات سے منسلک ضرور ہے جس میں یہ براہ راست ملوث ہیں۔ یا تو انہوں نے کسی زندہ انسان کے ساتھ کچھ ناجائز کیا ہے اور ان کے ایسا کرنے سے وہ بے گناہ معصوم شخص اپنی جان گنوا بیٹھا ہے یا پھر ان کی کسی خاموش غلطی کی وجہ سے کوئی بھٹکتی روح یا کوئی اور نادیدہ قوت ان کے پیچھے پڑگئی ہے۔

جب وہ آپ سے محوِ گفتگو تھے تو میری نظریں ان پر ہی مرکوز تھیں۔ میں نے بہت واضح اور بغور ان کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ اندرونی طور پر کچھ زیادہ ہی خوفزدہ اور سہم گئے ہیں دل میں تو میرے آیا تھا کہ میں کھل کر ان سے باتیں کروں مگر جب میں نے دیکھا کہ وہ ہم سے اصل حقیقت چھپا رہے ہیں تو میں نے یہ ہی سوچا کہ چلیں دیکھتے ہیں کہ آپ ہم سے کب تک اصل حقیقت اور پوشیدہ راز چھپاتے ہیں۔ بہرحال آپ کو چند دن میں بتانا ہی پڑے گا۔

میرے دل میں یہ بھی آیا کہ میں اپنے طور پر غائب کی حالت میں ان کی رہائش گاہ تک جاؤں اور وہ بھی رات میں مگر فی الحال میں نے اپنا ارادہ بدل دیا کہ جب تک وکیل صاحب خود نہیں کھل جاتے۔ اس وقت تک میں ان کے مخفی حالات میں مداخلت نہیں کروں گا۔

حکیم صاحب یہ کتنا بڑا ظلم اور زیادتی ہے کہ ایک شخص جرم کرتا ہے اور پھر کس خوبی سے اپنے جرم پر پردہ ڈالتا ہے جبکہ اس کا ضمیر اسے کچوکے بھی لگاتا ہے۔ اپنی خودغرضی اور مفاد پرستی میں وہ اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ کسی کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اور جب کسی بھی بہانے چاہے وہ معاملہ دنیا بنانے والے ہی کی طرف سے کیوں نہ سامنے آئے اس پر سختی شروع ہوجاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو معصوم اور بے گناہ تصور کرتا ہے۔ دوسروں کے سامنے۔

پھر وہ ظالم شخص دنیا کے خالق و مالک کے سامنے یا پھر اپنے سے طاقتور کے سامنے آہ وزاری کرتے ہوئے گڑگڑانے لگتا ہے اور زمین پر سر ٹیک کر معافیاں مانگتا ہے۔

لیکن وہی شخص جب کسی پر ظلم کررہا تھا تو اس کے سامنے بھی مظلوم اس کے آگے گڑگڑاتے ہوئے یقیناً معافی کا طلبگار تھا۔ مگر ظالم نے اس پر رحم نہیں کھایا اور مظلوم کی ہستی مٹا کر رکھ دی، اسے نیست ونابود کرکے رکھ دیا بلکہ اس کی زندگی ختم کردی۔"

رولوکا کی یہ باتیں سن کر حکیم وقار بولے۔ "حکیم صاحب آپ بالکل صحیح فرمارہے ہیں یہ تمام باتیں سو فیصد حقیقت پر مبنی ہیں اور کوئی ان سے انحراف نہیں کرسکتا۔"

پھر رولوکا بولا۔ "ایسا ہی کچھ وکیل صاحب نے کیا ہے۔ یقیناً خودغرضی اور مفاد پرستی میں انہوں نے بے رحمی سے اس پر ظلم کردیا ہے مگر یہ اپنی زبان کھولنا نہیں چاہ رہے ہیں۔ کیونکہ اکثر کورٹ میں ایک وکیل یہ جانتے ہوئے کہ فلاں شخص مجرم ہے قاتل ہے، ڈاکو ہے، زانی ہے، لٹیرا ہے، اس نے خون کی ندیاں بہادی ہیں۔

مگر پھر بھی وہ وکیل قانونی طریقے سے یہ ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتا ہے کہ میرا موکل بالکل بے گناہ ہے اور اس نے یہ جرم نہیں کیا، یا جو جرم ہوا ہے اس میں اس کا ہاتھ کسی صورت شامل نہیں۔

اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ مجرم اگر اثر و رسوخ والا یا پھر پیسے والا ہے تو مخالف جو کہ کمزور ہے اور حق پر ہے اسے سزا کا مستحق قرار دیا جاتا ہے اور اس

طرح ایک بے گناہ، حق پر رہنے والا، طاقتوروں کے ظلم کا شکار ہونے والا مجرم گردان دیا جاتا ہے۔ اور ایسا ہونے میں صرف اور صرف پیسہ اپنا کام کرتا ہے اور اس پیسے کا نام ہے۔ ''رشوت۔''

گواہی دینے والوں کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔ چشم دید گواہوں کو خرید لیا جاتا ہے یا پھر جبر وزیادتی سے ان کا منہ بند کردیا جاتا ہے اور اگر گواہی دینے والا اپنے فیصلے پر ڈٹا رہتا ہے تو پھر اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔'' رولو کا یہاں تک بول کر خاموش ہوگیا۔

''جی حکیم صاحب ایسا ہی ہوتا ہے، پیسے والے اکثر ایسا ہی کرادیتے ہیں۔'' حکیم وقار نے کہا۔

''حکیم صاحب مجھے پکا یقین ہے کہ وکیل صاحب بھی اپنے جرم کا اعتراف ضرور کریں گے اور پھر اسی صورت ان کی جان چھوٹے گی۔'' رولو کا بولا۔

ادھر وکیل صاحب کی رات دن ان کے لئے جہنم بن گئی تھی۔ حکیم وقار نے انہیں ذہنی سکون اور نیند کی دوادی تھی۔ وکیل صاحب نے وہ دوا کھائی اور چند منٹ میں ہی ان پر غنودگی طاری ہونے لگتی تو بستر پر لیٹ کر نیند کی آغوش میں چلے جاتے۔

مگر یہ کیا وہ اچانک ہڑبڑا کر بستر پر اٹھ بیٹھتے کیونکہ ان کے ہاتھ پاؤں یا پھر پیٹھ میں کوئی نوکیلی کیل چبھتی ہوئی محسوس ہوتی اور پھر درد اتنا بڑھتا کہ وہ اٹھ بیٹھتے۔ کمرے کی لائٹ جلا کر بستر پر دیکھتے یا بستر کو ٹٹولتے تو بستر پر کوئی ایسی نوکیلی کیل نہ ملتی۔ اور یہی نہیں بلکہ جس جگہ کیل چبھتی تھی اس جگہ کوئی نشان تک نہیں ہوتا تھا۔

ان کے ساتھ جو نادیدہ ہستی ایسا کررہی تھی وہ اتنی ظالم بھی نہ تھی۔ وہ وکیل صاحب کو صبح ہونے سے پہلے صرف دو گھنٹے ایسے دیتی تھی کہ وکیل اپنی نیند پوری کریں۔

مگر صرف دو گھنٹے میں کیا ہوسکتا تھا۔ رات بھر کا جاگا ہوا وہ بھی تکلیف میں تڑپتے ہوئے بھلا اس کی نیند کہاں پوری ہوسکتی تھی۔

اب تو ایسا بھی ہونے لگا تھا کہ ان کے سامنے سے ایک سایہ سا گزر جاتا۔ یا پھر جب وہ چلتے تو ایک سایہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں ان کے ساتھ چلتا ہوا نظر آتا مگر جب وہ بغور اس طرف دیکھتے تو وہ سایہ تیزی سے غائب ہوجاتا۔

ایک دن کمرۂ عدالت میں وہ جج کے سامنے دلائل دے رہے تھے کہ اچانک بول اٹھے اور وہ بھی اونچی آواز میں۔ ''کون ہوتم؟ مجھے کیوں تنگ کررہے ہو، جو کوئی بھی ہو میرے سامنے آؤ، ورنہ میں......'' اور ان کی بات ادھوری رہ گئی۔

کمرۂ عدالت میں ہر کوئی انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ سب کی نظریں ان پر مرکوز ہوگئی تھیں ان کا مخالف وکیل بولا۔ ''حیدر علی آپ کیا اول فول بک رہے ہیں۔''

اتنے میں جج کی آواز سنائی دی۔ ''حیدر علی لگتا ہے آج آپ ذہنی طور پر بہت زیادہ ڈسٹرب ہیں۔ یہ اچانک آپ کو کیا ہوگیا، آپ کس سے مخاطب ہیں؟''

اور پھر کمرۂ عدالت میں لوگوں کے بلند قہقہے گونجنے لگے۔

وکیل صاحب کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی ان کا چہرہ پسینہ پسینہ ہوگیا تھا۔ ان کے منہ سے نکلا۔ ''اوہ! مائی گاڈ!'' اور پھر یہ بولتے ہی وہ دھڑام سے اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

وکیل صاحب کی غیر ہوتی حالت کے پیش نظر جج نے کیس کے دوسرے دن کی تاریخ دے دی۔

ایک ایک کرکے سارے لوگ کمرۂ عدالت سے وکیل صاحب کو بغور دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ مگر وکیل صاحب اپنی کرسی پر بیٹھے جیسے کاٹھ کے الو بن چکے تھے۔

اچانک وکیل صاحب کے کان کے نزدیک نسوانی آواز کی سرگوشی سنائی دی۔ ''وکیل حیدر علی کیا ہوگیا؟''

(جاری ہے)

دھواں دھواں

احسان سحر۔میانوالی

ایک ایسے نوجوان کی حقیقی روداد جس نے اپنے ضمیر کا کہا نہیں مانا اور بھیانک ماحول کا گرویدہ ہوکر اپنے چاہنے والوں کو کف افسوس ملتا چھوڑ کر خود اپنی زندگی کو زندہ درگور کرلیا۔

دل ودماغ پر حقیقت کا سکہ بیٹھاتی بہت ہی دلگداز اور دلفریب سبق آموز کہانی

میری یہ حالت ہے کہ لوگ مجھے پاگل سمجھ کر نظر انداز کردیتے ہیں۔ لیکن میں پاگل نہیں ہوں اور نہ ہی میرے مزاج میں کبھی تشدد کا عنصر رہا تھا، لیکن اب میں واقعی بپھرے ہوئے پاگل کی طرح ہوگیا ہوں۔ میں اب بیساکھی کے ذریعے چلا کرتا ہوں کیونکہ میری ایک ٹانگ نہیں ہے۔ جبکہ کسی زمانے میں بالکل صحت مند اور چاق وچوبند تھا۔ خدانے سب کچھ دے رکھا تھا۔ سارے اعضا تندرست اور سلامت تھے۔ میری اس کہانی میں ہوسکتا ہے کوئی بہت بڑا پہلو نہ ہو۔ ایک بہت ہی معمولی سی بات نے میری زندگی کو حیرت کا نمونہ بنادیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے اس میں کسی بہت بڑی کہانی کا عنصر نہ ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ میری یہ کہانی بہت سوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے بہت ہے۔ ہوسکتا ہے اس ملک کے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو کوئی سبق مل جاتا۔

میں یہ بتا رہا تھا کہ لوگ مجھے پاگل سمجھ کر نظر انداز کردیتے ہیں اور مجھے پاگل سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں پان اور سگریٹ کی دکانوں پر حملہ کردیتا ہوں۔

میں چونکہ ایک پیر سے لنگڑا ہوں اس لئے میرے حملے میں زیادہ شدت تو نہیں ہوتی پھر بھی اچھا خاصا نقصان تو کر ہی دیتا ہوں۔ ایسی دکانوں کی طرف پتھر پھینکنا شروع کردیتا ہوں، جس کی وجہ سے دکان کی چیزیں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں اور لوگ زخمی بھی ہوجاتے ہیں اپنی اس عادت کی وجہ سے کئی بار میری اچھی خاصی ٹھکائی بھی ہوچکی ہے۔ اس کہانی کی ابتدا بہت دنوں پہلے ہوتی ہے۔

میں آٹھویں جماعت پاس کرکے جس اسکول میں داخل ہوا وہ شہر کا اچھا اسکول تھا۔ وہاں امیر گھرانوں کے لڑکے پڑھنے آیا کرتے تھے۔ میرے والدین بھی کچھ کم نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے مجھے اتنے مہنگے اسکول میں داخلہ دلوایا تھا۔ میں بھی دوسرے لڑکوں کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔ مجھ سے بڑے دو بھائی تھے جو کالج میں پڑھا کرتے تھے۔ ہمارے گھر میں کئی کمرے تھے۔ ہم تینوں بھائیوں کے لئے تین الگ الگ کمرے تھے۔ ایک بہن تھی اس کے لئے بھی ایک کمرہ تھا۔ یہ میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ میری کہانی کوئی مفلسی یا ناداری کی کہانی نہیں ہے بلکہ اس کا سلسلہ کچھ اور ہی ہے۔

میں اپنے دونوں بھائیوں سے بہت زیادہ مرغوب تھا، کیونکہ وہ بڑے ہوچکے تھے اور کالج جایا کرتے تھے، اور مجھے کالج کے بارے میں ڈھیر سی باتیں بتایا کرتے تھے۔ آج انہوں نے یہ کیا، آج فلاں سے ملاقات ہوتی۔ آج فلاں لڑکی سے بات چیت ہوتی وغیرہ، وغیرہ۔ اور میں ان کی باتیں حیرت اور رشک سے سنا کرتا تھا۔ میرے گھر کا ماحول بہت مذہبی اور پابند قسم کا تھا۔ والد صاحب پان تک نہ کھایا کرتے تھے۔ سگریٹ تو بہت دور کی بات ہے جبکہ میرے دونوں بھائی چھپ چھپ کر سگریٹ پیا کرتے تھے۔ اس کا پتہ مجھے اس طرح چلا کہ ایک دن میں بغیر دستک دیئے اکبر بھائی کے کمرے میں داخل ہوا تو اشعر بھائی بھی وہیں موجود تھے اور وہ دونوں سگریٹ پی رہے تھے۔ پورا کمرہ سگریٹ کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ ''ہوں، تو آپ دونوں سگریٹ پیتے ہیں؟'' میں نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے اچھے بھائی۔'' اکبر بھائی نے جلدی سے ایک 500 کا نوٹ میری جیب میں ٹھونس دیا بطور رشوت۔ ''خدا کے لئے کسی سے کچھ مت کہنا۔ ورنہ ہماری شامت آجائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں ایک کمال بے نیازی سے بولا۔ ''میں کسی سے نہیں کہوں گا۔ لیکن یہ روپے اکثر ملتے رہنے چاہئیں۔''

''بدمعاش کہیں کا۔'' اشعر بھائی ہنس پڑے۔ اس کے بعد وہ دونوں سگریٹ نوشی کے معاملے میں مجھ سے فری ہوگئے، یعنی میرے سامنے پیا کرتے اور کبھی کبھی مجھ سے سگریٹ منگوالیا کرتے تھے اور یہ کوئی ایسی بری بات بھی نہیں تھی۔ ہمارے یہاں کے بہت سے لوگ سگریٹ پیا کرتے تھے۔ اگر اکبر بھائی اور اشعر بھائی بھی پی رہے تھے تو ان میں کون سی بری بات ہوگئی۔

''آٹھویں تک میں جس اسکول میں تھا وہاں کا ماحول بہت گھٹا، گھٹا سا تھا۔ کسی قسم کی آزادی نہیں تھی۔ استاد بہت سختی کیا کرتے تھے۔ لیکن نویں میں جب آزادی ملی اور کچھ بدلا بدلا سا محسوس ہوا جہاں میں نے داخلہ لیا تھا وہاں کا ماحول پہلے والے ماحول سے مختلف تھا۔ یہاں آزادی تھی کیونکہ اکثر لڑکے گاڑیوں پر آیا کرتے تھے۔ ان کا ماحول مختلف تھا۔ ان کے انداز مختلف تھے۔ بہت جلد لڑکوں کے ایک گروپ کے ساتھ میری دوستی ہوگئی۔ وہ سب کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھنے والے لڑکے تھے اور وہ بھی سگریٹ نوشی کیا کرتے تھے۔

ایک دن بریک ٹائم میں انہوں نے مجھے بھی گھیر لیا۔ اس وقت ہم سب اسکول کی عمارت سے کچھ

فاصلے پر ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے گروپ میں ایک لڑکا ارشد جیلانی تھا۔ اس نے اپنی جیب سے سگریٹ کا ایک پیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔ ''یار جلدی سے ایک آدھ سگریٹ ہی ہوجائے اور آج تو احسان بھی ہمارا ساتھ دے گا۔''

''نہیں بھئی۔'' میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ لگایا۔ ''میں تو نہیں پیوں گا یہ اچھی چیز نہیں ہے۔''

''کون کہتا ہے یہ اچھی چیز نہیں ہے؟''

''میرے بھائی کہتے ہیں۔''

''تو کیا تمہارے بھائی سگریٹ نہیں پیتے؟''

میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ میرے دونوں بھائی تو سگریٹ پیتے بھی تھے۔ دوستوں نے پھر اصرار کیا اور میں نے سگریٹ کا ایک کش لگا ہی لیا۔ پہلی بار زندگی میں سگریٹ پی تھی۔ کچھ عجیب سا ذائقہ تھا۔ پورے سینے میں جیسے جلن سی بھر گئی تھی۔ اتنی زور کی کھانسی آئی جیسے آنکھیں باہر نکل پڑیں گی۔ میرے دوست میری حالت دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے اور مجھے ابکائی آرہی تھی۔ بہرحال یہ میری ابتدا تھی۔ ابتدا ہمیشہ دشوار ہی ہوا کرتی ہے۔ چاہے وہ کسی بھی کام کی ہو، کسی بھی چیز کی ہو۔ اس کے بعد تو سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور سلسلہ شروع ہوگیا۔ میں نے باقاعدہ سگریٹ نوشی شروع کردی۔ دوستوں کے حلقے بڑھتے چلے گئے۔ زندگی سفر کرتی رہی کیونکہ زندگی کا کام بھی یہی ہوتا ہے۔ وہ کسی ایک مقام پر ساکن نہیں رہتی۔

میں نے کالج کی تعلیم بھی ختم کرلی۔ اس دوران ان میں بہت سے نشیب و فراز آئے۔ والدین کا انتقال ہوگیا۔ میں نے ایک دفتر میں اچھی سی ملازمت حاصل کرلی اور وہیں شائستہ سے میری ملاقات ہوئی۔ شائستہ ایک خوب صورت باشعور، اور پڑھی لکھی لڑکی تھی، اس کے گھریلو حالات کچھ ٹھیک نہیں تھے، اس لئے اس نے ملازمت اختیار کرلی تھی۔ میں نے پہلی بار جب اس سے ملازمت کا سبب دریافت کیا تو اس نے بڑی صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''سیدھی سی بات ہے، میرے گھریلوں حالات اس قابل نہیں ہیں۔ اس لیے میں ملازمت کررہی ہوں۔''

''میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مبارکباد۔'' وہ بوکھلاگئی۔ ''کس بات کی مبارکباد۔'' ''یہی کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں تو بس ویسے شوقیہ ملازمت کررہی ہوں ورنہ میرے گھر میں سب کچھ ہے۔'' ''اوہ۔'' اس نے طویل سانس لی۔ ''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو صورت حال ہے وہ بتادی۔''

ایک دوسرے کے قریب آنے کے تو بہانے ہوا کرتے ہیں۔ ہم دونوں بھی اس ملاقات کے بہانے ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے۔ ہم دونوں کے حالات چونکے ایک جیسے تھے۔ اس لئے ہماری خوشیاں اور ہمارے دکھ بھی۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ہماری ان خوشیوں اور دکھوں کے عقب میں ایک آسیب بھی کھڑا ہوا ہے۔ ایسا آسیب جو ہم دونوں کی محبت پر اپنا سایہ ڈالنا چاہتا ہے......

وہ آسیب اس فرم کا باس زمان خان تھا۔ اس نے ایک دن مجھے اپنے دفتر میں بلا کر تیکھے انداز میں کہا۔ ''میں نے سنا ہے کہ تم آج کل شائستہ کے ساتھ بہت دیکھے جارہے ہو؟''

''جی جناب۔'' میں نے اپنی گردن جھکالی۔ ''وہ بات یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے ہیں۔''

''بہت خوب۔'' اس نے ایک ہنکاری لی۔ ''لیکن شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میں نے بہت پہلے شائستہ کو اپنے لئے پسند کرلیا تھا۔'' ''کیا۔'' میں نے اس شخص کو حیرت سے دیکھا۔ جس کے نقوش دھندلانے لگے تھے۔ بال سفید ہوگئے تھے۔ توند آگے کو نکلی ہوئی تھی اور وہ شخص کتنی بے باکی سے شائستہ کو پسند کرنے کی بات کررہا تھا۔ کس لئے صرف اس لئے کہ اس کے پاس بے پناہ دولت تھی۔ وہ ایک بہت بڑی فرم کا مالک تھا۔

اور ہم دونوں اس کے ملازم۔

”فرض کریں سر، اگر میں شائستہ کو چھوڑنا پسند نہ کروں تو پھر......؟“ ”تو پھر تم اپنے آپ کو نوکری سے برخاست سمجھو۔“ اس نے کہا۔ اور میں نے نوکری چھوڑ دی۔ صرف میں نے ہی نہیں بلکہ شائستہ بھی اس فرم سے نکل آئی تھی۔ باس نے اسے روکنے کی بھی بہت کوشش کی لیکن وہ کہاں رکنے والی تھی۔ اس نے تو اپنے دکھ سکھ مجھ سے وابستہ کرلئے تھے۔ جہاں میں وہاں وہ۔ اب چونکہ ہم ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے۔ ہم نے ذہنی طور پر ایک دوسرے کو قبول کرلیا تھا۔ اپنی زندگی ایک دوسرے کا نام کردی، اس لئے میں نے اپنے دونوں بھائیوں اور بھابیوں سے بھی شائستہ کو ملوادیا تھا۔ انہوں نے بھی اسے پسند کرلیا تھا۔ اسی طرح میں بھی شائستہ کے گھروالوں سے مل چکا تھا اور انہوں نے بھی مجھے قبول کرلیا تھا۔ یعنی اب ہم دونوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ صرف اس بات کی دیر تھی کہ ہمیں کوئی اچھی سی ملازمت مل جائے۔ اس کے بعد دوسرے مراحل طے ہوں۔ شائستہ ملازمت کرنا چاہتی تھی۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ شادی کے بعد بھی وہ ملازمت جاری رکھے گی اور مجھے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا، لیکن سوال یہ تھا کہ ملازمت کہاں ملے۔ اس دور میں تو ملازمتیں عنقا ہوتی جارہی تھیں۔ پھر ایک دن ایک اخبار کے ایک اشتہار نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔ وہ اشتہار کچھ اس طرح تھا۔

”آیئے اس دنیا کو بچائیں۔“ اس کے نیچے عبارت کچھ یوں تھی۔ ”آپ کی یہ خوب صورت، حسین اور شاداب دنیا آلودگی کے زہر اور دھویں سے بوجھل ہے۔ اور زہر آلود ہوتی جارہی ہے۔ ہم لوگوں کو ماحول کی صفائی کا احساس دلانے کی کوشش کررہے ہیں۔ یہ خدمت خلق بھی ہے۔ اور ملازمت بھی۔ اگر آپ خود کو اس فریضے کا اہل سمجھتے ہیں تو فوری طور پر ہم سے رابطہ قائم کریں۔“

پھر پتہ درج تھا۔ میں نے جب شائستہ کو اس اشتہار کے بارے میں بتایا تو وہ بھی میرے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی۔ ہم مقررہ پتے پر پہنچ گئے۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ وہ کوئی بین الاقوامی ادارہ ہے۔ جو لوگوں میں ماحولیات کا شعور بیدار کرنے کے لئے پوری دنیا میں کام کررہا ہے اور اس ادارے کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو لوگوں میں ماحول کے بارے میں شعور پیدا کرسکیں۔

انٹرویو کے بعد ہم دونوں کو معقول تنخواہوں پر ملازمت دی گئی۔ یہ ملازمت بہت ہی دلچسپ ثابت ہوئی۔ ہم ماحول کی گندگی کے خلاف پوسٹر تیار کرتے۔ ڈاکومینٹری فلمیں بناتے۔ لٹریچر شائع کرتے۔ لوگوں کو درخت لگانے کی تلقین کرتے۔ پودے فراہم کرتے۔ شور اور دھواں پیدا کرنے والی گاڑیوں کے خلاف مہم کا آغاز کرتے، غرضیکہ یہ بہت دلچسپ کام تھا، ہم نے اس کام میں اتنا من دھن لگادیا کہ یہ ریسرچ ورک بھی تھا، ہم ایک ٹیم کی طرح کام کرتے تھے ایک دلچسپ لیکن بری بات یہ تھی کہ خود تو لوگوں کو ماحول کی آلودگی کے بارے میں لیکچر دیا کرتا تھا، لیکن دوسری طرف میری سگریٹ نوشی بدستور جاری تھی۔ شائستہ بھی کئی بار مجھ سے کہہ چکی تھی کہ میں سگریٹ پینی بند کردوں۔ اپنی یہ عادت ترک کردوں۔ لیکن سگریٹ کے سامنے میری قوت ارادی دھری کی دھری رہ جاتی تھی۔

اب ہم دونوں کے ایک ہوجانے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ ہم ہر ماہ اچھی خاصی رقم حاصل کرلیتے تھے۔ اس لئے ہم نے شادی کرلی۔ شادی بہت ٹھیک ٹھاک انداز میں ہوتی تھی۔ حالات ایسے بھی نہیں تھے کہ یہ کہا جائے دونوں طرف سے دل کے ارمان نکالے گئے۔ بہرحال اتنا ضرور تھا کہ سب کچھ مناسب انداز سے ہوگیا تھا۔ شادی کے چند ماہ بعد بھی مجھے اور شائستہ کو محکمے کی طرف سے ان علاقوں کی طرف جانے کے لئے کہا گیا جہاں ناجائز طور پر درختوں کی کٹائی ہوا کرتی تھی۔ میں اپنے ادارے کو محکمہ بھی کہا کرتا تھا۔ شائستہ سے شادی کے بعد بھی ملازمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ درختوں سے محروم ہونے والے علاقوں میں

لوگوں کو اس فعل سے روکنے کا کام تو بنیادی طور پر محکمہ جنگلات کا تھا لیکن اس لئے روانہ کیا گیا تھا کہ ہم اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کریں اور لوگوں کو یہ بتائیں کہ درخت ہماری زندگی ہیں، ہماری دنیا اور ہمارے ماحول کو خوشگوار رکھتے ہیں۔ ہم ان ہی کے ذریعے اپنی سانسوں میں توانائی حاصل کرتے ہیں۔

ہمارا یہ سفر بہت خوشگوار تھا۔ وہ ملازمت اب ہمیں پکنک کی طرح معلوم ہورہی تھی۔ ایک سرسبز پہاڑی علاقے میں ہمیں ایک کوارٹر بھی مہیا کردیا گیا۔ ہم کئی ماہ تک اس علاقے میں رہے۔ پھر واپس آگئے۔ اور یہیں ہمارے یہاں نوید کی آمد ہوئی۔ ہمارا پہلا بیٹا اس کی پیدائش ہمارے لئے خوشی کی وہ انتہا تھی جس کے حصول کے لئے شاید میں نے اور شائستہ نے ایک دوسرے کے لئے محبت کی تھی۔ اور ایک دوسرے کو حاصل کرلیا تھا۔ لیکن نوید اپنے ساتھ ایک پریشانی بھی لایا تھا۔ اس پریشانی کا احساس اس کی پیدائش کے بعد ہی ہوگیا تھا۔ وہ سانس کا مریض تھا۔ خدا کی پناہ، جب وہ ننھی سی جان سانس لینے کی جدوجہد میں ہاتھ پاؤں مارنے لگتی تو ہم تڑپ کر رہ جاتے تھے، کئی بار آکسیجن کے لئے اسے اسپتال بھی لے جانا پڑا۔ ڈاکٹروں کا یہ کہنا تھا کہ فوری طور پر اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مریض بہتر ہونے لگتا ہے لیکن کب تک، یہ بات وہ خود نہیں بتاسکتے، نوید کو عارضی طور پر دوائیں استعمال کرائی جاتی رہیں لیکن اس کی یہ بیماری نہیں گئی۔ وقت گزرتا ہی گیا لیکن اس پر بیماری کے حملے جاری رہے۔ فرق بس یہ تھا کہ پہلے یہ حملے مہینے میں دو تین بار ہوا کرتے تھے لیکن اب یہ ایک آدھ بار ہوئے لیکن ہر بار اسے علاج کے لئے اسپتال لے جانا پڑتا۔ جہاں آلات کے ذریعے اس کی سانسوں کا سلسلہ بحال کردیا جاتا۔ ہم دونوں اس کی وجہ سے ہر وقت سولی پر لٹکتے رہتے تھے۔ اس کی نشوونما بھی دوسرے بچوں سے کم تھی۔ وہ بہت کمزور تھا۔ جب وہ تین سال کا ہوا تو ایک دن اس کی حالت بہت خراب ہوگئی۔ ہم اسے فوری

طور پر اسپتال لے گئے۔ جہاں آکسیجن کے بعد اس کی حالت سنبھل گئی تھی لیکن اسپتال کے ڈاکٹر نے مجھ سے کہا تھا کہ فوری طور پر اس بچے کو شہر سے دور لے جاؤ۔

’’لیکن ہم اسے جلد کہاں لے جاسکتے ہیں ڈاکٹر صاحب۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’ہمارا روزگار تو شہر میں ہے۔‘‘

’’آپ کوئی متبادل بندوبست بھی کرسکتے ہیں۔‘‘ ڈاکٹر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

’’میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ شہری زندگی بچے پر بری طرح اثر انداز ہو رہی ہے۔ یہاں ہواؤں میں بھی زہر موجود ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے ایسی جگہ لے جائیں جہاں کم از کم ہوا تو زہر آلود نہ ہو۔‘‘ شہر کو چھوڑنا ہمارے لئے آسان نہیں تھا۔ یہاں ہمارا روزگار تھا۔ ہمارے وسائل تھے لیکن اپنے بیٹے اپنے لخت جگر کے لئے ہمیں ہر حال میں یہاں سے کہیں اور جانا تھا تاکہ اس کی زندگی بچائی جاسکے اس سلسلے میں ایک بار پھر ہمارے ادارے نے ہمارے ساتھ تعاون کیا اور ہمیں ایک ایسے چھوٹے سے علاقے کی طرف بھیج دیا جہاں شمسی توانائی کا ایک پلانٹ لگایا جا رہا تھا۔ ہمیں اس علاقے میں رہنے کے لئے ایک چھوٹا گھر بھی مل گیا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ یہاں کی زندگی بہت دلفریب تھی۔ صاف ستھری فضا، پرخلوص لوگ، دریا کا بہتا ہوا پانی، یہاں آکر زندگی کا پورا معمول ہی تبدیل ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا اور یہ تبدیلی بہت مناسب تھی۔ پندرہ دنوں کے بعد نوید بالکل ٹھیک ہوجائے گا لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہم اس کا مرض شہر سے یہاں بھی لے آئے ہیں۔ ایک دن پھر اس کی طبیعت خراب ہوگئی۔ شمسی توانائی کا جو پلانٹ یہاں پر لگایا جا رہا تھا۔ وہ ہمارے گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور ایک ڈاکٹر بھی وہاں ہوا کرتا تھا، ڈاکٹر زیدی نام تھا ان کا، ہم فوری طور پر نوید کو لے کر ڈاکٹر زیدی کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے پاس ایسے موقعوں کے لئے ضروری آلات موجود تھے۔ جن کی مدد سے انہوں نے نوید کو سنبھال لیا۔

’’ہم تو اس کی طرف سے مایوس ہوگئے تھے ڈاکٹر صاحب۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’کیونکہ یہاں آنے کے بہت دنوں بعد اس کو دوبارہ دورا پڑا ہے۔‘‘ ’’میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔‘‘ ڈاکٹر زیدی میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ’’آپ کا بیٹا کبھی ٹھیک نہیں ہوسکتا۔‘‘

’’کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب؟ یہ کیوں ٹھیک نہیں ہوسکتے۔‘‘ میں نے ڈاکٹر سے کہا۔ ’’آپ چاہیں اسے سوئٹزرلینڈ بھی لے جائیں اس کی بیماری اس کے ساتھ رہے گی اور اس کی بیماری آپ ہیں۔‘‘ ڈاکٹر نے میری طرف اشارہ کیا۔

’’جی۔‘‘ میں نے حیرت سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ’’میں اس کی بیماری ہوں، یہ کیسی بات کی آپ نے۔‘‘

’’جی ہاں، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، آپ کی سگریٹ نوشی اس کو اچھا نہیں ہونے دے گی۔‘‘ ڈاکٹر نے کہا۔ ’’سگریٹ صرف پینے والوں کو ہی نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ آس پاس کے لوگوں کو بھی بری طرح متاثر کرتی ہے، خاص طور پر ان بچوں کو جو سانس کے مریض ہوں۔ جیسے آپ کا یہ بچہ ہے۔ آپ اگر اس کی زندگی کے خواہش مند ہیں تو آپ کو یہ عادت چھوڑنی ہوگی۔‘‘

اس وقت میں نے اپنے آپ کو ایسا مجرم تصور کیا جو خود اپنے ہاتھوں سے اولاد کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ماحولیات سے متعلق ایک ادارے میں رہنے کے باوجود اس طرف میرا کبھی دھیان نہیں گیا۔ یہ احساس ہی نہیں ہوسکا کہ میں دوسروں کو تو نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ فضائی آلودگی سے دور رہیں اور خود سگریٹ کے دھوئیں کے ذریعے فضا میں زہر پھیلاتا رہتا تھا۔ گھر واپس آتے تو شائستہ بہت خفا خفا سی تھیں۔ ’’سن لیا تم نے؟‘‘ اس نے میری طرف دیکھا۔ ’’اب تم خود ہی فیلہ کرلو تمہیں اپنی اولاد عزیز ہے یا سگریٹ، تم اپنے آپ کو تو سگریٹ کے ذریعے تباہ کر ہی چکے ہو۔ اب کم از کم اس معصوم پر تو رحم کرو۔‘‘ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ’’مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔‘‘

’’کیسی بات کرتی ہو شائستہ۔‘‘ میں نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ’’کیا نوید میرا بیٹا نہیں۔ تم دیکھ لینا میں اس کی خاطر سگریٹ پر لعنت بھیج دوں گا۔‘‘ میں نے کہہ تو دیا تھا لیکن یہ فیصلہ شاید اتنا آسان نہیں تھا۔ سگریٹ کا دھواں اور اس کا نکوٹین رگوں میں خون کی طرح شامل ہوچکا تھا۔ سگریٹ ترک کرنا میرے لئے آسان نہیں ہو رہا تھا۔ اس دن احساس ہوا کہ وہ لوگ کتنی زبردست قوت ارادی کے مالک ہوا کرتے ہیں جو ذرا سی دیر میں ذرا سی بات پر سگریٹ چھوڑ دیتے ہیں اور پھر اس کو کبھی منہ نہیں لگاتے۔ میرا تو یہ حال تھا کہ ایک ہی رات میرے لئے قیامت بن گئی۔ پورا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ بل کھا رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے میں ادھورا رہ گیا ہوں، کوئی ایسی چیز مجھ سے گم ہوگئی ہے جو میرے وجود کا لازمی حصہ تھی اور جس کے بغیر زندگی شاید ادھوری رہ جاتی ہے۔ میں اس ٹوٹ پھوٹ کی کیفیت کو لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ مجھے اپنے اسکول کا وہ پہلا دن یاد آرہا تھا۔ جب میں نے دوستوں کے کہنے پر پہلی مرتبہ سگریٹ پی تھی۔ وہ پہلا دن اور آج کا دن یہ سلسلہ پھر دراز ہی ہوتا چلا گیا۔ ایک سگریٹ، دو سگریٹ، ایک پیکٹ اور اب میں روزانہ کم از کم تین پیکٹ ختم کرتا تھا۔ مجھے خود بھی پہلے دن سے احساس کرلینا چاہئے تھا کہ سگریٹ کا دھواں بچوں کے لئے مضر ہوجاتا ہے جو سانس کے مریض ہوں۔ یہ میری بدقسمتی کہ میں نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ بہر حال وہ ایک رات میں نے سگریٹ کے بغیر گزار لی۔ دوسرے دن میں نے شائستہ سے کہا۔

’’مبارک ہو کہ میں نے رات بھر سگریٹ نہیں پی۔‘‘ ’’لیکن رات بھر نوید بے حال رہا ہے۔‘‘

’’کیا مطلب کیا اب بھی۔‘‘

’’کیسی بات کرتے ہو۔ تم نے ایک رات کے لئے سگریٹ چھوڑ دی تو کیا ایک رات میں وہ ٹھیک ہوجائے گا اس کی بیماری تو برسوں کی ہے۔‘‘

’’تو پھر اس کی طبیعت خراب تھی تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔‘‘ ’’میں نے جان بوجھ کر تمہیں آواز نہیں دی۔ کیونکہ میں یہ دیکھ رہی تھی کہ تم بہت زیادہ بے قرار ہو رہے ہو۔‘‘

’’وہ اب کیسا ہے۔‘‘

’’فی الحال تو سو رہا ہے۔‘‘ میں نے سگریٹ تو چھوڑ دی لیکن مرض نے نوید کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اس پر دورے پڑتے رہے۔ ڈاکٹر کا یہ کہنا تھا کہ یہ موذی مرض اس کے وجود کا حصہ بن گیا ہے۔ اور اس میں بہتری کے آثار برسوں بعد نمودار ہوں گے۔ لیکن نوید میں بھی بہتری کے آثار نمودار نہیں ہوسکے۔ شاید اس نے بھی اپنی صحت یابی کو اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ کسی دن اس کے پاس آتے اور اس سے کہہ کر نوید اب تم بالکل ٹھیک ہوچکے ہو، اب تمہاری سانسیں نہیں اکھڑیں گی۔ اب تم سانس لینے کے لئے پانی سے باہر آتی ہوئی مچھلی کی طرح ہاتھ پیر نہیں مارو گے۔ شاباش کچھ دن اور تھوڑی سی ہمت کرلو۔ تم بالکل ٹھیک ہوجاؤ گے......

لیکن شاید نوید کا ارادہ بھی نہیں تھا۔ ٹھیک ہونے کا۔ وہ مجھے سبق دینا چاہتا تھا کہ ابو آپ تو دنیا بھر میں ’’آلودگی آلودگی‘‘ کا شور مچاتے پھر رہے ہیں لیکن خود آپ نے کبھی سگریٹ نہیں چھوڑی، اس لئے آپ کو پریشان کرنے کے لئے آپ کو اداس کرنے کے لئے میں یہ دنیا چھوڑ رہا ہوں۔ آپ میرے کھلونوں کو پھینک دیجئے گا ابو، ورنہ آپ کو میری یاد آتی رہے گی، اور اس نے دنیا چھوڑ دی، میرے نوید نے ہمیشہ کے لئے......
ایک رات اس پر سانس کا شدید دورہ پڑا۔ ہم اسے فوری طبی امداد کے لئے ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں لے جاسکے اور اس نے دم توڑ دیا۔ وہ مجھے اور شائستہ کو تڑپتا چھوڑ کر ایک ایسی دنیا میں چلا گیا تھا جہاں سے کبھی واپسی نہیں ہوا کرتی......اب اس علاقے کی تفصیل کیا بتائی جائے، بس دنیا ہی تباہ ہوگئی تھی، ہمارے پاس ایک ہی تو خوشی تھی اور اب وہ خوشی بھی ہمارے پاس نہیں تھی، ہم اس طرح تنہا ہوگئے تھے، جیسے ہمیں کسی برفانی علاقے میں لے جاکر چھوڑ دیا گیا ہو۔ جہاں بے رحم سرد ہواؤں کی سنسناہٹ کے سوا کچھ بھی نہ ہو......ہم اس کے بغیر تباہ

ہوکر رہ گئے...... ہم اتنا روئے کہ ہمارے آنسو بھی خشک ہوئے...... دلاسا دینے کے لئے خاندان کے بہت سے لوگ چلے آتے تھے۔ اپنے طور پر ہر ایک نے ہمدردی کا اظہار کیا......

اس بات کا احساس دلایا کہ ہم پر واقعی قیامت گزر چکی ہے...... لیکن سوائے صبر کے اور کیا ہوسکتا ہے...... یہ سب باتیں ہوتی رہیں اور ہم نے انہیں دکھانے کے لئے اپنے آنسو پونچھ لئے، اپنی زندگی کی طرف لوٹ کر آنے کی کوشش کرتے رہے...... جواب بے کار کی زندگی معلوم ہورہی تھی۔ ایک رات شائستہ میرے ہاتھ میں سگریٹ کا پیکٹ دیکھ کر بھڑک اٹھی۔

"یہ کیا...... تم پھر سگریٹ لے آئے؟"

"ہاں۔" میں نے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "میں پھر سگریٹ پینے لگا ہوں۔"

"لیکن کیوں...... اب کیوں سگریٹ پی رہے ہو......؟" "تم نے تو سگریٹ چھوڑ دی تھی۔" شائستہ میں نے جس کے لئے سگریٹ چھوڑ دی تھی...... جب وہ ہی نہیں رہا تو پھر کیا فائدہ۔ اب چاہے سگریٹ پیوں یا نہ پیوں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"کیا پاگل ہوگئے ہو......" جب ایک بری عادت کو ترک کر ہی چکے ہو تو پھر کیوں اسے منہ لگا رہے ہو......؟" "تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے لئے دنیا ختم ہوگئی ہے، کیا ابھی میں دنیا میں نہیں ہوں؟" یہ درست ہے کہ شائستہ ابھی بھی میرے ساتھ ہے۔ اس کی محبت مجھے حاصل تھی۔ اس کا حسن ابھی میلا نہیں ہوا اور اس کی شادابی برقرار تھی اور کوئی اور ہوتا تو اس کے لئے بہت کچھ کر گزرتا۔ لیکن میرا تو دل ہی اچاٹ ہوگیا تھا۔ نوید کی موت نے مجھے ہر لحاظ سے بے حس کردیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی جب میں نے اتنے دنوں بعد دوسری بار سگریٹ نوشی شروع کی تو اس کا لطف کچھ اور ہی محسوس ہورہا تھا اور اس میں کچھ اور ہی مزا آرہا تھا۔ اس لئے شائستہ کے اصرار کے باوجود میں سگریٹ پیتا رہا......

اب چونکہ اس گاؤں میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے...... اس لئے ہم دوبارہ شہر میں آگئے...... شہروں میں آلودگی کے خلاف ایک نئی مہم کا آغاز ہوا تھا۔ یہ مہم گاڑیوں کے شور اور دھواں کے خلاف تھی...... ہماری چونکہ ملازمت بھی اسی قسم کی تھی اس لئے ہم زور شور کے ساتھ اس مہم میں شامل ہوگئے۔ ہم نے ایک اچھا سا مکان کرائے پر لے لیا۔ زندگی بظاہر سیٹ معلوم ہورہی تھی...... لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک اور عفریت بڑی تیز رفتاری سے اپنے پورے بھیانک وجود کے ساتھ ہماری طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ ہم اپنے نوید کو بھلا نہیں سکے تھے...... اولاد بھلائے جانے کے لئے نہیں ہوتی۔ چاہے وہ ہو یا نا ہو۔ ہم اسے سینے سے لگائے رہتے ہیں۔ نوید کی یادیں ہم سے چمٹی ہوتی تھیں...... ہم ان یادوں کو اپنے ساتھ سلایا کرتے اور صبح کا آغاز بھی اس کی یادوں سے ہوا کرتا تھا...... اور پھر ایک دن وہ عفریت جھپٹ پڑا، جو شاید اسی انتظار میں چھپا ہوا تھا، ایک دن دفتر میں مجھے اپنے ایک پیر میں شدید تکلیف کا احساس ہوا، ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے کسی نے میرے پیر کو مروڑ کر رکھ دیا ہو۔ شائستہ سے تذکرہ کیا تو اس نے باہر سے دو چار گولیاں منگوا دیں...... کیونکہ ایسے موقعوں پر ہم لوگ اس قسم کا علاج کرنے کے بعد بھول جاتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیا گزری ہوگی۔ کچھ دنوں بعد ایک رات پھر اسی درد نے حملہ کیا۔ اس بار اس کی نوعیت شدید تھی۔ میں بری طرح چیخ رہا تھا، تڑپ رہا تھا، شائستہ سے جتنی مدد اور ہوسکتی تھی۔ وہ کررہی تھی۔ لیکن وہ بھی اس سلسلے میں کیا کرسکتی تھی۔ یہی طے پایا کہ صبح اٹھ کر کسی ڈاکٹر کو ضرور دکھایا جائے۔ خورشید عالم ایک اچھے ڈاکٹر تھے۔ مجھ سے اچھی طرح واقف بھی تھے۔ ہم دونوں کے درمیان ماحولیات کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ انہوں نے میرا معائنہ کیا۔ بہت سی معلومات حاصل کی۔ پھر مشورہ دیا کہ میں اس سلسلے میں کسی اسپیشلسٹ سے رجوع کروں۔

"کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب۔" میں نے

پوچھا۔ "کیا پیر کا درد کوئی ایسی خطرناک چیز ہے...... جس کے لئے کسی ماہر کی خدمات حاصل کی جائیں......"

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ڈاکٹر خورشید نے بتایا۔ "ویسے آپ چیک اپ کرالیں تو بہتر ہے۔ خدا کرے کہ میرا شبہ غلط ثابت ہو۔" میں کچھ سمجھ نہیں سکا تھا، شائستہ بھی یہ سب سن کر پریشان سی ہورہی تھی۔ پیر میں درد تو ہوتا ہی رہتا ہے...... لیکن ڈاکٹر اپنی تسلی کے لئے کسی ماہر اسپیشلسٹ کی طرف رجوع کرنے کا کہا تھا۔ میں وقت لے کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے بھی بڑی سنجیدگی اور دلچسپی سے میرا معائنہ کیا۔ پھر خون ٹیسٹ یورین اور نہ جانے کیا کیا۔ چار دنوں کے بعد ٹیسٹ کے نتائج ملنے والے تھے...... لیکن ان چار دنوں میں قیامت گزر گئی تھی۔ پیر کی تکلیف تھی کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، بلکہ اس میں رضامند ہوتا جارہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے میرے اس پیر کو میرے وجود سے الگ کردیا ہو۔ تڑپتے تڑپتے ساری رات گزر جاتی تھی۔ لیکن جب میں ساری رپورٹس لے کر اس ماہر سرجن کے پاس پہنچا تو اس کی پیشانی پر گہری لکیریں نمودار ہوگئیں...... وہ بہت ہی زیادہ سنجیدہ دکھائی دینے لگا...... "خیریت تو ہے نا ڈاکٹر صاحب۔" شائستہ نے پوچھا۔ "کیا ہوا ہے انہیں؟"

"ہم عام طور پر مریض کو اس مہلک مرض کے بارے میں بتایا نہیں کرتے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "لیکن میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ لوگ ذہنی طور پر یہ صدمہ برداشت کرنے کے لئے تیار ہوجائیں۔"

"کیسا صدمہ......؟" میرا دل زور زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ "کیا ہوا ہے مجھے......؟"

"برجر ڈیزیز۔" ڈاکٹر نے میری طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ "برجر ڈیزیز۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کیا ہوتا ہے، میں نے تو کبھی اس بیماری کا نام نہیں سنا۔" یہ بہت بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے ملک کے زیادہ تر لوگ اس بیماری سے نا آشنا ہیں۔ اس بیماری کا ایک سبب سگریٹ نوشی بھی ہے۔"

"سگریٹ نوشی۔" "جی ہاں...... نکوٹین کی ایک خاص مقدار لوگوں میں جم کر رگوں کو خشک کردیتی ہے...... جسم میں کسی وجہ سے خون کی روانی بالکل بند ہوجاتی ہے۔ اسے برجر ڈیزیز کہا جاتا ہے۔ یہ سگریٹ نوشی کا مہلک ترین اثر ہے۔"

"خدا کی پناہ...... تو اس کا علاج کیا ہے ڈاکٹر صاحب۔" شائستہ نے پوچھا۔ "صرف ایک علاج ہے...... اور وہ یہ کہ ٹانگ کاٹ دی جاتی ہے۔" "کیا۔" یہ سن کر مجھے غش سا آگیا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اتنی سی بات پر ٹانگ کاٹ دی جاتی ہے۔"

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔ احسان صاحب...... اگر بروقت ٹانگ نہیں کاٹی گئی تو پورے جسم کی رگیں سوکھتی چلی جائیں گی اور انسان کی موت ہی اس کا واحد راستہ ہوتی ہے...... احسان صاحب یا تو آپ اپنی ٹانگ سے محرومی برداشت کرلیں۔ یا پھر ایک کرب آمیز موت کے لئے تیار ہوجائیں۔ میں نے آپ کو صاف صاف بتادیا ہے۔ اب آپ دنیا کے کسی بھی ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں۔ وہ وہی بتائے گا جو میں بتا چکا ہوں۔"

یہ کیسی بے رحم اور تباہ کن حقیقت تھی...... کتنی بھیانک بات...... بات کہاں سے شروع ہوتی تھی...... سگریٹ نوشی اور اس کا انجام کیا ہونے والا تھا...... اپنی ایک ٹانگ سے محرومی...... بے شمار خوشیوں سے محرومی...... یہ سب کچھ میں کیسے برداشت کرسکتا تھا۔ یہ کیسی بیماری تھی جو سگریٹ نوشی کے ذریعے رونما ہوا کرتی تھی۔ کتنے لوگ اس بارے میں جانتے ہوں گے، اور مجھے علم بھی اس وقت ہوا جب میں اس مرض کا شکار ہوگیا۔ میں نے اور شائستہ نے اپنی تسلی کے لئے کچھ اور ڈاکٹروں سے بھی رجوع کیا اور سب کا ایک ہی جواب تھا کہ میں اس بیماری کا شکار ہوچکا ہوں اور اپنی ایک ٹانگ سے محروم ہونا پڑے گا۔ اس دوران تکلیف تھی کہ

بڑھتی ہی چلی جارہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ درد کا ایک سیلاب کا امنڈ چلا آرہا ہے اور بالآخر میں نے ایک دن ڈاکٹروں سے کہہ دیا کہ مجھے اس درد سے نجات دلانے کے لئے میری ٹانگ کاٹ کر پھینک دیں، بہت پرانی کہاوت ہے کہ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئی کھیت۔ میری ٹانگ کاٹ دی گئی اور اب میں نے سگریٹ سے بھی توبہ کرلی تھی۔ لیکن اب کیا فائدہ تھا۔ میں تو ایک ناکارہ اور بے مصرف انسان ہی ہوچکا تھا۔ ٹانگ کٹ جانے...... اسپتال میں رہنے...... وہاں سے گھر آنے...... شائستہ کی چیخ پکار...... اس کے آنسو...... خود میرے آنسو...... خشک ہوجاتا۔ یہ سب زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے مربوط ہوگئے تھے۔ اس کا سلسلہ نوید کی موت سے شروع ہوا تھا اور اس کا انجام یہ ہوا تھا لیکن نہیں......

یہ انجام کہاں تھا۔ ابھی تو اس کہانی کا ایک موڑ باقی رہ گیا ہے......

دنیا کی ہر کہانی اپنے قطعی انجام تک پہنچ ہی جاتی ہے۔ میری اس کہانی کا ایک اور موڑ بھی میرے انتظار میں تھا۔ خوشیاں اس طرح ہی روٹھا کرتی ہیں۔ قدم جب لڑکھڑا جائیں تو چال خود بخود لڑکھڑا جاتی ہے۔ ان کے روٹھنے کے انداز مختلف ہوا کرتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی بار اپنا سامان سمیٹ کر رخصت ہوجاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ گھر سے جایا کرتی ہیں...... تاکہ دکھوں کو برداشت کرنے والے کی موت واقع ہوجائے۔ میری خوشیاں بھی قسطوں میں جارہی تھیں۔

نوید گیا...... پھر ایک ٹانگ سے محروم ہوا اور اس کے بعد شائستہ نے اپنا راستہ الگ کرلیا۔

ہاں یہ دن بھی دیکھنا تھا، پتہ نہیں حقیقت اتنی بے رحم کیوں ہوتی ہے انسان جس سے محبت کرتا ہے، اس کے پورے وجود کو صحیح سالم دیکھنا چاہتا ہے اور اگر اس کے محبوب میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوجائے تو آہستہ آہستہ اس کی محبت بھی رخصت ہوجاتی ہے۔ شائستہ نے بھی اپنا راستہ الگ کرلیا۔ کیونکہ اب اس کا اور میرا کوئی میل بھی نہیں رہا تھا۔ وہ ایک صحت مند توانا اور خوب صورت عورت تھی۔ جبکہ میں ایک ایسا مرجھایا ہوا شخص تھا جو بیساکھی کے سہارے چلا کرتا تھا۔ لہٰذا وہ میرے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ اسے بہت طویل سفر طے کرنا تھا۔ کسی اور کے ساتھ کسی اور انداز میں......

اس نے مجھ سے کہا تھا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے ایک دوسرے سے محبت کی ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساتھ دیا ہے۔ ایک دوسرے کے آنسو اپنی اپنی آنکھ میں محسوس کئے ہیں لیکن تم نے شاید محبت ایک چیز سے کی ہے اور وہ ہے سگریٹ۔ اس کے سامنے کسی اور کی اہمیت۔ کوئی حقیقت نہیں ہے اور اب تو ہم اس موڑ پر آگئے ہیں کہ تمہیں اپنے طور پر زندگی گزارنی ہے اور مجھے اپنے طور پر......"

اور بھی بہت سی باتیں تھیں۔ مختصر یہ کہ اس نے مجھ سے طلاق حاصل کرلی تھی اور میں نے اسے آزاد کردیا کیونکہ میں اس کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا اور اب میں تنہا زندگی گزارنے والا ایسا جنونی انسان ہوں جو سگریٹ کی دکانوں پر پتھر مارتا رہتا ہوں۔

میں اپنی اس کہانی کے ذریعے تمام لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں، اس کہانی کی ابتداء کس قدر معمولی انداز سے ہوئی تھی۔ سگریٹ نوشی جو اس ملک کے لاکھوں کروڑوں افراد کیا کرتے ہیں لیکن شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس عادت کے عقب میں ایک بیماری چھپی ہوتی ہے اور جس کو یہ ایک بار لگ جائے اس کے وجود کے حصے ہوجاتے ہیں۔ اس کی ٹانگ کاٹ دی جاتی ہے اور اس کی شائستہ اس کو چھوڑ کر کہیں اور چلی جاتی ہے......

میں اپنے جنون کی کیفیت میں گھومتا رہتا ہوں۔ کاش ہمارے ملک کے خاص کر نوجوانوں کو اس کا احساس ہوجائے کہ اچھی زندگی ایک بار ملتی ہے اور بہت ہی پیاری ہے۔ اسے دھواں دھواں نہ کریں۔

ناگن کا خواب

مدثر بخاری-شہر سلطان

وہ بہت خوبصورت تھی اس کی خوبصورتی بے مثال تھی حسن و دلکشی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی جو بھی اس کی طرف دیکھتا تو وہ اس کی من موہنی صورت میں جیسے کھو سا جاتا لیکن جب اس کی حقیقت کھلی تو......

سر مونڈاتے ہی اولے پڑنے لگے اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کیلئے یہ کہانی ضرور پڑھیں

وہ حقیقت میں خوبصورت اور سراپا حسین تھی! چہرے پر اس قدر اطمینان اور سکون میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا...... کاروباری سلسلے میں اکثر میرا وقت سفر میں گزرتا۔ کبھی ریل گاڑی کی فرسٹ کلاس یا تھرڈ کلاس میں...... کبھی بس کے زوردار جھٹکوں کو سہنا پڑتا تو کبھی ہوائی جہاز کے مزے بھی لوٹنے کو ملتے مگر اب کی بار جو سفر درپیش تھا وہ خاصا دلچسپ تھا۔ کیونکہ یہ وہ سفر تھا جسے ہم خوشبو کا سفر کہہ سکتے ہیں...... محبت لفظ سے آشنا لوگ خوشبو کے سفر کی اصطلاح کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہوں گے عشق کا بھوت ہم پر بھی سوار ہوا اور ایسا ہوا کہ آج تک اترنے کا نام نہیں لے رہا۔

وہ ایک تھرڈ کلاس ڈبہ تھا جس میں دنیا جہان کے عجیب عجیب طرح کے لوگ اپنی اپنی حیثیت سے بھیڑ بکریوں کی مانند اوپر تلے سوار تھے......! ان میں قسمت کا مارا

ایک میں غریب بھی تھا جس کی آفس میں شان ایسی کے ماتحت لیے اپنے کاموں کے چکر میں سر بسر کی ایسی رٹ لگاتے کہ بریکیں فیل ہونے کا خطرہ رہتا تھا اور اس وقت صاحب بہادر جس بھونڈے انداز سے اپنا بریف کیس لئے ایک دوسرے سے ٹکراتے چکراتے اور لڑتے جھگڑتے اپنی مطلوبہ سیٹ پر پہنچے تو حیران ہی رہ گئے

کیونکہ ہماری سیٹ پر بیٹھی تھیں ایک دوشیزہ...... اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ...... سرخ و سفید چہرہ، لانبی پلکیں، بال پیچھے کو گندھے ہوئے، ایک پھول جوان کے ہاتھ میں تھا اور جسے وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی پشت پر بڑے پیارے انداز سے سہلا رہی تھیں۔

"محترمہ اگر طبیعت پر گراں نہ گزرے تو ذرا اپنی سیٹ چیک کر لیجیے......!" میں نے مؤدبانہ انداز سے کہا۔

"ارے! صاحب جی...... آپ......؟ تھرڈ کلاس ڈبے میں......" اچانک میرے عقب سے آواز آئی اور میرا بلڈ پریشر حد کی آخری سطح پر جا پہنچا...... ایک تو ہم تھکے ہارے...... اپر کلاس میں کوئی سیٹ نہیں تھی لہٰذا بڑی مشکل سے تھرڈ کلاس ڈبہ میں سیٹ بک کرائی تھی۔

ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک میاں صاحب کو دیکھا جو شکل سے میرے نانا کے بھائی کے بیٹے کی شکل کے تھے۔ ویسے بھی ہم چہرہ شناس ہیں۔ بہتوں کی شکل کا اندازہ لگایا تھا محال ہے جو ایک بھی غلط ثابت ہوا ہو...... ہمارے نانا کے بھائی ہم سے کوئی چار پانچ سال بڑے ہوں گے مگر ہم نے ان کو بتا دیا کہ نانا بہادر آپ کی شکل چالیس سال بعد کی شکل خاصی ڈراؤنی ہوگی۔

اور آج جب ان کی شکل کو دیکھا جو 40 سال بعد وقوع پذیر ہوئی تھی تو سارا غصہ رفو ہو گیا......! پہچان میں نہیں آ رہے تھے مگر نانا کی شکل کے ضرور تھے......

ہم یک ٹک ان کی صورت کو تکتے رہے کہ ہو سکتا ہے کسی جگہ ملاقات ہوئی ہو یا کوئی کاروباری سلسلہ رہا ہو مگر سوچ سوچ کر بھی فائدہ نہ ہوا کیونکہ ہمارا دماغ جو تھرڈ کلاس کی بھیڑ بکریوں کی وجہ سے چکرایا ہوا تھا اور اتھل پتھل ہوا جا رہا تھا۔

"معذرت میاں صاحب......! آپ کو پہچاننے میں تھوڑی دشواری ہو رہی ہے اگر آپ لفظ ناراضگی سے ناواقف ہیں تو ذرا یاد دلا دیجیے......" ہم نے معذرت بھرے لہجے سے کہا......!

"ہم تو آپ کے نانا کے بھائی کے خاد[م] ہیں...... اور اسی نسبت سے آپ کے بھی خاد[م] ہو گئے...... ہم نے آپ کو کئی بار نسبت ہاؤس میں دیکھا ہے۔ اچھی طرح واقفیت ہے آپ سے۔"

"میاں صاحب نے تعارف کرا دیا...... تو ہمیں حیرت ہوئی کہ یہ میاں صاحب جو شکل سے میرے نا[نا] کے بھائی کی مستقبل کی شکل سے مطابقت رکھتے ہیں کیا واقعی ان کا کوئی رشتہ ناطہ ہے؟" خیر...... ہم نے وقت گزاری کے لئے ایک اچھا شغل سوچا...... کہ ایک بار سیٹ مل جائے تو میاں صاحب سے خوب بنے گی۔ بس ذرا پہلا مرحلہ یاد ہو جائے۔

"اچھا اچھا...... اب سمجھا......! میاں صاحب...... آپ کو تو پتہ ہے ناں کہ ٹرینیں تھوڑی شارٹ ہو گئی ہیں لیکن مسافر تو شارٹ نہیں ہوئے، بس پر سفر کرو تو کھایا پیا سب الٹنا پڑتا ہے۔ اوپر سے مہنگائی کے دور میں ڈاکٹر کی فیس اور مہنگی مہنگی دوائیوں کا خرچہ......"

ہم سے کہاں پورا ہوتا ہے۔ وہ کیا ہے ناں کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ بس سوچا کہ پرہیز کے طور پر ٹرین میں سفر کرتے ہیں، فرسٹ کلاس کی سیٹ ریزرو نہ ہو سکی البتہ خصوصی اپروچ استعمال کر کے یہ ایک سیٹ ملی جہاں انگریزی پھول والی محترمہ جو گونگی معلوم ہو[تی] ہیں براجمان ہیں......! ہم نے تقریباً جھاڑ دی جس کی دھول ڈائریکٹ دوشیزہ کے چہرے پر جا پڑی...... محترمہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔

"سر جی......! زمانہ ہی الٹ ہے۔ خود ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی چکر ہے۔ ہماری سیٹ پر بھی ایک بڑے میاں براجمان ہیں وہ دیکھیے......" انہوں نے ایک بڑے صاحب کی طرف اشارہ کیا جو بمعہ حقہ شریف سیٹ پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے۔

محترمہ خاصی اداس اور رنجیدہ سنجیدہ بلکہ پیچیدہ بیٹھی تھیں...... چہرے کا رنگ گرگٹ کی طرح بدل رہا تھا۔ پھول سہلانا بند ہو گیا تھا...... عمر کے 24 سال ہاں 24 کی ہی لگتی تھیں...... اکیلی بھی تھیں...... واہ! تنہائی بھی کیا خوب چیز ہے اگر حرف "ئی" کو مٹا دیا جائے تو تنہا، باقی بچ جاتا ہے مطلب اکیلی تھیں وہ...... یہ تو ہماری شرافت تھی کہ خاندانی بندہ ہونے کی وجہ سے نگاہ غلط نہیں ماری تھی...... اور نہ ہی کسی قسم کی ایری غیری حرکت کی تھی جس سے ہماری شرافت پر حرف آتا۔ "محترمہ آپ پیدائشی بہری گونگی ہیں زمانے کی ستم ظریفی نے آپ کو......!"

"پلیز! ڈونٹ مائنڈ...... آئی ایم ویری سوری......! آپ پلیز! مجھے ایرا غیرا نہ سمجھیں......!" اب کے وہ بولیں تو آواز کی مہکتی کھنک نے میری سماعت کو حد درجہ متاثر کیا۔ وہ خوشبو جیسی مہکتی کلیوں سی کھنکتی آواز تھی جو ساگر میں مدہوشی اور اندھیری رات کے لئے مینارہ نور تھی۔

"سوری میڈم......! اصولاً یہ سیٹ میرے نام ریزرو ہے یہ دیکھیں سیٹ نمبر...... اور یہ ٹکٹ......" میں نے ٹکٹ دکھایا اور سیٹ نمبر بھی...... وہ اداس آنکھوں سے میری طرف دیکھتی ہی رہ گئی...... میں نے ایک لمحے کو اس کی نشیلی مگر اداس آنکھوں میں ڈوبتے کرب کو دیکھا تو لرز گیا......

اس کی آنکھوں میں ویرانی اور بنجر پن اپنی تمام تر وحشتوں سے مزین تھا...... ویران آنکھوں کی اندھی وحشت میں بہت سے سوال تھے...... جنہوں نے میری اس تحریک کو مزاح کی بجائے حقیقی محبت اور ہمدردی میں ڈھال دیا...... وہاں محبت کے اسرار و رموز بھی سمجھ آنے لگے۔

ایک عورت ہونے کے ناطے ٹرین کے اس ہجوم زدہ چھکڑے میں پائیدان پکڑ کر کھڑے رہنا...... یہ خاصی مضحکہ خیز بات تھی...... میں نے خود بھی ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا......!

"ٹھیک ہے محترمہ...... آپ سیٹ پر قبضہ رکھیے...... ویسے آپ کی منزل کہاں تک ہے؟ مطلب آپ نے جانا کہاں ہے؟" میں نے بڑے پر خلوص انداز سے پوچھا۔

میں نے اپنا بریف کیس ایک طرف رکھا اور ان سے گپیں لگانے لگا......!

"جی......! میری کوئی منزل نہیں...... بے منزل مسافر ہوں......!" جواب میں کرب اور دکھ تھا...... ایک ان دیکھا کرب...... جو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا مطلب......؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"مطلب......! آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں...... ایک تنہا لڑکی......! اور اس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو تو کہاں جائے گی......؟" جواب پہلے سے زیادہ کربناک تھا۔

"میں سمجھ نہیں سکا...... تم بنا ماں باپ کے اس دنیا میں تو نہیں اتری......! کوئی نہ کوئی تمہارا رشتہ دار...... بھائی بہن...... کوئی عزیز......! کوئی تو ہوگا اس دنیا میں......!"

"کاش...... میرا بھی کوئی اپنا ہوتا...... جو میرے دکھ کو سمجھتا۔" جواب میں سوز تھا...... عورتیں بھی کیا چیز ہوتی ہیں۔ میری اپنی بیوی جو صرف نکاح کی حد تک محدود ہے۔ ہائے رے اس کے نخرے ابھی میرے گھر نہیں آئی...... پر اس کی جدید طرز کی شاپنگ اور وہ بھی میرے بٹوے سے......، اور جب بھی ناراض ہو جائے تو ایک ہی فقرہ...... "کاش یہ مرد ہم عورتوں کو سمجھ سکتے۔" اور آنکھوں سے گرتے نمکین پانی! خیر یہاں بھی ایک اجنبی عورت جس کی آواز میں مہک تھی...... ساحرانہ انداز اور وہ پھول جو اس کے مرمری ہاتھوں کی نازک انگلیوں میں مخصوص انداز سے حرکت میں تھا خاصا متاثر کن تھا۔ ویسے میں نے اس لڑکی کا سراپا کچھ کنجوسی سے بیان کیا ہے ورنہ تخلیق کرنے والے نے اس میں کہیں کمی نہ چھوڑی تھی...... سراپا حسین تھی وہ...... جیسے آسمان سے اتری ہوئی اپسرا اور سب سے بڑھ کر اس کی آواز میں ساحرانہ کشش...... مہک اور کھنکتی مخملی آواز جس کے سحر میں ہر کوئی ڈوب جاتا۔

میری اپنی کیفیت بھی خاصی عجیب سی تھی عورت ذات سے چڑ سی تھی مجھے...... اگر بقائے نسل کا واحد ذریعہ عورت نہ ہوتی تو میں شادی بھی نہ کرتا اور اگر میں شادی نہ کرتا تو میرے ابا حضور مجھے الٹا لٹکا کر دن رات میری مرمت کرتے...... چارو نا چار میری اس انوکھی مخلوق سے

شادی ضروری ہوگی۔
خیر...... موضوع کی جانب لوٹ آتے ہیں ایسا نہ ہو کہ اصل مقصد سے ہٹ جائیں۔
کاش کہ مجھے وہ دوشیزہ اپنی سیٹ پر بیٹھی ہوئی نہ ملتی تو کم از کم دماغ نارمل رہتا۔
خیر......! میں نے اس دوشیزہ کی جانب رخ کیا اور انتہائی پرخلوص انداز سے پوچھا۔
"محترمہ......! ایک بات طے ہے کہ آپ مجھے خواہ مخواہ تنگ کررہی ہیں...... ایک تو آپ نے ہماری سیٹ پر قبضہ کررکھا ہے اور دوسرا مجھے اپنی ہمدردی کے لئے کہانی گھڑ رہی ہیں...... اگر یہ مذاق ہے تو خاصا بھونڈا مذاق ہے۔" "مطلب......!"
"دونوں طرف سے بھونڈا انداز ہے۔" ساتھ کھڑے میاں صاحب نے لقمہ دیا تو محترمہ نے بڑی دلفریب مسکراہٹ کچھ اس طرح سے اپنے جاذبی چہرے پر سجائی کہ ہمارا دل ایک منٹ میں 72 دھڑکنوں کی بجائے ورلڈ ریکارڈ بناتے ہوئے سنچری مکمل کرنے لگا۔ جوانی کا یہ حصہ بھی خاصا رومینٹک ہوتا ہے کیوں کہ ادھر کسی دوشیزہ نے آنکھ بھر کے نگاہوں سے دیکھا ادھر ہم جیسے نوجوان کچھ اور ہی سمجھ بیٹھتے ہیں اور جب دوشیزہ نے انتہائی خلوص سے "بھائی" کہہ کر پکارا تو مستقبل کے سہانے خواب کچھ یوں ریزہ ریزہ ہوئے کہ جیسے کانچ کا گلاس کسی سخت شے سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے۔ پھر ڈائیلاگ بھی کیا خوب......!" کاش وہ ہمیں سر راہ بھائی نہ بولتی تو آج نہ جانے کہاں ہوتے۔ واہ رے مستقبل کے سنہرے، پیلے، نیلے خواب......!
اس حسین وجمیل دوشیزہ کی دلفریب مسکراہٹ کی ہلکی سی آہٹ پر ہمارا دل کچھ یوں دھڑکا کہ سنچری پہ سنچری مکمل ہوگئی...... دل کی کیفیت کچھ عجیب بے قرار ہوگئی...... ہم نے اپنی آنکھوں سے اس دوشیزہ کے سراپا کو چاہت بھری نگاہوں سے دیکھا تو دل میں خالی چینی والے لڈو پھوٹنے لگے۔
"جناب...... میرے ابا لکھنو میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ اماں کو دماغی کینسر تھا، پر ابا کو پیار بڑا تھا۔ عشق کیا تھا...... تبھی تو بھگا کرلے آئے تھے۔ کلکٹری چھوڑ دی۔ پاکستان آئے...... روپیہ پیسہ جمع تھا...... ایک اچھا سا کاروبار شروع کردیا...... پر کاروبار راس نہ آیا، تو گورنمنٹ ملازمت کی...... صحت ابتدائی دنوں میں ساتھ رہی...... پھر ایک دن اماں اس دنیا سے ایسی گئیں کہ واپس نہ آئیں...... ابا کو ایسا روگ لگا کہ زبان بند ہوگئی...... ملازمت چھوٹ گئی۔ بینک میں تھوڑا پیسہ جمع تھا...... علاج کیا پر علاج بھی تو زندگی کو لگتا ہے...... ابا کو اماں کا روگ قبر میں لے گیا...... نہ کوئی بہن نہ بھائی...... لکھنو کہاں اور کراچی کہاں......! آپ ہی بتاؤ صاحب......! کہاں جاؤں......؟ گھر کو مالک مکان نے زبردستی خالی کرادیا۔ اور ویسے پڑوسی بڑے کمینے ہیں...... تنہا لڑکی پر کسی لمحے حملہ کرکے مقصد پورا کرسکتے ہیں......" لڑکی کی بات واقعی دکھ بھری تھی......!
میرا دل پسیج گیا۔ دل واقعی بے قرار ہوگیا...... کہ تنہا وبے آسرا عورت کا جس کا اس دنیا میں سوائے خدا کے کوئی سہارا نہیں کہاں جائے گی......؟ سوال یہ تھا کہ یہ اب ان حالات میں کہاں جارہی تھی...... جب اس ٹرین کا آخری اسٹاپ خیبر تھا...... پاکستان کی آخری سرحد...... پر اس نے کہاں جانا تھا؟ میں نے ہمت جمع کی اور اتنی کی کہ کچھ پوچھ سکوں جب ہمت کا ایک وسیع اسٹاک اکٹھا ہوگیا تو میں نے سنبھل کے پوچھا۔
"محترمہ......! ان سخت ترین حالات میں جب آپ کا کوئی رشتہ دار بھی نہیں تو آپ کہاں جارہی ہیں۔؟ کوئی منزل تو ہوگی آپ کی......؟"
میرے اس متوقع سوال سے وہ کسی سوچ میں پڑگئی...... کافی دقت اور کافی وقت گزرنے کے بعد بولی۔
"حقیقت تو یہ ہے کہ میں خودکشی کرنے جارہی ہوں۔ مجھ سے نہ تو کوئی بیاہ کرے گا اور نہ ہی کوئی سچی محبت۔ جب کوئی ہے ہی نہیں تو مرجانا ہی بہتر ہے۔ اپنی عزت بیچ کر پیٹ بھرنے سے بہتر غیرت کی موت ہی اچھی...... روز روز سے مرنے سے بہتر ہے کہ ایک بار ہی مرجاؤں......" آواز میں دنیا جہان کا کرب پنہاں تھا...... جواب بھی خاصا چونکادینے والا تھا۔

"ویسے محترمہ خودکشی کراچی کے ساحل پر بھی ہوسکتی تھی...... پھر یہ سفر کیسا؟ اور جہاں جانے کا ارادہ ہے وہاں تک اپنے آپ کو گھسیٹنے کا فائدہ؟" میں نے خاصے منفرد انداز سے کہا۔ "صاحب جی...... پلیز! مجھے کچھ دیر کے لئے تنہا چھوڑ دیجئے۔ میں پہلے ہی بہت زیادہ پریشانی میں ہوں......" وہ بے تکے انداز میں بولی۔
"عجیب منطق ہے بھئی......! ابھی مرنے کا شوق ہے تو کبھی تنہائی نے ان کو پریشان کررکھا ہے۔" میں نے زیرلب کہا۔
"محترمہ معاف کیجیے گا...... آپ پہلے ہی تنہا ہیں...... اور میں خدانخواستہ آپ سے کسی قسم کا کوئی چکر پیدا نہیں کررہا...... میرا مطلب ہے میں آپ کے ساتھ تنہی بالکل نہیں......" میرا جواب خاصا کرخت تھا۔
صاحب جی......! سوری...... میں نے کچھ غلط ہی کہہ دیا...... اصل میں مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا...... میں کیا کروں اور کیا نہ کروں......
"آپ مجھے شریف انسان لگتے ہیں...... پلیز! میری مدد کردیں......!"
وہ میری طرف التجائیہ نظر سے دیکھتی ہوئی بولی۔ انداز خاصا دلیرانہ تھا......
"وہ جی......! اگر مجھے اپنی رہائش گاہ تک لے چلیں...... اور چند دنوں تک مجھے اپنے گھر رہنے دیں تو مشکور ہوں گی۔ تب تک میں اپنے لئے کوئی جاب ڈھونڈ لوں گی......! پلیز!...... میری بات رد مت کیجیے گا۔"
"ہائیں......؟ وہ مارا......! اپنی رہائش گاہ میں ایک لڑکی کا ہمارے ساتھ رہنا ایک چیلنج سے کم نہ تھا...... مذہبی گھرانہ...... ابا کی ڈانٹ سے تو بچپن کے عادی تھے...... اب تو کسی ایرے غیرے کرتوتوں پر الٹا لٹکادینے سے بھی گریز نہ کریں گے۔ اگر اس محترمہ کو اپنی حویلی کے آنگن تک بھی لے گیا تو پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیا حشر ہوگا...... میری تو تکہ بوٹی ایک ہوجائے گی...... زندہ ہی روح الگ ہوکر ابا کی تصویروں والی پٹاری میں قید ہوکر ساری زندگی معافی مانگتی رہے گی...... نہ بابا نہ...... مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی۔
"محترمہ بہت مشکل کام ہے یہ...... دراصل ہمارا تعلق خالصتاً مذہبی گھرانے سے ہے۔ کبھی کسی غیرمحرم کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ آپ ہماری سیٹ پر براجمان تھیں تبھی ہم آپ سے الجھ پڑے۔ جہاں تک تعلق ہے آپ کی رہائش کا مسئلہ تو اس کا ایک حل ہے میرے پاس۔
وہ چونکی...... "جی پلیز بتائیں......!"
میرے ایک جاننے والے ہیں وہ ایک دارالامان میں ذمہ دار ہیں...... ایسی عورتیں جو بے سہارا ہوں انہیں وہ سیفٹی فراہم کرتے ہیں...... اور مختلف کام بھی سکھائے جاتے ہیں...... اگر آپ راضی ہوں تو بات کروں......" میں نے حقیقت میں اپنے فضول اور کچرا دماغ سے صرف یہی ایک حل نکالا تھا......!
"قطعی نہیں...... میں اگر دارالامان میں رہنا چاہتی تو کراچی میں ایسے بہت سے مراکز ہیں جو عورت کو مکمل پروٹیکشن فراہم کرتے ہیں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ وہاں عورتیں اپنا نسوانی انداز اور حسن کھودیتی ہیں میں اپنے آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہتی...... پلیز! آپ مجھے تھوڑا سا سہارا دے دیں تو خدا بھی میرا ساتھ دے گا۔
"کیا مطلب......؟ کفرانہ باتیں مت کریں...... خدا کی مدد سے ہی میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں......" میں نے خاصے جذباتی لہجے میں کہا...... شاید اس پاگل لڑکی کا دماغ چل گیا تھا۔
"میرا مطلب وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں...... خدا تو میرے ساتھ بھی ہے۔ پلیز! آپ میرا ساتھ دیں...... دیکھیں مظلوم کی دعا اوپر تک جاتی ہے۔
آپ دنیا میں میرے کام آئیں، میں آپ کی آخرت کے لئے دعا کروں گی......!"
میں تھوڑا شک میں پڑگیا...... کیونکہ ایک خاص چیز جو میں نے محسوس کی تھی وہ خاصی دہشت ناک تھی...... جب بھی میں نے خدا کا نام لیا تھا اس لڑکی کے چہرے پر تکلیف کے آثار ابھرے تھے...... پھیکا پڑتا چہرہ...... چہرے کی بدلتی کیفیت...... جیسے اس نام سے اسے چڑ ہو...... اور اس کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ آخرت میں دعا بھلا کیسے ہوتی ہے اس

کا دھرم مجھے کم از کم مسلمان نہیں لگتا تھا...... خیر یہ آگے چل کر معلوم ہوا کہ اس معصوم صورت دوشیزہ کی اصل حقیقت کیا ہے......؟

"محترمہ لگتا ہے آپ کی مدد کرنی پڑے گی۔ پر کس طرح؟ یہ میں کسی کی معاونت کے بنا نہیں کرسکتا۔ خیر جس طرح گفتگو آپ کررہی ہیں میں اس سے آپ کی بے کسی اور مظلومیت عیاں ہوتی ہے پر حقیقت میں ایسا لگتا نہیں ہے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر گہری نظر رکھی تھی...... پر مکاری بھی کسی چیز کا نام ہے۔ اور وہ شاید اس دوشیزہ میں قدرت نے تحفتاً عطا کردی تھی اور جس کا وہ بھرپور استعمال کررہی تھی۔ اب وہ آنسو بہانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

بے چاری مظلوم ہے ابا حضور...... تبھی تو ہم اسے اپنے گھر لے آئے۔ ابا پتہ ہے واقعہ کیا ہوا......؟ ہوا کچھ یوں کہ یہ بے چاری تن تنہا اور کمزور عورت جب ٹرین کے ڈبہ میں داخل ہوئی تو ایک کم ظرف مشٹنڈے نے اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کندھا ماردیا۔ ابا یہ ایک انتہائی ذلیل حرکت تھی ہم سے رہا نہ گیا۔ اور دو چار تکے اس کے گال پر جڑدیئے۔ کمینہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ ہم نے اس کو انسانیت کے ناطے بہن سمجھ لیا اور عزت سے سیٹ دے دی ورنہ پتہ نہیں راستے میں اکیلی عورت کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا۔ یہ تو ہم موجود تھے جو معاملہ صاف ہوگیا...... بعد میں انہوں نے اپنی حقیقت بتائی کہ ابا کلکٹر تھے اماں کو کینسر تھا...... اماں دنیا سدھار گئی تو ابا ان کے عشق میں دنیا چھوڑ گئے...... امانت دار ایسے کہ کرائے کے مکان میں رہتے تھے ہم نے مکمل روداد سنادی۔

"بہت خوب بیٹے......! مردانگی کا ثبوت دیا ہے۔ ویسے تم سے امید تو نہ تھی کہ تم اتنی ہمت پیدا کرلوگے پر ماننا پڑے گا۔ خیر بیٹا......! مناحل، بہن کو ان کا کمرہ دکھادو اور تواضع کرو۔" ابا نے پہلی بار ہمیں داد عظیم عطا فرمائی پر...... ایک بات اور...... انہوں نے اس مظلوم دوشیزہ کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی ابا بڑے نرم دل تھے۔ ایک مسئلہ تو حل ہوگیا کہ محترمہ اب ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے رہنے والی تھیں، ہمارے وارے نیارے ہوگئے تھے۔

زندگی میں پہلی بار کسی دوشیزہ نے دل کے دروازے پر اتنی زوردار انٹری ماری تھی کہ دل میرا ٹکڑوں میں تقسیم ہونے لگا۔ اصل میں ہمیں آج تک کسی حسینہ عالم کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اندھا کیا چاہے؟ صرف دو آنکھیں۔ اس کے بعد باقی مسئلے خود بخود ہی حل ہوجائیں گے۔ ایک بار آنکھیں مل جائیں۔ پھر دیکھنا میرا کمال، بڑے بڑوں کی چھٹی نہ کرادی تو میرا نام بھی فضلو عرف فضل الٰہی نہیں۔

خیر دوشیزہ اعظم، مناحل کے ساتھ اوپر والے کمرے میں سیٹ ہوگئیں۔

اور پھر مناحل نے محترمہ کو اپنا ایسا دوست بنایا کہ اپنے خون کے رشتوں کو بھول ہی گئی۔

انہی دنوں اماں میری شادی کا روگ لگائے بیٹھی تھیں۔ مناحل اور چھوٹی بھابھی اماں کے ساتھ مل کر کمپیئن کررہی تھیں۔ ایک عدد خوب صورت پڑھی لکھی لڑکی کی تلاش برائے رشتہ ازدواج اپنی پوری آب وتاب بلکہ زور وشور سے جاری تھی۔

اماں کو میری ڈیمانڈ کے مطابق لڑکی ڈھونڈنی تھی لڑکیاں تو بہت تھیں مگر شادی کے لئے کوئی راضی جو نہ تھا۔ مسئلہ کچھ الٹ تھا لڑکی راضی ہوجاتی تو کسی کا ناک بڑا تو کان چھوٹا کسی کا ماتھا اندر کو دھنسا ہوا تو کسی کی آنکھ میں بھینگا پن۔

"بس بھی کرو فضلو میاں۔ اللہ کی مخلوق کا۔ کچھ تو خیال کرو...... شادی نہیں کرنی تو نہ کرو۔ کم از کم کسی پر اعتراض تو مت کرو۔" اچانک ایک آواز بغیر تصویر کے سنائی دے تو میرا دل جو پہلے ہی ڈرا سہا تھا مزید سکڑ کر چھوٹا ہوگیا۔

میں حیرانی سے دائیں بائیں آگے پیچھے شمال جنوب دیکھے جارہا تھا کہ ابھی بولنے والا اپنی تمام خوفناکیوں کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ ہوسکتا ہے خوبصورت لڑکی ہو، آواز بدل کے بات کررہی ہو ویسے آج کل میرا حال کچھ اس بلی کا تھا جو چھیچھڑوں کے خواب بغیر کسی وقفہ کے ہر رات اپنی آنکھوں میں سجائے پھرتی ہے۔

خیر ہمارا حال بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ دلہن کا خواب دیکھنا کوئی گناہ تو نہیں۔

بھابھی کو ایک لڑکی پسند آئی مگر ایک مسئلہ ہوگیا لڑکی والوں نے شرط رکھی کہ ہم نکاح سے پہلے لڑکی کا نہ چہرہ دکھائیں گے اور نہ ہی ملنے دیں گے اور نہ ہی تصویر دکھائیں گے ایک عجیب صورتحال پیدا ہوگئی تھی۔

ہماری بڑی بوا اسی عتاب کا شکار ہوئیں۔ آج ان کی عمر 70 برس ہے خاندانی روایات میں کچھ رئیس زندگیاں اجاڑ دیتی ہیں دادا نے بوا کا چہرہ دیکھنے نہ دیا اس طرح ان کی شادی نہ ہوسکی آج ان کا جو حال ہے وہ بیان سے باہر ہے تعلیمی معاملات میں بھی الجھن اور مسائل رہی۔

عورتوں کو تعلیم کی روشنی سے دور رکھا جاتا۔ خیر یہ پہلے کی باتیں ہیں ان کا وجود آج کل چند ایک گھرانوں میں پایا جاتا ہے۔

ہمارا تو بالکل موڈ نہ بنا مجھے بھابھی کی پسند پر اعتبار تھا۔ مگر ہم کچھ دن ان کے ساتھ رہنا چاہتے تھے لائف اسٹائل اور سمجھنا چاہتا تھا۔ آخر زندگی گزارنی تھی، کڑی شرائط نے سارے معاملے بدل ڈالے۔

اس کا نام روبی تھا مناسب تھا مجھے تو پسند آیا اس کے طور طریقے مختلف تھے، ہندوستانی معلوم ہوتی تھی۔

ہم سب نے اس کو پسند کیا اس کی آنکھوں میں سحر تھا میں جب بھی اسے دیکھتا ایک کرنٹ سا لگتا...... میرا جسم سر دھروں میں اتر جاتا اس کی باتوں میں شیرینی تھی۔

اس نے بہت جلد گھر کی ذمہ داری اٹھالی تھی۔ گھر کا کھانا، نوکروں کی چھٹی کرادی صفائی، کچن حساب کتاب، غرض سب کچھ اپنے ذمہ لے لیا۔ تو اماں بی کا دل بھی پسیج گیا۔

"فضل بیٹا...... روبی اچھی لڑکی ہے۔ بے سہارا بھی ہے پڑھی لکھی اور سگھڑ بھی ہے پورے گھر کو چمکا دیا ہے، میں تو کہتی ہوں اسے ہی اپنی بہو بنادوں۔" اماں نے کہا۔

میرا دل دھڑک کے باہر آنے والا تھا۔ دل کی خواہش پوری ہونے والی تھی۔

آخر کار اماں کو میری پسند کا پتہ چل گیا تھا۔ ویسے بھی ہم نے کئی کئی منتیں مانی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ خواب تھا یا حقیقت...... آپ نے میگزین اور ڈرائو نے ناولز کے ٹائٹل پر لکھے دیکھا ہوگا۔ ساتھ ہی ایک عدد خوبصورت دوشیزہ کے ساتھ نچلا دھڑ ناگن ہو یا کسی خوف ناک بلا کا شکل انسانی دوشیزہ کی...... اماں نے کہا تھا، رات کو جس لڑکی کی تصویر اپنے سرہانے رکھ کر سوگے تو اگر وہی لڑکی خواب میں آگئی تو سمجھ شادی پکی۔

اس رات ہم نے ایک خواب دیکھا۔

وہ ایک بلی تھی جس کی آنکھوں میں چمک تھی وہ میرا ہی کمرہ تھا، بلی دبے پاؤں میرے کمرے میں داخل ہوئی اس کا انداز پراسرار تھا ایک زوردار چیخ میرے منہ سے خارج ہوگئی کیونکہ بلی کا اوپر کا دھڑ ناگن کا بن گیا، میں خوف سے اٹھ بیٹھا۔ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں میرے کمرے میں دوشیزہ روبی حقیقت میں موجود تھی اور میں خواب دیکھ رہا تھا۔

"آپ میرے کمرے میں......؟" میں حیرت سے بولا۔ "جی...... وہ...... وہ مجھے آپ سے ایک اہم بات کرنی تھی، لیکن آپ سو رہے تھے۔"

"وہ تو مجھے خوف ناک قسم کا خواب آگیا تو اٹھ بیٹھا......! میرے دماغ میں ناگن کا دھڑ آگیا......"

"چلیں ٹھیک ہے۔ وہ میں نے آپ سے کہنا تھا کہ...... مجھے آپ سے شادی۔"

"نہیں کرنی۔" میں مایوس ہوگیا۔ میں نے اس کا فقرہ پکڑ لیا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں ابھی شادی کے لئے تیار نہیں ہوں...... مجھے تھوڑا سنبھلنے دیں۔"

"لیکن آپ راضی تو ہیں ناں......" میں نے پوچھا۔

"وہ شرما گئی......" سرخی چہرے پر پھیل گئی۔

"مجھے پتہ نہیں۔" وہ مسکرا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

اور میرے دل میں لڈو پھوٹ گئے۔

میری دلہن کی تلاش روبی تک آکر ختم ہوچکی تھی

اماں بی نے ابا کو اپنی پسند سے آگاہ کر دیا، ابا نے بھی اس فیصلے کو سراہا، مناحل اور روبی کی دوستی بھی عروج پر تھی مناحل کچھ کچھ ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔ نجانے ایسا کیا راز تھا جس نے مناحل کو پراسرار طور پر خاموش رکھا ہوا تھا، وہ کچھ بول نہیں رہی تھی، بہر حال کچھ نہ کچھ ایسا ضرور تھا جو میرے سمیت سب کے لئے مسئلہ بنا ہوا تھا۔

"بھائی...... روبی جو نظر آتی ہے وہ ویسی ہے نہیں......"

"لیکن کیسے؟ میں سمجھا نہیں۔"

"وہ مجھے انسان نظر نہیں آتی......"

"حیرت ہے وہ انسان تو ہے۔ سارے طور طریقے انسانوں جیسے ہیں۔"

"لیکن آپ مجھے کچھ مزید وقت دیں میں آپ کو پروف دوں گی۔" وہ بولی۔

مناحل تم کسی ماہر نفسیات سے اپنا چیک اپ کراؤ۔ تمہارا دماغ شاید کچھ الجھا ہوا ہے۔"

"نہیں بھائی...... میں یہ سب کچھ ثابت کر دوں گی۔"

"او کے......! ایک ہفتہ ہے میں انتظار کروں گا۔"

☆......☆......☆

مناحل کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا اس وقت وہ میرے کمرے میں بھاگ کر آئی تھی۔

"وہ ...... روبی......!" مناحل صرف اتنا بول سکی تھی۔ تھوڑے ہی وقت میں اس پر بے ہوشی کا دورہ پڑ گیا۔

میں اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ پانی کے چھینٹے مارنے پر بھی ہوش میں نہ آئی۔

کافی دیر بعد مناحل ہوش میں آئی تو اس کا دماغی توازن ان بیلنس لگا، وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگی۔

"وہ بلی ...... سانپ ...... وہ انسان نہیں ہے۔ وہ سانپ ہے۔ ناگن ہے۔" وہ خوف میں باتیں کر رہی تھی۔

"مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ معاملہ کیا ہے؟"

مناحل کا اشارہ روبی کی طرف تھا، بلی اور ناگن کا خواب میں خود بھی دیکھ چکا تھا۔ لیکن خواب اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

گھر میں ایک عجیب سراسیمگی اور پراسراریت اتر آئی تھی وہ شام کا وقت تھا۔ مناحل اور روبی کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ لیکن آج کل مناحل نیچے امی کے ساتھ رہتی تھی اس پر ایک گہرا خوف چھایا ہوا تھا ایک ٹرانس والی حالت تھی۔

آج رات میں نے اس راز کو جاننے کے لئے مکمل تیاری کر لی تھی روبی کی غیر موجودگی میں، میں نے اس کے کمرے میں ویڈیو کیمرہ ایڈجسٹ کر دیا تھا...... اس کام میں مجھے محتاط رہنا پڑا۔

ویسے چند دن سے روبی میرے سامنے بہت کم آتی تھی۔

دوسری صبح روبی گھر سے غائب تھی۔

اچانک روبی کی گمشدگی نے سب کو حیران کر دیا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا ملا۔ اندر کوئی موجود نہ تھا۔ حویلی چھان ماری لیکن کہیں نظر نہ آئی۔

میں ویڈیو ریکارڈ لے آیا۔

کمپیوٹر ڈسپلے نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔

یہ روبی کا کمرہ تھا اچانک دروازہ کھلا۔ روبی اندر داخل ہوئی پھر وہ واش روم میں چلی گئی، واپسی پر ایک بلی باہر نکل آئی جس کا اوپر کا دھڑ ناگن کا تھا۔

بالکل ایسا ہی خواب میں نے دیکھا تھا۔

اب ثابت ہو چکا تھا کہ روبی ایک ناگن تھی، جو اپنی اصلیت بدل کر ہمارے گھر آن بسی تھی، یہ تو اچھا ہوا کہ گھر سے نکل گئی تھی ورنہ اگر میری دلہن بن جاتی تو زندگی بھر......؟

آج میرے دو بچے ہیں یہ تو شکر ہے کہ اماں کو اپنی بھانجی پسند آ گئی۔

آج میں سوچتا ہوں کہ اگر روبی کی حقیقت سامنے نہ آتی تو میری زندگی کس عذاب میں گزرتی۔

آسیبی لائبریری

راشد نذیر طاہر

بزرگ نے جیسے ہی قرآنی آیات کا ورد شروع کیا تو چند منٹ بعد ہی سامنے بے سدھ اور بے ہوش پڑی دوشیزہ کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور پھر وہ غراتے ہوئے اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر اس کی غراہٹ نے......

ایک جن کی خوفناک دیدہ دلیری جس نے لوگوں کو انگشت بدنداں کر دیا تھا

یہ حقیقت تھی کہ الیاس صاحب کی اتنی گنجائش نہیں تھی کہ راحیلہ اپنی تعلیم جاری رکھ پاتی۔

لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی بیٹی کی اس خواہش کو مدنظر رکھا اور یوں راحیلہ نے کالج میں داخلہ لے لیا۔

خود راحیلہ بھی عاقل اور سمجھدار تھی، لیکن جو کچھ اس نے سوچا ہوا تھا، اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کم از کم انٹر یا بی اے تک تعلیم حاصل کرنا ضروری تھی۔

اس کی کومل نامی ایک سہیلی تھی، جو ایک کمپنی میں ایڈورٹائزنگ کی جاب کرتی تھی اور اس کی معقول آمدنی سے اپنے پورے گھر کی کفالت باآسانی کر رہی تھی۔

کومل نے ہی اسے یہ راہ دکھائی تھی کہ اگر راحیلہ انٹر تک تعلیم حاصل کر لیتی ہے تو اسے اپنی کمپنی میں ملازمت دلوا دے گی۔

یہی سب کچھ سوچ کر راحیلہ نے اپنے والد پر زور دیا تھا کہ وہ اپنی پڑھائی جاری رکھنا چاہتی ہے۔

الیاس صاحب چار سال سے ایک پرائیویٹ کمپنی میں معمولی کلرک کی جاب کر رہے تھے۔ جن کی تنخواہ سے بہ مشکل گھر کا خرچہ چل رہا تھا۔

اس سے قبل ان کا اپنا معقول کاروبار تھا، لیکن حالات کے پیش نظر ان کا کام دن بدن ٹھپ ہوتا چلا گیا۔

آخر کار انہوں نے مایوس ہو کر دکان کو تالا لگایا اور ملازمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

راحیلہ نے اپنی والدہ کے چہرے کے تاثرات بھانپ لئے تھے، چنانچہ جب وہ کالج میں داخلے کا فارم بھر کر آئی تو اس نے اپنی ماں سے کہا۔

"امی...... میں جانتی ہوں کہ آپ میرے کالج میں داخلہ لینے پر خوش نہیں ہیں......"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے راحیلہ......" فیروزہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "بس...... حالات اب ایسے ہیں کہ ایک ایک روپیہ بھاری ہے......"

"آپ بالکل فکر مت کریں......" راحیلہ مسکرائی۔ "میں حالات ہی بدلنے کے لئے کالج جا رہی ہوں......"

"کیا مطلب......؟" فیروزہ بیگم اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ "میں تمہاری بات سمجھی نہیں۔"

"انٹر کرنے کے بعد میں...... جاب کروں گی......" راحیلہ نے ڈرامائی انداز میں انکشاف کیا۔ "اسی لئے میں نے کالج میں داخلہ لیا ہے......"

"کیا......؟؟؟" ان کا منہ کھل گیا۔

حیرت سے وہ اپنی بیٹی کا چہرہ تکنے لگیں۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو...... تم نوکری کرو گی......؟"

"اس میں بری بات کون سی ہے......" راحیلہ نے جواب دیا۔ "اس دور میں تو ہر دوسری لڑکی جاب کر رہی ہے...... اور اکثر لڑکیاں تو شوق میں آ کر جاب کرتی ہیں...... میں تو ضرورت کے تحت کروں گی...... تاکہ گھر میں آمدنی کا ذریعہ بن جائے......"

"تمہارے ابو کبھی راضی نہ ہوں گے......" فیروزہ بولیں۔ "بلکہ تمہاری باتیں سن کر انہیں دکھ ہوگا......"

"کچھ نہیں ہوگا امی......" وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔ "اور میں ان کو راضی کر لوں گی...... آپ فکر مت کریں...... اور اپنی بتائیں۔ کیا آپ میری بات سے اتفاق کرتی ہیں......؟"

"ہرگز نہیں......" وہ بولیں۔ "میں کبھی بھی تم کو باہر نکل کر کام کرنے کی اجازت نہیں دوں گی......"

"لیکن کیوں امی......؟" اس نے جرح کی۔ "اس میں کیا برائی ہے......؟"

"اس میں برائی کے سوا اور ہے کیا......؟ لڑکی کا قدم جب گھر سے باہر نکل جاتا ہے تو وہ آزاد ہو جاتی ہے...... پھر اس کا مڑ کر دیکھنا ناممکن ہو جاتا ہے...... پھر وہ وہی کرتی ہے جو دل میں آتا ہے......"

"آپ جس کی بات کر رہی ہیں وہ ناسمجھ ہوگی......" راحیلہ مسکرائی۔ "لیکن میں ایک سمجھدار لڑکی ہوں اور آپ کومل کو بھی دیکھیں...... وہ بھی تو کتنے سالوں سے اپنا گھر چلا رہی ہے...... اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے......"

فیروزہ خاموش ہی رہیں، وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں، عین اسی وقت راحیلہ نے ان کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں۔

"پیاری امی...... آپ فکر مت کریں...... میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ جس سے آپ کو یا ابو کو شرمندگی ہو...... پرومس......!!"

☆......☆......☆

کالج میں سب سے پہلے اس کی جان پہچان سعدیہ سے ہوئی تھی۔

اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ سعدیہ ایک شوخ و سنگ اور شرارتوں بھری باتونی لڑکی تھی......

راحیلہ اور سعدیہ جلد ہی ایک دوسرے کی دوست بن گئیں...... اور گھل مل گئیں۔

سعدیہ کی عادت تھی کہ وہ خوب پٹر پٹر بولتی تھی اور

اس کے ساتھ راحیلہ کا اچھا وقت گزر جاتا تھا۔ دوسری کلاس فیلوز سے راحیلہ اتنی کلوز نہیں ہو سکی تھی۔

ایک دن ایک اہم مضمون کی تیاری کے لئے ان دونوں نے کالج کی لائبریری کا رخ کیا۔

کلاس کی ایک اور لڑکی روحی بھی ان کے ساتھ تھی۔

تینوں لائبریری میں داخل ہوئیں اور راحیلہ نے روحی کے ساتھ مضمون کے مطابق کتابوں کی تلاش شروع کر دی۔

سعدیہ کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس کام میں قطعی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔

اس نے ایک میگزین اٹھایا اور کرسی پر دراز ہو کر اس کے صفحے الٹ پلٹ کرنے لگی۔

"کیا تم کو مضمون نہیں لکھنا......؟" راحیلہ نے ہانک لگائی۔ "تم بھی آ جاؤ نا......!"

"میں خود ہی لکھ لوں گی......" اس نے گویا مکھی اڑائی۔ "اتنی معلومات تو ہے مجھے......"

اس کا جواب سن کر روحی زیر لب مسکرا اٹھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ذہن میں آنے والے کسی جملے کو اس نے مشکل سے ضبط کیا ہو۔

سعدیہ نے اس بات کو محسوس کیا اور اسے گھور کر رہ گئی۔ پھر وہ سر جھٹک کر دوبارہ میگزین میں مشغول ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر میں ہی روحی اور راحیلہ منتخب کتابیں نکال چکی تھیں۔ اب انہیں نوٹس بنانا تھے۔

عین اس وقت سعدیہ اٹھ کر ان دونوں کے قریب آ گئی۔

"ایک بات معلوم ہے تم لوگوں کو......؟" سعدیہ نے کہا۔

"کون سی بات......؟" راحیلہ نے سر اٹھایا۔

"چھوڑو......" سعدیہ بولی۔ "تم لوگ خواہ مخواہ ڈر جاؤ گی......"

"اوہو...... ایسی بھی کیا بات ہے......!" راحیلہ ہنس کر بولی۔ "کوئی نئی سوجھی ہو گی تم کو......"

"نئی نہیں...... بہت پرانی سوجھی ہے۔" سعدیہ کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔ "میں تو تم سے کافی پہلے اس کالج میں آئی تھی، اسی دوران مجھے اس بات کا پتہ چلا تھا کہ......"

وہ بولتے بولتے رک گئی۔

"کیوں سسپنس پھیلا رہی بہن......" روحی نے بھی زبان کھول ہی دی۔ "ایسی کون سی راز کی بات تم کو معلوم ہو گئی ہے......؟"

"سنو...... تم لوگ......" سعدیہ کا انداز سرگوشیانہ تھا۔ "اس لائبریری کا رخ کم ہی لوگ کرتے ہیں...... میں بھی یہاں بس تم لوگوں کی وجہ سے آ گئی ہوں۔ ورنہ میں یہاں ہرگز نہ آتی......"

"لیکن کیوں......؟" راحیلہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ......" سعدیہ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ "اس لائبریری میں اثرات ہیں...... اور...... یہ آسیب زدہ ہے......"

یہ سن کر دونوں اس کی شکل دیکھنے لگیں، لیکن سعدیہ کے چہرے پر دور دور تک شوخی یا مذاق کا عنصر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"میں سچ بول رہی ہوں......" سعدیہ پھر بولی۔ "لوگ کہتے ہیں کہ یہاں عجیب و غریب قسم کی آوازیں گونجتی ہیں اور رات کے وقت تو اکثر راہ چلتے لوگوں کو یہاں روشنی اور متحرک سائے دکھائی دیتے ہیں......"

"یہ کیسا مذاق ہے سعدیہ......؟" راحیلہ نے منہ بنایا۔ "کیوں ہم لوگوں کو ڈرا رہی ہو......؟"

"یہ نہ مذاق ہے اور نہ میں ڈرا رہی ہوں......" وہ بولی۔ "اگر تم لوگوں کو میری بات پر یقین نہیں آتا تو تم یہاں کے اسٹاف وغیرہ سے معلوم کر لو......"

"چلو بھئی......" روحی اپنا رجسٹر ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "نکلو یہاں سے...... مجھے تو ویسے ہی ان چیزوں سے...... بہت ڈر لگتا ہے۔"

عین اسی وقت لائبریری کا دروازہ کھلا اور سفید رنگ کے بے داغ سوٹ میں ایک انتہائی اسمارٹ نوجوان اندر داخل ہوا۔ خاص طور پر راحیلہ کی نظریں اس پر جم ہی گئی تھیں۔ وہ ان دونوں کو نہ دیکھ سکی۔

خود راحیلہ نے بھی محسوس کیا کہ وہ نوجوان اسے ہی دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ پھر اس نے اپنی نظریں ہٹائیں اور ایک جانب چل دیا۔

اس کا رخ کتابوں کی دوسری سائیڈ والی شیلف کی طرف تھا۔

”چلو بھئی......“ سعدیہ بھی اٹھتے ہوئے بولی۔

”میرے خیال سے لائبریری بند ہونے والی ہے...... ارے...... کالج ٹائم بھی ختم ہوگیا...... چلو اٹھو جلدی کرو......!!“

☆......☆......☆

دوسرے دن کلاس میں لائبریری کا تذکرہ ہوا تو سعدیہ کی بات سچ نکلی۔

یہ حقیقت تھی کہ لائبریری کا ایک حصہ عرصہ دراز سے اسرار و رموز میں لپٹا ہوا تھا...... اور اب اکثریت وہاں کا رخ کرنے سے کتراتی تھی۔ کبھی کوئی جانی نقصان تو پیش نہیں آیا تھا...... لیکن اس کے باوجود وہاں دکھائی دینے والے پراسرار سائے اور عجیب قسم کی آوازوں کے باعث ڈر اور خوف پھیل چکا تھا۔

اب تو راحیلہ نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ وہاں کا کبھی رخ نہیں کرے گی کیونکہ یہ سب باتیں ایک معقول قسم کے اردو کے لیکچرار نے بتائی تھیں۔

کالج کا ٹائم ختم ہوا تو وہ حسب معمول سعدیہ کے ساتھ بس اسٹاپ کی طرف روانہ ہوگئی۔

دونوں باتوں میں محو ہوکر جلد ہی بس اسٹاپ تک آ پہنچیں۔ اتفاق سے اسی وقت سعدیہ کی مطلوبہ ویگن نمودار ہوئی۔ اس نے جلدی سے ہاتھ دیا اور راحیلہ سے مخاطب ہوئی۔

”اچھا بھئی...... زندگی رہی تو کل ملاقات ہوگی...... میں تو چلی......“

”ٹھیک ہے......“ راحیلہ مسکرائی اور سعدیہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی ویگن میں سوار ہوگئی۔

اب راحیلہ تنہا تھی۔ یوں تو اسٹاپ پر کالج کی اور بھی لڑکیاں موجود تھیں...... دو چار لوگ بھی کھڑے تھے، لیکن راحیلہ کا ان میں سے واقف کار کوئی نہیں تھا۔

اب اسے اپنی مطلوبہ بس کا انتظار تھا۔ آج گرمی شدت کی تھی اور دھوپ میں تمازت تھی۔

”بیگ کندھے پر ڈال کر اس نے ایک رجسٹر کو سر پر رکھ لیا تھا، یہ شاید دھوپ سے بچنے کی ایک کوشش تھی۔

عین اسی وقت راحیلہ کو احساس ہوا جیسے کوئی اس کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا ہو۔

وہ بے ساختہ گھومی اور پھر جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے برابر میں وہی نوجوان کھڑا تھا جو گزشتہ دن لائبریری میں دکھائی دیا تھا۔ جب راحیلہ وغیرہ مضمون لکھنے کے لئے وہاں گئی تھیں۔

اس وقت وہ راحیلہ کی جانب ہی متوجہ تھا، اور اس کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔

عین اسی وقت راحیلہ کی بس آ گئی، اور کچھ سوچے سمجھے بغیر وہ بس کی جانب چل پڑی۔

البتہ اس کے ذہن میں ایک الجھن ضرور تھی۔ بس کے پائیدان پہ چڑھنے کے بعد اس نے یک بارگی پلٹ کر دیکھا۔

وہ نوجوان اب بھی اس کی جانب متوجہ تھا۔ اور پھر یوں لگا جیسے اس کی مسکراہٹ بس کے ساتھ ساتھ اس کا تعاقب کررہی ہو۔

راحیلہ نے سر کو جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔

بس کی رفتار میں اب تیزی آ چکی تھی۔

دوسرے دن وہ کالج میں سعدیہ کو یہ بات بتائے بغیر نہ رہ سکی۔ پہلے تو سعدیہ چپ چاپ سنتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک لہرانے لگی۔

”اوہو بی بی......! شاید اس کو پہلی نظر کی محبت کہتے ہیں...... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے ان صاحب کو کل کہاں دیکھا تھا......؟“

”کیا مطلب......؟“ راحیلہ چونکی۔

”کس بات کا مطلب بتاؤں......؟“ سعدیہ نے بھی اس کی شکل دیکھی۔

”بھئی...... میں نے ابھی تم کو بتایا تو ہے کہ وہی لڑکا تھا، جو کل ہم لوگوں کے سامنے لائبریری میں آیا تھا......!“

”لائبریری میں......؟“ سعدیہ کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔

”تم کب کی بات کررہی ہو......؟“

”کیا تمہاری یادداشت اتنی خراب ہے......؟“ راحیلہ بھنا سی گئی۔ ”ارے جب ہم لوگ نوٹس بنا رہے تھے، تم نے اور روحی نے بھی اسے دیکھا تھا۔

”ان میں یہ بحث ہورہی تھی اور پھر روحی بھی شامل ہوگئی۔ خود اسے بھی راحیلہ کی بات پر تعجب ہوا، اس کے منہ سے نکلا۔

”جب تک ہم لوگ نوٹس بناتے رہے، لائبریری میں چوہے کا بچہ بھی نہیں آیا تھا۔ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے......

اس کی بات سن کر راحیلہ سناٹے میں آ گئی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ سعدیہ مذاق کررہی ہے لیکن روحی نے بھی وہی بات کی تھی۔

یہ کس طرح ممکن تھا کہ ایک شخص کو راحیلہ نے دیکھا ہو اور وہ دوسروں کی نظروں میں نہ آ سکا ہو......!

ایسا اس وقت ممکن ہوتا ہے جب کوئی مجمع ہو...... لوگوں کی بھیڑ ہو اور کوئی لمبی قطار ہو...... ایسی جگہوں پر کسی کا نظروں میں نہ آنا یا اوجھل ہوجانا ممکن ہے...... لیکن جہاں صرف 3 افراد ہوں...... وہاں کسی چوتھے شخص کی آمد سے کیسے بے خبر رہا جاسکتا ہے......؟؟؟

جیسے جیسے راحیلہ اس بارے میں سوچ رہی تھی...... اس کی الجھن میں اضافہ ہو رہا تھا......

تھوڑی دیر بعد ہی یہ بات سعدیہ اور روحی کے ذہن سے محو ہوگئی۔ لیکن راحیلہ کو رہ رہ کر اس واقعے کا خیال آ رہا تھا۔

آج بھی کالج سے چھٹی کے وقت وہ اور سعدیہ حسب معمول اسٹاپ تک آ ئیں۔

سعدیہ اپنی ویگن میں سوار ہوئی اور راحیلہ اپنے روٹ کی بس میں...... آج تلاش کے باوجود وہ نوجوان راحیلہ کو دکھائی نہیں دیا تھا۔

اپنے علاقے کے بس اسٹاپ پر وہ اتر گئی۔ سامنے والی گلی میں داخل ہونے کے بعد آخری کونے میں سیدھے ہاتھ والا گھر راحیلہ کا تھا۔ وہ جیسے ہی گلی میں جانے لگی۔ سامنے لگے ہوئے پیپل کے گھنے درخت کے نیچے اسے وہی نوجوان کھڑا دکھائی دیا۔

آج بھی اس کے لبوں پر وہی مسکراہٹ تھی اس پر نظر پڑتے ہی ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ راحیلہ کے جسم کے مساموں سے پھوٹ پڑا۔

اس کے قدم من من بھر کے ہوگئے۔ ایک انچ بھی آگے قدم بڑھانا اس کے لئے دوبھر تھا۔

دفعتاً نوجوان نے اسے گھور کر دیکھا اور ایک دم ہی پلٹ کر قدم اٹھانے لگا۔ گویا وہ کہیں جا رہا تھا۔

اور پھر راحیلہ اسے پشت سے دیکھتے ہوئے گلی میں داخل ہوگئی۔

☆......☆......☆

گھر میں داخل ہونے کے بعد اس نے ایک طویل سانس لی۔ وہ راستے بھر مڑ مڑ کر دیکھتی رہی تھی۔ لیکن وہ نوجوان اسے پھر دکھائی نہیں دیا تھا۔

”آخر وہ کون ہے......؟ کیا چاہتا ہے......؟ پہلے وہ کالج کے بس اسٹاپ تک آیا تھا۔ لیکن آج...... وہ اس کے محلے میں پہنچ گیا تھا...... آخر کیوں......؟“

پورا دن وہ گھر میں سوچ میں گم رہی، کئی بار فیروزہ بیگم نے اسے ٹوکا، لیکن وہ بات کو اڑا گئی اور صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

”کوئی بات تو ضرور ہے......!“ فیروزہ بیگم نے سر ہلا کر اسے گھورا تھا۔ ”مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں معلوم ہورہی...... کل تم کالج نہ جانا...... آرام کرو گھر میں......“

راحیلہ نے ان کی بات سن کر سر ہلا دیا۔ وہ خود بھی

یہی سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

رات کے نہ جانے کس پہر اچانک ہی اس کی نیند اچاٹ ہوگئی۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی عادت تھی کہ وہ کمرے کی لائٹ روشن کر کے اپنے پلنگ پر سوتی تھی۔

چند لمحے تک تو وہ سوچتی رہی کہ نیند کھلنے کی وجہ کیا تھی......؟ کوئی عجیب سا خواب یا پھر کوئی آہٹ......!

ایک عجیب سے احساس نے اسے گھیر لیا تھا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی، دروازہ بدستور بند تھا۔

اور پھر جیسے ہی اس نے چادر ہٹائی تو وہ چونک اٹھی...... چادر کے نیچے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ پڑا تھا۔

"یہ کاغذ یہاں کیسے آیا......؟ ہوسکتا ہے میرے رجسٹر میں سے گرا ہو......!" اس نے سوچا۔

راحیلہ نے کاغذ اٹھالیا اور اس کی تہہ کھول دی۔ وہ ایک خط نما مضمون تھا جو انتہائی خوب صورت الفاظ میں لکھا ہوا تھا، ایک مسحور کن خوشبو کاغذ سے اٹھ رہی تھی۔

جیسے جیسے راحیلہ وہ خط پڑھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں حیرت کے دیئے روشن ہوتے جارہے تھے۔ لکھا تھا۔

"جان تمنا......! مجھے تمہارے نام سے کوئی غرض نہیں ہے...... بس تم میری تمنا ہو...... میری زندگی ہو...... تم کو دیکھتے ہی میں دل و جان سے تم پر قربان ہوگیا ہوں...... اور تم سے ملنا چاہتا ہوں...... کل تم کالج کی لائبریری میں مجھ سے ضرور ملو...... جس طرح میں نے تم تک رسائی حاصل کی ہے اور پھر یہ خط تم تک پہنچایا ہے...... میں خود بھی تم تک پہنچ سکتا تھا...... لیکن یہ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے...... میں تم سے اسی لائبریری میں ملنا اور تم سے بات کرنا چاہتا ہوں...... مجھے یقین ہے کہ تم ضرور آؤ گی...... ضرور آؤ گی......

فقط تمہیں چاہنے والا

"قاف"

راحیلہ نے کاغذ کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اس کا ذہن خلاؤں میں بھٹکنے لگا، نیند اس کی آنکھوں سے بہت دور جاچکی تھی، پھر کافی کوشش کے بعد رات کو نہ جانے کب وہ دوبارہ سوگئی، صبح اپنے معمول کے مطابق اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے خط کو دوبارہ پڑھنا چاہا، لیکن وہ اب تھا کہاں......؟ راحیلہ نے سارا کمرہ چھان مارا، لیکن اسے خط نہ ملا۔

راحیلہ نے باتھ روم میں جا گھسی، اس نے غسل کیا اور کالج کا یونیفارم پہن لیا۔

اب اس کا رخ کچن کی طرف تھا، جہاں اس کی والدہ فیروزہ بیگم صفائی وغیرہ میں مصروف تھیں۔

الیاس صاحب تو صبح سات بجے ہی گھر سے نکل جاتے تھے، ان کے جانے کے بعد وہ کچن میں ہی مصروف رہتی تھیں اور پھر راحیلہ کو کالج کے لئے اس کے ٹائم پر جگادیتی تھیں۔

راحیلہ کو کالج کے لباس میں دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ کہا۔

"ارے...... تم آج کالج جارہی ہو......؟"

"جی امی......" اس نے مختصر جواب دیا۔

"کیوں......؟ تمہاری طبیعت تو خراب ہے...... میں نے تو تم سے کہا تھا کہ آج کی چھٹی کرلینا......"

"نہیں امی...... میں چھٹی نہیں کررہی...... میں ٹھیک ہوں...... آپ بے فکر رہیں...... لائیں مجھے ناشتہ دے دیں......"

یہ کہہ کر راحیلہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ فیروزہ بیگم نے ایک نظر اس پر ڈالی اور کچھ کہے بغیر ناشتہ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

نہ جانے کیوں ایک ہلکی سی مسکراہٹ راحیلہ کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

راحیلہ اور سعدیہ کے ساتھ ساتھ اب روحی بھی اس گروپ میں شامل ہوچکی تھی۔

گویا اب ایک اچھے دوست کا اضافہ ہوچکا تھا، چنانچہ روحی بھی ان کے ساتھ ہی نشست پر بیٹھ رہی تھی۔

راحیلہ آج چپ چپ سی تھی۔ سعدیہ نے ایک بار ٹوکا تو اس نے کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے......"

"اوہو...... طبیعت اداس ہے......؟" سعدیہ کا لہجہ معنی خیز تھا۔ "کوئی یاد آرہا ہے کیا......؟"

"کون......؟" راحیلہ بے ساختہ چونک اٹھی۔

"ارے تم تو اسپرنگ جیسے اچھلی ہو...... میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا......" سعدیہ نے ہنس کر کہا۔ "کل تمہاری ملاقات جن صاحب سے ہوئی تھی...... ان کا ہی خیال آگیا تھا مجھے......"

"چلو ہٹو......" راحیلہ نے اسے ٹہوکا دیا۔ "تم تو بس الٹی سیدھی باتیں کرتی ہو......"

"دوبارہ اس سے ملاقات ہوئی......؟" سعدیہ نے اس کی بات نظرانداز کرکے سرگوشی کی۔

"نہیں......" راحیلہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"دل چھوٹا مت کرو......" سعدیہ نے اسے پچکارا۔ "ہوجائے گی......"

روحی ان کی باتیں سن رہی تھی...... وہ ہنس پڑی اور پھر بولی۔

"تم تو بے چاری کے پیچھے ہی پڑگئی ہو......"

"میں کہاں پیچھے پڑی ہوں......" سعدیہ نے طویل سانس لی۔ "پیچھے تو کوئی اور پڑا ہے...... اور وہ بھی ہاتھ دھو کے......"

اسی اثنا میں پیریڈ شروع ہوگیا...... چند ہی لمحوں میں اردو کے لیکچرار کلاس میں آنے والے تھے۔ سب اپنی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔

عین اسی وقت راحیلہ سب کی نظر بچا کر کلاس روم سے نکل گئی، اب اس کا رخ لائبریری کی طرف تھا۔

آج اردو کے لیکچرار نے بڑی دلچسپ باتیں کی تھیں، سب ہی محو تھے، جب وہ کلاس روم سے چلے گئے تو اچانک ہی سعدیہ کو راحیلہ کا خیال آیا۔

"ارے...... یہ راحیلہ کہاں چلی گئی......؟"

"ہاں یار...... مجھے بھی اس بات کا خیال آیا ہے...... میرے خیال سے راحیلہ کافی دیر سے ہم لوگوں کے ساتھ نہیں ہے۔"

"وہ ہے کہاں......؟" سعدیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کبھی وہ اس طرح نہیں جاتی......"

"میرا خیال ہے کہ اچانک ہی اس کی طبیعت خراب ہوگئی......" روحی نے کہا۔ "اور وہ اٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔"

"اب ایسی بھی ایمرجنسی کیا......!" سعدیہ نے کہا۔ "کم ازکم ہم لوگوں کو تو بتا کر جاتی......"

"ہاں...... یہ بات تو ہے...... روحی سوچ میں گم تھی۔ "کیا تم کو راحیلہ کا گھر معلوم ہے......؟"

"نہیں...... کبھی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی......"

"اگر اس کا گھر معلوم ہوتا تو خیریت پوچھ لیتے...... خیر...... اب کیا ہوسکتا ہے۔" روحی نے طویل سانس لی۔

اور پھر واقعی تمام وقت میں انہیں راحیلہ کی شکل دکھائی نہ دی، اب انہیں یقین ہوگیا تھا کہ وہ اپنے گھر چلی گئی ہے۔

☆......☆......☆

کالج کے چوکیدار کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا، اور یہ حیران ہونے والی بات بھی تھی۔

کالج ٹائم ختم ہوئے تقریباً 2 گھنٹے گزر چکے تھے...... تمام طالبات تو روانہ ہو ہی چکی تھیں...... کالج کا اسٹاف بھی اپنا آفس ورک سمیٹ کر رخصت ہوچکا تھا۔

ایسے میں کالج کے اندرونی حصے سے ایک لڑکی کا یونیفارم میں برآمد ہونا اور گیٹ کی طرف قدم بڑھانا اور کافی اچنبھے کی بات تھی۔

وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا...... لڑکی قریب آرہی تھی...... اس کے کندھے پر بیگ تھا اور اس نے چادر منہ پر اس طرح ڈھانپ رکھی تھی کہ چہرہ صاف دکھائی نہیں

دے رہا تھا۔

اب وہ دروازے کے قریب آ چکی تھی، چوکیدار اٹینشن ہو کر کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی اس نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔

"اوئے...... کون ہو تم......؟"

لڑکی نے جواب دینے کے بجائے ایک ہاتھ بلند کر دیا۔

"چٹاخ......"

ایک زناٹے دار آواز گونجی...... یہ تھپڑ اتنا شدید تھا کہ چوکیدار دوسری طرف الٹ کر گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

لڑکی نے اس پر ایک نظر ڈالی اور آرام سے چلتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

فیروزہ بیگم کا دل اچھل کر حلق میں آ رہا تھا، طرح طرح کے وسوسوں نے ان کے ذہن کو گرفت میں لے رکھا تھا۔

راحیلہ ڈھائی بجے تک ہر صورت میں کالج سے آ جایا کرتی تھی، لیکن آج ساڑھے چار بج رہے تھے اور اس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"یا مالک......!" وہ ہاتھوں کو رگڑ کر بار بار دہرا رہی تھیں۔ "میری بچی کہاں رہ گئی۔ میری بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا......!"

"آخر کار 5 بجے کے قریب دروازے پر دستک ہوئی۔ فیروزہ بیگم دوڑ کر دروازے پر جھپٹیں۔

انہوں نے دروازہ کھولا سامنے راحیلہ کھڑی تھی...... اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... سانس بھی پھولا ہوا دکھائی دیا۔

"کہاں تھیں تم......؟ کہاں رہ گئی تھیں......؟"

"اندر تو آنے دیں......" اس نے آہستگی سے کہا۔

انہوں نے اسے راستہ دے دیا۔ وہ غور سے راحیلہ کو دیکھ رہی تھیں۔

راحیلہ صحن میں آ کر پلنگ پر خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ فیروزہ بیگم اس کے قریب آ گئیں اور اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"ارے امی......" وہ بھنا سی گئی۔ "میں کہیں تفریح کرنے تھوڑی گئی تھی۔

کالج میں میری طبیعت خراب ہو گئی تھی...... اس لئے میں ایک دوست کے گھر جا کر بیٹھ گئی تھی...... اس کا نام سعدیہ ہے، اور وہ میرے ساتھ کلاس میں ہی پڑھتی ہے۔"

"اوہ......" فیروزہ بیگم کے منہ سے نکلا۔ "تو یہ بات تھی...... لیکن حالات ایسے ہیں کہ میرا ذہن ہر طرف بھٹک رہا تھا...... میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آج چھٹی کر لو...... لیکن تم نے میری بات نہیں مانی...... اب تم ہفتہ بھر گھر میں آرام کرو گی اور پھر جاؤ گی کالج...... ہاں...... میں نے کہہ دیا ہے...... اور یہ بتاؤ تم نے کچھ کھایا پیا بھی......؟ کھانا گرم کروں تمہارے لئے......؟"

دوسرے دن بھی فیروزہ بیگم نے بڑی مشکل سے اسے کالج جانے سے روکا تھا، وہ آج بھی بضد تھی کہ اسے کالج جانا ہے۔

"پڑی رہو گھر میں......" فیروزہ بیگم کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔ "کوئی ضرورت نہیں ہے کالج کے چکر کاٹنے کی...... خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے...... تمہاری طبیعت مجھے ابھی بھی ٹھیک نہیں لگ رہی...... شام کو شعیب ڈاکٹر سے دوا لینے چلنا......"

"میں ٹھیک ہوں امی......" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "مجھے کچھ نہیں ہوا ہے...... میں کالج جاؤں گی......"

یہ سن کر انہیں غصہ آ گیا اور وہ بولیں۔

"آج آنے دو تمہارے باپ کو...... میں بات کرتی ہوں...... کہ تمہاری لڑکی کو اپنی جان کی بالکل پرواہ نہیں ہے...... اور اس پر کالج کی دھن سوار ہے......"

راحیلہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ پھر اس نے جیسے تیسے ناشتہ کیا اور اپنے کمرے میں آ کر دھپ سے بستر پر ڈھیر ہو گئی۔

اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر نمودار ہو گئی، ساتھ ہی اس نے دھیرے سے کہا۔

"میرے قاف...... میری زندگی...... کہاں ہو......!"

چہرے پر چھانے والے عجیب سے تاثرات نے اس کا چہرہ ہی بدل دیا تھا۔

اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

☆......☆......☆

کالج میں اس نامعلوم لڑکی کا واقعہ کافی مشہور ہوا تھا، ایک سوالیہ نشان گردش کر رہا تھا کہ وہ کون لڑکی ہو سکتی ہے جو اتنی طاقت رکھتی ہو کہ چوکیدار جیسا تگڑا بندہ اس کا تھپڑ کھا کر بے ہوش ہو جاتے۔

ادھر سعدیہ اور روحی کو راحیلہ کی فکر تھی...... آج تیسرا دن گزر رہا تھا اور راحیلہ لاپتہ تھی۔

"کیا اس کی طبیعت زیادہ خراب ہے......؟ یا کوئی اور مسئلہ ہے......؟" کئی سوالات ان دونوں کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

آج سعدیہ نے ٹھان رکھی تھی کہ وہ راحیلہ کے گھر ضرور جائے گی۔

"کہاں سر ٹکراؤ گی......؟" روحی نے اسے گھورا۔ "اس کا گھر کہاں معلوم ہے تمہیں......؟"

"میں اسے پاتال سے بھی نکال لاؤں گی......" سعدیہ تن کر اپنے مخصوص انداز میں بولی۔ "تم فکر مت کرو...... میں آفس سے اس بات کا پتا نکلوالوں گی...... اور آج ہر صورت میں ہم دونوں اس کے گھر جائیں گے......!"

اور پھر یہی ہوا۔ سعدیہ اپنی بات کی پکی نکلی، اس نے راحیلہ کا پتا معلوم کر لیا اور جلدی کالج سے نکل کھڑی ہوئیں۔

راحیلہ کا گھر ڈھونڈنے میں انہیں زیادہ مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ فیروزہ بیگم نے ہی گھر کا دروازہ کھولا تھا۔ اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ سعدیہ جلدی سے آگے بڑھ کر بولی۔

"آنٹی...... ہم راحیلہ کے کالج میں پڑھتی ہیں اور اس کی دوست ہیں...... میرا نام سعدیہ ہے اور یہ روحی ہے......"

"اوہ...... اچھا...... اس دن راحیلہ کی طبیعت خراب ہوئی تھی تو وہ تمہارے ہی ساتھ تھی......؟" وہ جلدی سے بولیں۔

"جی......؟" سعدیہ نے حیرت سے ان کی شکل دیکھی۔

"آؤ...... تم لوگ اندر تو آ جاؤ......"

یہ کہہ کر انہوں نے راستہ دیا۔

"راحیلہ کہاں ہے......؟" روحی نے پوچھا۔

"وہ تو تین دن سے اپنے کمرے میں ہی پڑی ہے بیٹا......" فیروزہ بیگم کے لہجے میں تشویش تھی۔ "تھوڑا بہت کھانا کھانے نکلتی ہے اور دوبارہ اپنے کمرے میں گھس جاتی ہے...... نہ بات نہ چیت...... دوا لینے بھی نہیں جا رہی...... اب تو اس کے ابو بھی پریشان ہو گئے ہیں...... صبح بھی کام کے لئے نکلے ہیں تو اسی کا پوچھ رہے تھے......"

"میں ابھی اس کا دماغ درست کرتی ہوں......" سعدیہ نے چٹکی بجائی۔ "آپ بالکل فکر مت کریں......"

اب وہ دونوں راحیلہ کے کمرے کے سامنے پہنچ چکی تھیں۔ سعدیہ نے اسے آواز دی۔

"راحیلہ...... راحیلہ...... دروازہ کھولو...... ہم آئے ہیں......"

دوسری جانب خاموشی رہی، پھر سعدیہ نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا...... وہ کھلتا چلا گیا۔

"وہ شاید سو رہی ہو گی......" روحی کے منہ سے نکلا۔

"ہاں...... آؤ......" فیروزہ بیگم بولیں۔

اور پھر وہ لوگ کمرے میں داخل ہو گئیں۔ داہنی جانب راحیلہ کا پلنگ موجود تھا...... جیسے ہی ان کی نظر پلنگ پر پڑی۔

آنکھوں میں حیرت اور خوف دوڑ گیا۔ فیروزہ بیگم کی تو چیخ ہی نکل گئی تھی۔

خود روحی اور سعدیہ کی حالت بھی ان سے مختلف نہیں تھی۔

راحیلہ پلنگ کے وسط میں آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھی تھی...... اس کی جھکی ہوئی گردن ہل رہی تھی اور سر کے لمبے بال چہرے سے ہوتے ہوئے گود میں بکھرے ہوئے تھے۔

اس وقت راحیلہ وحشت کی ایک مکمل تصویر دکھائی دے رہی تھیں۔

''یہ...... یہ...... اسے کیا ہوگیا......'' روحی ہکلائی۔

''راحیلہ...... راحیلہ...... میری بچی......''

فیروزہ بیگم اس کی طرف جھپٹیں۔ جیسے ہی انہوں نے راحیلہ کے بازو تھامے، وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح پلنگ پر ڈھیر ہوگئی۔

وہ بے ہوش ہوچکی تھی۔

سب نے انتھک کوشش شروع کردی کہ راحیلہ کو ہوش آجائے مگر راحیلہ کی پراسرار بے ہوشی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

فیروزہ بیگم نے ہر طرح کے جتن کر لئے تھے۔ لیکن سب بے سود......

''آنٹی...... چلیں...... راحیلہ کو اسپتال لے کر چلتے ہیں......'' سعدیہ نے کہا۔

''ہاں بیٹا......'' فیروزہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''میں اس کے باپ کو خبر کرتی ہوں...... تم لوگ یہاں بیٹھو......''

ان کے جانے کے بعد روحی نے بے ہوش راحیلہ پر ایک نظر ڈالی اور آہستہ سے بولی۔

''یہ اسپتال کا کیس نہیں ہے...... راحیلہ کسی اوپری جھپیٹے میں آگئی ہے......''

سعدیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم......؟''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں...... میرے ابو ایک بابا صاحب کے آستانے پر آتے جاتے رہتے ہیں...... اور وہ اکثر اثرات اور جنات وغیرہ کے متعلق بتاتے رہتے ہیں...... راحیلہ کسی کے زیر اثر آچکی ہے۔''

''تو تم ڈرائے دے رہی ہو......'' سعدیہ نے ترچھی آنکھوں سے بے حس وحرکت پڑی ہوئی راحیلہ کی طرف دیکھا۔

روحی نے کوئی جواب نہ دیا۔ کمرے میں عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ ایسی خاموشی...... جو کچھ کہہ رہی تھی...... کچھ سمجھا رہی تھی۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ الیاس صاحب اور فیروزہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

راستے میں الیاس صاحب کو ان کی بیگم نے صورت حال سے آگاہ کردیا تھا، یہی وجہ تھی کہ ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔

انہوں نے راحیلہ کو ہلا جلا کر دیکھا۔ عین اس وقت روحی بول اٹھی۔

''آپ لوگ پہلے میری بات سن لیں...... میں جانتی ہوں کہ راحیلہ کو کیا ہوا ہے۔''

☆......☆......☆

بابا عاقل کا آستانہ ایسے علاقے میں تھا، جہاں شہری حدود کا آخری حصہ دکھائی دینے لگتا تھا۔

دائیں جانب ایک قبرستان تھا، جس سے ان کے گھر کی دیوار متصل تھی...... ان کا گھر بغیر پلاسٹر کی ہوئی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔

عاقل بابا کے کہنے پر راحیلہ کو ٹیکسی سے نکالنے کے بعد الیاس صاحب نے کندھے پر ڈالا اور بابا کے مخصوص کمرے میں لانے کے بعد چٹائی پر لٹا دیا۔

فیروزہ بیگم نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے کپڑے درست کئے اور پھر وہ روحی اور سعدیہ کے ساتھ اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

راحیلہ اب تک بے ہوش تھی...... عاقل بابا نے اٹھ کر وضو کیا اور ایک ورد کرنے کے بعد راحیلہ کی طرف

متوجہ ہوگئے۔

''کب سے یہ حالت ہے......؟'' ان کی دھیمی اور میٹھی آواز کمرے میں گونجی۔

''صبح سے......'' فیروزہ بیگم کا لہجہ روندھا ہوا تھا۔ ''یہ تو اپنے کمرے میں بند تھی۔ اس کی سہیلیاں آئیں تو ہم لوگ کمرے میں گئے...... نہ جانے کب سے یہ اس حال میں رہی ہوگی......''

''2 دن سے......'' عاقل بابا کی سرسراتی آواز آئی۔ ''یہ دو دن سے اس حال میں ہے......''

''دو...... دن...... سے......؟'' فیروزہ بیگم نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں......'' ان کا جواب تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے راحیلہ کی بند آنکھوں کو انگوٹھے کی مدد سے کھولا اور پھر ایک طویل سانس لے کر انہوں نے راحیلہ کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

ساتھ ہی انہوں نے پڑھائی شروع کردی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ راحیلہ کے جسم میں حرکت ہوئی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اس کی آنکھیں لال سرخ تھیں اور ان شعلہ بار آنکھوں سے وہ عاقل بابا کو گھور رہی تھی۔

عاقل بابا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ انہوں نے اپنی پڑھائی جاری رکھی۔

دفعتاً راحیلہ بھاری مردانہ آواز میں غرائی۔

''چھوڑ دے مجھے...... چھوڑ دے......''

راحیلہ کے ساتھ آنے والے تھوک نگل کر رہ گئے۔ یہ بات تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ راحیلہ اس طرح بھی کسی کو مخاطب کرسکتی ہے۔

عاقل بابا کی مسکراہٹ قائم رہی اور پڑھائی بھی۔ انہوں نے راحیلہ پر کوئی توجہ نہیں کی۔

اب راحیلہ مچل رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی...... ایک بار پھر اس کے منہ سے نکلا:

''مجھے چھوڑ دے......''

''تو لڑکی کو چھوڑ دے...... میں تجھے چھوڑ دوں گا...... بول......؟'' عاقل بابا کی آواز میں اب کی بار کافی رعب تھا۔

ان کی مسکراہٹ بھی اب معدوم ہوچکی تھی۔

''نہیں...... میں اسے نہیں چھوڑوں گا......'' راحیلہ غرائی۔

''بس...... تو میں تجھے بھی نہیں چھوڑ سکتا......''

اب ان کے ورد میں تیزی آچکی تھی۔ راحیلہ کی تڑپ بڑھ گئی۔ اس کا پورا جسم ہچکولے کھا رہا تھا۔

آخر کار راحیلہ کے منہ سے روتی ہوئی آواز نکلی۔

''اوہ...... ظالم...... میں لڑکی کو آزاد کر رہا ہوں......''

''مت چھوڑ اسے...... میں ایسے ہی تجھے جلا کر ختم کردوں گا...... فکر مت کر......'' عاقل بابا بولے۔

''اسی ڈر سے تو جا رہا ہوں......'' راحیلہ کراہ کر بولی۔ ''ورنہ میں اسے نہ چھوڑتا......''

''تو کہاں سے اس پر سوار ہوا تھا......؟''

''کالج...... سے......'' آواز آئی۔

روحی نے معنی خیز نظروں سے سعدیہ کی طرف دیکھا۔

''ہوں...... کیا اب کالج ہی جائے گا......؟''

''نہیں...... مجھے حضرت سلیمانؑ کی قسم......! میں واپس اپنے دیس جاؤں گا......''

''رہنے دے...... میں تجھے جلا رہا ہوں......'' عاقل بابا بولے۔

''نہیں...... میں...... جا رہا ہوں...... میں...... جا رہا ہوں......''

عین اسی وقت راحیلہ لہرا کر فرش پر گری اور ایک بار پھر بے حس وحرکت ہوگئی۔

عاقل بابا نے ایک طویل سانس لی اور معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگے۔

☆......☆......☆

راحیلہ کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ جلدی سے اٹھ کر

بیٹھ گئی...... وہ اپنے پلنگ پر ہی موجود تھی اور اس کے سامنے کرسیوں پر فیروزہ بیگم اور الیاس صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔

راحیلہ کو ہوش میں آتا دیکھ کر دونوں کے چہروں پر رونقیں دوڑ گئیں۔ راحیلہ اب ان کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

"ارے...... آپ دونوں کب سے یہاں بیٹھے ہیں......؟"

"ابھی آئے تھے......" فیروزہ بیگم جلدی سے بولیں۔ "آج تمہارے ابو بھی جلدی گھر آگئے تھے...... ہم نے سوچا کہ تمہارے ساتھ ہی شام کی چائے پئیں گے...... ہم نے تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہے تھے......"

"ارے...... تو آپ لوگ مجھے اٹھا لیتے......" راحیلہ کا انداز بالکل نارمل تھا۔ "انتظار کیوں کر رہے تھے......"

"شکر ہے مالک تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے......" الیاس صاحب چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑائے۔

راحیلہ اٹھی اور باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ الیاس صاحب اب اپنی بیگم کی طرف گھومے اور دھیرے سے بولے۔

"جلدی سے چائے پلادو...... پھر میں جا کر نذر نیاز کا انتظام کرتا ہوں...... ہماری بچی اب ٹھیک ہوگئی ہے......"

فیروزہ بیگم کے چہرے پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو بھی تیرنے لگے تھے۔

ادھر سعدیہ اور روحی کو راحیلہ کی صحت یابی کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ دوسرے دن انہوں نے کالج کا ناغہ کیا اور سعدیہ نے روحی کے گھر کا رخ کیا تاکہ دونوں مل کر راحیلہ کے گھر جاسکیں۔

روحی اور اس کی والدہ نے بڑے جوش سے لپک کر سعدیہ کو خوش آمدید کہا۔

پھر میز پر ہلکا پھلکا ناشتہ لگانے کے بعد روحی سعدیہ کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔

"میں نے رات کو ابو سے کافی دیر راحیلہ کے موضوع پر بات کی تھی۔" روحی نے کہنا شروع کیا۔ "راحیلہ پر قاف نامی ایک جن سوار ہوگیا تھا......"

"قاف......؟" سعدیہ نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں...... اور وہ اس دن راحیلہ کو وہاں دکھائی دیا تھا۔ جب ہم لوگ نوٹس بنانے وہاں گئے تھے۔" روحی نے بتایا۔ "اور جس دن اچانک راحیلہ غائب ہوئی تھی...... وہ اس وقت گھر نہیں گئی تھی بلکہ لائبریری میں تھی......"

"اوہ......" سعدیہ کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو......؟"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں...... اسی دن سے اس جن نے راحیلہ کو اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا...... وہ اس پر عاشق ہوگیا تھا...... اسی لئے راحیلہ ہم لوگوں سے نظر بچا کر لائبریری میں چلی گئی تھی...... یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوا کہ قبل از وقت اس کا علاج ہوگیا...... وگرنہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ جن راحیلہ پر مضبوطی سے حاوی ہوجاتا...... اور اسے اتارنے میں عاقل بابا کو وقت کا سامنا ہوسکتا تھا......"

"ہوں......" سعدیہ نے ایک طویل سانس لی۔ "تو کیا وہ جن اب بھی لائبریری میں ہی ہوگا......؟"

"نہیں......" روحی مسکرائی۔ "اسے عاقل بابا نے اس کی دنیا میں واپس بھجوا دیا ہے...... کالج کے چوکیدار کو تھپڑ مارنے والی ہستی بھی راحیلہ ہی تھی......"

"اوہ......" سعدیہ چونکی۔

"ہاں...... وہ کام بھی جن کا ہی تھا...... خیر...... اب تو...... یہ کہانی ختم ہوچکی ہے...... لو بھئی...... تم تو آرام سے بیٹھی ہوئی ہو...... کچھ کھاؤ پیو بھی...... پھر چلنا ہے راحیلہ کے گھر...... اسے ایک نئی زندگی ملی ہے...... مبارکباد تو دے دیں اسے......"

سعدیہ نے بے خیالی کے سے عالم میں سر ہلایا اور سموسوں کی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

☠

سرگرداں روح

خلیل جبار۔حیدرآباد

اخبار میں نوجوان کی کفن میں لپٹی ہوئی تصویر چھپی تھی۔ وہ دو سال قبل مرچکا تھا مگر یہ کیا، وہ تواتر سے اجنبی سے ملتا رہا اور یہی نہیں بلکہ وہ اجنبی کے کام بھی کرتا رہا، آخر یہ سب کیا تھا، کہانی پڑھ کر دیکھیں۔

زندگی میں جس طرح لوگ ہمدرد ہوتے ہیں کیا روحیں بھی ہمدرد ہوتی ہیں۔ثبوت کہانی میں ہے

آج مجھے یہاں سے روانہ ہونا تھا اور کاشف ابھی تک میرے پاس نہیں آیا تھا، شاید کوئی اور موقع ہوتا تو میں کسی دوسرے کا انتظار نہ کرتا۔ کاشف نے دو ماہ تک میرا جتنا خیال رکھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ میں اس سے جاتے ہوئے مل کر ضرور جاؤں گا، ورنہ وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا کہ کیسا بے مروت شخص تھا جاتے ہوئے مل کر بھی نہیں گیا۔

وقت تیزی سے بیت رہا تھا اور کاشف کا پتا نہیں تھا، مجھے راولپنڈی پہنچ کر ٹرین پکڑنا تھی۔ اگر میں ذرا سی بھی تاخیر کرتا تو ٹرین نکل جاتی اور مجبوراً مجھے پھر کسی کوچ میں سفر کرنا پڑتا۔ کوچ کے سفر کے مقابلے میں مجھے ٹرین کا سفر اچھا لگتا ہے کیونکہ ٹرین میں آدمی سکون سے بیٹھ جاتا ہے۔ چل پھر بھی لیتا ہے ایک طرح سے ٹرین کا ڈبہ کمرے کی مانند محسوس ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں

کوچ میں آدمی ٹھس کر بیٹھتا ہے۔ اپنی مرضی سے ہل جل، چل پھر بھی نہیں سکتا۔

''میں بنیادی طور پر ایک کاروباری شخص ہوں۔ میرا ذہن ہر وقت کاروبار سے متعلق سوچتا رہتا ہے۔ اسی بنا پر میں اپنے کاروباری ساتھیوں کے مقابلے میں بہت آگے ہوں۔ میرا کاروبار بہت پھیلا ہوا ہے ہر وقت کاروبار کے متعلق سوچتے رہنے سے میں بیمار رہنے لگا ہوں۔ ڈاکٹرز نے میری بیماری کو دیکھتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ میں دو ماہ کے لئے کاروبار سے دور ہو کر کسی پرفضا مقام پر جا کر رہوں۔ میری سمجھ میں یہی آیا کہ بجائے میں کسی باہر ملک میں جاؤں اپنے ملک کے پرفضا مقام مری میں جا کر رہوں۔ میں ہوٹل کے بجائے کسی گھر میں رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں، اتفاق سے ایک چھوٹا بنگلہ نما گھر مجھے مل گیا۔

میں بہت خوش ہوا کہ اس بہانے مجھے گھر کا سا ماحول ملے گا۔ کوئی ڈسٹرب بھی نہیں کرے گا۔ اپنی مرضی سے سونا اور اٹھنا۔ پڑھنے کو میں ڈھیر ساری کتابیں لے آیا تھا۔ جو مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیں گی اور میرا ساتھی بن کر ساتھ دیں گی۔

میرا ارادہ تھا کہ میں ایک ماہ یہاں قیام کروں گا لیکن دو ماہ گزر گئے اور وقت کا احساس ہی نہیں ہوا۔ سچ پوچھو تو میرا یہاں اچھا وقت گزرنے میں کچھ ہاتھ کاشف کا بھی ہے۔ وہ اگر یہاں نہ ہوتا تو میرے لئے ایک ماہ گزارنا بہت مشکل ہوتا۔ کاشف کی معصوم حرکتیں اور بھولے پن کی باتوں سے میرا دل بہل جاتا تھا۔ کچھ وقت کو میں بھی خود کو بچہ تصور کرنے لگتا تھا اور کاشف سے ایسی باتیں کرنے لگتا کہ وہ بھی میری باتوں کو سن کر زوردار قہقہے لگانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ وہ میرا خیال اس طرح رکھتا تھا کہ جیسے وہ حقیقی معنوں میں میرا بیٹا ہو۔ مجھے بھی اس سے اتنی ہی محبت ہوگئی تھی کہ جیسے اپنے بیٹے سے ہوگئی ہو۔

ان دو ماہ میں میری بیماری اس طرح سے غائب ہوگئی تھی کہ جیسے کبھی بیمار ہی نہیں ہوا تھا۔

مجھے اچھی طرح سے یاد ہے اس بنگلے نما گھر میں آئے ہوئے دوسرا دن تھا سخت سردی تھی، کمرے کو گرم رکھنے کے لئے آتش دان کے کوئلے ختم ہوگئے تھے اور میری اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ باہر جا کر کوئلے لے آؤں ایسے میں یہ سوچ کر گھر سے باہر نکل آیا۔ شاید باہر سے سوکھی لکڑی کی ٹہنیاں مل جائیں تاکہ کچھ وقت گزر جائے اور سردی کی شدت کم ہو جانے پر میں پھر کوئلے لے آؤں گا۔ کوئلے کی دکان یہاں سے بہت دور تھی۔ میں عمر کے اس حصے میں تھا جب کم سردی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ میں ابھی ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا کہ ایک دس سالہ لڑکے پر نظر پڑی۔ وہ بھی میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اپنی طرف متوجہ پا کر میرے پاس آیا۔

''کیا بات ہے آپ مجھے کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔'' وہ بولا۔

''ہاں بیٹا میرے آتش دان کے کوئلے ختم ہوگئے ہیں اور مجھے سردی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''بس اتنی سی بات ہے میں ابھی کوئلے لا کر دے دیتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''یہ لو پیسے ذرا جلدی سے کوئلے لے آؤ۔'' میں نے کچھ رقم اس کی طرف بڑھائی۔

اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں کبھی اس طرح کسی اجنبی لڑکے کو رقم نہ دیتا۔ کسی اجنبی لڑکے کا کیا پتا کہ وہ پیسے لے کر رفو چکر ہو جائے۔ سخت سردی کی بنا پر میں اس پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''پیسے دینے کی ضرورت نہیں ہے میں ابھی اپنے چچا کے گھر سے کوئلے لے آتا ہوں۔ جب آپ دکان سے کوئلے لے آئیں تو پھر مجھے ان کوئلوں کے بدلے کوئلے دے دینا۔'' اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' میں یہ کہتے ہوئے کمرے میں آ گیا۔ ابھی مجھے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ وہ کوئلے لے آیا اور خود ہی ان کوئلوں کو آتش دان

میں ڈال کر آگ روشن کر دی۔

''لگتا ہے تمہارا گھر نزدیک ہے جبھی تم کوئلے اتنی جلدی لے آئے ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں میں یہاں نزدیک ہی اپنے چچا فخر الدین کے پاس رہتا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''ارے ہاں میں نے تمہارے چچا کا گھر یہاں آتے ہوئے دیکھا تھا۔ گھر کے باہر فخر الدین نام کی تختی بھی لگی ہوئی ہے لیکن تم اپنے چچا کے پاس کیوں رہتے ہو۔ اپنے والدین کے پاس کیوں نہیں رہتے۔''

''میرے والدین کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا۔ جب سے میں اپنے چچا کے پاس رہ رہا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''مجھے بہت افسوس ہوا کہ اتنے اچھے لڑکے کے والدین کا انتقال ہو گیا ہے۔'' میں نے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا۔

''آپ کا چہرہ کافی حد تک میرے والد سے ملتا جلتا ہے۔ اس لئے میں کل سے اس مکان کے گرد چکر لگا رہا ہوں۔ میں آپ سے ملاقات کر کے کچھ وقت یہاں گزارنا چاہ رہا ہوں۔ سو آج میری یہ خواہش پوری ہوگئی۔ یہاں آپ جتنا بھی وقت گزاریں۔ اس دوران کسی بھی چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہہ دینا۔ آپ کا کام کر کے مجھے بڑی خوشی ہوگی۔'' وہ مسلسل میرے چہرے پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

میں اس کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ میرے چہرے میں اپنے باپ کی صورت دیکھ رہا تھا۔ ایسا کر کے اسے دلی خوشی ہو رہی تھی ایسا اکثر ہوتا ہے جب ہمیں اپنے پیاروں کے بچھڑ جانے پر اس سے ملتی جلتی شکل کے شخص کو دیکھ کر نا جانے کیوں ایک خوشی اور دلی سکون ملتا ہے۔

''تمہارا نام کیا ہے......'' میں ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ وہ بے اختیار بول پڑا۔ ''کاشف۔''

''ہاں کاشف مجھے جس چیز کی بھی ضرورت

پڑے گی میں تمہیں اطلاع کردوں گا۔" میں نے کہا۔

میری بات پر وہ خوش ہوگیا تھا۔

دو ماہ کے دوران کاشف نے میرا اس طرح خیال رکھا جیسے کوئی بچہ اپنے باپ کا خیال رکھتا ہو۔ میرے منہ سے کوئی فرمائش نکلتی اور وہ سردی کی پرواہ کیے بغیر دوڑ پڑتا۔ میں اسے آواز دیتا رہ جاتا کہ "آج سردی بہت ہے کل لے آنا۔"

"وہ میرا جملہ سنی ان سنی کرتا ہوا چلا جاتا اور مطلوبہ چیز لے کر گھر میں داخل ہوتا۔

ایک دن پھل کاٹتے ہوئے میری انگلی زخمی ہوگئی اور اس سے خون بہنے لگا۔ یہ دیکھ کر کاشف سخت بے چین ہوگیا۔ وہ میری انگلی کو پکڑ کر کھڑا ہوگیا۔ جب تک خون بہنا بند نہ ہوا اس نے انگلی کو مضبوطی سے دبائے رکھا۔ خون بند ہوجانے پر اس نے میری انگلی پر دوائی لگا کر پٹی کردی میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

میں نے کئی بار اسے کچھ رقم دینا چاہی لیکن اس نے رقم لینے سے انکار کردیا۔ بقول اس کے وہ میری خدمت پیسوں کے لالچ میں نہیں بلکہ اپنا باپ سمجھ کر کرتا ہے۔

میں نے کل اسے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ صبح جلدی آجائے کیونکہ وہ اگر دیر سے آیا تو پھر ہماری ملاقات نہ ہوسکے گی۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ آتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ مجھے انکار کیسے کرے۔ میں اس کی تکلیف کے احساس کو سمجھ رہا تھا وہ چھوٹا بچہ ہی تھا وہ کسی طرح یہ جدائی برداشت کرسکتا تھا کہ جسے وہ اپنا باپ تصور کررہا ہے۔ وہ اس سے مل کر پھر جدا ہوجائے گا۔ اس کا اصرار تھا کہ میں ابھی کچھ عرصہ اور یہاں ٹھہر جاؤں۔ کاروباری مجبوری ایسی تھی کہ میرا کراچی پہنچنا بہت ضروری ہوگیا تھا۔ یہاں سے جاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اس کی خدمات کے صلے میں کچھ رقم زبردستی اس کی جیب میں ٹھوس دوں گا۔ اس کے انکار پر میں کہوں گا کہ اگر تمہارا باپ تمہیں خرچے کو کچھ رقم دیتا تو کیا تم انکار کرتے۔ میری اس بات پر وہ ضرور خاموشی سے رقم اپنی جیب میں رکھ لے گا۔

خاصی دیر گزرنے پر بھی کاشف نہیں آیا تھا اور میں ہر گزرتے لمحے کو محسوس کررہا تھا۔

"وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ نہ جانے اسے آنے میں کتنی دیر لگ جائے۔ مجھے خود ہی اس کے چچا کے گھر جا کر کاشف سے مل لینا چاہیے۔" میں نے خود کلامی کی۔

میں بے اختیار کرسی سے اٹھا اور کاشف کے چچا فخر الدین کے گھر کی طرف چل دیا۔

میں ابھی فخر الدین کے گھر پہنچا بھی نہ تھا کہ ایک درخت کے پاس مجھے کاشف کھڑا نظر آیا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ کتنی بے فکری سے وہ اس جگہ کھڑا ہے جبکہ اسے میرے پاس آنے کی بالکل بھی فکر نہیں ہے۔

"کاشف۔" میں نے اس کو آواز دی۔ میری آواز پر وہ چونکا اور میری طرف بے بسی سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں حسرت تھی۔ اس کے چہرے پر چھائی اداسی دیکھ کر میرا دل بھی کٹ کر رہ گیا تھا۔ میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ میں اسے سینے سے لگا کر اس کا غم دور کردینا چاہتا تھا۔ میں جب درخت کے پاس گیا۔ وہاں کاشف کا نام و نشان نہ تھا۔ میں اس کی محبت میں اس قدر پاگل ہوگیا تھا۔ وہ وہاں موجود نہ تھا اور میں تصور میں اسے وہاں دیکھ کر لپک کر درخت کے پاس پہنچا تھا۔ میں اپنے سر کو جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

فخر الدین کے گھر کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میرے دستک دینے پر میری ہی عمر کا ایک شخص باہر آیا۔

"جی فرمایئے؟" اس نے مجھے حیرت سے دیکھا۔

"میں کاشف سے ملنے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا!!" وہ حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ حیران نہ ہوں۔ میں دو ماہ سے ادھر ایک گھر میں کرائے پر رہ رہا تھا۔ آج میں واپس کراچی جارہا ہوں۔ ان دو ماہ میں کاشف نے میری خدمت کی ہے۔ میری ضرورت کا بھرپور خیال رکھا ہے۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ اس سے ملے بغیر چلا جاؤں۔ حالاں کہ میں نے کل کاشف کو سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ جلدی آجائے۔" میں نے بتایا۔

"اندر آجائیں۔" اس نے راستہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

میں کمرے میں داخل ہوگیا۔ ایک کرسی پر بیٹھا کر وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ جب وہ دوبارہ آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی اور دوسرے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک خاتون بھی آگئی تھیں وہ بھی مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے ساتھ خاتون کو کیوں لے آیا ہے۔

"یہ تصویریں دیکھیں۔" اس نے کاشف کی تصویر میرے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے کہا۔

"یہ تصویر کاشف کی ہے۔ وہ دو ماہ تک میرے پاس آتا رہا ہے۔ پھر بھلا میں کیسے اسے نہیں پہچان سکتا۔" میں نے ان کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"کیا آپ کو پکا یقین ہے کہ یہی آپ کی خدمت کرنے آتا رہا ہے۔" اس بار خاتون نے کہا۔

"ہاں بھئی یہی آتا رہا ہے مجھے تم سے جھوٹ بول کر کیا ملے گا۔" میں نے کہا۔

"ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہہ رہے بلکہ اپنا شک دور کرنا چاہ رہے ہیں۔" فخر الدین نے کہا۔

"کیا شک!" میں نے حیرانی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"کاشف کو اپنے ابو انعام الٰہی سے بہت دلی لگاؤ تھا، جب انعام اور اس کی بیوی زینب کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوا تھا تو کئی دن تک کاشف کو اپنا ہوش نہیں رہا وہ سوتے جاگتے اپنے ابو کو پکارتا رہتا تھا۔ جب اس کے حواس درست ہوئے ہم نے اسے سمجھایا کہ اس کے والد کا انتقال ہوچکا ہے۔ وہ اب کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ ہمارے سمجھانے پر وہ سمجھ گیا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھار اس کو یہ دورہ پڑتا کہ اس کے ابو زندہ ہیں اور کسی پہاڑ پر اس کا انتظار کررہے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ پہاڑوں پر چڑھ جاتا اور پھر جب اس کے ابو نہ ملتے تو واپس لوٹ آتا تھا۔ دو سال قبل بھی اس پر ایسا ہی دورہ پڑا اور وہ ایک پہاڑ پر چڑھتا چلا گیا۔ وہاں موجود لوگوں نے اسے بہت روکا کہ وہ اس پہاڑ پر نہ چڑھے مگر اس نے کسی کی نہ سنی پھر ایسا ہوا کہ ایک پہاڑ پر سے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے گرتا ہوا آیا اور پھر ایک پتھر سے اس کا سر بری طرح ٹکرایا اور وہ انتقال کرگیا۔" فخر الدین نے بتایا۔

"کیا!!" اس وقت حیرت سے میں چونکا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اگر وہ مرگیا تھا تو پھر میرے پاس وہ کیسے آتا رہا تھا۔ میری اس نے خدمت کس طرح کی۔ وہ مجھے حیرت زدہ دیکھ کر دونوں میاں بیوی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا پھر فخر الدین نے مجھے ایک اور حیرت کا جھٹکا لگانے کو اخبار میرے سامنے کردیا۔

اخبار میں کاشف کی کفن میں لپٹی تصویر چھپی تھی اور خبر بھی لگی تھی جس کے مطابق کاشف کی موت پہاڑ سے گرنے کے سبب ہوئی ہے۔ اخبار کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے فخر الدین کی بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ کاشف کی موت دو سال قبل ہوئی تھی۔

میں راولپنڈی جانے والی وین میں بیٹھا کاشف کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ سب کیا تھا کاشف اگر دو سال قبل مرچکا تھا تو پھر وہ میرے پاس دو ماہ تک کیسے آتا رہا۔ اس بات کی تصدیق فخر الدین نے کردی تھی کہ واقعی میری شکل کاشف کے والد میں ملتی ہے۔ کیا کاشف کی بے چین اور سرگرداں روح اب بھی اپنے باپ سے ملنے کو مری میں گھومتی پھرتی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا معمہ ہے جسے انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔

سنہری تابوت

ایم اے راحت

قسط نمبر:20

خراماں خراماں اور سبک رفتاری سے دل و دماغ کو خوف کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی صدیوں پر محیط اپنی نوعیت کی اچھوتی انوکھی دلکش دلفریب ایک طویل عرصہ تک دماغ سے محو نہ ہونے والی حقیقت سے قریب تر، سوچ کے افق پر جھلمل کرتی ناقابل فراموش کہانی۔

شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے اچنبھے میں ڈالتی حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

"آنو نشاد انش نیچے اتر آؤ یہ ریگزار تماسرا ہے اور یہ اہرام بھی تماسرا ہی کے نام سے مشہور ہے۔ قلوپطرہ کی سرزمین پر اس کی فطرت کی بے شمار خواتین جنم لیتی رہی ہیں۔ کچھ کے نام تاریخ میں بھی محفوظ ہیں۔ شاید ہر دور میں یہاں ایک قلوپطرہ ثانی ضرور رہی ہے۔ خاتون زبونا کو تم اس دور کی قلوپطرہ کہہ سکتی ہو۔ اس نوادر خانے میں وہ عتاب زدہ افراد موجود ہیں جن سے کسی نہ کسی طرح خاتون زبونا کی مخاصمت رہی ہے۔ خاتون زبونا نے ان کی تاریخ یہاں دفن کردی ہے۔ شاید تمہیں اس بات پر یقین نہ آئے کہ امیر غیری کی اصلی لاش بھی ایک تابوت میں یہاں پہنچ چکی ہے۔"

یہ وہ گفتگو تھی جس کا تذکرہ سرسری طور پر اس وقت بھی کیا گیا تھا جب مجھے ریگزار تماسرا سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے واپس لایا جارہا تھا۔ یہ گفتگو بڑی نفاست سے ریکارڈ کی گئی تھی اور اس میں ہواؤں کی آوازیں بھی شامل تھیں لیکن احسان کی آواز ہزاروں میں شناخت کی جاسکتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ کیسٹ بھی ختم ہوگیا اور اس کے بعد ایک بھاری آواز مائیک پر ابھری۔

"خاتون زبونا کیا آپ اب بھی اس بات سے انکار کریں گی کہ کیسٹ میں سنائی دینے والی آواز آپ کی نہیں ہے۔ کیا آپ اس بات سے انکار کریں گی۔ خاتون زبونا کہ آپ نے اپنے بھتیجے امیر غیری کو قتل نہیں کیا۔ احسان کیا تم اس آواز کو اپنی آواز نہیں کہو گے جو ٹیپ ریکارڈر پر سنائی گئی ہے۔ اور خاتون زبونا کیا آپ اس بات کا اعتراف نہیں کریں گی کہ اہرام تماسرا میں ایک تابوت میں دفن لاش دراصل امیر غیری کی ہے اور دوسری لاش جو اس تمام لوازمات کے ساتھ وہیں پر پائی گئی ہے وہ خاتون ظہورہ کی تھی اور اس وقت اس لڑکی کا سرزمین مصر پر کوئی وجود نہیں تھا۔ جب خاتون ظہورہ کو قتل کیا گیا۔ خاتون زبونا آپ براہ کرم جواب دیجئے۔ کیا آپ ان آوازوں کی صحت سے انکار کرتی ہیں؟"

خاتون زبونا نے گردن اٹھائی اور اپنے دونوں بیٹوں کی جانب دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"یہ جرم میں نے کیا ہے اور اس سے پہلے بھی میں نے اپنے مخالفوں کو موت کے گھاٹ اتارتی رہی ہوں۔ میرا دست راست احسان رہا ہے۔ لیکن وہ صرف حکم کا غلام ہے۔ اس کا اپنا ان معاملات میں کوئی دخل نہیں ہے نہ ہی میرے بیٹے ان جرائم میں میرے ساتھ ملوث ہیں۔ جو کچھ کرتی رہی ہوں میں ہی کرتی رہی ہوں اس کا اعتراف کرتی ہوں۔"
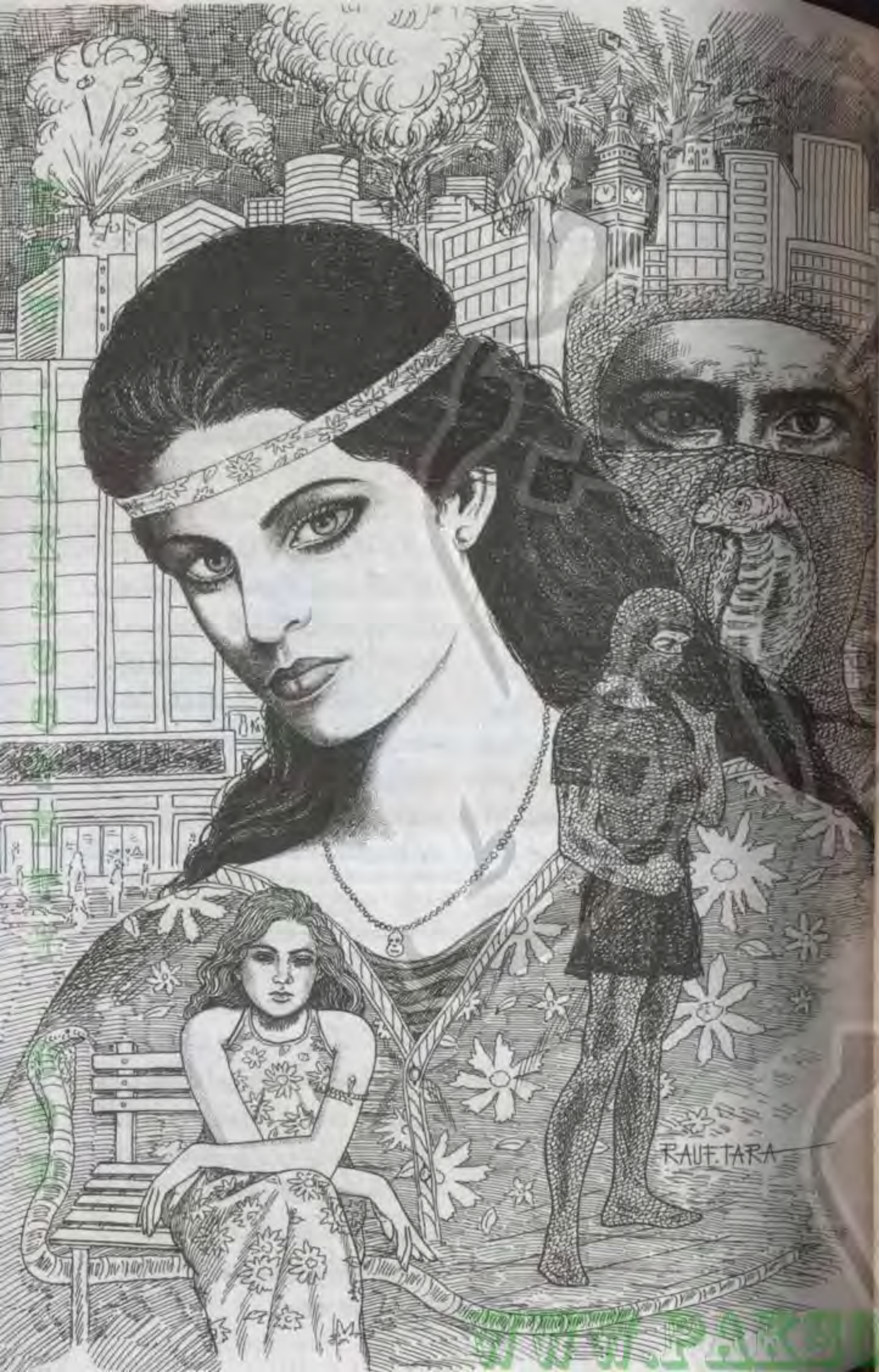
”خاتون زبونا خاموش ہوگئی۔ اور ہال میں چاروں طرف مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ لوگ ایک دوسرے سے گفتگو کررہے تھے اور ہم لوگ ساکت بیٹھے انہیں دیکھ رہے تھے۔ تب اس آواز نے کہا۔

”خاتون زبونا کو فیصل امیری، عشان امیری، احسان اور پولیس انسپکٹر کو امیر غیری، خاتون ظہورہ اور ان تمام نامعلوم افراد کے قتل کے سلسلے میں گرفتار کیا جائے۔ غیر ملکی لڑکی نشا دانش اور اس کے ساتھی عسکری کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ مزید ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ان کے ملک کے سفارت خانے کے سپرد کردیا جائے ہم معذرت کے ساتھ انہیں اس زحمت کا ہر وہ تاوان ادا کرنے کے لئے تیار ہیں جو وہ طلب کریں۔“

میرے سفارت خانے کے لوگ کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے فوجی حکام کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے پورے خلوص سے تعاون کرکے دو بے گناہ افراد کو مشکل سے نکالا تھا۔ مجھے اور عسکری کو سفارت خانے کی کار میں بیٹھا کر سفارت خانے لایا گیا۔ جاوید عالی ہمارے میزبان تھے۔ ہمیں سفارت خانے کی عمارت میں نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ چنانچہ ہمارے لئے قاہرہ کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں بندوبست کیا گیا۔ رات کا کھانا ہم نے محترم سفیر کی رہائش گاہ پر کھایا تھا۔ اس کے بعد ہمیں ہمارے ہوٹل کے قیام کے بارے میں بتایا گیا۔ میں نے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”مصر کی دولت مند عورت کے ہزاروں وفادار موجود ہوں گے۔ ہمیں ان سے خطرہ ہوسکتا ہے۔“

”اس کا تصور بھی نہ کریں خاتون۔ ہم ہزار آنکھوں سے آپ کی نگرانی کریں گے۔ بس ضروری کارروائی کے لئے آپ کو بہت مختصر وقت یہاں گزارنا ہوگا۔ شاید آپ کو ایک آدھ بار عدالت میں پیش ہونا پڑے۔ آپ کے کاغذات از سرنو تیار کرنے ہوں گے۔ بس یہ چند کام ہیں جن کے لئے آپ کو کچھ وقت یہاں گزارنا ہوگا۔ اس کے بعد ہم آپ کو خداحافظ کہیں گے۔“

فائیو اسٹار ہوٹل میں میرا اور عسکری کا کمرہ برابر برابر تھا۔ ضروری امور سے فراغت کے بعد عسکری میرے کمرے میں آگیا۔ رات کے کوئی پونے بارہ بجے تھے۔ وہ مسکرا کر بولا۔

”میں جانتا تھا کہ آپ جاگ رہی ہوں گی۔ خوف تو نہیں محسوس ہورہا!“

”نہیں لیکن متجسس ہوں۔“

”میں جانتا ہوں، لیکن میرا خیال ہے ہم وطن واپس پہنچ جائیں گے۔ یہ چند ہی روز سوچ فکر کے ہیں۔ کیا خیال ہے کل سے قاہرہ کی سیر کی جائے......!“

ابھی میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ہم دونوں ساکت رہ گئے۔ اس وقت ہمیں کون فون کرسکتا ہے اور پھر یہاں ہوٹل میں۔ عسکری بھی متجسس تھا۔ گھنٹی بج رہی تھی۔

عسکری نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا اور میں کھڑی ہوگئی۔ نہ جانے کیوں یہ فون پراسرار لگ رہا تھا۔ میں نے ریسیور کان سے لگالیا تھا۔ حلق سے آواز نہیں نکل پارہی تھی۔ دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

”مطمئن رہو، تمہارے تمام خدشات بے بنیاد ہیں۔ آرام کی نیند سوجانا......!“ آواز نسوانی تھی۔ لیکن بالکل اجنبی۔ اچانک ریسیور میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ایک دم مجھے ایک احساس ہوا تھا۔ جن الفاظ میں مجھے پرسکون رہنے کی تلقین کی گئی تھی وہ عبرانی زبان میں ادا کئے گئے تھے۔

عسکری اچھل کر کھڑا ہوگیا، وہ تیر کی طرح میرے نزدیک پہنچا اور اس نے نیچے گرا ہوا ریسیور اٹھالیا اور اسے کان سے لگا کر دو تین بار ”ہیلو ہیلو“ کہا لیکن شاید دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور پریشان نظروں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

”کون تھا؟“

اس دوران میں سنبھل چکی تھی۔ میں صرف حیرت کا شکار ہوئی تھی۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

”ایک نسوانی آواز تھی جسے میں بالکل نہیں

پہچانتی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں پرسکون رہوں، میرے خدشات بے بنیاد ہیں۔ میں آرام سے سوجاؤں۔“

”تم پریشان کیوں ہوگئیں؟“

”اس نے یہ الفاظ عبرانی زبان میں کہے تھے اور میں نے اسے بخوبی سمجھا تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ یہ زبان میں کیسے سیکھ گئی۔ میں اسے آسانی سے بول بھی سکتی ہوں۔ کیسے آخر کیسے؟ میرا تو اس سے دور کا واسطہ بھی نہیں رہا ہے۔“

”ہاں حیرانی کی بات ہے، آؤ بیٹھو۔ پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔“

میں عسکری کے ساتھ واپس اپنی جگہ آبیٹھی۔ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر میں نے مسکرا کر عسکری سے کہا۔

”عسکری تم مجھ پر حیران نہیں ہوتے کبھی۔ مجھے بتاؤ کیا میں عام انسانوں سے کچھ مختلف ہوں۔ کوئی فرق لگتا ہے مجھ میں اور عام لڑکیوں میں تمہیں۔“

”ہاں لگتا تو ہے۔“ عسکری بھی مسکرا کر بولا۔

”کیا! مجھے بتاؤ؟“

”تم عام لڑکی نہیں ہو۔“

”پلیز عسکری، اپنے نظریات سے ہٹ کر بتاؤ، کیا میں زمانہ قدیم کی کوئی روح ہوں۔ تمہیں سچ بتاؤں میں نے زندگی کا بہت بڑا حصہ چند لوگوں کے درمیان گزارا، وہ سب میرے خادم تھے۔ جس عورت کو میں ماں کا درجہ دیتی تھی ایک رات مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میری ماں نہیں۔ ان کے جذبے کرائے کے جذبے ہیں۔ ان کے دل میں وہ تڑپ نہیں ہے میرے لئے جو ماں کے دل میں اولاد کے لئے ہوتی ہے۔ شاید اسی وقت میرے دل میں ماں اور باپ کا تصور پیدا ہوا تھا۔ اس سے پہلے میں اس کو ماں کا درجہ دیتی تھی۔ باپ کی حیثیت اس بے جان تصویر کو حاصل تھی اور بس۔ اس دن سے مجھے کچھ اپنوں کی جستجو ہوئی۔ اس کے بعد میں کسی اپنے کی تلاش میں بھٹکتی رہی۔ میں نے بڑی احمقانہ کوششیں کیں اس کے لئے لیکن تمہیں حیرت ہوگی لوگ مجھ سے ڈرتے تھے۔ آج میں محسوس کرتی ہوں کہ ان کے اندر میری طرف سے خوف بیدار ہوجاتا تھا۔ عسکری تم اور مشل دو افراد تھے جو مجھ سے خوفزدہ نہیں ہوئے اور پھر تم نے مجھے محبت کے جذبے سے روشناس کرایا۔ میری پیار کی پیاس نے مجھے شدت پسند بنادیا ہے۔ مجھے جب یہ علم ہوا کہ مشل تمہاری بہن نہیں منگیتر ہے تو میں دیوانی ہوگئی۔ تم بھی میرے نہیں کسی اور کے ہو، تم نے مجھے فریب دیا ہے، وہاں اس تشنگی نے میرے جنون کو ہوا دی اور میں تم سے دور ہوگئی، عسکری میں پریشان ہوگئی ہوں۔ میں کیا کروں۔ میں خود کو عام لڑکیوں سے مختلف نہیں پاتی۔ نہ میں مختلف ہونا پسند کرتی ہوں۔ مجھے بتاؤ...... میں کیا کروں......؟“

عسکری نے گردن جھکالی تھی۔ جب اس کی خاموشی کو بہت دیر گزر گئی تو میں نے اس سے کہا۔

”کچھ بولو گے نہیں۔“

”بولنا چاہتا ہوں نشا مگر ہمت نہیں پڑرہی۔“

”بولو...... خدا کے لئے کچھ تو بولو۔“

”نشا میں اب صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔ جو بیت گیا اسے بھول جاؤ۔ مجھ سے شادی کرلو۔ جو گزرے گی ہم دونوں پر گزرے گی۔ ہوسکتا ہے یہ تبدیلی تمہاری زندگی پر اثر انداز ہو۔ میں بے غرض انسان ہوں، میں تمہیں تمہاری ذات میں زندہ رکھوں گا۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا۔ اگر اس عمل سے تمہیں سکون مل جائے تو میں ساری زندگی اسی طرح گزاروں گا۔ اپنی آسودگی کبھی چاہوں تو اسی لمحے مجھ پر لعنت بھیج دینا۔ میں صرف تمہارے لئے پرسکون زندگی چاہتا ہوں۔ مجھے اس کا بالکل خوف نہیں کہ تم میری اس تجویز پر ناراض ہوجاؤ گی۔ میرے دل میں تمہارے لئے جو سچے جذبے ہیں وہ کبھی نہیں مریں گے۔ تمہاری وجہ سے میں ہر مشکل کو قبول کرلوں گا۔ یہ کہنا چاہتا تھا میں۔“

میں غور کرنے لگی۔ اب مجھے اس کی سچائی پر یقین آگیا تھا۔ لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میرا مستقبل

نجانے کیا ہو، آثار بہتر نہیں تھے۔ وہ مشل کا پیار تھا میں بلی کا کردار نہیں ادا کرنا چاہتی تھی کھا نہ سکوں تو لڑھکا دوں۔ مگر اس وقت اس کی اس جذباتی پیش کش کو بے رحمی سے ٹھکرانا جائز نہیں تھا۔ میں نے بہت غور کرکے کہا۔

"زندگی جس طرح گزری ہے عسکری اب تمہیں سب کچھ معلوم ہے شادی ایک خوشگوار تصور ہے۔ یہ تصور بھی مصلحت کے بوجھ تلے آجائے، کیا یہ مناسب ہے۔ مجھ سے میری یہ آخری خوشی بھی چھن جائے...... کیا یہ اچھا ہوگا۔"

"نہیں۔" اس نے کہا۔

"تب کچھ اور سوچو تمہارے جذبوں سے اب مجھے انحراف نہیں ہے۔ تم بہت اچھے انسان ہو، مگر مجھے اپنی حد تک پہنچ جانے دو، چاروں طرف سے یہی اشارے ہو رہے ہیں کہ مجھے اپنی حد تک جانا ہے۔ خوفزدہ ہوں مگر کیا کرسکتی ہوں۔"

"او کے کوئی بات نہیں، یہ صرف تمہاری بہتری کے لئے ایک تجویز تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"اب سو جاؤ مجھے بھی یقین ہے کہ حالات کچھ بھی ہوں تم محفوظ ہو۔ اچھا شب بخیر۔"

وہ مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا۔ اور میں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ دوسری صبح خوب دیر سے جاگی تھی۔ دن کو دس بجے جاوید عالی ملاقات کرنے کے لئے، مجھ سے خیریت وغیرہ پوچھی اور بے فکر رہنے کی ہدایت کرکے چلے گئے۔ شاید پوری نیند سوئی تھی اس لئے طبیعت پر کوئی کوفت نہیں تھی۔ عسکری بھی بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔ کہنے لگا۔

"کیا خیال ہے قاہرہ کی سیر کی جائے۔ خود کو قیدی سمجھنے سے کیا فائدہ۔"

"ٹھیک ہے...... چلتے ہیں۔" میں نے بھی جولانی سے کہا۔ پھر میں تیار ہوگئی اس کے بعد ہم باہر آگئے۔ ٹیکسی لے کر ہم قاہرہ کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے لگے۔ قدیم قاہرہ دیکھا۔ عام زندگی سے ہٹ کر زندگی تھی یہاں کی۔ دوپہر کا کھانا ایک ہوٹل میں کھایا۔ شام کو ابوالہول ایونیو کی سیر کی۔ پھر دریائے نیل میں بنے قاہرہ ٹاور پہنچے۔ دل خوشیوں سے منور تھا۔ میں نے کسی دوسرے احساس کو دل میں نہ آنے دیا تھا۔ وہ دن یاد آگئے تھے۔ جب عسکری نیا نیا ملا تھا۔ میں نے اسے دل میں بسا لیا تھا اور ہم پورے شہر میں آوارہ گردی کرتے پھرتے تھے۔ بالکل ویسی ہی خوشی اس وقت دل میں تھی۔ عسکری بھی مسرور نظر آتا تھا پھر ہوٹل واپسی کی ٹھہری اور ہم ہوٹل چل پڑے۔ ہوٹل آکر میں نے کہا۔

"تم لباس تبدیل کر آؤ عسکری میں بھی تیار ہو جاتی ہوں اس کے بعد ہم ایکریشن ہال چلتے ہیں۔"

"کتنی دیر میں آجاؤں؟"

"بس آدھے گھنٹے میں۔"

"تھکی تو نہیں ہو؟"

"ٹھیک گئی ہوں مگر اور تھکنا چاہتی ہوں۔"

"او کے بس آدھے گھنٹے میں آتا ہوں۔" وہ چلا گیا۔

میں لباس نکال کر غسل خانے میں داخل ہوگئی۔ کتنا پرلطف دن گزرا ہے۔ کتنی خوش ہوں میں۔ یہی تو چاہتی ہوں۔ یہی تو زندگی ہے۔ یہ زندگی مجھ سے کیوں چھین لی گئی ہے کیوں میں کچھ نادیدہ ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گئی ہوں اتنی مغلوب کیوں ہوگئی ہوں میں ان حالات سے۔ کیا طریقہ ہے ان حالات کے گرداب سے نکلنے کا۔ میں خود کچھ نہیں کرسکتی۔ کیا میں خود ان قوتوں کو شکست نہیں دے سکتی۔ کیا طریقہ اختیار کروں۔ اچانک ہی ذہن میں عسکری کے الفاظ گونجے۔

"مجھ سے شادی کرلو، اپنے آپ کو پرسکون محسوس کروگی۔"

میں چونک پڑی۔ عسکری ایک مضبوط توانا نوجوان، ہنس مکھ، خوش مزاج، آج دن بھر وہ کتنا خوش رہا ہے، کیسے لطیفے سناتا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے سناتا تھا۔ کتنا اچھا ساتھی ہے وہ۔ اس کے تمام راستے مجھ تک آتے ہیں صرف مجھ تک۔ مشل اب اسے حاصل نہیں کرسکتی۔ میں کون ہوتی ہوں اسے مشل کو اپنانے کے لئے مجبور کرنے والی۔ وہ اپنی زندگی کا مالک ہے۔ جب میں اسے مشل کو اپنانے پر مجبور نہیں کرسکتی تو پھر خود کیوں نہ اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔ اس سے زیادہ ہمدرد مجھے اور کون ملے گا۔ ہر طرح سے ایک مکمل انسان ہے وہ کچھ ایسا دماغ کو چڑھا یہ خیال کہ میں اسی میں کھو گئی۔ اپنے لئے بہت سی تاویلیں گھڑ لی تھیں میں نے۔ جو کچھ مجھ سے منسوب کیا گیا ہے۔ وہ میرے لئے ناقابل قبول ہے۔ مجھ پر ایک عذاب مسلط کردیا گیا ہے اور میں اسے محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے اس سے انحراف کرنا چاہیے، جس طرح بھی ممکن ہو۔ شاید عسکری نے باہر سے دستک دی تھی۔ تب میں چونکی، لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آئی۔

"میں ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد آگیا تھا۔"

"مجھے کتنی دیر ہوگئی؟"

"کوئی پچاس منٹ۔"

"تم بیس منٹ سے انتظار کر رہے ہو۔"

"پورے بیس منٹ گزر گئے۔" اس نے گھڑی دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگی۔ پھر مجھے کوئی اور خیال آگیا تھا مگر اس خیال کو میں زبان سے نہ ادا کرسکی۔

ہم دونوں ایکریشن ہال میں آگئے۔ دنیا یہ بھی ہے ہر طرف خوش و خرم لوگ بھرے ہوئے تھے۔ مقامی یورپ اور دوسرے ممالک کے باشندے آرکسٹرا موسیقی بکھیر رہا تھا۔ نیم دائرے کی شکل میں بنے ہوئے اسٹیج پر ایک رقاصہ تھرک رہی تھی۔ ہماری میز اس اسٹیج کے قریب تھی۔ میں کچھ نروس سی ہوگئی۔ عسکری نے اسے محسوس کرکے کہا۔

"خیریت......؟"

"یہ سب کچھ میرے لئے عجیب سا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن فکر نہ کرو میں جو ہوں۔"

اس نے یہ جملے اس قدر اپنائیت سے کہے تھے کہ میں جذباتی سی ہوگئی۔ میں نے نگاہ بھر کر اسے دیکھا۔ اسی وقت ویٹر نے مینو لاکر رکھ دیا۔ عسکری نے اسے کسی مشروب کا حکم دے دیا تھا۔

"آج کا دن کچھ عجیب سا نہیں گزرا۔"

"کس لحاظ سے؟" عسکری نے سوال کیا۔

"شاید تمہیں احساس نہ ہوا ہو لیکن میں بڑی الجھی الجھی سی رہی ہوں۔"

"واقعی مجھے محسوس نہیں ہوا لیکن اب بھی تم الجھی ہوئی ہو نشا، اتنی ساری باتیں ہونے کے باوجود......"

"بعض باتوں کے بارے میں فیصلے کر رہی تھی۔ بدقسمتی یہ ہے کہ مجھے ساری باتوں کے خود ہی فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ کوئی ایسی شخصیت نہیں رہی میری زندگی میں جس نے حتمی طور پر مجھ سے یہ کہا ہو کہ نہیں نشا تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ اس کام کو اس انداز میں کر ڈالو اور میں اس شخصیت کو اتنا ہی معتبر سمجھتی رہی ہوں کہ پھر اس کے بعد مجھے اپنا خیال ترک کردینا پڑا ہو۔ یقین کرو عسکری میں اس سے محروم رہی ہوں۔"

"تم مجھے اس قابل کیوں نہیں سمجھ لیتیں نشا، میں اتنا برا انسان تو نہیں ہوں۔"

"نہیں بھئی یہ بات نہیں ہے اگر فیصلہ خود تمہارے بارے میں کرنا ہو تو...... کیا تم سے ہی مشورہ کروں۔"

"کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" عسکری شوخی سے بولا اور میں اس کی بات پر مسکرا پڑی۔ میں نے اس سے کہا۔

"اب تم نے مجھ سے ایک بات کہی تھی بڑے جذباتی انداز میں۔ وہ یہ کہ میں تم سے شادی کرنا چاہوں تو کیا یہ مشورہ مناسب ہوگا......؟"

"عسکری ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔ چند لمحات دیکھتا رہا پھر بولا۔

"نشا اس بارے میں تم نے جو کچھ کہا ہے سچ کہہ رہا ہوں دل سے تو نہیں مانا میں نے اسے، تم کہتی ہو کہ زندگی کی اس سچی خوشی میں اگر کوئی تکلیف وہ خیال قائم

رہے تو وہ خوشی صحیح طور پر حاصل نہیں کی جا سکتی، میری تجویز اس سے ذرا مختلف تھی نشا، میں اس حصار کو توڑنا چاہتا تھا۔ جو نادیدہ قوتوں نے تمہارے گرد قائم کرلیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ پھر اگر تم اپنی مرضی سے کوئی کام کرلیتی ہو تو وہ تمہیں نقصان کیسے پہنچا سکیں گے۔ یہ ایک تجربہ بھی ہوتا، ایک انحراف بھی یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ تم مجبور ہو کر تو ان کی بات مان سکتی ہو اپنی خوشی سے نہیں۔"

"اب اگر میں تم سے اس بارے میں مشورہ مانگوں تو......؟"

"نشا، تمہارے جواب پر میں خاموش ہوگیا تھا۔ کیونکہ بات مجھ سے متعلق تھی لیکن تم سے متعلق نہیں تھی۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ اپنے محافظ کے طور پر تم مجھے مستحکم کردو......"

"شوہر کو محافظ کا نام دینا کچھ عجیب نہیں لگتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"لگتا تو ہے...... مگر حالات بھی ایسے ہیں۔ پہلے ایک محافظ کی خدمات سرانجام دی جائیں۔ اس کے بعد اگر تقدیر ساتھ دے تو شوہر کی حیثیت سے بھی قبولیت مل جائے۔"

"عسکری مجھے مشل کا خیال آتا ہے۔"

"نشا ہر شخص اپنی زندگی کے سہارے تلاش کرلیتا ہے۔ مشل نہیں جانتی ہے میں تم سے محبت کرتا ہوں تم مجھ سے منحرف ہو، مگر یقین کرو میں نے خودکشی کرنے کے بارے میں کبھی بھی نہیں سوچا اور نہ میں خودکشی کروں گا۔ مشل بھی اپنا مستقبل تلاش کرلے گی۔"

"ہوں۔ یہ شادی ہمیں کہاں کرنی ہوگی؟"

"یہیں مصر میں، قاہرہ میں جلد سے جلد......" وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

"کب تک؟"

"نشا مذاق کررہی ہو کیوں مجھے خواب دکھا رہی ہو، کوئی تبدیلی پیدا کی ہے تم نے اپنی سوچوں میں۔"

"ہاں عسکری...... میری دماغی حالت بہتر نہیں ہے۔ تم کچھ کرو عسکری جو کرسکتے ہو کرو...... میں یہ جوا کھیلنا چاہتی ہوں۔ میں ان دیوانہ کردینے والے حالات سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتی ہوں، عسکری جو کچھ مجھ پر مسلط ہے وہ مجھے ذرہ برابر پسند نہیں ہے۔ میں اس کے لئے تجسس بھی نہیں رکھتی۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ مجھے نجات حاصل ہوجائے۔ بڑی تکلیف محسوس کرتی ہوں میں۔ میں چاہتی ہوں جس طرح بھی بن پڑے میرے گلوخلاصی ہوجائے، تم خود سوچو ایک جیتی جاگتی دنیا کا انسان کیسے صدیوں پہلے کے ماضی کو اپنا سکتا ہے، بات ہی سمجھ نہیں آتی کوئی سمجھاتا بھی نہیں ہے مجھے۔ ایک تو سہارا ہو میری زندگی کے لئے کسی ایک کے حوالے اپنے آپ کو سونپ کر میں کچھ تو سکون پاؤں عسکری، جو چاہتے ہو کرو، میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن خدا کے لئے یہ سب کچھ کرنے کے بعد اپنی انتہائی کوششیں اس بات پر صرف کردو کہ ہم لوگ یہاں سے نکل جائیں میں بس اپنی دنیا میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ پلیز عسکری پلیز!"

ویٹر نے ہمارا طلب کردہ مشروب لاکر رکھا تو چند لمحات کے لئے خاموشی طاری ہوگئی، اچانک ہی آرکسٹرا کی آوازیں تیز ہونے لگیں، وہ ایک طوفانی دھن بجانے لگا تھا۔ ساتھ ہی اسٹیج پر روشنیوں کے جھماکے ہونے لگے۔ رنگین روشنیوں کی لکیریں پورے ہال میں بکھر گئیں۔ غیر اختیاری طور پر ہمیں بھی اس جانب متوجہ ہونا پڑا۔ پھر ایک رقاصہ اسٹیج پر نمودار ہوئی اور انتہائی ہیجان خیز رقص پیش کرنے لگی۔ وہ روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی۔ اور اس کا رقص ایسا سیمابی تھا کہ میں اس کے جسم کے کسی حصے پر نگاہ نہیں ٹکا پا رہی تھی۔ کچھ ایسا ہی مسحور کن رقص تھا وہ کہ سب ہی اسے دیکھنے پر مجبور ہوگئے۔ میں اور عسکری خاموشی سے اسی سمت متوجہ ہوگئے تھے اس دوران عسکری کو بھی سوچنے کا موقع مل گیا تھا۔ رقص کوئی بارہ تیرہ منٹ تک مسلسل اسی انداز میں جاری رہا اور اس کے بعد اچانک ہی سازوں کے طوفانی جھٹکوں کے ساتھ سکوت چھا گیا۔ رنگین روشنیاں ختم

ہوگئیں، رقاصہ نے دونوں ہاتھوں میں سر چھپا کر پورا بدن جھکا دیا اور اس کے بعد سیدھی کھڑی ہوگئی، لیکن اسے دیکھ کر میرے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

میری یادداشت اب اتنی کمزوری بھی نہیں تھی کہ میں اس چہرے کو اس سنہری بدن کو اور ان سنہرے بالوں کو ناشناس قرار دے دیتی۔ حالانکہ ایک نگاہ دیکھا تھا اسے لیکن دل میں اتری ہوئی تھی وہ، سونے کے بدن والی سنہری رقاصہ وہی لڑکی تھی جسے میں نے اس وقت سیڑھیوں پر دیکھا تھا۔ جب شیزانہ اوشیانوس میرے کمرے سے رینگتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور میں اس کے تعاقب میں دوڑی تھی......

سیڑھیوں کے قریب کھڑے ہوکر اس نے مجھے جن نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ نگاہیں مجھے اب بھی یاد تھیں اور اس کے بعد میں سیڑھیوں پر گر پڑی تھی۔ یہ وہی چہرہ تھا۔ یہ وہی سنہرا بدن تھا۔

اچانک رقاصہ نے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تیکھی چمک تھی اور ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ اور پھر وہ اسٹیج سے اتر کر ہماری میز کی طرف بڑھی اس کی آنکھیں بدستور مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ میرے مسامات نم ہونے لگے۔ اس دوران عسکری میرے لئے گلاس میں مشروب انڈیل چکا تھا۔ میرا گلاس میرے سامنے رکھا ہوا تھا۔ رقاصہ ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے میرے سامنے رکھا گلاس اٹھایا اور اسے ایک ہی سانس میں خالی کرکے واپس رکھ دیا۔ پھر اس کی کھنک دار ہنسی ابھری اور وہ کھڑی ہوگئی، معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ اٹھلاتی ہوئی چال چلتی وہ واپس مڑی اور اسٹیج کے پردے کے پیچھے چلی گئی۔

"یہ رقاصائیں ایسی حرکتیں عموماً کرتی ہیں، میں دوسرا گلاس منگواتا ہوں، لو تم یہ گلاس لو۔"

"عسکری......" میں نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں نشا، یقین کرو یہ کوئی خاص بات نہیں ہے، ہر چیز سے متاثر نہ ہوا کرو، ذہنی مریض بن جاؤگی۔ میں تمہیں نروس محسوس کررہا ہوں۔" عسکری نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔

"عسکری میں اسے پہچانتی ہوں۔"

"اس رقاصہ کو......؟"

"ہاں۔"

"کیسے؟ کون ہے یہ......؟"

"وہی لڑکی سو فیصد وہی......" میں نے عسکری کو شیزانہ اوشیانوس کا واقعہ سنایا اور وہ بھی کچھ دیر کے لئے گنگ ہوگیا پھر بولا۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اس نے ہماری طرف ہی رخ کیوں کیا اور بھی میزیں درمیان میں تھیں۔" میری آواز سسکی کی طرح ابھری۔ عسکری سوچ میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"کچھ بھی ہوجائے نشا، جب تم اس طلسم کو توڑنے پر تل گئی ہو تو اپنا ارادہ نہ بدلو، کچھ بھی ہوجائے میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

میں نے عسکری کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے اعصاب ایک بار پھر کشیدہ ہوگئے تھے۔ دن بھر جو سرور وانبساط طاری رہا تھا وہ یکسر مفقود ہوگیا تھا۔ ایک دم اضمحلال طاری ہوگیا تھا۔ عسکری نے دوسرا گلاس منگوایا میں نے مشروب بھی پیا لیکن پھر حالت بہتر نہ ہوسکی میں نے عاجزی سے کہا۔

"اٹھو عسکری پلیز اٹھو۔"

"اوکے...... چلو......"

اس نے جواب دیا اور ہم دونوں اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ عسکری نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں آرام کرنا چاہتی ہوں اور میں نے اثبات میں گردن ہلادی۔ جاتے ہوئے وہ بولا۔

"میرا کمرہ تم سے دور نہیں ہے۔ اگر ذرا بھی ذہنی گھٹن محسوس کرو تو میرے پاس آجانا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا اور اپنے کمرے میں داخل ہوگئی۔ لباس تبدیل کیا اور بستر پر گر پڑی، خوشی کے جو لمحات حاصل ہوئے تھے وہ اداسیوں میں ڈوب گئے۔

دوسری صبح عسکری مجھے باہر سے آوازیں لگا رہا تھا اس کی آواز سے آنکھ کھلی، میں بستر سے کود کر باہر آئی اور دروازہ کھول دیا پھر بے اختیار پوچھا۔

"خیریت عسکری!"

"تم ٹھیک ہونا؟"

"ہاں ٹھیک ہوں۔ اندر آجاؤ، کیا وقت ہوا ہے؟"

"سات بجے ہیں، سوری نشانہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوتا رہا، جیسے تم پریشان ہو۔"

"اپنی حالت دیکھو۔ رات بھر نہیں سوئے شاید۔"

"ایسا ہی ہے۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

"کوئی خاص بات ہے...... بیٹھو......" میں نے کہا اور وہ بیٹھ گیا۔

"بہت بار دستک دی تم شاید بے خبر سو رہی تھیں۔ میں گھبرا گیا تھا۔ جس طرح بھی بن پڑے ہمیں آج یہیں نکاح کرلینا چاہیے۔ تم بھروسہ رکھو۔ میں اپنا قول نبھاؤں گا، تمہارا احترام کروں گا۔ پورا پورا۔ ہم کمرہ بدل لیں گے۔ ڈبل روم حاصل کرلیں گے تاکہ ساتھ رہیں۔ نشا تم نے اپنا ارادہ تو نہیں بدلا۔"

"تم بہت پریشان محسوس ہو رہے ہو عسکری۔ بات کیا ہے مجھے نہیں بتاؤ گے۔" میں نے کہا۔ اور اس نے گردن جھکالی وہ اونچی...... اونچی سانسیں لے رہا تھا۔ پھر اس نے منہ اوپر کرکے چھت کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہماری راہ میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں نشا! میں نے تمہیں بتایا تھا کہ روشاق نادیدہ شکل میں موجود ہے اور اس نے ان معاملات میں میری رہنمائی کی تھی جنہوں نے تمہاری گلوخلاصی کرائی۔ رات کو بھی وہ میرے کمرے میں موجود تھا۔"

"روشاق؟" میرے منہ سے چیختی ہوئی سی آواز نکلی۔

"ہاں...... نادیدہ شکل میں اس نے مجھے مخاطب کیا اور پھر انتہائی سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے اس نے مجھے سرزنش کی جو کچھ میں کرنے جا رہا ہوں وہ میرے حق میں بہتر نہیں ہے۔ مجھے اس کے شدید نقصانات برداشت کرنا پڑیں گے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ میرے دل کا معاملہ ہے تو اس نے وہی پریشان کن باتیں کہیں جو نہ میری سمجھ میں آتی ہیں اور نہ تمہاری سمجھ میں آتی ہیں۔"

"کیا کہا اس نے؟" میں نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اس نے کہا کہ میں اپنے لئے گہری قبر کھود رہا ہوں اور جن سے میں بغاوت کر رہا ہوں انہیں اتنی قدرت حاصل ہے کہ مجھے زندہ دفن کردیں۔ میں اپنی زندگی کا خطرہ مول لے رہا ہوں۔ نشا ماضی کی امانت ہے اور اس امانت میں خیانت کے کسی مجرم کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ اسے سزا ملے گی۔ نشا کو بھٹکانا تاریخ کا ایک جرم ہے۔ مجھے اس خیال سے باز آجانا چاہیے اور نشا کو بھی سمجھانا چاہیے کہ وہ یہ سب کچھ نہ کرے، نشا اس نے مجھے بری طرح پریشان کرکے رکھ دیا ہے اس کی آواز تو گم ہوگئی لیکن اس کے بعد سے میں ایک لمحہ بھی سکون حاصل نہیں کرسکا، شدید کشمکش کا شکار رہا ہوں۔ اور یہی سوچتا رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ نشا، زندگی ہی جانی ہے نا، ویسے بھی جائے گی اگر تمہاری قربت حاصل ہوسکی تو...... اور اب تو میں دیوانہ ہوگیا ہوں، تمہارے منہ سے ایک بار اقرار سننے کے بعد میں نے اپنی حیات میں نہ جانے کتنی شمعیں روشن کرلی ہیں؟ میں ان شمعوں کو اب خود بھی نہیں بجھا سکتا۔ میں نے آخری فیصلہ کرلیا ہے کہ فوراً یہ کام سرانجام دے لوں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ نقصان مجھے ہی پہنچے گا۔ تمہیں نہیں......"

میں کانپنے لگی تھی۔ میں نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"میری زندگی میں شامل ہونے کے بعد اگر تمہیں کسی نقصان سے دوچار ہونا پڑا عسکری تو میرے پاس کیا رہے گا تمہارا جو سہارا مجھے حاصل ہے وہ بھی مجھ سے چھن جائے گا۔"

"ہمت کرو ہمت کرو، تم تو محفوظ ہو، میں تو ہر طرح سے اس کے لئے تیار ہوں، خدا کے لئے ہمت کرو، میں آج ہی کسی ایسی جگہ کا پتہ لگاتا ہوں، جہاں ہمارا یہ کام ہوسکے، نشا خدا کے لئے میرا ساتھ دو۔ میں اتنی جلدی اٹھ کر تمہارے پاس اسی لئے آیا ہوں کہ تم سے بات کرلوں، میں بس چند گھنٹوں کے اندر اندر یہ عمل مکمل کرلینا چاہتا ہوں۔ پھر ہم ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کریں گے۔ دیکھیں گے کہ تقدیر ہمیں کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ نہ تم زندگی کا سکون پا رہی ہو نہ میں جب اسی بے سکونی میں بسر کرنی ہے ہمیں تو پھر ہم حالات سے لڑ کر بسر کریں گے۔ خوف کا شکار ہوکر نہیں۔"

میں سہمے سہمے انداز میں اسے دیکھتی رہی۔ دل کی حالت عجیب ہوگئی تھی۔ ہاتھ پاؤں بری طرح سنسنا رہے تھے۔ میں نے کہا۔

"عسکری میں تو بہت زیادہ خوفزدہ ہوگئی ہوں۔ کیا یہ سب کچھ مناسب رہے گا؟"

"خدا کے لئے میں تم سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا، ورنہ میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ روشاق سے ہونے والی گفتگو میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ تم اور خوفزدہ ہوجاؤ گی۔ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو نشا...... سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ یقین کرو سب ٹھیک ہوجائے گا، بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو عسکری میرے ذہن میں کچھ ہوتا تو میں تمہیں کوئی مشورہ دیتی اب میں کیا کہوں؟"

"تم بالکل اطمینان رکھو نشا، یہ سب کچھ تو ہمیں معلوم تھا اس کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے ہمیں اس فیصلے پر اٹل رہنا چاہیے۔ میرے لئے نشا، میرے لئے تمہاری یہ آمادگی کائنات کی سب سے بڑی خوشی ہے، لیکن کچھ نہیں ہوگا نشا۔ اس بات کا یقین ہے مجھے۔ اگر اس کوشش میں موت بھی آجائے تو اس سے خوب صورت موت اور کوئی نہ ہوگی۔ میں نے تم سے سچ بولا ہے میں اس سچ کی سزا برداشت نہیں کرسکوں گا۔"

"نہیں عسکری اللہ تمہیں سلامت رکھے۔"

"ہمیں اپنا حلیہ درست کرلینا چاہیے۔ جاؤ باتھ روم میں جاؤ۔ میں بھی لباس تبدیل کر آؤں پہلے ناشتہ کریں گے اس کے بعد میں معلومات کرنے چلا جاؤں گا۔"

عسکری نے شاید روم سروس کو ناشتے کے لئے فون کردیا تھا کیونکہ اس کے آنے کے تھوڑی دیر کے بعد ناشتہ آگیا تھا اس دوران میں بھی تیار ہوگئی تھی۔ دن کے دس بجے تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے۔ عسکری پر جنونی کیفیت طاری تھی۔ بار بار اس کی آواز بھرا جاتی تھی وہ واقعی میرے لئے پاگل ہوچکا تھا۔

"دس بج چکے ہیں اب میں چلتا ہوں نشا۔"

"کہاں جاؤ گے۔ طے کرلیا ہے؟"

"بس تھوڑی سی معلومات کرنا ہوگی بات کروں گا کسی مناسب آدمی سے۔ یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے مجھے واپسی میں ایک گھنٹے سے زیادہ لگے۔ تم ذہنی طور پر تیار رہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلادی۔

عسکری چلا گیا۔ میرے بدن میں ایک شدید سنسناہٹ تھی۔ نجانے کہاں ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ دل دوہری کیفیت کا شکار تھا، یہ زندگی کے سب سے انوکھے لمحات تھے وہ انوکھا تصور جسے شادی کہتے ہیں، وہ تو بڑی دلکشی کا حامل ہوتا ہے۔ میں نے کبھی سنجیدگی سے شادی کے مسئلے پر غور نہیں کیا تھا۔ اب تو وقت آیا تھا کہ میرے دل میں یہ امنگ جاگتی اور میں زندگی کے اس سب سے پرلطف دور کے بارے میں سوچتی اور فیصلے کرتی کیونکہ فیصلے کرنے والا کوئی اور نہیں تھا۔ مجھے خود ہی یہ بھی کرنا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ اس طرح ہوگا سوچا بھی نہیں تھا کبھی اور اس کے بعد یہ تصور کہ ایسا ہوگا بھی یا نہیں، وہ پراسرار قوتیں ہمیں یہ سب کچھ کرنے بھی دیں گی۔ یا ہمارے راستے میں مزاحمت ہوگی اور

اگر یہ سب کچھ ہوگیا تو کیا میں خوش دلی سے عسکری کو اس حیثیت سے قبول کرلوں گی......؟"

پورے بدن میں سناٹے دوڑتے رہے، وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوسکا۔ غالباً گیارہ بجے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور میرے اعصاب بالکل ہی جواب دے گئے۔

عسکری آ گیا تھا۔ وہ لمحات قریب آ گئے تھے۔ جنہیں فیصلہ کن تو نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن اس انوکھی اور عظیم الشان تبدیلی سے زندگی کا رخ ہی بدل جاتا تھا۔ دستک دوبارہ ہوئی اور کسی نے آواز دی۔

"مس نشا کیا آپ اندر موجود ہیں میں جاوید عالی ہوں۔ آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

یہ توقع کے خلاف بات تھی بدن میں جیسے گرم گرم لہریں دوڑ گئیں۔ میں نے خود کو سنبھالا اور اٹھ کھڑی ہوئی، جاوید عالی کا نام اجنبی نہیں تھا۔ آگے بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ جاوید عالی کے ساتھ سفارت خانے کا ایک اور افسر تھا اس کے علاوہ ایک اور شخصیت دبلے پتلے بدن کی مالک، لمبی سفید داڑھی، بلند و بالا قد بہت ہی جاندار آنکھیں، چہرے سے ایک عجیب سی کیفیت ٹپکتی ہوئی اس نے ان روشن آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ میں نے ان لوگوں کو اندر آنے کا راستہ دے دیا تھا۔ جاوید عالی نے اس شخص سے کہا۔

"تشریف لایئے پروفیسر!" تینوں اندر داخل ہوگئے۔ جاوید عالی پھر بولا۔

"سوری مس نشا دانش، آپ سے فون پر رابطہ کیئے بغیر ہم چلے آئے۔ پروفیسر کی یہی خواہش تھی۔"

"تشریف رکھئے آپ لوگ، میں کیا خدمت کرسکتی ہوں؟"

"بے بی میرا نام اناطور ہے۔ الجزائر کا باشندہ ہوں۔ تمہارے والد ہارون دانش کے قدیم دوستوں میں سے ہوں۔"

"ان......اناطور؟" میری آواز بمشکل نکلی۔

"مجھے علم ہوا کہ تم مصر آئی ہو، تم سے ملنا بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ میں یہاں آ گیا۔ یہاں کے اخبارات نے تمہارے بارے میں ایک عجیب کہانی لکھی تھی اسے پڑھ کر میں ششدر رہ گیا، خواب میں بھی یہ سب کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ میں نے پریشان ہوکر محکمہ پولیس سے رابطہ کیا اس طرح سفارت خانے تک پہنچا اور ان نیک دل انسانوں نے بالآخر مجھے تمہارے پاس پہنچادیا۔"

"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میری خواہش ہے بیٹی کہ تم ان لوگوں کو مطمئن کردو اس کے بعد میں تم سے کچھ وقت لوں گا بہت سی ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"جی جاوید صاحب! میں ان کے نام سے آشنا ہوں۔ آپ مطمئن رہیں کوئی بات نہیں ہے۔"

"اوکے اناطور صاحب، معاف کیجئے گا اصل میں مس نشا دانش کچھ ایسے انوکھے حادثات کا شکار رہی ہیں کہ ہمیں ان کے لئے سیکورٹی کا انتظام کرنا پڑا۔"

"مسٹر جاوید صاحب آپ کا بے حد شکریہ، آپ نے بے شک اپنا فرض پورا کیا ہے لیکن میرے جگری دوست کی اس بیٹی کو تحفظ دے کر آپ نے مجھ پر بھی احسان کیا ہے۔"

جاوید عالی پروفیسر اناطور سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔ میں نے پروفیسر سے شناسائی کا اظہار تو کردیا تھا لیکن دل میں یہ سوچ رہی تھی کہ اب کہیں یہ پروفیسر صاحب کوئی نیا گل نہ کھلادیں۔ پتہ نہیں یہ کیوں الجزائر سے یہاں آمرے۔ ہوسکتا ہے ان کی موجودگی میں ہی عسکری بھی اپنا انتظام کرکے آجائے اور یہ کباب میں ہڈی نہ بنیں۔ میں نے خشک نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولی۔

"فرمایئے پروفیسر اناطور صاحب میرے لئے کیا خدمت ہے؟"

"میں نے یہ غلط نہیں کہا ہے بے بی کہ میں تمہارے والد کے گہرے دوستوں میں سے ہوں۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرا نام تمہارے لئے اجنبی نہیں ورنہ مجھے مشکل پیش آتی۔ ہارون دانش کی اور میری کچھ یادگار تصاویر میرے البم میں موجود تھیں۔ تم سے ملاقات کے لئے آتے ہوئے میں یہ تصاویر اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور تمہیں دکھانا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ تمہارے ذہن میں کوئی شک باقی نہ رہے۔"

پروفیسر اناطور نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا تو میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرے والد کے اور میرے درمیان جو رابطے رہے ہیں پروفیسر ان کے بارے میں تو شاید آپ کو علم نہ ہو لیکن الجزائر کے ہی پروفیسر وسکن ڈیزل نے آپ کے بارے میں کافی کچھ بتا رکھا ہے۔"

"پوری کہانی میرے علم میں ہے اور بعد کی کہانی...... بھی وہ دیوانے نہ جانے کس دیوانگی کا شکار ہوگئے۔ میرے تصور میں بھی ان کی کوئی ایسی حماقت نہ تھی خیر اس کے بارے میں تم سے بعد میں تفصیل معلوم کرلوں گا......لو یہ تصویر دیکھو۔"

پروفیسر نے چار پرانی تصویریں نکال کر میرے سامنے ڈال دیں۔ خاصی پرانی تصویریں تھیں۔ بہرحال مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ ان سے اناطور اور ان کے درمیان روابط کا اندازہ ہوگیا۔

"ہم نے بہت سے کام ساتھ ساتھ کیئے مگر وہ جینئس تھا۔ بلاشبہ وہ بہت آگے تھا۔ اس بات کو بھی تسلیم کرتے تھے کہ اگر تحقیق مصر پر آفاقی کارنامے سرانجام دیئے تو وہ ہارون دانش نے۔ شاید اس کے جسم میں بھی مصر کی کوئی قدیم روح حلول کرگئی تھی۔ خیر بے بی یہ بے مقصد باتیں ہیں۔ میں تم سے کام کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے تمہیں یہ بتادوں کہ پچھلے دنوں ہارون دانش نے الجزائر میں مجھ سے ملاقات کی ہے۔"

"الجزائر میں؟"

"ہاں، میرے گھر، میری تجربہ گاہ میں...... الجزائر میں میرا گھر ہے بے شمار اہل خاندان ہیں، بیٹے بیٹیاں ان کے بچے، میں اب دنیا سے کنارہ کش ہوں ہر طرح سے ہر ذمے داری سے دور لیکن مصر کے چاہنے والے داستانِ مصر سے موت کے وقت تک کنارہ کش نہیں ہوتے۔ دانش تحقیق کے جنون میں اپنی زندگی کے بائیس سال کھوچکا ہے۔ اس نے جوش جنون میں وہ اقدامات کرڈالے ہیں جن کے بعد اس جیتی جاگتی دنیا سے بہت سے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن اس نے ایسا کرلیا اور اب وہ بہت سی مشکلوں میں گرفتار ہے بہت سی الجھنوں کا شکار ہے۔"

اچانک میرے ذہن میں سرسراہٹیں سی اٹھنے لگیں۔ میرا دل بے اختیار چاہا کہ میں اناطور سے معلومات حاصل کروں اس سے پوچھوں کہ آخر یہ کیا اسرار ہے۔

"سنئے مسٹر اناطور، آپ نے اپنے آپ کو میرے والد کا انتہائی قریبی دوست کہا ہے۔ پروفیسر وسکن ڈیزل نے بھی یہی کہا تھا اس سے پہلے عدنان شائی اور احمر جنیدی نے بھی میرے والد سے قربت کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن ان سب نے مجھے اندھیرے میں رکھا ہے۔ الٹی سیدھی باتیں تو کہی ہیں، لیکن اس طرح کہ میرا ذہن مزید الجھنوں کا شکار ہوگیا......مسٹر اناطور آپ اگر اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے آپ کو یہ بتانا ہوگا کہ آپ میرے والد کی داستان کہاں تک بتاسکتے ہیں۔ اگر آپ مصلحتوں میں لپٹے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں اور مجھے صرف اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ سے انتہائی واضح الفاظ میں یہ کہہ دینا چاہتی ہوں کہ میں کچھ سننا پسند نہیں کرتی۔ آپ میرے والد کے کتنے ہی گہرے دوست کیوں نہ ہوں جب مجھے اس شخص سے کوئی دلچسپی نہیں رہی جس نے اپنے آپ کو میرا باپ کہا اور سمجھا ہے...... لیکن اگر کوئی آگے کی بات ہے تو آپ مجھے وضاحت کے ساتھ سمجھائیں گے۔ ورنہ میں آپ سے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے انکار کرتی ہوں۔" میری توقع کے برعکس اناطور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"میں بتاتا ہوں تمہیں اپنے باپ کے بارے میں اتنا تو جانتی ہو تم کہ وہ تحقیق مصر کا ایک ماہر، ایک عظیم محقق ہے۔"

"ہاں۔ یہی سنتی آئی ہوں میں لیکن مجھے آج تک یہ نہیں بتایا گیا کہ میری غور کب کیسے اور کہاں ہوئی۔ سب کی زبانوں پر تالے لگا دیئے گئے، خود مجھے میرے وجود سے نا آشنار کھا گیا آخر کیوں؟"

"یہ ایک بہت بڑی مجبوری تھی تمہیں دنیا کے سامنے لانے کا مطلب تھا تاریخ کے ایک ناقابل یقین باب کا انکشاف۔ اگر تمہارے بارے میں کوئی تفصیل سامنے آجاتی تو دنیا کے بے شمار لوگ تمہارے گرد جمع ہو جاتے تمہارے لئے قتل و غارت گری شروع ہو جاتی یہ دنیا ایسی ہی دیوانی ہے تمہارا جینا حرام کر دیتی وہ۔"

"اب بھی کیا کم ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں بے بی۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ یقین کرو یہ کچھ بھی نہیں ہے لوگ صرف تمہارے باپ کے بارے میں جانتے ہیں میں تمہیں تمہاری ماں سے روشناس کراؤں گا میں آج تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔"

اناطور نے کہا اور میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی، ماں! میں نے عجیب سے انداز میں سوچا اور میرے دل میں بے چینی کی لہریں اٹھنے لگیں میری بے قرار نگاہیں اناطور کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ میں اس کے ہونٹوں کی اگلی جنبش کا انتظار کرنے لگی۔

ہارون دانش کو باپ کی حیثیت سے تو دیکھا تھا مگر ماں کے تو نقوش بھی نہیں معلوم تھے۔ اس کی تو کوئی کہانی بھی نہیں سنی تھی میں نے۔ پہلی بار کسی نے مجھے اس کے بارے میں بتانے کو کہا تھا۔ اناطور نے توقف اختیار کیا تو میں نے کہا۔

"میری ماں کے بارے میں آپ کیا بتا سکتے ہیں، پروفیسر...... براہ کرام جلدی بتایئے۔"

"میں تمہارے جذبات سے واقف ہوں، تمہاری ماں کو روئے زمین پر کسی نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اگر ہارون دانش کی سنائی ہوئی داستان صحیح ہے تو یہ کائنات میں سب سے انوکھی کہانی ہے اور ماضی کے رازہائے سربستہ کی عقدہ کشائی کے شائقین کے لئے ایٹمی دھماکے جیسی حیثیت رکھتی ہے۔ اس داستان کی روشنی میں تمہاری حیثیت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ دنیا بھر میں تمہارے لئے قتل و غارت گری ہو سکتی ہے۔ خصوصاً مصری تہذیب کے شائقین تمہیں حاصل کرنے کے لئے کٹ مریں۔ نوادرات کے چوروں کو اگر تمہارے بارے میں پتہ چل جائے تو اس زندہ عجوبے کے حصول کے لئے وہ ہنگامہ ہو کہ دنیا یاد کرے۔ خیر میں نے اپنی گفتگو کی ابتدا تمہاری ماں سے کی ہے اور میں وعدے کے ایفا کے لئے پابند ہوں چنانچہ جس طرح مجھے بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمہاری ماں زمانہ قدیم کی فرعونہ اناطم سلاطیہ ہے۔"

"زمانہ قدیم کی فرعونہ......؟"

"ہاں فرعونہ نیم راعمن عوس کی بہن اناطم سلاطیہ جو دو ہزار چھ سو سال قبل مسیح میں اس دنیا سے کوچ کر گئی تھی لیکن ہارون دانش کی تحقیق اور قدیم عقیدہ فرعونی کے مطابق حیات بعد الموت کے تصور کے تحت ہارون دانش نے اسے تلاش کر لیا، اس نے اناطم سلاطیہ سے روابط قائم کئے۔ وہ تاریخ کا سب سے انوکھا تجربہ کرنا چاہتا تھا اور اسے اس میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ لیکن وہ واپسی کا سفر نہ طے کر سکا اور عالم ارواح میں عظیم جرم کا مرتکب قرار پایا۔ اسے قید نصیب ہوئی لیکن اس نے بہت سے علوم سیکھ لئے تھے۔ وہ اپنا جسم تو واپس نہ لا سکا، لیکن بوقت فرار تمہیں لے کر وہاں سے نکل آیا اور پھر اس نے تمہیں اس دنیا میں پرورش کیا۔ تم نے مجھ سے شکایت کی تھی کہ تمہیں جتنے ہمدرد ملے۔ انہوں نے تمہیں حقیقت نہ بتائی بلکہ صرف اپنی مطلب براری کرتے رہے لیکن میں نے تمہیں تمہاری ماں کے بارے میں بتا دیا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس انکشاف کے بعد تمہیں تفصیل سے وہ کہانی سنا دوں جو مجھے ہارون دانش نے حالیہ ملاقات میں سنائی ہے۔"

"میری ماں زمانہ قدیم کی کوئی مردہ عورت

ہے؟" میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میری بات غور سے سنو، ساری دنیا کی سائنس، تمام مذاہب کے عقیدے باطل ہو جاتے ہیں، اس انکشاف سے، میں خود انگشت بدنداں ہوں، الحمدللہ میں خود مسلمان ہوں۔" قرآن کریم اور روز قیامت پر پورا پورا ایمان رکھتا ہوں، ہندو عقیدے میں آواگون کا تصور بھی شاید مصری عقیدے یا یونانی توہمات کا ایک حصہ ہے۔ حالانکہ ان کے یہاں بھی یگ ہوتے ہیں اور دنیا کی پیدائش کا کوئی تعین نہیں ملتا۔

مہابھارت کے مطابق اس جہان کی گردش چار ادوار پر ختم ہوتی ہے، ست یگ، ترتیا یگ، دواپر یگ، کل یگ، کل یگ کے خاتمے پر پہلا یگ یعنی ست یگ نئے سرے سے شروع ہوتا ہے اور اس طرح یگوں کی گردش جاری رہتی ہے۔ یہ نہیں پتہ چلتا کہ دنیا کی ابتدا کب ہوئی اور نہ انتہا کی کوئی پیش گوئی ہے۔

کسی نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ اے امیر المومنین حضرت آدم علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل دنیا میں کون تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا آدم۔ اس شخص نے تین بار یہ سوال دہرایا اور حضرت علیؓ نے تینوں بار یہی جواب دیا پھر فرمایا کہ اگر تو تیس ہزار بار مجھ سے یہ سوال کرتا تو میں تجھے یہی جواب دیتا۔ اس طرح اس دنیا کی مدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

برہمن عقیدے کے مطابق ست یگ کی مدت سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال، ترتیا یگ کی مدت بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال، دواپر یگ کی مدت آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال اور کل یگ کی مدت چار لاکھ بتیس ہزار سال ہے۔ ان ادوار میں پیدا ہونے والے مختلف صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ آواگون کا عقیدہ یگوں کی ترتیب رکھتا ہے یعنی دوبارہ جنم لینے والا ایک یگ کا فاصلہ رکھتا ہے اس طرح ان کے تصور میں خود انہی میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن تین ہزار آٹھ سو پینسٹھ دیوی دیوتاؤں کو ماننے والے کوئی ٹھوس مذہبی عقیدہ کہاں رکھتے ہیں جبکہ قرآن کریم کے فرمان کے مطابق ہمارا مذہب مکمل ہے اور ہمیں روز پیدائش سے لے کر روز قیامت تک کا حساب سمجھا دیا گیا ہے۔ پھر بھلا اس میں یہ گنجائش کہاں نکلتی ہے کہ تمہاری پیدائش زمانہ قدیم کی کسی مردہ ہستی کے بطن سے ان کے عقیدے کے مطابق ہوئی ہے۔

ہارون دانش اگر عالم حواس میں ہوتا تو خود بھی اس بات کو حقیقت نہ سمجھتا لیکن مجھے اندازہ ہے جن عوامل کا وہ شکار ہوا انہوں نے اس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں چھین لیں، وہ اس عقیدے کی تفسیر نہیں جان سکا۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ تمہاری منسوبیت کا تعین غلط ہے۔ ہم قدیم مصری عقیدے کی نفی کرتے ہیں۔"

"انکل، میں کند ذہن ہوں ان باتوں کی گہرائی نہیں سمجھتی براہ کرم مجھے بات تفصیل سے سمجھایئے۔" میں نے کہا۔

"تم نے ابھی تعجب سے کہا تھا کہ کیا تم ایک ایسی عورت کی بیٹی ہو جو مردہ تھی اور موجودہ حساب کے مطابق اسے مرے ہوئے چار ہزار چھ سو سال گزر چکے ہیں۔"

"آپ نے ہی مجھے یہ بتایا تھا......!"

"میں نے نہیں یہ تمہارے باپ کی تحقیق ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے......؟"

"ہرگز نہیں لیکن...... ہارون دانش یہی انوکھا انکشاف کر رہا ہے......"

"کیسے انکل......؟"

"میرے پاس ایک کیسٹ ہے۔ جس میں اس کی آواز ریکارڈ کی ہے میں نے، اس کیسٹ میں اس نے تمہارے لئے ہدایات ریکارڈ کرائی ہیں۔ میں تمہیں داستان سنا سکتا ہوں۔ جو اس نے مجھے سنائی یہاں تمہارے پاس ٹیپ ریکارڈر تو نہیں ہوگا خیر کوئی بات نہیں، وہ بعد میں مل سکتا ہے میں تو دوسرے معاملات سے بھی نمٹ کر ہی تمہیں یہ تفصیل بتانا چاہتا تھا لیکن تم ان خود پرستوں کی ڈسی ہوئی ہو جنہوں نے جو کچھ کیا

اپنے لئے کیا۔ اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ میں تمہیں سب کچھ تفصیل سے بتاتا چلوں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہم تحقیق کے متوالے اپنی جستجو کو ہی زندگی سمجھتے ہیں اور اپنے شوق کی تکمیل کے لئے ہزار بار ملنے والی زندگی قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ دانش بھی اپنے شوق کا دیوانہ ہے، اس نے تمام زندگی یہی سب کچھ کیا اور اگر کوئی عورت اس طرح اس کی زندگی میں نہ آتی تو شاید وہ زندگی کا یہ رخ کبھی اختیار نہ کرتا۔

مصر قدیم پر اس کی ریسرچ جاری تھی اور اسے مصریات پر اس قدر عبور حاصل ہو چکا تھا کہ بقول اس کے حنوط شدہ اجسام خود اپنی کہانیاں سنانے لگتے۔ وہ ان کی صحیح داستان قلمبند کرتا اور اس کی لکھی ہوئی کتابیں گواہ ہیں کہ جو کچھ وہ لکھ چکا اس پر ابھی تحقیق بھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ اس پر تبصرہ کرنے والوں کا متفقہ خیال ہے کہ اس نے قدیم روحوں سے ہم کلام ہونے کا علم حاصل کرلیا ہے۔

ہارون دانش نے مجھے بتایا کہ مصر کے صحراؤں میں ایک صحرا ایسا ہے جہاں چاند سورج کی گردش سے پیدا ہونے والے ارتعاش سے ماضی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ان دروازوں کے دوسری طرف ادوار متحرک ہوتے ہیں۔ کوئی ذی روح اگر عالم ارتعاش میں کسی کھلے دروازے سے اندر داخل ہو جائے تو وہ اس دور میں پہنچ جاتا ہے جو اس دروازے کے عقب میں ہو اور ہارون دانش نے ایسا ایک دروازہ پالیا تھا۔

میرے ذہن میں چھناکے سے ہونے لگے۔ یہی کہانی مجھے روشاق نے سنائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ سورج کی کرنوں کے ساتھ واپسی کا سفر کرلیا جائے تو انسان ماضی میں پہنچ جاتا ہے۔ امیر غیری کا دماغ بھی اس روایت کے تحت الجھالیا گیا۔ جدید مصر میں یہ روایت قدیم ذہنوں میں زندہ تھی۔ ہر وہ بات جو داستان بن جائے کچھ نہ کچھ حقیقت رکھتی ہے۔“

میں نے اپنی سوچ کا سلسلہ منقطع کرلیا اور اناطور کی باتیں توجہ سے سننے لگی۔ اس نے کہا۔

”دروازے کے دوسری طرف اسے رائمن عوس کا دور ملا جس کی بہن اناطم سلاطیہ حسن بے مثال رکھتی تھی۔ ہارون دانش اس پر فریفتہ ہو گیا اور اس نے خود کو دور کے ساحر کی شکل میں سلاطیہ کے سامنے پیش کیا۔ سلاطیہ نے اس کی محبت قبول کرلی اور وہ ایک محبت بھری زندگی گزارنے لگے۔ لیکن پھر کاہنوں نے حساب لگالیا کہ تاریخ کے اوراق میں سوراخ کیا گیا ہے۔ اور میں تحریف کی کوشش نہایت کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے۔

کاہنوں نے کھوج کی اور ہارون کو تلاش کرلیا۔ ہارون نے سلاطیہ اور اپنی بچی کو لے کر فرار ہونا چاہا لیکن اسے ہواؤں کا قیدی بنالیا گیا اور ہارون نے اپنے علم سے خود کو اور اپنی بچی کو قید ہونے سے بچالیا۔ سلاطیہ وہیں رہ گئی اور ہارون اپنی بچی کو ساتھ لے کر اپنی دنیا میں آ گیا۔

عہد جدید کے ایک دماغ نے تاریخ قدیم کو ایسا زبردست چرکا لگایا کہ اس پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس کہانی پر یقین کرلیا جائے۔ ہارون دانش کے فرار کا راز کھل گیا اسی دور کی ساحرہ سلافوبیہ نے آگ کے شعلوں میں لپٹ کر خود کو ہارون دانش کے تعاقب میں لگالیا۔ اور اسے پا بھی لیا۔ لیکن وہ اسے قیدی بنا کر نہیں لے جا سکی کیونکہ وہ بچی ہارون کے پاس نہیں تھی۔ ہارون دانش نے اسے پوشیدہ کردیا تھا۔ اور یہ طے تھا کہ جب وہ بچی ایک بالغ عمر پائے اور خود اپنی اصل کی تلاش میں نکلے تو ماضی کے دروازے اس کے لئے کھلیں۔

ہارون خود کو ماضی کی عدالت میں پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن اس وقت جب اسے بچی کی وکالت حاصل ہو۔ یہ اس کا نظریہ اور حساب ہے۔ اس طرح اسے مراعات حاصل ہو سکتی ہیں، کیسے یہ وہی جانتا ہے۔ اس کا کہنا ہے......

میں اس وقت کا منتظر ہوں جب میری بیٹی نشا دانش عمر کی وہ منزل پائے جب اسے اپنے ماضی کی جستجو ہو، اس وقت تک میں اسے زمانے سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ کہتا ہے...... مگر میری بیٹی وقت سے بہت پہلے اپنی جستجو میں مبتلا ہو گئی اور اس کی اس خواہش نے جنون کی شکل اختیار کرلی جو خود اس کے لئے نقصان دہ ہے اور میرے لئے بھی۔

ہارون کا خیال ہے کہ اس کے کچھ اور دشمن بھی اس کی تاک میں ہیں جو اس کہانی کو نیا رنگ دینا چاہتے ہیں وہ اس قدر طاقتور ہیں کہ سلافوبیہ جیسی محافظ کو بھی دھوکا دے کر اسے قید کر سکتے ہیں۔ اس وقت جب وہ ماضی کی عدالت میں پیش نہ ہو تو واقعے کی نوعیت ہی بدل جائے گی پھر وہ نہ ہو سکے گا جس کی ہارون کو امید ہے۔“

میرے ذہن میں ان دشمنوں کا تصور روشاق کے علاوہ اور کسی کا نہ تھا۔

”تمہیں یہ بتانا اب حماقت ہی ہے نشا کہ وہ بچی تم ہی ہو۔“ اناطور نے کہا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر میں نے کہا۔

”کیا یہ سب کچھ ممکن ہے۔ پروفیسر صاحب؟“

”میں تمہیں بتا چکا ہوں نشا، مذہب کو سامنے رکھ کر پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ ناممکن ہے لیکن یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس جینئس سے کہاں کیا غلطی ہوئی ہے، بہت سی عبرتناک صورتیں نمایاں ہیں، ہارون کا نادیدہ جسم...... جس کا میں گواہ ہوں۔“

”آپ وادی ارمناس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں محترم پروفیسر......؟“ میں نے پوچھا۔

”آہ! تمہیں اس کے بارے میں کس نے بتایا؟“

”امیر غیری نے اپنی دیوانگی کے زمانے کی کہانی میں اس وادی کا تذکرہ کیا تھا۔“

”کیا کہا تھا اس نے......؟“

اناطور نے پوچھا اور میں نے اسے غیری مرحوم کی سنائی ہوئی داستان بتادی۔ اناطور سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”ہاں ارمناس کا تذکرہ کچھ قدیم کہاوتوں میں موجود ہے۔“

”اس کہانی کے باوجود میری ماں کا تصور بھی ایک کہانی کی حیثیت رکھتا ہے پروفیسر...... حقیقت تو اب بھی معلوم نہ ہو سکی۔“

”یہ حقیقت ہی تو اصل مسئلہ ہے بے بی۔ اور تمہیں اس کے لئے تیار ہونا ہے۔“

”تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

”میں اس سلسلے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پہلے تم اپنے باپ کی ریکارڈ شدہ آواز سن لو، یہ کیسٹ تمہاری امانت ہے......“ اناطور نے جیب سے کیسٹ کا بکس نکال کر مجھے دے دیا۔

”عسکری آجائے تو......“ میں نے کہا اور پھر میرے حلق سے ایک سسکی سی نکل گئی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ کافی وقت گزر گیا تھا۔ عسکری ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ خدا خیر کرے۔ لیکن پروفیسر نے میری بات اچک لی تھی۔

”کون عسکری......؟“

”کیا جاوید عالی نے آپ کو اس کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔“

”وہ نوجوان جو خود بھی امیر غیری کا قیدی تھا......؟“

”ہاں وہی، وہ میرا ہمدرد ہے اور اسے آجانا چاہئے تھا۔ اب تک نجانے کہاں رہ گیا۔ ٹیپ ریکارڈر کا بندوبست کہیں سے ہو جاتا تو......!“

”میں دیکھتا ہوں کیسٹ سن لینا ضروری ہے۔ تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ مجھے کچھ دیر کے لئے اجازت دو۔“

میں نے گردن ہلادی اور پروفیسر باہر نکل گیا۔ قدرے معقول شخصیت معلوم ہوتی تھی، اس کی سنائی ہوئی تفصیل گزرے ہوئے واقعات کی عقدہ کشائی کرتی تھی۔ لیکن وہ اس کہانی سے منحرف نظر آتا تھا۔ اس کے دلائل چاہتا تھا۔ یہ بات کسی طور ہضم نہیں ہوتی تھی کہ میں زمانہ قدیم کے ایک مردہ بطن سے پیدا ہوئی ہوں۔

بات کیسی ہی پراسرار کیوں نہ ہو لیکن عقل سے بعید تو نہ ہو پھر اصلیت کیا ہے......؟"
ایک بار پھر عسکری کا خیال آ گیا وہ جلدی آنے کے لئے کہہ گیا تھا۔ دروازے سے اناطور نے اندر آنے کی اجازت طلب کی پھر وہ ایک خوب صورت ٹیپ ریکارڈر لئے اندر آ گیا۔
"یہاں کہاں سے مل گیا آپ کو......؟"
"ہوٹل میں کئی عمدہ دکانیں ہیں جہاں ہر شے دستیاب ہے میں تمہارے لئے عمدہ چیونگم بھی لایا ہوں۔" پروفیسر نے مجھے چیونگم پیش کیا۔ میں نے شکریہ کے ساتھ قبول کرلیا۔ وہ ٹیپ ریکارڈر آن کرنے میں مصروف ہوگیا۔ پھر اس نے مجھ سے کیسٹ مانگ کر اسے لگالیا کمرے کی خاموشی میں ہارون دانش کی شناسائی آواز ابھری۔
"میرا یہ پیغام میری بیٹی نشا دانش کے لئے ہے، نشا دانش میری روح، میرے جگر کے ٹکڑے میں وہ بدنصیب باپ ہوں جو کسی بیٹی کو نہ ملا ہوگا، میری ذات تمہارے لئے دکھوں کے سوا کچھ نہیں، معافی مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، اس لئے میں یہ نہ کہوں گا کہ مجھے معاف کردو، یہ وقت کچھ دیر کے بعد آنا تھا جس سے تم گزر رہی ہو یہ تمہارا اور میرا دونوں کا مقدر تھا پروفیسر اناطور سے میں نے درخواست کی ہے کہ جتنا میں انہیں بتا رہا ہوں وہ نشا کو بتا دیں۔ مزید تفصیل تم ان سے معلوم کرسکتی ہو تم نے وقت سے کچھ پہلے اپنی جستجو شروع کردی اور لوگ تمہاری طرف متوجہ ہوگئے۔ کچھ وقت اور گزر جاتا تو وہ عوامل پیش آتے جن سے ابھی تک تمہارا واسطہ نہیں پڑا۔
روشاق سے ہوشیار رہو، وہ ہمارا بدترین دشمن ہے۔ احمد جنیدی برا انسان نہیں ہے، لیکن روشاق نے اسے اپنے مقصد کی راہ پر لگا کر ذہنی طور پر تباہ کردیا۔ عدنان شنائی اس کے برعکس ایک غیر جانبدار انسان ہے اور وہ صرف اپنے علم کی آسودگی کے لئے کام کررہا ہے۔ تم نے میری جستجو میں معصومانہ اقدامات شروع کردیئے جن کی وجہ سے بے چارے اے کے ہمدانی کی جان گئی، اسے روشاق نے ہی ہلاک کیا تھا۔ اگر تم کچھ وقت اور خاموشی سے گزار دیتیں تو میں وقت مقررہ پر کسی طرح تمہیں مصر لے آتا اور اس کے بعد وہ عمل شروع ہوجاتا جسے بہرحال ہمارے مستقبل کا فیصلہ کرنا ہے یہ وقت لازمی ہے۔
نشا تم لاکھ کوشش کرلو، مصیبتوں میں گرفتار رہوگی لیکن ان لمحات سے فرار نہیں حاصل کرسکو گی میں نے تمہارے ساتھ الجزائر کا سفر کیا تھا اس کے بعد میں جزیرے پر بھی تمہارے ساتھ تھا لیکن تمہارے قریب آنا میرے لئے خطرناک تھا اس لئے تمہارے مشکل وقت میں بھی تمہارے قریب نہیں آ سکا۔ نشا مجھے اس بے بسی پر معاف کردو، میں مجبور ہوں، اگر میں روشاق کے ہاتھ لگ گیا تو وہ حالات بدل دے گا وہ اتنی طاقت رکھتا ہے، اس لئے میں تم سے دور رہوں گا۔
جزیرے پر میں نے احمر جنیدی کو حالات بتائے اور اسے آمادہ کیا کہ وہ تمہاری مدد کرے لیکن وہ روشاق کی سازش کا شکار ہوگیا۔ روشاق انتقامی جذبے کا شکار ہے، وہ ہمیں نیست و نابود کردینا چاہتا ہے۔ میں نے وسکن ڈیزل کو تمہاری مدد پر آمادہ کیا اس نے کام بھی کیا لیکن وہ حالات کا مقابلہ نہیں کرسکا اور بھٹک گیا اس کے بعد میں نے خود الجزائر میں اناطور کے پاس جا کر اس سے مدد کی درخواست کی ہے۔ اناطور سے پورا تعاون کرو نشا...... ان کی ہر بات آنکھ بند کرکے مان لو...... ہوسکتا ہے ہمارے لئے کوئی بہتر راہ نکل آئے۔ میں نے اناطور کو بتادیا کہ آئندہ کیا کرنا ہے۔ میری درخواست ہے میری بچی۔ اپنے مشکل میں گھرے ہوئے باپ کی مدد کرو......!"
"مجھے اب کیا کرنا چاہیے انکل......؟"
"بہت کچھ بے بی بہت کچھ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنے باپ کی ہدایات پر عمل کرنے کے لئے راضی ہو؟"
"ہاں......" میری آواز سسکی بن کر ابھری۔

"اگر میں یہاں نہ پہنچتا تو تمہارا کیا ارادہ تھا؟"
"یہاں آ کر اور اس سے پہلے میں جن مشکلات کا شکار رہی ہوں انکل اناطور کاش کسی کو اندازہ ہوتا، میرا ایک ہی سچا مددگار ہے جس نے ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا ہے جس نے میرے لئے ہمیشہ اپنی زندگی داؤ پر لگائی ہے۔ انکل میں آج اس سے شادی کرنے جارہی تھی۔"
"شادی؟" پروفیسر چونک پڑا۔
"ہاں۔" میں نے سسکتے ہوئے کہا پھر انہی سسکیوں کے درمیان میں نے عسکری کے بارے میں پوری تفصیل اناطور کو بتادی۔ پروفیسر غور سے سن رہا تھا کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔
"یہ ممکن نہیں ہے نشا تم خود کہہ چکی ہو کہ تم سے ملنے والے خود بخود خوفزدہ ہوجاتے تھے اس کی وجہ سمجھتی ہو......؟"
"نہیں انکل۔"
"تم تاریخ کی مقدس امانت ہو، کوئی تمہاری زندگی کا مالک نہیں بن سکتا۔ اگر تم نے اس نوجوان سے شادی کرلی تو کوئی بھی حادثہ ہوسکتا ہے وہ پاگل ہوسکتا ہے مرسکتا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ میرا دعویٰ ہے۔"
"اوہ ایسا نہیں، میں، میں اس کی زندگی چاہتی ہوں، وہ بہت اچھا انسان ہے۔"
"تو اس سے شادی کا خیال دل سے نکال دو...... کچھ بھی کہہ دو اس سے یہ اس کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ تم خود بھی اس بات کی گواہ ہو کہ تمہاری زندگی کو خطرہ نہیں ہے۔ حالات کتنے ہی خراب ہوجائیں۔ لیکن تمہیں گزند نہ پہنچے گی۔ ہاں وہ ضرور متاثر ہوں گے جو راستے میں آئیں گے......"
"نہیں پروفیسر، وہ بہت اچھا آدمی ہے اسے زندہ رہنا چاہیے۔"
"اسے ٹال دو، اس طرح ٹال دو کہ اسے وہ تم سے متنفر ہوجائے، واپس چلا جائے۔ اگر تم نے اس سے نرم روی اختیار کی تو وہ تمہارے لئے ایثار جاری رکھے گا یہ اس کے حق میں بہتر نہ ہوگا۔"
"حالانکہ اس نے مجھے غیری کے جال سے نکالنے میں شدید محنت کی تھی۔ آپ کو کیا بتاؤں پروفیسر۔ ویلی آف کنگز کے بھیانک ماحول میں وہ تنہا ایک مجسمے کا روپ دھار کر مجھ سے ملا تھا۔ اس نے...... اس نے۔"
"تم بھی اس کی زندگی ہی بچا رہی ہو، یہ اس کے احسانات کا صلہ ہے۔"
"اس کے بعد کیا ہوگا۔ مجھے کیا کرنا ہوگا؟......"
"بہت کچھ، تمہیں متحرک رہنا ہوگا بے بی، اس وقت تک جب تک وہ وقت نہ آ جائے۔"
"اس وقت کا کوئی تعین نہیں ہے کیا؟"
"شاید نہیں...... کیونکہ اس کے بارے میں ہارون بھی نہیں جانتا۔"
"اوہ! یہ کتنا مشکل ہے۔"
"لیکن تمہیں کرنا ہے، سنو بے بی میرے خیال میں مجھے اب کچھ اور کام کرنے چاہئیں مثلاً یہاں ایک بکرے کا حصول۔ ہمیں اس وقت تک یہاں رہنا ہوگا جب تک حالات ہمارا ساتھ دیں گے۔ بعد کے لئے انتظامات بھی کرنے ہوں گے۔ اس لئے اب مجھے اجازت دو۔"
"جی انکل۔" میں نے سعادت مندی سے کہا۔
"جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ضروری ہے، خیال رکھنا۔" پروفیسر نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گئے۔ میرے دل پر شدید دباؤ تھا۔ زندگی سے بیزاری محسوس ہورہی تھی۔ ہارون دانش کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی۔ ایک عجیب سوز تھا اس آواز میں، میرے ابو مجبور تھے، بے بس تھے ورنہ وہ مجھے یوں تنہا نہ چھوڑتے اور عسکری...... میری جان مشکل میں تھی میں کیا کروں کیا نہ کروں۔
عسکری آ گیا۔ کئی پیکٹ ساتھ لایا تھا۔ چہرہ خوشی سے گلنار ہورہا تھا۔ اور اس کی یہ مسرت دیکھ کر

میرے دل میں تاریکیاں اترتی آرہی تھیں۔ اعصاب بری طرح کھنچ رہے تھے۔

''سوری نشا، مجھے اندازہ تھا کہ تم خوب پریشان ہورہی ہوگی۔ بس اسے کچھ بھی سمجھ لو۔ تمہارا تعلق جس معاشرے سے ہے وہاں شادی کے تصور کے ساتھ نہ جانے کیا کچھ وابستہ ہے۔ میں بھی اس معاشرے کا پروردہ ہوں، ہر چند کہ مجھے کچھ نہیں آتا۔ بس کچھ روایتیں ذہن میں تازہ کی ہیں۔ تمہیں بھلا میں کیا دے سکتا ہوں، وہ بھی دیار غیر میں۔ یہ کچھ خریدا ہے میں نے عروسی لباس ہے اور کچھ دوسری چیزیں ہیں۔ لیکن مجھے غلط نہ سمجھنا تمہارا احترام تمہارا وقار مجھے اپنے ہر جذبے سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ بس میری خوشی ہے۔'' وہ جذبات سے پر لہجے میں کہہ رہا تھا اور میں شدید دکھ محسوس کررہی تھی۔ میں فیصلہ کررہی تھی کہ مجھے اس سے کیا کہنا چاہیے۔ پھر میں سنبھل گئی میں نے کہا۔

''پہلے تو میرا دل چاہ رہا تھا کہ تم سے جھوٹ بول دوں، کوئی ایسی بات کہہ دوں جو تمہیں بہت بری لگ جائے تم مجھ پر تھوک کر مجھ سے علیحدہ ہوجاؤ لیکن...... اتنی توہین کرچکی ہوں تمہاری کہ اب میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے، عسکری میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔''

''کیا کہنا چاہتی ہو نشا، کہیں تم نے شادی کا ارادہ ملتوی تو نہیں کردیا ہے۔''

''ہاں......!'' میں نے آنکھیں بند کرکے کہا۔

''کیوں نشا...... کیوں......؟'' اس نے کربناک لہجے میں پوچھا۔

''میں اب تمہاری زندگی چاہتی ہوں عسکری......''

''کیا میرے سچ نے مجھے نقصان پہنچایا ہے نشا کیا روشاق کے بارے میں بتا کر میں نے غلطی کی۔''

''نہیں عسکری...... یہ بات نہیں ہے۔ تمہارے جانے کے بعد اناطور میرے پاس آئے تھے۔ اناطور وہی ہیں جو الجزائر میں رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے میرے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ ہر چند کہ یہ سب کچھ میری زندگی کا راز ہے۔ لیکن تم بھی اب میری زندگی سے متعلق ہو۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپانا چاہتی عسکری۔ یہ کیسٹ سنو......''

میں نے ٹیپ ریکارڈر کیسٹ ریوائنڈ کیا پھر ٹیپ ریکارڈر آن کردیا۔ عسکری سکتے کے عالم میں ہارون دانش کی آواز سننے لگا۔ کیسٹ ختم ہوگیا تو اس نے کہا۔

''پھر نشا...... اب تم کیا کرنا چاہتی ہو۔''

''آنے والے وقت کا انتظار۔''

''میں اس انتظار میں تمہارا ساتھی رہوں گا تمہیں جیسے بھی حالات پیش آئے میں ان میں شریک رہوں گا، نشا تم تو حالات بدلنے پر آمادہ ہوگئی تھیں۔ ہوسکتا ہے ہمارا یہ عمل حالات میں تبدیلی پیدا کردے۔''

''عسکری اس عمل سے تمہاری زندگی کو خطرہ ہے۔''

''صرف میری زندگی کو۔ مجھے منظور ہے تم سے دوری کا تصور بھی میرے لئے موت ہے، نشا۔ مجھے اپنی پسند کی موت مرنے دو...... پلیز! نشا، اتنی سی دیر میں میرے اس تاج محل کو مسمار نہ کرو......''

''نہیں عسکری میں یہ نہیں کرسکتی۔'' میں نے کہا اور وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''میں اب بھی نہیں تھکا نشا یقین کرو، اس تازہ موت کے بعد بھی میں نہیں تھکا۔ مجھے جو کرنا ہے وہ میں کرتا رہوں گا۔ اس میں مزہ ہے نشا، یہی زندگی میرے لئے دلکش ہے اوکے نشا...... اوکے اگر ایسا ہوجاتا تو مجھے تعجب ہوتا اور نہ ہونے پر مجھے تعجب نہیں ہے۔ اوکے میں چلتا ہوں۔'' وہ اٹھا دروازے کی طرف بڑھا پھر واپس پلٹا وہ پیکٹ اٹھائے اور باہر نکل گیا۔ میں نے اس سے کچھ نہیں کہا بس خاموشی سے دروازے کو دیکھتی رہی اب میرا دل مطمئن ہوگیا تھا۔ اسے کوئی دلاسہ دینا بے مقصد تھا۔ خود اپنے آپ کو کوئی دلاسہ نہیں دے سکتی تھی۔

اسے کیا دیتی۔

شام پانچ بجے اناطور میرے پاس آگئے۔

''ہیلو نشا...... کیا ہورہا ہے ہوٹل میں ہی ہو یا کہیں باہر گئی تھیں۔''

''نہیں انکل...... کہیں نہیں گئی۔''

''میں نے ہوٹل میں کمرہ لے لیا ہے روم نمبر سات سودس۔''

''جی......'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''کوئی خاص بات تو نہیں ہے؟ ارے ہاں اس نوجوان سے ملاقات ہوئی جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا۔''

''ہاں میں نے اسے ٹال دیا ہے۔''

''ویری گڈ میں بھی کسی وقت اس سے ملاقات کرکے اس کا شکریہ ادا کروں گا اور اسے سمجھادوں گا۔ بہر حال اب ہمیں فرصت ہے اصل میں ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اب یہ وقت کیسے اور کہاں گزارا جائے۔ مصر سے باہر جانا کسی طور بہتر نہ ہوگا لیکن جانے کتنا وقت باقی ہے۔ ہمیں الجھنوں میں گرفتار ہونا پڑے گا۔ ورنہ میں تمہیں الجزائر ہی لے جاتا۔''

''جیسا آپ پسند کریں انکل میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔''

''میں اپنے یہاں قیام کے لئے جواز پیدا کرسکتا ہوں مگر تمہارا معاملہ ہے سفارت خانہ تمہاری واپسی کا انتظام کررہا ہے۔ وہ لوگ تمہیں واپس بھیجنا چاہیں گے میں نہیں چاہتا کہ انہیں بھی الجھنوں کا شکار ہونا پڑے۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پر تمہیں یہاں رکھا ہے۔ حکومت مصر تمہارے بارے میں ان سے سوالات کرے گی۔ اور وہ مشکل میں پڑجائیں گے۔ کوئی ایسی ترکیب ہو کہ انہیں جواب دہی نہ کرنی پڑے...... خیر...... دیکھتے ہیں کوئی ترکیب نکالیں گے۔''

اناطور بعد میں مجھے اپنے کمرے میں لے گئے۔ وہاں ہم نے شام کی چائے پی پھر وہ بولے۔

''واقعات اس قدر ہوشربا ہیں کہ عقل ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ بہت سے ماہرین نے مصر پر کام کیا ہے۔ ہزاروں سال پرانے مقبرے کھنگال ڈالے ہیں ان پر تحقیق کی ہے، انکشافات کئے ہیں لیکن ہارون دانش نے تو جادوگری کی ہے۔ کئی شناساؤں نے اس کی کتابوں پر تبصرے کئے ہیں۔ ان میں سے کچھ کا کہنا تھا کہ ہارون نے خود کو منظر عام سے ہٹا کر مافوق الفطرت بننے کی کوشش کی ہے اور یہ شہرت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جو اس نے اپنایا ہے۔ اس نے اپنی طویل ترین گمشدگی کے دوران بھی کتابیں لکھیں اور طبع کرائی ہیں۔

پتہ نہیں اس نے اس کے لئے کیا طریق کار اختیار کیا ہو، لیکن اس سے اختلاف رکھنے والے بھی ان کتابوں کو مصریات پر ایک نادر سرمایہ کہنے پر مجبور ہورہے ہیں۔ اس سے قبل سیرا یمنی کو بھی یہی درجہ حاصل رہا تھا مگر وہ اپنی تحقیق خود نہ پیش کرسکی، بلکہ یمن کے ایک پبلشر نے اس کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات کئے۔ پہلی بار وادی ارمناس کی تفصیل اسی پبلشر نے سرایمنی کی کتاب میں شائع کی تھی۔ ویسے بے بی یہ روشاق کا کردار میرے لئے اجنبی ہے۔ مصری محققوں میں اس کا نام نہیں ملتا۔ یہ کون ہے؟''

''آپ اسے نہیں جانتے انکل؟''

''قطعی نہیں جانتا۔''

''کیا...... ہارون دانش نے بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا......؟''

''بالکل نہیں......''

''الجزائر میں انہوں نے کب آپ سے ملاقات کی تھی؟''

''آج کا دن شامل کرکے کوئی ستائیس دن قبل...... اس کے بعد میں اس کے کہنے کے مطابق تیاریوں میں مصروف ہوگیا تھا۔''

''کس طرح ملاقات کی تھی؟''

''ہر ماہر مصریات کا اپنا ایک نوادر خانہ ہوتا ہے۔ یقیناً تمہارے وطن میں ہارون کا نوادر خانہ بھی ہوگا۔

میرے نوادر خانے میں بھی قدیم مصر سجا ہوا ہے جو بھی مجھے مل سکا میں نے اپنے نوادر خانے میں سجالیا میں وہیں موجود تھا کہ مجھے سرسراہٹیں سنائی دیں اور پھر ہارون کی آواز...... اس نے بڑے شگفتہ لہجے میں مجھے بتایا کہ میں پریشان نہ ہوں وہ ہارون دانش ہے۔ اس کے لئے اس نے مجھے اپنے بارے میں پوری تفصیل بتا کر مجھ سے مدد کی استدعا کی۔ درمیان میں اس سے بہت سے سوالات کرتا رہا تھا۔ پھر میں نے اپنی آمادگی کا اظہار کردیا۔"

"انکل میں اس بات پر بہت حیران ہوں۔ آپ لوگ اتنے مشکل کام پر اتنی جلدی کیوں آمادہ ہوجاتے ہیں؟ احمر جنیدی نے اس جستجو میں جان دے دی۔ عدنان ثنائی اپاہج ہونے کے باوجود ہزاروں تکلیفیں برداشت کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ پروفیسر وسکن ڈیزل نے اپنا سکون برباد کرلیا اور سب کچھ چھوڑ دیا۔ کیا صرف دوستی کے نام پر...... ایسی بے مثال دوستی ایک آدھ سے تو ہوسکتی ہے اتنے سارے مخلص دوستوں کا مل جانا کیا حیرت ناک نہیں ہے۔"

"یہ صرف دوستی نہیں ہے نشا دانش۔"

"پھر کیا ہے انکل؟"

"مصر، تاریخ کا جادو...... اس سحر کا نشہ ہی انوکھا ہے انسان موت کی قیمت پر بھی اس نشے میں ڈوبنا چاہتا ہے۔"

"وہ دونوں بھی یہی کہتے تھے۔ میری مراد وسکن ڈیزل اور عدنان ثنائی سے ہے۔ مگر مجھے تعجب ہے۔"

"سچ کہتے ہیں وہ اور خود وہ اس کا ثبوت ہیں۔ ویسے کاش وہ مجھے مل جائیں۔ بڑے مددگار ثابت ہوسکتے ہیں وہ، ویسے بے بی پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ تم سے غیر مخلص نہیں تھے۔ بس خود پرستی کا شکار ہوگئے۔ تمہارا ساتھ اپنائے رہتے تو زیادہ فائدہ تھا ان کے لئے لیکن ان کی اپنی سوچ ہے کہ کیا کہہ سکتا ہوں۔ ممکن ہے قاہرہ میں ہی ان سے ملاقات ہوجائے ان کے مل جانے سے بہت فائدے ہوں گے ہمیں ایک دوسرے سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ تم کسی طرح اس بات کی نشاندہی کرسکتی ہو جس سے کچھ اندازہ ہوسکے۔"

"میں نے ان سے وادیِ ارمناس کا تذکرہ کیا تھا اور انہیں اس کے بارے میں تفصیل بتائی تھی۔ اس رات وہ دونوں جاگتے رہے تھے۔ پھر دوسری صبح انہوں نے موت کا سوانگ رچایا۔"

"اوہ۔ بات سمجھ میں آگئی۔ مجھے یقین ہے بے بی، اب وہ وادی ارمناس میں بھٹک رہے ہوں گے۔ ضرور ایسا ہی ہوگا۔"

"آپ میرے ابو کی بات کررہے تھے انکل۔"

"سوری۔ بھٹک گیا تھا۔ میں نے صدق دل سے ہارون سے وعدہ کیا۔ اس سے مزید رہنمائی حاصل کی اور پھر مصر آنے کی تیاریاں کرنے لگا۔"

"یہ کیسٹ......؟"

"ہارون نے اس کی نشاندہی کی تھی۔ یہ مجھے ایک میز پر رکھا ملا تھا۔"

"آپ نے اسے سنا ہوگا؟"

"ہاں۔ انکار نہیں کروں گا لیکن روشاق کے بارے میں کوئی سوال کس سے کرتا ہارون جاچکا تھا۔"

"انکل، ڈیڈی نے جس دشمن کا تذکرہ کیا ہے وہ روشاق کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ روشاق مصر میں موجود ہے۔ یہ شخص ابتداء سے میرے ساتھ ہے اور اسی نے مجھے اپنی شناخت پر اکسایا تھا۔" اس کے بعد میں نے اناطور کو روشاق کے بارے میں بتانا شروع کیا اور جب میں ایمنی تراوزی تک پہنچی تو اناطور اچھل پڑے۔

"پرندوں کا ساحر...... ایمنی تراوزی۔ آہ۔ قدیم ترین کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے مگر...... وہ تو بہت قدیم ہے اور فرعون سے بھی بہت پہلے اس کا تذکرہ ملتا ہے۔"

"ایمنی تراوزی نے بھی اپنی داستان میں یہ بتایا تھا کہ وہ مصنوعی موت اپنا کر زمین دوز ہوگیا تھا۔ "سیت" کے دور میں جانے کے لئے لیکن وہ سوتا رہ گیا اور دور آگے نکل گیا۔ پھر روشاق کے بیان کے مطابق اسے ہارون دانش ملا۔" میں نے ہارون دانش کی داستان بھی بیان کردی۔ مجھے اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی۔ جب میرے ابو نے مجھے ہدایت کردی تھی کہ میں اناطور سے ہر طرح تعاون کروں تو مجھے یہ داستانیں اپنے سینے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرا جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ بے چارہ عسکری بھی تو میری وجہ سے......

اناطور تصویرِ حیرت بنے ہوئے تھے، ان پر عجب سی کیفیت طاری تھی پھر انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا......

"آہ ایمنی تراوزی کی داستان بالکل درست ہے۔ تو یہ ہے ہارون دانش کی اصل کہانی۔ یوں وہ دور سیت میں پہنچا اور اس نے ایمنی تراوزی کی محبوبہ اناطم سلاملیہ کو اپنے فریب میں پھانس لیا۔ آہ بے بی۔ تم نے اس وقت میرے دماغ پر بڑی ضربیں لگائی ہیں۔ لاحول ولاقوۃ۔ کیا میں اس داستان کو صحیح تسلیم کرلوں؟"

"کیا مطلب انکل؟"

"گویا ہم تسلیم کرلیں کہ سورج کی جاتی ہوئی شعاعوں کے ساتھ دور سیت میں جا کر ہارون دانش نے وہی سب کچھ کیا جسے عقل نہیں مانتی۔ گویا تم ایک مردہ بطن کی تخلیق ہو۔"

"میں کیا جانوں انکل۔ ہاں اپنے بارے میں اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ قدیم تاریخ میں کیا ہے یہ مجھے نہیں معلوم لیکن تاریخ وقت نے میرے ساتھ خوب مذاق کیا ہے۔"

"میں اب خود الجھ کر رہ گیا ہوں لیکن کیا فرق پڑتا ہے۔ پہلے حالات کون سے سلجھے ہوئے تھے۔ البتہ ایک بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب کچھ اتنا دلچسپ ہے کہ اس کے لئے موت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔"

"شاید میں نے تمام کہانیاں آپ کو سنادی ہیں انکل۔"

"تم نے میری بہت مدد کی ہے بے بی۔ یہ سب کچھ ہارون نے نہیں بتایا تھا۔ مگر مجھے اصل کہانی معلوم ہوگئی۔ یہ نہیں معلوم کہ تاریخ کا فیصلہ کیا ہے۔ اصل ماجرہ کیا ہے۔ لیکن یہ ضرور معلوم ہوگیا کہ ہارون نے کیا کیا۔ اس نے پرندوں کے ساحر کو اس کے دانش کدے میں شکست دے دی۔ اوہ۔ اوہ...... آہ!" اناطور کے منہ سے ایسے بے ربط الفاظ نکلے کہ میں چونک پڑی۔

"کیا ہوا انکل؟"

"آں...... وہ بے بی، تمہیں روشاق پر زور دینا پڑے گا۔ پورے غور سے یاد کرکے مجھے بتاؤ۔ ایمنی تراوزی نے دور سیت میں جانے کے سلسلے میں کیا الفاظ کہے تھے۔"

"مجھے یاد نہیں انکل۔ مجھے یاد ہیں۔ جو اہم الفاظ اس نے کہے وہ مجھے ازبر ہیں۔"

"پورے اعتماد کے ساتھ غور کرکے مجھے بتاؤ بے بی۔ میں آنکھیں بند کررہا ہوں، اس بات پر توجہ نہ دینا غور کرو، یاد کرو کیا کہا تھا اس نے۔"

میں نے اپنی ذہنی قوتیں ان لمحات پر مرکوز کردیں اور میری زبان نے کہنا شروع کیا۔

"ممفس کی داستانوں میں...... تراوزی کا نام منفرد ہے۔ اہل مصر اسے پرندوں کا جادوگر کہتے تھے اور اس کے بیٹے ایمنی تراوزی نے باپ کی موت کے بعد اس کے علم سے استفادہ کیا اور آنے والے دور کی تاریک دیوی کو پایا لیکن وہ مستقبل کے لئے تھی تو ایمنی نے خود کو زمین کے سپرد کردیا کہ اس دور میں آنکھ کھولے لیکن وہ دیر سے جاگا اور اسے ایک محقق نے اس کے دانش کدے میں پایا اور محقق نے اس سے معلوم کرلیا کہ تاریکیوں کو چرا کر خود کو کس طرح پوشیدہ رکھا جائے کہ ہواؤں میں اپنی خوشبو بھی باقی نہ رہے اور سورج کی روشنی کے ذریعہ بند آنکھوں سے تصور کیسے چرایا جاسکے اور جب سورج کی کرنیں واپسی کا سفر کریں تو ان کے ساتھ ماضی کا رخ اختیار کیا جاسکتا ہے۔"

روشاق کی داستان لفظ بہ لفظ تو نہ سنا سکی میں لیکن اس کا مفہوم میں نے بتادیا تھا۔ اناطور پر جیسے سکتہ طاری

تھا مجھے خاموش ہوئے بہت دیر گزر گئی تو میں نے انہیں پکارا......اور وہ اس طرح چونکے جیسے سو گئے ہوں......

"آپ سو گئے تھے انکل؟"

"خدایا......خدایا میرے ایمان کا تحفظ کر۔ میں تسلیم نہیں کرسکتا۔ میں تسلیم نہیں کرسکتا۔"

"کیا انکل؟" میں نے پوچھا۔

"ساری باتیں ایک ہی اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن کیسے ممکن ہے یہ...... اوہ۔ میں ایک منٹ کے لئے اجازت چاہتا ہوں......" اناطور نے کہا۔

"کہاں جارہے انکل؟"

"واش روم......" پروفیسر اناطور نے کہا اور شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتے ہوا واش روم میں داخل ہوگئے۔ پھر میں بہت دیر تک پانی گرنے کی آوازیں سنتی رہی تھی۔ پھر پروفیسر اناطور باہر نکل آئے۔ بری طرح بھیگے ہوئے تھے، آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ تولیہ سے بال اور چہرہ خشک کرتے ہوئے وہ میرے سامنے بیٹھ گئے۔

"ہارون دانش کی کہانی بالکل درست ہے۔ وہ کس طرح ماضی میں داخل ہوا، اس کا انکشاف ایمنی تراوزی کی داستان سے ہوتا ہے۔ وہ جینئس ہے وہ عظیم ہے، اس نے وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ شاید کئی صدیوں میں اس کی مثال نہ مل سکے۔ لیکن اس کی داستان میں کوئی سقم ہے کوئی نکتہ پوشیدہ ہے جو شاید اس پر بھی واضح نہیں ہوا۔

میری بچی میرے جگر گوشے بات صرف ایک نکتے کی ہے۔ اگر خود ہارون دانش کو وہ نکتہ پتہ چل جائے تو وہ کسی کی مدد کا محتاج نہ رہے۔ آہ کچھ ضرور ہے، واہ کیا بات ہے ہارون دانش اس دور کا ساحر ہے اس نے بڑے بڑے ساحروں کے سحر کو پیچھے چھوڑ دیا ہے ایسے جینئس صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

سنو نشا میری بچی، میرے دل کی حالت عجیب ہورہی ہے اہل مصران قدیم داستانوں میں وہ اصل نہیں تلاش کرسکے تھے جو ہمیں مل گئی ہے۔ میں ایک ایسے رمز سے آشنا ہوا ہوں جس کا انکشاف ہوجائے تو نہ جانے کیا ہوجائے۔"

"کیا انکل؟......"

"وادی ارمناس وادی سحر کو اہل مصر ایک پراسرار وادی قرار دیتے ہیں۔ امیر غیری کہتا ہے کہ وادی ارمناس میں رات کے وقت منتشر ہوائیں ریت کے بگولے اڑاتی ہیں۔ اور ان بگولوں میں ماضی کے دروازے کھلتے ہیں......

نہیں نشا میری بچی ایسا نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ سورج کی جاتی ہوئی شعاعیں کچھ ایسے زاویے ترتیب دیتی ہیں جن سے وقت کے دریچے کھل جاتے ہیں اور اگر کوئی ذی روح خود کو ان شعاعوں میں تحلیل کردے تو ماضی میں چلا جاتا ہے۔ یہی فارمولا ٹائم مشین کا ہے جو ابھی فینٹسی تصور کی جاتی ہے۔ ابھی وہ تصوراتی مراحل میں ہے۔ انسانی ذہن کی اختراع کہی جاتی ہے لیکن چاند پر پہلے آدمی کا تصور بھی تو معروف مصنف ایچ جی ویلز نے پیش کیا تھا۔

اس وقت لوگوں نے اسے ایک شاندار گپ قرار دیا تھا۔ لیکن نیل آرمسٹرانگ چاند پر پہلا آدمی تھا۔ الف لیلوی جادوگر کے گولے آبادیوں پر مارتے اور تباہی پھیل جاتی۔ ہیروشیما اور ناگاساکی انہی جادو کے گولوں سے تباہ ہوا، جام جمشید، جمشید کا جہاں نما تھا۔ آج یہ جہاں نما ٹیلی ویژن پر سیٹلائٹ کے ذریعے سارے جہان کو سمیٹ لیتا ہے۔ جام صبح اس دور میں ڈش انٹینا کہلاتا ہے کیا ڈش کی شکل پیالے جیسی نہیں ہے۔ بتاؤ، ہارون دانش اگر کہتا ہے کہ وہ ماضی میں پہنچ گیا تھا تو کیا یہ تمام چیزیں اس کی تصدیق نہیں کرتیں!

ایک نکتہ بے بی بس ایک نکتہ کاش ہم اسے پاجائیں بے بی، سائنس نے خلا کی کہانیاں سنائی ہیں۔ برزخ کا تصور ہمارے ذہنوں میں ہے جہاں روحوں کا بسیرا ہے۔ خلا میں ہی ایک ایسا جزیرہ ہے جہاں آوازوں کا ذخیرہ ہے۔ آواز کبھی فنا نہیں ہوتی بلکہ وہ قائم رہتی ہے۔ یہ سب کچھ ہے بے بی سب کچھ ایک دوسرے میں مدغم ہے۔ تلاش...... تلاش اور بس تلاش......

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے میں نے کائنات تمہارے لئے مسخر کردی، تلاش کرو۔"

پروفیسر اپنے سر کے بال نوچنے لگے۔ بہت دیر کے بعد وہ خود پر قابو پاسکے تھے۔ پھر وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

"تم شادی کرکے ایک عام زندگی گزارنا چاہتی تھیں۔ محدود ہونا چاہتی تھیں۔ اپنے آپ کو تلاش کرو بے بی، خود کو پانے کی جدوجہد کرو، نہ جانے کیا نکلو۔ اتنی عظیم تحقیق کو روک دینا چاہتی ہو تم۔"

"میں نے خود کو آپ کے حوالے کردیا ہے انکل۔"

"ہاں میں تمہیں تلاش کروں گا۔ میں صرف ہارون کی ہدایات پر عمل نہیں کروں گا بلکہ خود بھی بہت کچھ کروں گا اور تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔ اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دو۔ رات ہوچکی ہے۔ جاؤ اپنے کمرے میں جاکر لباس تبدیل کرو، تیار ہوجاؤ، ہم نیچے چلیں گے، زندگی کو روشن نگاہوں سے دیکھیں گے۔"

میں بوجھل بوجھل اپنے کمرے میں آگئی۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی کہ فون چیخ اٹھا۔ میں نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سفارت خانے کا افسر جاوید علی تھا۔

"مس نشا؟"

"جی میں بول رہی ہوں۔"

"میں جاوید عالی بول رہا ہوں۔ مسٹر عسکری شاید اپنے کمرے میں موجود نہیں ہیں۔ آپ خود انہیں اطلاع دے دیں۔ آپ دونوں کے لئے خوشخبری ہے۔ کل شام ساڑھے پانچ بجے آپ کی فلائٹ ہے۔ تمام انتظامات مکمل ہوچکے ہیں۔ آپ کے کاغذات تیار ہوچکے ہیں۔ میری طرف سے مبارکباد قبول کریں۔"

میں ریسیور پکڑے احمقوں کی طرح کھڑی رہی۔ دوسری طرف سے جاوید عالی کی آواز پھر سنائی دی۔

"کل دن میں کسی بھی وقت میں خود آپ کے پاس پہنچوں گا۔ اور تمام چیزیں آپ کے حوالے کردوں گا۔ میرے خیال میں آپ اب ہوٹل ہی میں رہیں۔ اوکے مس نشا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم آپ کی کوئی خدمت کرسکے......خداحافظ۔"

دوسری طرف سے فون بند ہونے کے بعد میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ دلی طور پر اضمحلال طاری ہوگیا تھا۔ میری وطن واپسی کا بندوبست ہوگیا تھا اور میں وطن نہیں جارہی تھی۔ ایک بار پھر دل میں لہر سی اٹھی کہ ہر احساس پر لعنت بھیج دوں۔ جاوید عالی کو فون کرکے کہوں کہ مجھے سفارت خانے کی عمارت میں لے جایا جائے اور میری حفاظت کی جائے اور مجھے مقررہ وقت پر جہاز میں سوار کرادیا جائے۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ جن حالات سے گزر چکی ہوں اس سے زیادہ کیا خراب حالات ہوں گے، زیادہ سے زیادہ کیا ہوجائے گا، طیارے کو حادثہ پیش آجائے گا، اسے اغوا کرلیا جائے یا کچھ اور سہی۔ لیکن پھر اس کیسٹ سے ابھرنے والی یاس انگیز آواز نے مجھے گھیر لیا۔

"نشا میری لخت جگر مجھ سے تعاون کرو......!"

یہ معاملہ میرا نہیں میرے باپ کا بھی تھا۔ عسکری سے کیا کہوں۔ وہ بھی پاگل ہے۔ کہتا ہے ابھی تھکا نہیں۔ مارا جائے گا۔ میرا تو خیر جو کچھ بھی ہوگا مگر وہ مارا جائے گا۔ کچھ ویران خیالات میں ڈوبی رہی۔ پھر تیار ہونے لگی۔ اور پھر باہر نکل آئی۔ عسکری کے کمرے کے دروازے پر بدستور تالا لگا ہوا تھا۔ وہاں سے پروفیسر اناطور کے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ ایک خوب صورت سوٹ میں ملبوس میرا انتظار کررہے تھے۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ آؤ چلیں، میں چاہتا ہوں کہ تم ہر فکر سے بے نیاز ہوجاؤ۔"

"فکریں مجھ سے بے نیاز نہیں ہیں پروفیسر صاحب......" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کوئی اور خاص بات تو نہیں ہوگئی؟"

"جی ہاں ہوئی ہے۔" میں نے کہا اور پروفیسر کو

جاوید عالی کے فون کے بارے میں بتایا۔ان کا چہرہ بھی کچھ دیر کے لئے سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر وہ گردن جھٹک کر بولے۔

"آؤ نیچے چلیں۔ابھی ہمارے پاس اکیس گھنٹے باقی ہیں۔ بہت وقت ہے۔اس مشکل کا حل بھی سوچ لیں گے۔"

پروفیسر نے خاموشی اختیار کرلی۔ میں بظاہر اپنے آپ کو پرسکون رکھ رہی تھی۔ لیکن دل میں بہت سے احساسات جاگزیں تھے۔ کیا ہوگا اب کیا ہوسکتا ہے۔ جاوید عالی نے میرے وطن واپس جانے کا بندوبست کردیا ہے اور اناطور اس کے برعکس کہہ رہا ہے، فیصلہ کرنا میرے اختیار میں نہیں تھا۔اپنے آپ کو ہر ممکن طریقے سے بہلانے کی کوشش کرتی رہی کہ جب میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے تو پھر ان احمقانہ خیالات سے کیا حاصل۔

ہوٹل کی تفریحات جاری رہیں اور ہم مشروبات سے شغل کرتے رہے۔ ہلکا پھلکا سا کھانا بھی وہیں کھایا اور خاصی رات گئے پروفیسر اناطور وہاں سے اٹھے۔وہ میرے کمرے تک آئے تھے۔انہوں نے کہا۔

"یہ ایک احمقانہ پیش کش ہے۔ بے بی، لیکن میں تمہارے باپ کا دوست بھی ہوں اور تمہارے لئے باپ ہی کی مانند، اگر تم اپنے آپ کو کسی طور پر پریشان محسوس کررہی ہو تو میں رات کو تمہارے کمرے میں بھی رہ سکتا ہوں، جب میں نے تمہاری تمام ذمے داریاں سنبھال لی ہیں اور تم مجھ سے تعاون کررہی ہو تو پھر باقی سارے معاملات مجھے ہی سنبھالنے ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بالکل بے فکر ہو جاؤ، میں موجود ہوں، تمہاری الجھنوں سے نمٹنے کے لئے۔"

"نہیں انکل میں پرسکون رہوں گی آپ اطمینان رکھیے۔" میں نے مشکور انداز میں کہا۔

"تو پھر کل صبح میں ناشتہ تمہارے ساتھ ہی کروں گا۔"

پروفیسر اناطور کے چلے جانے کے بعد میں نے لباس وغیرہ تبدیل کیا، کھڑکیاں اور دروازے مضبوطی سے بند کئے اور اپنے بستر پر جالیٹی، کم بخت خیالات نے رات کو تین بجے تک سونے نہ دیا، تین بجے نیند مہربان ہوئی......

دوسری صبح ساڑھے آٹھ بجے جاگی، پروفیسر اناطور کو ٹیلی فون کیا اور غسل خانے میں داخل ہوگئی، پروفیسر تھوڑی دیر کے بعد ہی پہنچ گئے تھے ناشتے کے لئے کہہ کر آئے تھے۔باقاعدہ لباس میں تھے ناشتے کے بعد انہوں نے کہا۔

"رات کو میں بہت کچھ سوچتا ہوں بے بی اور میں نے کچھ فیصلے بھی کرلئے ہیں بس جارہا ہوں، دعا کرنا جو کچھ میں نے سوچا ہے اس میں مجھے کامیابی حاصل ہوجائے۔ خاصی بہتر صورت حال ہوجائے گی اور ہمیں کچھ موقع مل جائے گا اور ہاں سنو، اگر جاوید عالی میرے واپس آنے سے پہلے آجائے تو اس سے کوئی نئی بات نہ کہنا۔اسی طرح اگر تمہارا دوست عسکری بھی تم سے مل جائے تو اس پر بھی ظاہر نہ ہونے دینا کہ تمہارے ذہن میں کچھ اور ہے، اس وقت ہمارا راز صرف ہم تک رہنا چاہیے کیا سمجھیں؟ اس کے علاوہ اگر جاوید عالی تم سے یہ کہے کہ اپنے وطن روانہ ہونے سے پہلے سفارت خانے چلو تو میرا نام لے کر انکار کردینا کہ پروفیسر اناطور سے یہیں ملاقات ہوگی۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ جب تک میں واپس نہ آؤں تم کوئی اور قدم نہ اٹھانا۔خدا تمہاری نگہبانی کرے۔"

ناشتے کے بعد پروفیسر اناطور چلے گئے اور میں ایک کرسی پر نیم دراز ہوگئی۔ پھر اچانک ہی عسکری کا خیال آیا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل آئی۔ عسکری کے کمرے کے دروازے پر پہنچی لیکن اس پر مسلسل تالا لگا ہوا تھا۔اپنے کمرے میں واپس آکر کاؤنٹر سروس کو ٹیلی فون کیا اور اس سے عسکری کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ پتہ چلا کہ وہ کل ہی سے غائب ہے۔رات کو بھی نہیں آیا نہ ہی اس نے یہ کمرہ چھوڑا ہے۔بس اس سے زیادہ وہاں سے اور کچھ معلوم نہیں ہوسکا تھا، میرے

دل میں دکھ کا احساس مسلسل تھا، عسکری بددل ہوگیا تھا۔ لیکن شاید ایک بار پھر دیوانگی کا شکار تھا۔ مجھ سے الگ رہ کر میری نگرانی کرنا چاہتا تھا۔ آہ اس بدنصیب پر بری گزر رہی ہے۔ کتنا مسرور تھا میرے تیار ہوجانے سے حالانکہ ذہنی طور پر شاید میں وہ سب کچھ کرکے بھی مطمئن نہ ہوتی جس کا میں نے اقرار کرلیا تھا۔ بس ایک ذہنی قرار تھا جو میں اس طرح حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اپنے آپ کو اور اپنے اردگرد پھیلے ہوئے اس ماحول کو دھوکہ دینا چاہتی تھی۔ جس نے مجھے برباد کررکھا تھا۔

گیارہ بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور میرا دل دھڑک اٹھا۔فون جاوید عالی کا تھا اس نے کہا۔

"مس نشا دانش اتفاق سے میں اپنے کچھ معمولات میں مصروف ہوگیا ہوں۔ میں آپ کے کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ کسی اور کے ہاتھوں بھی آپ تک بھجوا سکتا تھا۔ لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ تقریباً ساڑھے تین بجے میں آپ کے پاس پہنچوں گا۔ آپ تیار رہیں۔ اور عسکری صاحب کو بھی اس بات کی اطلاع دے دیں۔ بالکل مطمئن رہیں آپ کی روانگی میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ سارا کام مکمل ہے۔"

"جی بہت بہتر کوئی بات نہیں ہے آپ کو جیسے ہی فرصت ملے تشریف لے آیئے۔" میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

میں نے اسے یہ تک نہیں بتایا تھا کہ عسکری موجود نہیں ہے بلاوجہ ایک تشویشناک ماحول پیدا ہوجاتا اور ہوسکتا تھا کہ اس تفصیل کے بعد جاوید عالی فوری طور پر کوئی کارروائی کرتا جس سے پروفیسر اناطور کا پروگرام متاثر ہوتا۔

پروفیسر اناطور کوئی پونے ایک بجے آئے، کسی قدر تشویش کا شکار تھے۔ مجھے دیکھ کر مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور بولے۔

"اتنا خوفزدہ ہوگیا ہوں تمہاری جانب سے کہ یہ وقت بہت عجیب سا گزرا لیکن پرمسرت بات یہ ہے کہ جو کچھ میں نے سوچا اس کی تکمیل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔اب ایسا کرو اپنے چند جوڑے کپڑے اس ہینڈ بیگ میں رکھ لو اور یہاں سے چلنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔"

"جی......" میں نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ تمہارے پاس ایسا کوئی ہینڈ بیگ نہیں ہوگا اس لئے میں یہ بیگ خرید لایا ہوں۔اپنے عام استعمال کے کپڑے رکھ لو بس باقی سب انتظام بعد میں ہوجائے گا۔"

میں اناطور کے ساتھ باہر نکل آئی۔انہوں نے ایک ٹیکسی کی اور اس میں بیٹھ کر ہم چل پڑے۔وہ بہت احتیاط سے کام لے رہے تھے۔ ایک بھرے پُرے بازار میں ٹیکسی رکوائی۔ نیچے اترے کافی فاصلہ پیدل طے کیا اور اس کے بعد ایک دوسری ٹیکسی لے کر چل پڑے۔

میں نے مکمل خاموشی اختیار کرلی تھی، جو کچھ ہورہا تھا سحر کے سے عالم میں ہورہا تھا۔میری سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہوگئی تھیں، سارا وجود ہلکا ہلکا سا لگ رہا تھا۔ طبیعت سخت نڈھال تھی۔ لیکن سب کچھ برداشت کئے ہوئے تھی۔

پھر ساحل نیل کے ایک خوب صورت مکان کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔اناطور نے بل ادا کیا اور اس مکان کی جانب بڑھ گئے۔ حسین رہائش گاہ تھی۔دروازے پر ایک مقامی چوکیدار موجود تھا۔ جس نے اناطور کو سلام کیا اور اس کے بعد ہماری رہنمائی کرتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ چھوٹا سا باغیچہ لگا ہوا تھا۔ جس میں چند درخت جھول رہے تھے۔جگہ جگہ پھولوں کے کنج تھے جس کا بھی یہ مکان تھا اسے شاید پھولوں سے زیادہ دلچسپی تھی کیونکہ دنیا کے قیمتی ترین پھول وہاں نظر آرہے تھے۔ بڑا صاف ستھرا ماحول تھا۔ایک وسیع وعریض برآمدے سے گزرنے کے بعد ہم چوبی دروازے سے اندر داخل ہوگئے......

دروازے کے دوسری جانب سرخ قالین بچھا ہوا تھا، بالکل گول کمرہ تھا جس میں نہایت قیمتی فانوس لٹکا ہوا تھا۔ کمرے میں تین دروازے تھے۔چوکیدار کی رہنمائی میں

ایک دروازے سے گزر کر ہم ایک راہداری میں پہنچے اور پھر راہداری کے اختتام پر بنے ہوئے ایک اور کمرے کے دروازے پر۔ اس چوکیدار کے علاوہ یہاں کوئی اور نظر نہیں آرہا تھا۔ چوکیدار نے انگریزی میں کہا۔

''آپ لوگ آرام کیجیے میں باہر موجود ہوں۔ اور عزیزہ سے کہیے کہ گھر کا جائزہ لے لیں، یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ ضروریات زندگی خاتون ذائرہ ایمان کی طرح آپ ہی کو سرانجام دینا ہوں گی۔''

''شکریہ مہروز۔ تمہیں جو ہدایات دی گئی ہیں ان کا خیال رکھنا۔'' چوکیدار سر خم کرکے باہر نکل گیا۔

''یہ کس کا مکان ہے؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''بیٹھو۔'' پروفیسر نے مجھے اشارہ کیا اور خود بھی ایک نشست پر بیٹھ گئے۔ پھر بولے۔

''اس کی مالک خاتون ذائرہ ایمان ہیں۔ مصر کی ایک صنعت کار خاتون جو نکل اور فاسفور کا کاروبار کرتی ہیں۔ سوئٹزرلینڈ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ میری گرویدہ ہوگئیں۔ انہوں نے مجھے مصر آنے کی دعوت دی تھی۔ کئی سال قبل جب میں مصر آیا تو اسی گھر میں ان کے ساتھ قیام کیا تھا اور انہوں نے میری جس طرح تعظیم و تکریم کی اس کے لئے میں آج تک ان کا شکر گزار ہوں۔ اس تازہ الجھن پر غور کرتے ہوئے مجھے وہ یاد آگئیں اور میں ان سے ملنے آ گیا۔ وہ ان دنوں بھی سوئٹزرلینڈ میں ہیں۔ مہروز نے مجھے پہچان لیا اور جب میں نے اسے بتایا کہ میں خاتون ذائرہ ایمان کے پاس قیام کی غرض سے آیا تھا تو اس نے پیشکش کردی کہ میں چاہوں تو یہاں قیام کرکے ان کا انتظار کرسکتا ہوں۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔''

''میرے بارے میں اسے کیا بتایا ہے؟''

''یہی کہ میں اپنی بیٹی کے ساتھ ہوں لیکن ہم دونوں یہاں تحقیقی امور کے سلسلے میں آئے ہیں، اور وہ کسی کو ہماری ہوا بھی نہ لگنے دے۔''

''آپ مطمئن ہیں پروفیسر؟''

''ہاں بالکل۔ البتہ چوکیدار کے علاوہ یہاں کوئی اور ملازم نہیں ہے۔ خاتون ذائرہ ایمان اپنے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کرتی ہیں۔ یہ ان کا شوق ہے۔ تمہیں کچن بھرا ہوا ملے گا۔ باقی ضروری چیزیں چوکیدار مہیا کردے گا۔ بس دوسرے کام تمہیں خود کرنے پڑیں گے۔''

''میرے لئے بھی یہ دلچسپ تجربہ ہوگا۔ آپ میرے ساتھ ہی رہیں گے پروفیسر صاحب؟''

''ابھی کچھ روز نہیں۔ تمہارے سلسلے میں سفارت خانے کے لوگوں کو اور پولیس کو مطمئن کرنا ہوگا۔ ورنہ میں بھی تمہارے ساتھ فرار کا مجرم قرار دیا جاؤں گا۔'' پروفیسر نے ہنس کر کہا۔

پروفیسر اناطور کچھ دیر کے بعد چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد مہروز اجازت لے کر میرے پاس آ گیا۔

''آپ میرے ساتھ چل کر گھر کا جائزہ لے لیجیے۔ یہاں سب کچھ موجود ہے اس کے باوجود اگر کوئی ضرورت ہو تو مجھے حکم دیجئے۔ ویسے آپ یہاں خود کو تنہا نہ محسوس کریں گی۔ بالائی منزل سے دریائے نیل کا نظارہ ہوتا ہے اگر آپ چھت پر چلی جائیں تو آپ کو بالکل کوفت نہ ہوگی۔''

''بہت شکریہ میں ضرور چھت پر جاکر دریائے نیل کا نظارہ کروں گی۔''

اور یہ ایک اچھا مشغلہ تھا ساحل نیل تھوڑے ہی فاصلے پر تھا اور درمیان میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی۔ وسیع و عریض میدان پھیلا ہوا تھا۔ اور اس میدان میں نیل کے مناظر سے لطف اندوز ہونے والوں کی گاڑیاں دوڑتی نظر آرہی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں نیل کی لہروں پر ڈول رہی تھیں اور کچھ عجیب و غریب مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ جگہ تو واقعی بہت دلکش ہے یہاں میرا دل لگا رہے گا۔ البتہ دل کی لگی کچھ اور ہی تھی ان تمام کارروائیوں کا کیا انجام ہوگا۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

(جاری ہے)

موت کا سامنا

عثمان غنی۔ پشاور

جلتی دوپہر میں اچانک ایک فلک شگاف چیخ سنائی دی۔ اس چیخ کو سنتے ہی قرب و جوار کے لوگ دہشت زدہ ہوگئے، جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور مساموں سے ٹھنڈے پسینے نکلنے لگے اور پھر......

مطلب پرستی اور عیش پرستی اکثر خونی رشتوں میں دراڑ ڈال دیتی ہے، ایک پراسرار کہانی

میرا نام بلقیس ہے۔ میری عمر چودہ سال ہے اور میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں مما اور پپا بہت شفیق اور مہربان ہیں۔ مگر مجھے ان سے ایک شکایت ہے اور وہ شکایت یہ ہے کہ مما اور پپا، مجھ پر توجہ نہیں دیتے، جبکہ میں توجہ کی بہت بھوکی ہوں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ مما پپا مجھ سے پیار نہیں کرتے۔ یا میری ضروریات پوری نہیں کرتے، بلکہ وہ دنیا کے سارے ممی ڈیڈی سے مجھے زیادہ پیار کرتے ہیں۔

ویسے مجموعی طور پر ہمارا گھرانہ خوش حال ہے اور ہم ایک خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارا گھرانہ خوش اخلاق، صفائی پسند اور مطالعے کے ذوق سے بھرپور ہے۔

ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم کبھی کسی ایسی بے بس، لاچار اور مظلوم عورت کے کام

آئیں گے جو موت کی دہلیز پر پڑی سسک رہی ہوگی۔

میرا خیال ہے کہ میری بات آپ کو مبہم اور غیر واضح لگی ہوگی، اور آپ بالکل بھی نہیں سمجھ رہے ہوں گے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ ٹھہریئے میں آپ کو واضح اور شروع سے پورا واقعہ سناتی ہوں۔

وہ جولائی کا گرم ترین مہینہ تھا۔ اور میری یادداشت کے مطابق ہفتے کا دن تھا اس روز گرمی بہت زیادہ تھی۔ سورج جیسے زمین کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ مما نے مجھے اسٹور سے آئس کریم لانے کے لئے بھیجا۔ مجھے بھی آئس کریم بہت پسند ہے، ہمارا گھر بہت خوب صورت علاقے میں ہے۔

اسٹور سے آئس کریم خرید کر، واپسی میں، میں اس غیر آباد پلاٹ سے گزری جو ہمارے گھر کے عقب میں برسوں سے خالی پڑا تھا، کبھی کبھی بچے وہاں آ کر کھیلتے رہتے، یا پھر اس پلاٹ میں لوگ کوڑا کرکٹ بھی ڈال جاتے ہیں۔

خیر...... میں اپنی دھن میں مگن اس پلاٹ سے گزر رہی تھی کہ مجھے کسی عورت کی چیخ سنائی دی۔ میں ٹھٹک کر رک گئی۔ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ مگر اس جگہ کوئی موجود نہیں تھا۔ لہٰذا میرا خوف زدہ ہونا فطری امر تھا۔ خوف کے باوجود میں چند منٹ وہیں کھڑی رہی اور گرد و پیش کا جائزہ لیتی رہی۔ لیکن وہاں ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ بالآخر میں نے بے پروائی سے سر جھٹکا اور اس چیخ کو فریب سماعت تصور کر کے آگے بڑھ گئی۔

میں بمشکل چند قدم ہی آگے گئی تھی کہ وہ نسوانی چیخ دوبارہ سنائی دی۔ اس بار آواز خاصی تیز تھی۔ اور میں نے واضح طور پر سنی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا اب چیخیں ایک تسلسل سے آ رہی تھیں۔ اور اسی خالی پلاٹ میں سے آ رہی تھیں۔

پلاٹ خالی تھا اور اس کے ارد گرد مستطیل کی شکل میں 4 فٹ اونچی چار دیواری قائم کی گئی تھی۔ پہلے میں نے پلاٹ کا جائزہ لیا۔ اور اس کے چاروں کونوں کو غور سے دیکھا۔ پلاٹ خالی تھا، ڈر و خوف سے میں سن سی ہوگئی، مجھے ایسے لگنے لگا کہ وہ آوازیں کسی چڑیل کی ہیں۔ جو سخت تکلیف کے باعث چیخ و پکار کر رہی ہے۔ اور نظر نہیں آ رہی۔

لیکن نہیں میرے دماغ نے کہا۔ ''یہ چیخیں زمین کے اندر سے آ رہی ہیں۔'' اور میرے غور و فکر کرنے کے بعد مجھے لگا کہ اسی پلاٹ میں کسی زندہ عورت کو دفن کر دیا گیا ہے۔

میں وحشت کے عالم میں بھاگ کھڑی ہوئی مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس عورت کو مدد کی ضرورت ہے اور وہ مدد میں اسے نہیں فراہم کر سکتی بلکہ میرے بڑے ہی ایسا کر سکتے ہیں۔

میں تیزی سے اپنے گھر میں داخل ہوئی، میری مما، دلنشین بہت خاموش طبع ہیں۔ بلاضرورت کبھی نہیں بولتیں۔ اور فضول بات کبھی نہیں کرتی ہیں، اس وقت انہوں نے میرے ہاتھ سے آئس کریم کا ڈبہ لیا اور اسے فریج میں رکھ دیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئیں، انہوں نے مجھے نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ انہیں ضرور اندازہ ہو جاتا کہ میں انہیں کوئی اہم بات بتانا چاہتی ہوں۔ بات تو واقعی اہم تھی ایک عورت کو زندہ سلامت زمین میں دفن کر دیا گیا تھا۔ اور وہ مدد کے لئے چلا رہی تھی، وہ عورت جو کوئی بھی تھی، زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔

بالآخر میں نے دل کڑا کر کے، مما سے کہہ ہی دیا۔ ''مما پیچھے والے پلاٹ میں ایک عورت کو زندہ دفن کر دیا گیا ہے۔''

''بلقیس پلیز! مجھے تنگ مت کرو۔ مجھے کام کرنے دو۔'' انہوں نے بے توجہی سے کہا۔ پھر بولیں! ''یہ تم دھوپ میں کیوں کھڑی ہو، اندر کچن میں آ جاؤ۔''

''مما ہمیں اس عورت کی مدد کرنی چاہیے، ہم اسے بچا سکتے ہیں۔''

''ہمیں ابھی لنچ کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ اتنی دیر انتظار کر سکتی ہے۔ مما کا لہجہ مزاحیہ تھا۔''

''آپ کو میری بات پر یقین نہیں آ رہا نا؟''

''مجھے یقین ہے کہ تم سچ بول رہی ہو۔ اب ایسا کرو کہ گوشت کی یہ پلیٹ ڈائننگ روم میں لے جاؤ۔ تمہارے ڈیڈی کو بہت بھوک لگی ہے۔ جاؤ جلدی کرو شاباش۔''

''مما وہ عورت......''

''ارے اسے چھوڑو، ایک گھنٹہ سے تمہارے ڈیڈی نے بھوک کی گردان شروع کر رکھی ہے، جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔'' مما نے میری بات کاٹ دی۔

میں نے خاموشی سے بھنے گوشت کی پلیٹ پکڑی۔ اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔ ڈیڈی کرسی پر بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ میں نے گوشت کی پلیٹ میز پر رکھ دی اور ڈیڈی سے کہا۔

''ڈیڈی...... پچھلے پلاٹ میں ایک عورت چلا رہی ہے!''

''بیٹا، میں نے تو ہمیشہ عورتوں کو چیختے چلاتے ہی دیکھا ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اگر عورت چیخے چلائے گی نہیں تو عورت کیسے کہلائے گی۔'' ڈیڈی نے بے پروائی سے کہا اور ہنسنے لگے۔

''ڈیڈی پلیز! میں سنجیدہ ہوں، ہمیں اس عورت کی مدد کرنی ہے۔ کسی ظالم نے اسے زندہ زمین میں دفن کر دیا ہے۔ آپ ایسا کریں، کدال اور پھاوڑا لے کر چلیں، زمین کھود کر اسے باہر نکالیں ورنہ وہ مر جائے گی۔''

''دیکھو بیٹا۔ میں کوئی ماہر آثار قدیمہ تو ہوں نہیں، مجھے کھدائی وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

میں بہت جذباتی ہو رہی تھی جبکہ ڈیڈی مزے سے گوشت کی بوٹیاں کھانے میں مصروف تھے، انہیں شاید یہ خیال بھی نہیں رہا تھا کہ میں کمرے میں موجود ہوں۔

''بلقیس بیٹا! مجھے سکون سے بوٹیاں کھانے دو، میں وعدہ کرتا ہوں، بوٹیاں کھانے کے بعد اس شور مچانے والی عورت کی کہانی ضرور سنوں گا۔ اور سننے کا معاوضہ بھی نہیں لوں گا۔ تم بھی پہلے کھانا کھا لو پھر سنا لینا شور مچانے والی عورت کی کہانی۔''

مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے ڈیڈی سلو موشن میں کھانا کھا رہے ہوں۔

مجھ سے ٹھیک طرح سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ اس عورت کی چیخ بار بار میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ کم از کم مجھے اس وقت ایسا ہی لگا جیسے کہ کھانا برسوں پر محیط ہو گیا ہو۔

جیسے تیسے ہم نے کھانا ختم کیا اور التجائیہ لہجے میں ڈیڈی سے بولی۔

''ڈیڈی پلیز! جلدی کریں۔ اور خالی پلاٹ کی طرف چلیں۔''

''چلو بھئی کھانے کا مرحلہ تو نمٹ گیا۔'' ڈیڈی نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''آپ اس عورت کی مدد کریں گے نا۔'' میں نے پوچھا۔

''پہلے میں کافی پیوں گا۔ دلنشین کافی لے آؤ۔'' ڈیڈی نے مما کو آواز دی۔

اتنی دیر میں مما کافی لے آئی تھیں۔ ''چیخنے چلانے والی عورت سے مجھے یاد آیا، کہ رات پھر عاصم اپنی بیوی سے اونچی آواز میں لڑ رہا تھا۔''

مما نے ڈیڈی کے سامنے پیالی رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ عاصم کے گھر ہر روز لڑائی ہوتی ہے۔'' ڈیڈی نے بے پروائی سے کہا۔

''کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ عاصم اچھا آدمی نہیں ہے۔'' مما نے خیال ظاہر کیا۔

''ڈیڈی کافی پینے لگے، کچھ دیر کے بعد مما پھر سے بولیں۔'' یا پھر ہو سکتا ہے کہ شاہین میں کوئی خرابی ہو؟''

''نہیں شاہین میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ وہ بہت حسین اور خوش اطوار عورت ہے۔'' ڈیڈی نے آنٹی شاہین سے ہمدردی ظاہر کی۔

''تمہیں تو اس سے بالکل ہمدردی ہوگی۔'' مما نے تلخ لہجے میں کہا۔

”تمہاری تو شادی تقریباً اس کے ساتھ ہو ہی چکی تھی۔“

”تم نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔“ ڈیڈی مما کی بات پر جھلا گئے۔ ”میری اور اس کی منگنی صرف چھ ہفتے قائم رہ سکی تھی۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ وہ عورت بہت اچھی ہے۔“

”اس کو کیا ملا، ایک سنگ دل شوہر کے سوا......“ اس بار مما کے لہجے میں بھی ہمدردی تھی۔

”ڈیڈی، مما آپ دونوں نے کیا بحث چھیڑ دی۔“ میں نے کہا۔

”عاصم، بہت تند خو ہے اور اس کی شخصیت میں بھی شک کوٹ کوٹ کر بھرا ہے، اس لئے تو آئے روز ان کے درمیان چک چک ہوتی رہتی ہے۔“ ڈیڈی میری بات نظر انداز کر کے بولے۔ میں خاموشی سے ان کو دیکھنے لگی۔

”تمہیں پتہ ہے دلنشین! شاہین بہت باصلاحیت لڑکی تھی۔ ایک بار اسکول میں ہونے والے ڈرامے میں اس نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ جس میں وہ انارکلی بنی تھی۔ اس نے اس ڈرامے کے لئے گیت بھی لکھے تھے۔ اس نے میرے لئے ایک گیت لکھا تھا اور خود ہی گایا بھی تھا۔“

”تم نے پہلے مجھے یہ بات نہیں بتائی۔“ مما شکایتی لہجے میں بولیں۔

”ذاتی سی بات تھی، چلو میں تمہیں وہ گیت سنا ہی دیتا ہوں۔“

”ڈیڈی!!“ میں نے اس بار اونچی آواز میں ڈیڈی کو مخاطب کیا۔

”بہتر یہی ہے کہ تم اپنی لاڈلی کے ساتھ خالی پلاٹ کا جائزہ لے آؤ اور اس عورت کی فریاد سن لو۔ ورنہ یہ اس کے غم میں خود کو ہلکان کر لے گی۔ میں گیت بعد میں سن لوں گی۔“ مما نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ ڈیڈی کافی کی پیالی خالی کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ڈیڈی کو میں اس خالی پلاٹ کی طرف لے گئی۔ زمین تپ رہی تھی۔ خالی پلاٹ کو لوگوں نے کچرا گھر بنا دیا تھا۔ وہاں پر بے شمار سبزی کے چھلکے خالی جوس اور ملک پیک کے ڈبے شاپرز اور ڈھیر ساری پلاسٹک کی بوتلیں پڑی تھیں۔

”ڈیڈی غور سے سنیے۔“ میں نے کہا۔ میرا دل عجیب طرح دھڑک رہا تھا۔

ڈیڈی کچھ دیر سماعت پر زور دیتے رہے پھر غصیلے لہجے میں بولے۔ ”میرا خیال ہے تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ اپنی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنا نہ بھولنا، تمہارے دماغ پر گرمی کا اثر ہو گیا ہے۔“

”لیکن ڈیڈی میں نے خود چیخیں سنی تھیں۔ بالکل صاف اور واضح، یقین کریں۔ اس جگہ زمین کھود کر اسے دفن کیا گیا ہے۔“ میں نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پرزور لہجے میں کہا۔

”پگلی یہ تو وہ جگہ ہے جہاں پر کل مسٹر رحیم نے زمین کھود کر کوڑا دبایا ہے۔“ یہ کہہ کر ڈیڈی گھر کی طرف چل دیئے۔

گھر کے عقبی دروازے کی تیز آواز سن کر میں گھر کی جانب پلٹی ہی تھی کہ نسوانی چیخوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ مگر کوئی بھی نہیں تھا۔

گھر میں داخل ہو کر میں نے ڈیڈی کو پکارا۔

”ڈیڈی وہ پھر چیخ رہی ہے، مدد کے لئے پکار رہی ہے۔“

”چیخ رہی ہے تو چیخنے دو، مجھے تنگ کرنے کی ضرورت نہیں، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ ڈیڈی نے بے زاری سے کہا۔

ڈیڈی کمرے میں چلے گئے۔ مما بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔

میں خاموشی سے اسٹور روم میں چلی گئی، وہاں سے میں نے ایک پھاوڑا لیا، اور خالی پلاٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہاں کی مٹی نرم تھی، میں نے تیزی سے تھوڑی تھوڑی مٹی ہٹانی شروع کر دی۔ میں زمین کھودتی

رہی۔ اور اس دوران عورت مسلسل چیختی چلاتی رہی۔ مجھے کھدائی کرتے ہوئے دس منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ پسینے سے نہا گئی۔

اچانک وہاں پر بلال آ گیا۔ وہ میرا ہم عمر تھا۔ ہم ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔

”بلقیس تم اتنی گرمی میں کیا کر رہی ہو؟“ بلال حیرت سے مجھے دیکھ کر بولا۔

”یہاں ایک عورت زندہ دفن ہے اور مدد کے لئے چلا رہی ہے۔ میں اسے زمین سے نکالنے کے لئے کھدائی کر رہی ہو۔“

”واہ...... تو تم ایک عورت کو زمین سے نکال رہی ہو۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔“ بلال پہلے ہنسا۔ پھر بولا۔

”مجھے تو چلانے کی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔“ بلال نے اعتراض کیا۔

”کچھ دیر رکے رہو گے، تو چیخ تمہیں بھی سنائی دے گی۔ آؤ تم بھی میری مدد کرو۔“ میں نے کہا۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کہ جب تک میں خود چیخ نہ سن لوں، اس وقت تک پھاوڑے کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔“

”میں نے بھی کچھ دیر کے لئے ہاتھ روک لیا۔ چند لمحے بعد ہی عورت کی چیخ پھر ابھری تو بلال تقریباً اچھل پڑا۔ اس نے میری طرف دیکھا میں بھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”تم مجھے بے وقوف بنا رہی ہو۔ یہ آواز تم نے خود نکالی ہے۔“ اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

”پاگل ہو گئے ہو کیا۔ میں تمہارے سامنے ہی تو کھڑی ہوں۔“

”اتنی دیر میں پھر چیخ سنائی دی۔ ”یہ...... یہ کیا چکر ہے؟“ بلال ہکلایا۔

”تم کھدائی میں میری مدد کرو، پھر میں تمہیں تفصیل بتاؤں گی۔“

”یہ ٹھیک رہے گا، لاؤ پھاوڑا مجھے دو۔“

اس دوران ہم کھدائی میں مصروف ہو گئے، میں سوچ میں پڑ گئی، کیا ہم واقعی اس دفن شدہ عورت کو زمین سے باہر نکال لیں گے۔“

خاصی دیر ہو گئی، ہمارے سامنے مٹی کا انبار لگ گیا، لیکن برآمد کچھ نہیں ہوا۔

”بلقیس میں تو تھک گیا۔“ بلال نے پھاوڑا ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

”اوہ! یہ گرمی اور اوپر سے خود کو تھکانے کا کیا فائدہ، میں گھر جا رہا ہوں۔“

”یقین کرو، یہاں ایک عورت زندہ دفن ہے۔ وہ مدد کے لئے پکار رہی ہے۔“ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”تمہیں اتنا یقین کیوں ہے اس بات کا؟ ہو سکتا ہے کوئی چڑیل ہو۔ جو تمہیں بلاوجہ تنگ کر رہی ہو اور تم سمجھ رہی ہو کہ یہاں پر کسی نے کسی عورت کو دفن کر دیا ہے۔ اور وہ چڑیل دور سے کھڑی مسکرا رہی ہو۔“

”نہیں میرے دل کو یقین ہے اور میرا دماغ بھی اس بات پر متفق ہے۔ اس لئے مجھے لگ رہا ہے یہاں کسی عورت کو دفن کیا گیا ہے۔“

”ٹھیک ہے......“ اس کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ عورت کی چیخوں کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا۔ بلال حیرت سے اس جگہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ جہاں ہم کھدائی کر رہے تھے۔

”واقعی! یہاں تو کوئی زندہ دفن ہے۔ مجھے یقین آ گیا۔ اب میں اسے نکالے بغیر نہیں جاؤں گا۔“ بلال نے پھاوڑا سنبھالتے ہوئے پرزور لہجے میں کہا۔

مزید کچھ دیر ہم نے کھدائی کی۔ پھر میں سوچنے لگی کہ ہم بے سود اتنی محنت کر رہے ہیں وہ عورت اس سلسلے میں ہمیں کوئی انعام تو ہرگز نہیں دے گی۔ اچانک ہمیں ایک سایہ نظر آ گیا۔ وہ سایہ کسی انسان کا تھا۔ ہم نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ہمارے سامنے، اس خالی پلاٹ کے مالک، رحیم انکل کھڑے ہمیں عجیب نظروں سے گھور رہے تھے۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہونے لگیں۔

"تم دونوں یہ کیا کر رہے ہو؟ کیوں کھود رہے ہو زمین؟ چلو جلدی سے دوبارہ بھر دو، اس گڑھے کو۔" انکل رحیم نے سخت لہجے میں کہا۔

"انکل، یہاں کسی عورت کو زندہ دفن کر دیا گیا ہے۔ ہم اس کو نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ عورت مدد کے لئے چیخ رہی ہے۔" میں نے ہمت کر کے کہا۔

"زندہ ہو یا مردہ مجھے کسی عورت سے دلچسپی نہیں ہے۔" انکل نے بے رخی سے کہا۔

"سنیے تو!" میں جیسے چیخ اٹھی۔

عورت کی چیخ پھر ابھری۔ انکل رحیم نے بھی چیخنے کی آواز سنی اور حیرت سے اچھل پڑے۔ وہ کچھ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ "میں کچھ نہیں جانتا، یہ چیخ کسی کی بھی ہو سکتی ہے اور جلدی سے دوبارہ اس گڑھے کو بھر دو۔" انکل رحیم نے ضدی لہجے میں کہا۔

"نہیں انکل! آپ کے پلاٹ میں کسی بے گناہ عورت کو دفن کیا ہے۔"

"بلقیس ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمیں اس کو نکالنا چاہیے۔" بلال نے انکل کو سمجھانا چاہا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم دونوں کو گرمی لگی ہے۔ جلدی سے اس گڑھے کو بھر دو اور اپنے گھر کی راہ لو۔ ورنہ میں تم دونوں کی ٹھکائی کر دوں گا۔"

"یقیناً انکل نے اپنی بیوی کو یہاں دفن کیا ہے۔ اس لئے ہمیں اسے نکالنے سے روک رہے ہیں۔" میں نے بلال کے کان میں سرگوشی کی۔

"تمہیں کسی طرح یہ بات پولیس تک پہنچانی ہے۔" بلال نے جواب دیا۔

ہم پھاوڑے وہیں چھوڑ کر پولیس کو اطلاع کرنے کی غرض سے قریبی اسٹور کی جانب دوڑے۔ انکل رحیم نے ہمیں حیرت سے دیکھا۔ پھر وہ واپس چلے گئے۔

پولیس اسٹیشن کا نمبر اسٹور کیپر نے دیا۔ ہم نے پولیس کو ساری بات بتائی اور پھر پولیس کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ دیر کے بعد پولیس موبائل سائرن بجاتی ہوئی آئی اور انکل رحیم کے گھر کے سامنے رک گئی، پولیس نے انکل رحیم کے دروازے پر دستک دی، پولیس کو دیکھ کر محلے کے چند لوگ اور بچے وہاں جمع ہو گئے تھے۔ رحیم کے ساتھ میں بھی وہاں موجود تھی۔ ہمارے کان پولیس اور انکل رحیم کے درمیان ہونے والی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔

"آپ ہی مسٹر رحیم ہیں۔" پولیس آفیسر نے پوچھا۔

"جی فرمائیے۔" انکل رحیم اپنے دروازے پر پولیس کو کھڑے دیکھ کر، حیرت سے بولے۔

"کیا مسز رحیم یعنی آپ کی بیوی گھر میں موجود ہیں۔" پولیس آفیسر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"جی موجود ہیں۔" انکل رحیم نے خود اعتمادی سے کہا۔ پھر پلٹ کر اپنی بیوی کو آواز دی۔ "سندس ذرا یہاں تو آؤ۔"

سندس آنٹی دروازے پر آئیں، اب پولیس افسر کے حیران ہونے کی باری تھی۔ پھر وہ انکل رحیم سے مخاطب ہوا۔ "میں معذرت خواہ ہوں جناب...... دراصل ہمیں اطلاع ملی تھی کہ آپ نے اپنے خالی پلاٹ میں اپنی بیوی کو زندہ دفن کر دیا ہے۔" پولیس آفیسر کے لہجے میں معذرت تھی۔

"اوہ...... یہ بہت ہی شرارتی بچوں کی حرکت ہے۔ اب وہ میرے ہاتھ آ گئے تو میں ان کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔" انکل رحیم غصیلے لہجے میں بولے۔

یہ سنتے ہی ہم دونوں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے، کافی دور جانے کے بعد ہم رک گئے۔

"اب کیا کیا جائے؟" میں نے بلال سے پوچھا۔

"اب تو ہم اس پلاٹ کے قریب بھی نہیں جا سکتے، وہاں بڈھا رحیم ڈنڈا لئے ہمارا منتظر ہوگا۔ ویسے وہ تھوڑا اونچا سنتا ہے۔" بلال نے انکشاف کیا۔ "تب تو اسے عورت کی چیخ سن کر بھی یقین نہیں آیا ہوگا۔ میں

نے آزردہ لہجے میں کہا۔

"یقیناً یہی بات ہے۔" بلال بولا۔

میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ کوئی میرا ساتھ دینے والا نہیں تھا، کوئی میری بات کا یقین کرنے والا نہیں تھا۔ بلال نے تھوڑا بہت میرا ساتھ دیا۔ مگر رحیم کا غصہ دیکھ کر وہ بھی رفو چکر ہوگیا۔

اب تو میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں بھی اس چیخنے والی عورت کے ساتھ دفن ہوکر مرجاؤں۔ اب واحد صورت بھی یہی رہ گئی تھی کہ میں علاقے کے ہر گھر میں جاؤں اور دیکھوں کہ کس کی بیوی غائب ہے۔ مگر میں بہت تھک چکی تھی۔ کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور علاقے میں بے شمار گھر تھے، پھر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے پلاٹ سے قریب ترین گھروں میں جانا چاہئے۔

میں نے فوری طور پر اس فیصلے پر عمل بھی کیا، میں باری باری پڑوس کے ہر گھر میں گئی۔ دروازہ کھٹکھٹاتی، دروازہ کھلنے کے بعد میں چند رسمی جملے کہتی اور اندر نظریں دوڑاتی رہتی کہ صاحب خانہ کی بیوی گھر میں موجود ہے کہ نہیں۔ وہ جملے ہوتے۔ "ہیلو آپ ٹھیک تو ہیں، یونہی گزر رہی تھی کہ سوچا آپ کو اور انٹی سے ملتی چلوں، یا پھر اپنے ہم عمر کسی بچے سے ملنے کا بہانہ کرتی اور جب مجھے پتہ چل جاتا کہ اس گھر کی مالکن گھر میں زندہ سلامت موجود ہے۔ تب میں اگلے گھر چلی جاتی۔

کچھ ہی دیر میں، میں پریشان ہوئی اور تھک بھی گئی، لیکن میں نے ہمت نہ ہاری۔ بالآخر میں اپنے محلے کے آخری گھر تک پہنچ گئی، میں پریشان ہورہی تھی کہ اگر انکل عاصم کے گھر پر بھی انکی بیگم ہوئیں تب...... محلے میں آخری گھر انکل عاصم اور آنٹی شاہین کا تھا۔ دروازہ خود انکل عاصم نے کھولا۔

"اوہ، تم ہو بلقیس، کہو کیسے آنا ہوا؟" انکل عاصم نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آنٹی سے ملنے آئی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"...... وہ تو کچھ چیزیں لینے اسٹور تک گئی ہیں۔"

"میں آنٹی کے آنے تک انتظار کرلوں گی۔"

انکل عاصم میری بات سن کر گھبرا گئے۔ "بیٹا پتہ نہیں وہ کب تک آئیں۔" اگر بہت ضروری کام ہے تو مجھے بتاؤ۔ میں تمہارا پیغام آنٹی تک پہنچادوں گا۔"

"نہیں مجھے صرف آنٹی سے ملنا ہے اور جب تک وہ نہیں آتیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔" انکل عاصم کی گھبراہٹ کے سبب میں ملنے پر مصر ہوگئی کہ ہو نہ ہو دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔"

"بلقیس بیٹا! آنٹی ابھی واپس نہیں آئیں گی۔ وہ اسٹور سے خریداری کرکے اپنی والدہ کے گھر جائیں گی اور وہاں مزید وقت لگے گا۔" انکل عاصم نے جواب دیا۔ ان کے چہرے پر پریشانی کا تاثر نمایاں تھا۔

"اچھا انکل آپ مجھے آنٹی کی امی کا گھر بتادیں۔ میں وہاں انہیں اپنا پیغام سنادوں گی۔" میں نے ایک بار پھر انکل کے تاثرات جاننا چاہے۔

بلقیس دراصل ان کا گھر بہت دور ہے اور تم وہاں کیسے جاؤ گی؟؟

"ہاں انکل یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں تھی۔ اب مجھے آنٹی کی امی کا ٹیلی فون نمبر ہی دے دیں میں فون پر بتادوں گی۔"

"بلقیس ان کے گھر ٹیلی فون نہیں ہے اور تمہاری آنٹی کا موبائل گھر پر ہے۔ وہ اپنا موبائل گھر پر بھول گئی ہیں۔" انکل عاصم نے چالاکی سے کہا۔

انکل کی بات سن کر میں خاموش ہوگئی، پھر سوچ کر بولی۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔ دراصل میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ گھر کے برابر والے خالی پلاٹ میں کسی عورت کو زندہ دفن کردیا گیا ہے اور وہ مدد کے لئے پکار رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے جب شاہین واپس آئے گی تو میں اسے تمہارا پیغام ضرور دے دوں گا۔ وہ یہ سن کر بہت ہنسے گی۔"

"شکریہ انکل مگر آپ یقین کریں، میں نے جو

کچھ کہا ہے وہ حرف بہ حرف درست ہے۔"

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہو یہ بات؟"

"میں نے خود اس عورت کی چیخیں سنی ہیں۔"

"تب تو یہ بات تم نے اوروں کو بھی بتائی ہوگی؟" انکل عاصم کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"بے شک میں نے محلے کے تمام لوگوں کو بتایا ہے۔"

"کسی نے اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھایا؟" انکل عاصم نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"نہیں کسی نے میری بات پر یقین ہی نہیں کیا۔" میں نے آزردگی سے کہا۔

وہ خفیف سا مسکرائے، پھر میری طرف دیکھتے ہوئے طمانیت بھرے لہجے میں بولے۔ "یقیناً ایسی ہی بات ہوئی ہوگی، قدرتی بات ہے۔ تم اتنی چھوٹی اور معصوم ہو، تمہاری بات پر کون یقین کرے گا۔"

"اچھا انکل اب میں چلتی ہوں مجھے دیر ہورہی ہے۔"

میں نہ چاہتے ہوئے بھی ڈرتے ڈرتے خالی پلاٹ میں ایک بار پھر آگئی۔ عورت کی چیخنے کی آوازیں اب وقفے وقفے سے آرہی تھیں۔ آواز بہت دھیمی ہوچکی تھی۔ شاید اب وہ قریب المرگ تھی۔ وہ اتنی دیر چیختے چیختے تھک چکی تھی۔ لیکن کوئی اس کی مدد کو نہیں آیا تھا۔

میں زمین پر بیٹھ گئی اور زمین سے کان لگادیئے، اس بار میں نے اس کی آواز سنی جو کہ بہت دھیمی تھی۔ اسے سننے کے لئے مجھے اپنی سماعت پر زور ڈالنا پڑا۔ اب وہ چیخ نہیں رہی تھی، ہلکے ہلکے گا رہی تھی۔ گیت کے بول کچھ یوں تھے۔

کیسے تم سے ہارے
کچھ بھی کہہ نہ پائے
زندگی سے پیارا تو ہے
کیسے زندگی کو اپنے ہارے
ہم تو بھی رہے تیرے سہارے
سب سے اچھا تو ہے میرے پیارے
بن تیرے کبھی بھی جی نہ پائے
سچ کہتے ہے پارہ تم سے ہائے
تم سے مل کے لگتا ہے تو اپنا
سچ بھی بس یہی ہے تو میرا سپنا
کچھ بھی ہوجائے، نہ ہم جدا ہوں
نہ کبھی ہم ایک دوجے سے خفا ہوں
کیسے تجھے دیکھے تجھے پائیں
مل کے بھی تو ہم سے مل نہ پائے
تیرے ہی خیالوں میں دن اپنا
رات ساری سوچوں میں گزارے

پھر وہ گاتے گاتے رک گئی، اب مجھے اس کی دبی دبی سسکیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں اس کے لئے افسردہ ہوگئی، بے چاری کے لئے میں کچھ بھی تو نہیں کرسکتی تھی، میں اٹھی اور تھکے تھکے قدموں سے گھر کی طرف چل دی۔

گھر میں داخل ہوتے میری نظر ڈیڈی پر پڑی، جو سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"ڈیڈی...... اب وہ عورت چیخ نہیں رہی۔ بلکہ اب گا رہی ہے۔" میں نے گھر میں گھستے ہی ڈیڈی کو بتایا۔

"تم خواہ مخواہ بولے جارہی ہو۔" ڈیڈی نے چڑ کر کہا۔

"ڈیڈی اگر ہم نے اب بھی اس کی مدد نہیں کی اور اس کو زمین سے باہر نہ نکالا تو وہ سچ مچ مرجائے گی اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں تو آپ چل کر خود سن لیں۔ وہ گا رہی ہے۔"

کیسے تم سے ہارے
کچھ بھی کہہ نہ پائے
زندگی سے پیارا تو ہے
کیسے زندگی کو اپنے ہارے

گانا سن کر ڈیڈی کا رنگ اچانک فق ہوگیا۔ وہ حیرت بھری نظروں سے مجھے تکے جارہے تھے، مجھے ڈر لگنے لگا۔

"تم نے کہاں سے سنا یہ گیت؟" انہوں نے

جیسے چیخ کر پوچھا۔

"خالی پلاٹ میں دفن عورت یہ گیت گا رہی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن یہ تو وہ گیت ہے جو برسوں پہلے شاہین نے میرے لئے لکھا تھا۔ اور خود گایا بھی تھا۔ تم اس گیت کے بارے میں نہیں جانتیں...... بلکہ میرے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہ گیت، صرف میرے لئے شاہین نے گایا تھا۔ اوہ میرے خدا...... اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی سچ بول رہی ہو۔ گویا شاہین کو سچ مچ زندہ زمین میں گاڑ دیا گیا ہے۔" ڈیڈی نے دروازہ کھول دیا۔ اور جلدی سے باہر کی جانب لپکے۔

کچھ دیر کے بعد میں نے انہیں خالی پلاٹ پر دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے دفن شدہ عورت یا پھر آنٹی شاہین، زمین کے اندر سے گیت گا رہی تھیں۔ ڈیڈی کے ساتھ اور بھی کئی لوگ تھے، کسی کے ہاتھ میں کدال تھی، اور کسی نے پھاوڑا اٹھایا ہوا تھا۔ وہ سب مل کر زمین کھود رہے تھے، اس منظر کو دیکھ کر میری آنکھیں بھیگ گئیں۔

میں اپنے گھر آ گئی اور بلال کے گھر فون کیا۔ فون بلال نے اٹھایا تو میں نے پرمسرت اور خوش گفتاری سے کہا۔

"بلال جلدی سے پلاٹ پر آ جاؤ۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔" بلال نے میری بات سن کر یاہو کا نعرہ لگایا اور جلدی سے پلاٹ پر آنے کا وعدہ کیا۔ میں دوبارہ خالی پلاٹ پر آ گئی۔ وہاں ڈیڈی اور دوسرے لوگ کھدائی میں مصروف تھے، کچھ دیر بعد ان کی محنت رنگ لے آئی اور زمین سے ایک نیم مردہ عورت برآمد ہوئی۔ اس کی سانس رک رک کر چل رہی تھی۔ تاہم بڑی بات یہ تھی کہ وہ زندہ تھی۔

اسے اسپتال لے جایا گیا۔ اسپتال سے واپس آ کر ڈیڈی نے خوشی سے بتایا "شاہین بچ گئی ہے۔"

میں نے اور بلال نے خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ میری جدوجہد بارآور ثابت ہوئی اور شاہین آنٹی کو بچا لیا گیا اور انکل عاصم کو پولیس لے گئی۔

قصہ مختصر یہ تھا کہ انکل عاصم، اور شاہین آنٹی کے درمیان لڑائیوں کی وجہ تھی کہ انکل شقی القلب تھے اور وہ شاہین آنٹی پر بے بنیاد شک کرتے تھے۔ اس شک نے ان کی زندگی عذاب بنادی تھی۔ رات کو بھی دونوں میں شدید لڑائی ہوئی تھی۔ انکل نے غصے کی شدت میں آنٹی کے سر پر گلدان مارا۔ اور یوں آنٹی بے ہوش ہو گئیں۔ انکل عاصم ڈر گئے اور انہوں نے سوچا۔ "وہ مر گئی ہیں اور ان کے دماغ میں آیا کہ پلاٹ میں ایک دن پہلے رحیم نے زمین کھود کو کوڑا دبایا ہے۔"

بس انہوں نے رات ہی رات میں جلدی سے گڑھے میں سے کوڑا نکالا۔ اور آنٹی کو زمین میں زندہ درگور کر دیا۔ وہ تو شکر ہے کہ آنٹی کے چہرے کے اوپر ایک لکڑی کا تختہ آ گیا تھا۔ ورنہ وہ تو زمین کے اندر چیخ بھی نہ سکتیں۔

آنٹی نے اس بدبخت شخص سے طلاق لے کر ہمیشہ سے چھٹکارہ حاصل کیا اور اسے جیل میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیا۔

اس واقعہ نے میری شہرت کو چار چاند لگا دیے، حالانکہ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اخبارات کے مین پیج پر میری بڑی تصویر مع میرے کارنامے سمیت چھپے گی۔ اور رپورٹرز میری انٹرویو لینے کے لئے آئیں گے۔

آنٹی شاہین میرا شکریہ ادا کرتے اور دعائیں دیتی نہیں تھکتیں۔ اب مما، ڈیڈی بھی مجھ پر بھرپور توجہ دینے لگے ہیں اور میری باتوں کو بالکل بھی مذاق نہیں سمجھتے۔ اسکول میں ٹیچرز کی من پسند اسٹوڈنٹ بن چکی ہوں۔

آخری گزارش ہے کہ اگر آپ کے بچے، اس طرح کوئی واقعہ جو انجانا اور غیر معمولی ہو۔ والدین سے شیئر کریں تو مہربانی کر کے ان کی بات مذاق میں نہ اڑائیں بلکہ سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل نکالیں۔

ناگ منی

صبا رمضان۔ پنڈدادنخان

صحن میں موجود اچانک ایک زبردست پھنکار سنائی دی اور پھر ایک بپھرا ہوا ناگ نظر آیا اس کی انگارہ برساتی آنکھیں غضب ڈھا رہی تھیں کہ پھر وہ سانپ زمین پر لوٹنے لگا دھواں سا پھیلا اور سانپ ایک نوجوان بن گیا۔

دل و دماغ پر خوف و دہشت بیٹھاتی ایک ناقابل یقین اور ناقابل فراموش کہانی

"صبا...... صبا......" کوئی تھا جو ڈری سہمی آواز میں صبا کو چیخ چیخ کر پکار رہا تھا۔ لیکن صبا ان آوازوں سے بے نیاز اپنے اکنامکس کے پیپر کی تیاری میں مصروف تھی، اس سے پہلے کہ حسان اور نومی، صبا کو بچاتے جھاڑیوں سے نکلے ہوئے ایک ناگ نے اپنا کام کر دیا تھا صبا کو تو جیسے یکدم بجلی کا جھٹکا سا لگ گیا، اس کا معصوم چہرہ زرد پڑتا جا رہا تھا۔

"صبا...... صبا...... پلیز! آنکھیں کھولو، خود کو سنبھالو......" نومی اور حسان اس سے پہلے کہ کچھ کرتے صبا کا جسم نیلا پڑنے لگا۔ وہ تڑپتے تڑپتے جیسے ہی بل کھا کر گری کہ اس کی خواب سے آنکھ کھل گئی۔

صبا کے پاس چاندنی بیٹھی تھی، صبا چاندنی سے بولی۔

اگر مجھے خواب میں سیاہ ناگ نظر آتا ہے

اور ہر بار وہ اس طرح ڈستا ہے کہ......'' صبا نے چاندنی کا پریشان ہوتا چہرہ دیکھ کر موضوع ہی بدل ڈالا۔

''چاندنی آپی آپس کی بات ہے میری یہ سسٹر تو لگتا ہے سانپوں کی شہزادی ہیں۔ ہر دفعہ یہی خواب سناتی ہیں اور یہی اختتام ہوتا ہے۔'' نومی نے صبا کو چھیڑتے ہوئے کہا مگر صبا ایک بار پھر سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ناشتے کی ٹیبل پر خالی پلیٹ میں چمچ گھما رہی تھی۔

☆......☆......☆

''ہیلو...... میرا نام ارمغان ہے، آپ کی یونیورسٹی میں نیا اسٹوڈنٹ ہوں۔ ان فیکٹ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کی اکنامکس بہت اچھی ہے۔ سوچا کچھ گائیڈ لائن لے لوں آپ سے، اگر آپ دینا چاہیں تو......''

نوجوان نے سرتاپا صبا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں بھی اسٹوڈنٹ ہی ہوں، آپ کو Help لینی ہے تو کسی ٹیچر سے رابطہ کریں۔'' صبا نے نہایت ہی سپاٹ لہجے میں کہاں اور شولڈر بیگ اٹھا کر تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔

''کیا آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کے خواب میں مسلسل آنے والا ناگ ختم ہوجائے۔'' صبا نے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ایک دم جھٹکا اور پیچھے دیکھا نوجوان کے اتنا دھیما بولنے کی آواز اس تک کیسے پہنچ گئی؟

ارمغان بلیک تھری پیس پر بلیک چمکدار سن گلاسز لگائے جاچکا تھا۔

''آج شام کھانے میں کچھ خاص ہونا چاہئے، میرے پیپرز ختم ہوگئے ہیں کچھ تو انجوائمنٹ کا پروگرام بناؤ......'' حسان نے تنگ آکر خود ہی پروگرام بنا ڈالا۔

''عدنان لالہ ایسا کرتے ہیں کہ میری دوست چاندنی کے گھر چلتے ہیں اور پھر وہ کزن بھی تو ہیں ہماری......'' صبا نے شامی کباب فرائی کرتے ہوئے کچن ہی سے آواز لگائی۔

پنک شرٹ اور دوپٹے کے ساتھ بلیک ٹراؤزر صبا پر ہمیشہ ہی سے بہت جچتا تھا نجانے کیوں وہ آج بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

''یہ ٹھیک ہے......'' صبا کی آواز سنتے ہی حسان اور نومی عدنان لالہ کے پاس بیڈ پر آدھمکے اور دیکھتے ہی دیکھتے پروگرام سیٹ ہوگیا۔ ''نومی یہ پکڑو چائے......''

اور یہ کون سا وقت ہے چائے کا؟ مجھے چائے بنانے کا بول کر خود سوگیا۔'' صبا نے نومی کو جھنجوڑتے ہوئے اٹھایا۔

''یار رات کے تین بجے میرا دماغ خراب ہے کہ میں چائے کا کہوں؟ سونے دو مجھے۔'' نومی نے اپنے اوپر کمبل دوبارہ کھینچا اور سوگیا۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے تم خود آئے تھے میرے کمرے میں چائے کا بولنے؟'' اب کی بار صبا نے غصے سے سائیڈ ٹیبل پر چائے کا کپ رکھا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

''ارے یہ کیا کچن میں کون جارہی ہے......؟''

صبا خود سے ہم کلام ہوئی چاندی کی طرح کے سفید کپڑوں پر اس کے سیاہ بال بکھرے پڑے تھے اور وہ جھولنے کے سے انداز میں کچن کی طرف جارہی تھی۔

صبا اس گہرے سفید کپڑوں میں ملبوس لڑکی کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ نجانے کون سی قوت تھی جو صبا کو کچن کی طرف کھینچ رہی تھی، صبا اس کے قریب پہنچی تو اس لڑکی نے صبا کو چھری اٹھانے کا بولا۔ اس کی آواز کسی کنویں سے آتی معلوم ہورہی تھی۔ وہ جیسے جیسے حکم دیتی گئی صبا ویسے ویسے کرتی رہی اور اگلے ہی لمحے کچن کا سفید فرش سرخ ہوچکا تھا صبا خود پر وار کرتی رہی...... اسی اثناء میں فجر کی اذانیں فضا میں گونجنے لگیں۔ اگلے ہی لمحے سارا منظر بدل گیا۔ ''میں جارہی ہوں میں واپس آؤں گی...... تجھے لینے آؤں گی...... تو نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ......'' فضا میں کسی انجان قوت کی آوازیں مسلسل آرہی تھیں۔

صبا سہمی سہمی نظروں سے نظر نہ آنے والی انجان طاقت کو ڈھونڈنے کی کوشش کررہی تھی مگر بے سود...... وہ کبھی کچن کو تو کبھی اپنے خون سے آلودہ ہاتھوں کو دیکھتی۔

''لالہ...... لالہ...... لالہ آپ کہاں ہے؟ وہ مجھے ماردے گی...... نومی بھائی، حسان بھائی کدھر ہو آپ سب؟'' صبا چیختے چلاتے ہوئے کبھی ایک کمرے تو کبھی دوسرے کمرے میں جاتی......

''صبا کیا ہوا آپ کو؟'' صبا جیسے ہی آواز کی سمت لپکی مگر وہاں سوائے ایک سیاہ ناگ کے کچھ نہیں تھا صبا کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا اور وہ چکرا کر وہیں گر گئی۔

☆......☆......☆

نازونعم کے پلے یہ چاروں بچے پاکستان اور اس کے حسین پہاڑوں کو دیکھنے آئے تھے عدنان، حسان، نومی تینوں بھائی ایک جیسے تھے خوب ہلا گلا کرنے والے اور ان سب سے بڑھ کر ان کی بہن صبا جو تھوڑی روتی رہتی تو زیادہ ہنستی، ماں باپ بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر ہی رہتے تھے۔

اس وقت کافی تیز ہوائیں چل رہی تھیں......

نومی نے کانٹے سے فرائیڈ انڈہ توڑتے ہوئے کہا۔

''صبا آپی رات آپ کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں مگر جب میں اٹھ کر آیا تو آپ نے بڑے عجیب سے انداز میں مجھے ڈانٹ دیا۔ خیریت تو تھی؟ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' نومی نے کرسی پر چپ چاپ بیٹھی صبا کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''صبا آپی دس بجے ہم سرگودھا کے لئے نکلیں گے۔ آپ جلدی سے پیکنگ کرلو اور میرے کپڑے پریس کردیں؟'' حسان نے ٹوتھ پیسٹ ختم کرتے ہی پوری پلاننگ کرلی۔

''دانت تو ایسے چمکا رہے ہو جیسے کسی لڑکی سے ملنے جانا ہے۔'' حسان خود سے ہی گویا ہوا اور ہنستے ہوئے ناشتے کی ٹیبل پر آبیٹھا۔

''حسان بھائی آپ تینوں سرگودھا چلے جائیں، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ابھی نومی بھائی بھی مجھ سے یہی پوچھ رہے تھے، مجھے کوئی نہیں سمجھ رہا...... میرے دل پر گھبراہٹ ہورہی ہے وہ مجھے مارنا چاہتی اور وہ...... وہ...... وہ ناگ وہ کیوں آتا ہے میرے پاس؟'' صبا سسکتے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں حسان اور نومی کو سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔

دل لے کر درد دل دے گئے
تم جان جان کہہ کر میری جان لے گئے

عدنان لالہ شرٹ ٹھیک کرتے ہوئے گانا گنگنا رہے تھے کہ روتی، چیختی چلاتی صبا کو دیکھ کر یکدم خاموش ہوگئے۔

''لالہ وہ ناگ میرے ساتھ باتیں کرتا ہے، سفید کپڑوں والی لڑکی مجھے ماردے گی مجھے بچالیں لالہ جی...... پلیز! مجھے بچالیں......'' صبا نے عدنان لالہ کو آتے دیکھ کر ان سے بھی روداد کہہ ڈالی۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے...... بس آپ اپنا ماحول تبدیل کریں جو بھی یہ چیزیں ہیں آپ کا پیچھا چھوڑ دیں گی...... ساتھ ہی کوئی قرآنی آیت پڑھ کر خود پر دم کرلیں۔'' عدنان لالہ بڑے بھائی ہوتے ہوئے کچھ زیادہ ہی فکرمند ہوگئے تھے۔

☆......☆......☆

''ابھی کتنا سفر باقی ہے لالہ؟'' صبا نے گاڑی کے شیشوں سے باہر اونچے اونچے پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم سفر کی چھوڑو، یہ لو چپس کھاؤ، ویسے بھی یہ چپس تمہاری فیورٹ ہے۔'' نومی نے کھانے کے سامان میں سے Chips کا پیکٹ نکال کر صبا کی طرف بڑھایا، اور پھر صبا چپس اور کولڈ ڈرنک کے ساتھ انجوائے کرنے لگی۔

''ارے واہ...... کتنا زبردست منظر ہے، عدنان گاڑی روک ادھر پوز بنواتے ہیں۔'' حسان نے تو جیسے نعرہ ہی لگا دیا اور ساتھ ہی کار کا دروازہ کھولنے کے لئے تیار بیٹھ گیا مگر عدنان لالہ نے تو جیسے سنی ان سنی کردی۔ جس پر حسان نے صرف پاؤں پٹخنے پر اکتفا کیا سفر خوب خوشگوار چل رہا تھا۔

''صاحب جی یہ گجرے خرید لو۔ اصل موتیے کے پھولوں کے بنے ہوئے ہیں آپ کی بیگم خوش

ہوجائے گی گاڑی کی کھڑکی میں سے ایک دس سالہ بچہ اندر جھانک رہا تھا۔

''ارے شہزادے ابھی تو ہم Waiting List پر ہیں جب بیگم آئے گی تو خریدا کروں گا۔''

عدنان لالہ نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے اپنے نیک خیالات کا اظہار کیا ٹریفک سگنل آن ہوچکا تھا اور گاڑی ایک بار پھر اپنے سفر رواں دواں ہوگئی۔

☆......☆......☆

''اسماعیل...... یار اب میری طرف پھینکو بال ۔ابوبکر نے جوش کے مارے جمپ لگاتے ہوئے کہا۔

''یہ لو......'' کک اتنی زوردار تھی کہ بال ابوبکر کی بجائے بلال کی طرف گئی جس پر اسماعیل خود بھی ہنسنے لگا۔

ہاشم ٹیرس پر کھڑا گلی میں کھیلنے والے بچوں کو دیکھ کر محظوظ ہورہا تھا۔

''میں تو تھک گیا ہوں ان لوگوں کا انتظار کرتے کرتے۔'' ہاشم نے پانی کی بوتل کھولتے ہوئے کہا۔

''اور یہ...... ہوا گول......'' حسان نے گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کا بھرپور ساتھ دیا۔

''ارے واہ ...... یہ لوگ تو آ گئے......'' ہاشم بھاگتے ہوئے سیڑھیوں سے اترنے لگا۔ پھر چند منٹ میں ہی چاندنی نے جلدی جلدی کھانے میز پر لگائے۔

''مجھے صبا سے بات کرنی ہے...... میں ارمغان بول رہا ہوں۔'' فون پر دوسری طرف سے آنے والی آواز نے اپنا تعارف کرایا۔

''آپ ہولڈ کریں میں بلاتا ہوں۔'' ہاشم نے کہا اور صبا کو آواز دی۔

''بھائی مجھے نہیں کرنی ارمغان سے بات یہ بہت عجیب وغریب سا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ فضول میں اپنا وقت برباد کرنے یونیورسٹی آیا ہے۔'' صبا کی تمام باتیں ہولڈ آن پر موجود ارمغان سن رہا تھا فون بند ہوچکا تھا۔

''اتنے میں خوب اونچی آواز میں گانا گاتے ہوئے ہاشم گیسٹ روم میں داخل ہوا۔'' یار ہاشم اپنا گانا چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ ہمیں کب تک رکنا ہوگا یہاں؟ تمہیں تو پتہ ہے ناں کہ ہم یہاں صبا آپی کی وجہ سے آئے ہیں، ان کو لگتا ہے کہ کوئی ناگ یا پھر کوئی سفید کپڑوں والی لڑکی ان کے ساتھ ہر وقت رہتی ہے تم نے کسی جوگی کا ذکر کیا تھا، تو بس کل چلیں جوگی کے پاس؟'' عدنان نے ہاشم کی طرف سے آتا ہوا چائے کا کپ پکڑا۔

''ٹھیک ہے، چاندنی سے مشورہ کرلیتے ہیں تو کل کی تیاری کرلیتے ہیں!'' ہاشم نے سنجیدگی کے لہجے میں کہا۔

''ہاشم بھائی...... ہاشم بھائی...... آپ کو چاندنی آپی بلارہی ہیں۔'' حسان نے بھاگتے بھاگتے دروازے پر پہنچ کر خود کو جھٹکے سے بریک لگائی۔

''کیوں خیریت؟'' حسان کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھ کر ہاشم نے حسان سے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بنا ہی چاندنی کے روم کی طرف لپکا۔ ''چاندنی...... چاندنی...... ہاشم کمرے کی طرف جاتے ہوئے نجانے کتنی بار چاندنی...... چاندنی کی آواز دے چکا تھا۔

''پردے کے پیچھے کچھ ہے ہاشم...... ایسا لگتا ہے کوئی بڑا ناگ مجھے کمرے سے باہر نکالو پلیز۔'' ہاشم اس لمحے کمرے میں آچکا تھا۔

''چاندنی خود کو سنبھالو۔'' ہاشم چاندنی کے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کرتے ہوئے بولا۔ ہاشم کے اپنے ہاتھ بھی بری طرح کانپ رہے تھے۔

''کہیں وہی ناگ ادھر بھی تو نہیں آ گیا؟'' صبا خود سے گویا ہوئی اور نہایت پریشانی کے عالم میں دروازے میں کھڑے اپنے تینوں بھائیوں کو دیکھا۔

مجھے لگتا ہے یہ سب کچھ میری وجہ سے ہورہا ہے، آج یہ ناگ کا قصہ ختم ہوہی جانا چاہئے۔ آخر یہ کیا چاہتا ہے؟ کیوں ہر جگہ ہر وقت مجھے تنگ کرتا ہے۔'' صبا نے یہ کہتے ہوئے جیسے ہی کھڑکی پر لگے بھاری پردہ ہٹایا تو وہ ہکی بکی رہ گئی وہاں ایک بہت بڑا ناگ اپنی پوری دہشت کے ساتھ کنڈلی مارے موجود تھا کہ اچانک

اس کے پھن کی جگہ ارمغان کا چہرہ نظر آیا، جسے دیکھتے ہی صبا بے ہوش ہوچکی تھی۔

☆......☆......☆

''کام کی بات کر بالک، تو چاہتا ہے کیا؟'' جوگی نے اپنی بڑی سی پٹاری کو جھونپڑی کے ایک کونے میں رکھتے ہوئے کہا۔

ہاشم نے نہایت دھیمے لہجے میں ساری بات واضح کردی۔

''بس جوگی بابا ہم بہت پریشانی میں آپ کے پاس آئے ہیں، آپ کچھ کریں پلیز!'' چاندنی نے جوگی کی جھونپڑی میں رکھی ہوئی پٹاریوں سے مرعوب ہوتے ہوئے کہا۔

''میں پہلے یہ پتہ کروں گا کہ اصل وجہ کیا ہے؟ تم لوگ جاؤ میں کل آجاؤں گا۔'' جوگی نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور کسی بڑے سے پتیلے کے نیچے لکڑیاں جمع کرکے آگ جلانے لگے۔ سانپ کی جلد کو جلا کر تیل نکالا جارہا تھا۔

ہاشم، چاندنی، عدنان سب کے سب جاچکے تھے۔

''تم میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو...... یہاں میری ضرورت ہے میں ابھی نہیں آسکتا۔'' نومی نے فون پر اپنے دوست کو سمجھایا۔

''مگر اس طرح تو تمہارا ایڈمشن لیٹ ہوجائے گا اور یہ تمہارے مستقبل کے لے درست نہیں ہے۔'' سمجھانے پر نومی نے بات کو سیریس لے ہی لیا۔

''کدھر جانے کا ارادہ ہے۔؟'' چاندنی نے فون کریڈل پر رکھا۔

''آپی میرے ایڈمشن میں کوئی مسئلہ نہ ہوجائے؟''

اس لئے واپسی کا سوچا تم نے...... تم جاؤ...... ہم ہیں یہاں۔'' نومی نے تشکرانہ نظروں سے مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہاشم کو دیکھا۔

☆......☆......☆

''چاندنی میری بلیو شرٹ تو پریس کردو آج ڈنر پر چلتے ہیں، کتنے دن ہوگئے ہیں کہیں آؤٹنگ پر نہیں گئے ہم!'' ہاشم نے فروٹ باسکٹ سے ایک سیب نکال کر عدنان کی طرف اچھالتے ہوئے رائے طلب نظروں سے دیکھا۔

''زبردست ......بس ڈنر او کے ہوگیا۔ وہ بھی ہاشم بھائی کی طرف سے۔''

''نہیں...... بھائی، کوئی کہیں نہیں جائے گا اپنے گھر سے زیادہ مزہ بھی کہیں آسکتا ہے بھلا؟ No Never'' صبا نے کانوں پر دوبارہ ہیڈ فون لگالیا۔

''ایسا کرتے ہیں تم اور چاندنی گھر پر رہ لو اور ہم سب ڈنر پر چلے جاتے ہیں کیسا؟'' ہاشم نے کہا۔

''صبا......صبا...... اندر آجاؤ۔ ایک تو اس لڑکی کا بچپن پتہ نہیں کب ختم ہوگا۔'' چاندنی نے بچوں کے ساتھ کھیلتے صبا کو ٹیرس سے آواز لگائی۔

رکو...... رکو...... اسماعیل کو تو میں بال کراؤں گی۔'' صبا نے ابوبکر سے بال لی اور چھوٹے سے اسماعیل کو تھروکی ویسے تو اسماعیل بہت چھوٹا تھا مگر تینوں دوستوں کا کھیل میں ماسٹر بن جانے کا ارادہ تھا۔

''اوہ...... یہ کیا بال تو دور چلی گئی۔'' بلال نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''پارٹنر پریشان کیوں ہوتے ہو؟ میں لے کر ابھی آئی بال۔'' صبا نے کہا اور اپنا دوپٹہ جو کمرے کے گرد باندھا ہوا تھا اسے جھٹکے سے کھولا۔

☆......☆......☆

''کدھر ہے صبا؟'' چاندنی نے بچوں سے پوچھا۔

''پتہ نہیں آنٹی...... وہ کافی دیر پہلے اس طرف گئی تھی اور ابھی تک واپس ہی نہیں آئیں۔'' بچوں میں سے ایک بچے نے گلی کے تاریک کونے کی طرف اشارہ کیا۔

ہواؤں کی شدت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا سردیوں کی اس سرد شام میں چاندنی پریشانی کے عالم میں کھلے صحن کے چکر لگائے جارہی تھی، خنکی تھی کہ بڑھتی جارہی تھی چاندنی اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں

بار بار گڑگڑ کر گرم کر رہی تھی۔ اچانک لائٹ آف ہوگئی۔

سخت اندھیرے میں چاندنی موم بتی تلاش کرتی ہوئی کچن کی طرف بڑھی کہ اچانک دو ہاتھوں نے بری طرح سے پرے دھکا دے دیا۔ چاندنی منہ کے بل فرش پر گر پڑی اور پھر ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہوئے اندازاً موبائل فون پر ہاشم کا نمبر ملانے لگی مگر سب نمبرز آف جا رہے تھے۔

"مجھے وہ چاہئے...... مجھے وہ دے دو...... میں چلا جاؤں گا۔" فضا میں انجانی سی آواز گونجی آواز بری طرح دھاڑ رہی تھی۔

"کون ...... ہو تم ...... اور کیا...... کیا چاہئے؟" چاندنی نے اندھیرے میں دیکھنے کی ناکام کوشش کی مگر بے سود۔

"مجھے صبا کے گلے میں موجود ہار چاہئے وہ ناگ منی ہے میری اگر اس نے خود سے ہار کو الگ نہ کیا تو ......" چاندنی نے انجان آواز کا آدھا جملہ ہی سنا تھا کہ بے ہوش ہوگئی۔

☆......☆......☆

"اوئے ...... احتشام کا فون آیا ہے وہ کچھ ہی دیر میں پاکستان پہنچ رہا ہے۔ ہمیں گاڑی ائیر پورٹ کی طرف موڑنی چاہئے۔" ہاشم نے کہا۔ اور پھر وہ تھوڑی دیر میں ائیر پورٹ پہنچ گئے۔

"احتشام بھائی نظر نہیں آ رہے......" حسان نے نظریں ادھر ادھر گھماتے ہوئے کہا۔

"ہاشم بھائی آپ نے ہمیں فول تو نہیں بنایا؟ عدنان نے چبھتی نظروں سے ہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں، میں کہاں فول' بنا سکتا ہوں؟ احتشام نے خود مجھے کال کی ہے پتہ نہیں کہاں رہ گیا؟" ہاشم نے کلائی پر موجود گھڑی کو بے قراری سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں تو ایکسائیٹڈ بھی ہو گیا تھا کہ اب احتشام لالہ کے ساتھ اسلام آباد جا کر بریانی کھائیں گے مگر لالہ پتہ نہیں کہاں رہ گئے۔" حسان کی نظریں ابھی بھی مسافروں میں احتشام کو تلاش کر رہی تھیں۔

"اب تو کوئی بھی نہیں ہے ائیر پورٹ پر ہم کو کسی نے فول بنایا ہے ہاشم بھائی۔" عدنان نے پر تشویش ہو کر کہا۔

"کیا بات کرتا ہے عدنان؟ وہ سو فیصد احتشام کی آواز تھی۔" ہاشم ابھی بھی پر یقین تھا۔

"ہو سکتا ہے احتشام لالہ نے ہمیں فول بنایا ہو ویسے بھی لاسٹ ائیر فرسٹ اپریل کو جب ہم نے انہیں فول بنایا تھا تو وہ کہہ رہے تھے۔ "اب تم لوگ بھی تیار رہنا۔" حسان کو جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

"یہ تمہارے گھر کا لان نہیں ہے کہ یوں کھڑے باتیں کر رہے ہو۔ شہر کا مصروف ترین روڈ ہے یہ غضب خدا کا...... آج کل کے بچے تو آفت کا پرکالہ ہوتے ہیں ارے نگوڑوں...... گاڑی تو ٹھیک جگہ پارک کرو گھنٹہ بھر سے گاڑی میں بیٹھی ہارن دے رہی ہوں۔ مگر تم تینوں تو جانے کہاں کھوئے ہوئے۔" ان تینوں کے مدمقابل وہ کوئی ستر سال کی خاتون تھی۔ جو ہاتھ نچا نچا کر ان تینوں کی خبر لے رہی تھی۔

"جاتے ہیں اماں جی...... جاتے ہیں۔" حسان نے ہاتھ جوڑ کر بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

"واٹ......؟" بڑی بی کی آنکھیں لفظ "اماں" پر سکڑ سی گئی تھیں۔ "مائی فٹ...... ہاؤ ڈیئر یو تو کال می اماں؟" بڑھیا نے ہاتھ کمر پر رکھے اور اپنے جھریوں زدہ ماتھے پر بل لاتے ہوئے حسان کی طرف بڑھی۔

"دیکھیں جی پلیز......!" معاف کر دیں اسے...... بچہ ہے۔" حسان کی طرف بڑھتی بڑھیا کو ہاشم نے روکا جبکہ عدنان لالہ نے معذرت آمیز لہجے میں جملے ادا کئے اور ہاشم اور حسان کے پیچھے چل پڑے "ہاشم بھائی آپ بیچ میں نہ آتے تو اس ستر سالہ بڑھیا کو میں رستہ بتا دیتا۔ بڑا خود کو کالج گرل سمجھ رہی تھی...... بڈھی کھوسٹ کہیں کی......" حسان کو بڑھیا پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

"چل یار گاڑی میں بیٹھ جا...... ایسا نہ ہو کہ بڑھیا کسی گدھ کی طرح منڈلاتی ہوئی پھر آ ٹپکے۔" عدنان لالہ زیر لب مسکرائے اور تینوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔

عدنان نے ابھی اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھ کر گاڑی اسٹارٹ کرنا چاہی تھی کہ ایک جانب نظر رک گئی۔

"کیا بات ہے؟" حسان نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔

تینوں ایک ہی سمت میں دیکھ رہے تھے۔

شاندار تھری پیس پہنے، آنکھوں پر بیش قیمت سیاہ چشمہ لگائے، نفاست سے تر ہیر اسٹائل کو جیل لگائے، بڑا سا ٹرالی بیگ گھسیٹتے ہوئے وہ ہاتھ اٹھا کر ویو کرتا ہوا انہی کی جانب آ رہا تھا۔

"احتشام لالہ......" عدنان نے خوشی کے مارے چیختے ہوئے کہا۔

"لالہ جی......" حسان چلایا۔ گاڑی نہ رکتی تو شاید وہ چلتی گاڑی سے ہی جمپ لگا دیتا۔

"کیسے ہو یار......؟" ہاشم احتشام سے پرتپاک طریقے سے گلے ملا۔

اور پھر وہ گاڑی میں بیٹھ کر گھر آ گئے۔

ہنستے گاتے سب گھر میں داخل ہو چکے تھے۔ "چاندنی .... دیکھو یار...... کون آیا ہے؟" ہاشم نے اپنی بیوی کو آواز دی، مگر یہ کیا...... گھر میں سوائے توڑ پھوڑ کے کچھ بھی نہ تھا۔

"عدنان یہ سب کیا ہے؟" احتشام نے مارے حیرت کے بکھرے ہوئے گھر کا بھرپور جائزہ لیا۔

"ہاشم...... ہاشم...... صبا کو وہ ناگ لے گیا ہے...... وہ غائب ہے...... وہ...... وہ...... ناگ کسی ناگ منی کا ذکر کر رہا تھا...... اس کی دھاڑتی ہوئی بھیانک آواز میرے کانوں میں ابھی بھی گونج رہی ہے۔" چاندنی سیڑھیوں سے بھاگتی ہوئی آئی اور زار و قطار رونے لگی۔

"یہ سب کیا چل رہا ہے؟" احتشام نے حیرت

سے پوچھا۔

"تم بیٹھو...... میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں۔" ہاشم نے پریشان کن لہجے میں کہا کسی کی بھی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ آخر صبا گئی کہاں؟

"چاندنی آپی...... آپ کیسا محسوس کررہی ہیں اب؟" احتشام نے ہاتھ پر بندھی گھڑی اتارتے ہوئے کہا۔

اتنی دیر میں عدنان حسان اور ہاشم تینوں جوگی بابا کو لے کر آچکے تھے۔

"بابا میں آپ کے لئے پانی لے کر آتا ہوں۔" ہاشم کے قدم کچن طرف بڑھ رہے تھے۔

اماوس کی رات اپنے پورے جوبن پر تھی وقفے وقفے سے آنے والی کبھی کتوں تو کبھی گیدڑ کی آوازرات کی ہولناکی میں شدت سے اضافہ کررہی تھی۔ ایسے میں شیخ منزل کے گھر کے تمام افراد جوگی کے گرد جمع تھے۔ جو بڑے بڑے انہماک سے کسی جاپ میں مصروف تھا۔

"آہ......" کوئی درد کی شدت سے مسلسل کراہ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ درد بھری آوازیں چیخوں میں بدل گئیں۔

"بتا...... بتا...... بالک...... تو کس ہار کا ذکر کررہا ہے...... تو یہاں سے جاتا کیوں نہیں......؟"

جوگی جس نے گہرے رنگ کا لمبا سا چوغہ پہنا ہوا تھا۔ چاروں طرف دیکھتے ہوئے کسی ان دیکھی قوت سے گویا ہوا۔

"میں...... میں ارمغان ہوں...... اپنی ناگ منی چاہتا ہوں۔ جو اس لڑکی کے پاس ہے۔" ان دیکھی قوت، اب اپنے اصل روپ میں آچکی تھی وہ نہایت ہی دیوقامت جسم کے ساتھ اپنے لمبے سے بالوں کا سر پر جوڑا کئے ہوئے تھا جس کے اردگرد گلاب کے پھول تھے اس کی آنکھوں میں کاجل کی خوب لمبی دھاریں کھنچی ہوئی تھی اس کے بات کرنے کے دوران دوشاخہ زبان بار بار نکل رہی تھی ناگ کا اشارہ میز پر رکھی صبا کی تصویر کی طرف تھا۔ "اس لڑکی کی مہلت ختم ہوگئی ہے۔ اب مجھے ہرصورت ناگ منی چاہئے۔"

"لیکن صبا کے پاس کوئی ناگ منی نہیں ہے، تو کس کی بات کررہا ہے؟" عدنان نے ڈرا اور غصے کے ملے جلے تاثرات میں پوچھا۔

تیز پھنکاروں کی آوازوں میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اب کی بار ناگ نے نہایت غصے سے عدنان اور چاندنی کی طرف دیکھا جو قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر ناگ کی طرف پھونک مارے تھے۔ وہ انسانی شکل سے دوبارہ ناگ کی شکل میں آگیا اور تیزی سے بل کھاتا ہوا عدنان اور چاندنی کی طرف بڑھا اس سے پہلے کہ وہ ناگ اپنا کام کرتا۔ احتشام نے چاندنی اور عدنان کو پرے دھکا دیا اور یوں ناگ کا وار خالی ہوگیا۔

☆......☆......☆

حسان اور عدنان یار تم لوگ واپس گھر چلے جاؤ...... یہاں خطرہ ہے میں سب سنبھال لوں گا تم لوگ بس نکلو یہاں سے...... احتشام نے عدنان اور حسان کو گھر کے باہر لے جاتے ہوئے کہا۔

مگر لالہ...... آپ کو اکیلا کیسے چھوڑ کر جاسکتے ہیں۔؟" حسان جیسے رونے ہی لگا۔

"جھاڑیوں کی طرف سے مت جانا...... یہاں سے جاؤ۔" سڑک کے ایک طرف احتشام نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

"احتشام...... احتشام...... ہاشم بے ہوش ہوگیا ہے۔ اور جوگی بابا تو پتہ نہیں کیا کئے جارہے ہیں۔" "پورا کمرہ سانپوں سے بھر گیا ہے۔ چاندنی چیختے چلاتے بھاگتی ہوئی احتشام کے پاس آئی۔

"اللہ سب بہتر کرے گا...... آپ یہ بتاؤ وہ ناگ منی والا ہار کہاں ہے؟ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے تو ہم اس ہار کو ناگ کو دیتے ہیں......" احتشام نے استفسار کیا۔

"وہ ہار تو شاید صبا کے پاس ہے...... اور۔"

چاندنی کا جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ ان کے سامنے سیاہ ناگ اپنی پوری دہشت سمیٹے ہوئے کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

"یہ ہے بالک...... تیرا سواتی نکشرہ کا ناگ منی......" جوگی بابا نے ایک بڑا سا موتی ہاتھ میں اٹھایا جس سے سبز رنگ کی تیز روشنی روشنیاں نکل رہی تھی اس موتی کو دیکھ کر ناگ تو جیسے جھومنے ہی لگا وہ اپنے بڑے سے پھن کو خوشی کے مارے کبھی ادھر تو کبھی ادھر جھلاتا۔ کمرے میں پھنکاروں کا سا سماں تھا۔

"ایک منٹ بابا......" احتشام آگے بڑھا۔ "آپ کے پاس یہ ناگ منی سواتی نکشرہ کیسے آیا؟ یہ تو ہار کہیں اور تھا......؟ مجھے پکڑائیں یہ ناگ منی میں دوں گا اس کو۔" احتشام نے ناگ کی طرف فیصلہ کن لہجے میں بولتے ہوئے کہا۔

"اپنے علم سے منگوالیا ہے میں نے...... لے پکڑ ناگ منی۔" جوگی نے احتشام کی طرف ناگ منی کو اچھال دیا۔

سیاہ ناگ اپنی مستی میں جھومتا ہوا احتشام کے بالکل قریب آگیا۔

"ناگ منی حاصل کرنا ہے تو تمہیں اپنی اصل انسانی شکل میں آنا ہوگا۔" احتشام نے شرط رکھ دی ناگ اپنے بڑے سے پھن کو نفی میں ہلا رہا تھا...... مگر احتشام بضد تھا۔

"سیاہ رنگ نے فوراً ہی صوفے کے پیچھے چھپی چاندنی کے گرد بل ڈال دیا۔ جیسے احتشام کی ضد کا جواب دے رہا ہو۔ چاندنی تڑپتی، بل کھاتی احتشام کو پکار رہی تھی۔

"مجھے معاف کردیں آپی...... میں جوگی بابا کی نصیحت کے عین مطابق کررہا ہوں۔ سب کچھ اس سیاہ ناگ کو قابو میں کرنے کے لئے ہے۔ لیکن میں آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

"بالک چل جلدی کر...... دیر نہ کر......" احتشام جوگی کی آواز پر چونکا۔

سیاہ ناگ ناگ منی کو جب پکڑنے لگے تو اپنے اصول کے مطابق وہ کسی پر حملہ نہیں کرسکتا مگر احتشام کی چال کے مطابق ہوا۔ ناگ اپنا اصول توڑ چکا تھا وہ چاندنی کو قابو میں کئے ہوئے تھا۔ اصول ٹوٹ جانے کے بعد ناگ کی طاقتوں میں کمی آتی جارہی تھی۔

ناگ نے چاندنی پر سے گرفت خود ہی کم کردی تھی۔ "تمہیں ناگ منی چاہئے؟" احتشام نے پوچھا۔ ناگ نے غصے میں بپھر کر ہوا ہی میں جمپ لگاتے ہوئے احتشام کی طرف گیا مگر احتشام کے فوراً ہی پیچھے ہٹ جانے کی وجہ سے ناگ دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گرا وہ بری طرح زخمی ہوچکا تھا۔ جوگی مسلسل اپنے جاپ سے اس کی طاقتیں توڑ رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے احتشام کے سامنے وہ ناگ انسانی شکل میں دوبارہ آچکا تھا۔ اس کا پورا جسم شدید لہولہان تھا۔

"بالک سب کچھ الٹا ہوگیا...... اسے اتنی جلدی انسانی شکل میں نہیں آنا چاہئے تھا۔ ابھی بھی اس میں بہت طاقت ہے۔" جوگی کی آواز سن کر احتشام جیسے ہکا بکا رہ گیا۔

وہ اپنے بھاری بھاری قدم اٹھاتا ہوا احتشام کے قریب جارہا تھا۔ وہ جیسے جیسے قدم اٹھاتا اس کے پاؤں میں موجود پائل کی جھنکار پورے گھر میں گونجتی۔

جوگی کے منتر تیز تر ہوگئے تھے۔ احتشام خود کو بچائے یا چاندنی کو سنبھالے، اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"کاش میں عدنان کو واپس نہ بھیجتا...... کچھ تو ہیلپ کردیتا وہ......" احتشام ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ناگ نے احتشام کے قریب آکر ناگ منی کا مطالبہ کیا۔

"یہ لو......" احتشام نے مجبور ہوکر کانپتے ہاتھوں سے جیسے ہی ناگ منی اس کے حوالے کی...... اتنی دیر میں جاپ توڑ کر وہ باہر نکل چکا تھا۔ "ابھی نہ دو......" جوگی کے الفاظ ابھی پورے نہیں ہوئے کہ ناگ نے جوگی پر حملہ کردیا۔ وہ اپنی مصیبتوں کا بدلہ لینا چاہتا تھا شاید......"

اب احتشام، ہاشم چاندنی رہ گئے مگر جوگی نے

انہیں اپنے جاپ سے محفوظ کر دیا ناگ اپنی ناگ منی کو لے کر جھومتا ہوا باہر نکل گیا جبکہ جوگی کچھ بتانے کی کوشش میں تھا کہ اچانک سے بارش شروع ہوگئی۔ احتشام جوگی کو بچانے کی ہر سو کوشش میں تھا۔

"بالک مجھے کچھ باتیں بتانی ہیں تم لوگوں کو......" جوگی نے اکھڑتی سانسوں کو ترتیب دیتے ہوئے کہا۔"جی بابا بتائیں...... جلدی بتائیں......"احتشام ہمہ تن گوش ہوا۔

"ناگ اپنی ناگ منی لے گیا ہے اور بارش بھی شروع ہورہی ہے۔ تم میں سے کوئی بھی باہر نہ جائے کیونکہ بارش کے قطروں میں ایک خاص قطرہ جب ناگ کے اندر جاتا ہے تو وہ ہی قطرہ ناگ منی بن جاتا ہے بے شک ناگ اپنی ناگ منی لے گیا ہے۔ لیکن ابھی تم لوگوں کے ہاتھوں پر ناگ منی کا نقش ہے اگر بارش کا قطرہ اس نقش سے بھی ٹکرایا تو سب تباہ ہو جاؤ گے۔ طاقت سے طاقت نہیں ٹکرانی چاہئے۔" جوگی نے ایک لمبا سانس لیا۔

"اور......اور......وہ لڑکی صبا میرے حساب کے مطابق یہاں سے دو میل دور ایک مسجد میں ہے۔ اسے وہاں سے لے آنا یہ ناگ ہی تھا جو کبھی آتا تو کبھی اس کا یونیورسٹی میں ارمغان بن کر اس سے ہار لینے کی کوشش میں تھا اس کے ساتھ ہی جوگی دم توڑ گیا......

احتشام نے سب کچھ نہایت غور سے سمجھا۔

☆......☆......☆

"مجھے واپسی کا کچھ علم نہیں تھا چاندنی...... اس ناگ کے خوف سے مجھے صرف خدا کے گھر میں ہی سکون آیا...... امام صاحب بہت اچھے ہیں، انہوں نے مجھے اپنی بیٹی بنا کر رکھا۔ مگر چاندنی مجھے تم سب لوگ بہت یاد آتے تھے۔" چاندنی کے گلے لگ کر صبا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپ کے اتنا رونے کا ایک فائدہ ضرور ہوگا اس سیلاب سے ہمارے ملک میں کم از کم بجلی Produce ہو جائے گی۔"احتشام نے ہنستے ہوئے کہا اور ساتھ ہی کار کا دروازہ کھول کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آج اسماعیل کا برتھ ڈے ہے۔ کیوں نا بشیر بھائی کے گھر پہنچ کر انہیں سرپرائز دیں؟"

احتشام نے رائے طلب نظروں سے سب کی طرف دیکھا۔

"زبردست آئیڈیا ہے......"ہاشم نے کہا۔

سن رہا ہے نہ تو...... رو رہی ہوں میں...... مشہور انڈین سانگ فل والیوم میں چل رہا تھا۔

پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے اپنے آنے کی اطلاع احتشام بشیر بھائی کو دے چکا تھا۔ جیسے ہی وہ سب پہنچے۔ سب حیران رہ گئے۔ سبھی اس سرپرائز پر بہت خوش تھے۔

پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے اپنے ساتھ پیش آنے والے مشکل حالات بتائے تو سب نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ کسی کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔

☆......☆......☆

اسماعیل میری جان...... تیزی سے بھاگ کر آتے ہوئے اسماعیل کو صبا نے گود میں اٹھا لیا اسماعیل سے باتیں کرتے کرتے صبا نے پوچھا یار ہمارے باقی دوست کہاں ہیں؟ ابوبکر، بلال وغیرہ۔؟

ابوبکر تو اپنی ماما کے ساتھ واپس سعودی عرب چلا گیا ہے، اور بلال بھی چھٹیاں گزارنے آیا تھا وہ اب دوہا جا چکا ہے۔ اسماعیل تو پورا نیوز رپورٹر بنا ہوا تھا۔

دیکھا نہ تھا کبھی ہم نے یہ سماں...... ایسا نشہ تیرے پیار نے کیا...... کھو گئے سپنوں میں ہم۔

اسماعیل کے کیک کاٹنے کے دوران میوزک بھی خوب اونچی آواز میں آن تھا۔

"ایک منٹ...... کیمرہ 5 سیکنڈ کی ٹائمنگ پر لگا کر احتشام جلدی سے سب کے ساتھ آ بیٹھا اور یہ لمحات کیمرے میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو چکے تھے۔

آخری قتل

ایس امتیاز احمد-کراچی

اچانک نوجوان پر دیوانگی سی طاری ہوگئی، وہ کمرے کی ایک ایک چیز ہٹاکر خوبرو حسینہ کو تلاش کرنے لگا، وہ پاگلوں کی طرح ہر سو اپنی نظریں گھمانے لگا مگر افسوس صد افسوس کہ چند لمحے پہلے اس کے پاس کھڑی حسینہ غائب تھی۔

سطر سطر خوف وہراس کے شکنجے میں جکڑی ہوئی لرزہ براندام کرتی سحر زدہ کہانی

پہاڑ کی اس بلندی پر گہرا سکوت تھا، پچھلے پہر کا زرد اور بیمار چاند کبھی کا غروب ہو چکا تھا اور اب ہر طرف دھند پھیل گئی تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا جیسے اس کے آس پاس کوئی شخص موجود ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرسراہٹ سی دوڑ گئی اور جسم کا رواں رواں کھڑا ہو گیا، یوں محسوس ہوا جیسے کوئی آہستہ آہستہ اس کے قریب آرہا ہے۔ قدموں کی چاپ سنی جا رہی تھی۔ وہ بے حس کھڑا رہا۔ کوئی شخص اس کے آس پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ خوف کی وجہ سے وہ گردن گھما کر دیکھ بھی نہ سکا، ٹھنڈی اور کوہستانی ہوا کے باوجود اس کا سارا جسم پسینے میں نہا گیا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی اور اعصاب کو قابو کرنے لگا۔

اس کے جسم پر ابھی تک قیدیوں کا لباس تھا اور وہ تھکن بھوک اور نیند سے بری طرح پریشان تھا، اور اب خوف بھی اس پر مسلط ہو گیا تھا، لحہ بہ لحہ بڑھتی ہوئی دھند نے سارے ماحول کو ڈھانپ لیا تھا۔ چند قدم کے فاصلے کے بعد کوئی چیز ٹھیک نظر نہ آتی تھی۔

رائف نے چاقو نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ یہ چاقو اس نے قید خانے میں ایک چمچے سے بنایا تھا اور ابھی تک اس کو استعمال کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا تھا۔ اس نے جیب سے چاقو نکالا ہی تھا کہ ایک بہت مدھم اور پرسکون آواز سنائی دی۔

"دفاع یا حملے کی کوئی ضرورت نہیں ہے!"

رائف، تیزی سے مڑا۔ اس کے سامنے ایک نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔ لڑکی بے انتہا خوب صورت تھی۔ اس کے انداز سے اطمینان اور سکون ظاہر ہو رہا تھا۔ متناسب جسم کی مالک تھی، خوب صورت اور لمبے بال بے ترتیبی سے پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ جلد ملائم اور صاف تھی۔ بڑی بڑی نیلی آنکھوں میں ہلکی سی مسکراہٹ تھی ایسی مسکراہٹ جو رائف کے خوف کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"میں تمہیں خوفزدہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔" لڑکی نے آہستہ سے کہا۔

رائف نے سوچا ممکن ہے یہ لڑکی تنہا ہو یا ہو سکتا ہے کہ آس پاس کوئی اور بھی موجود ہے، بہرحال یہ محسوس کر کے لڑکی اسے خوفزدہ کر رہی ہے۔ اسے سخت طیش آ گیا مگر اس نے غصے کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں کس کے ساتھ آئی ہو لڑکی؟"

"کسی کے ساتھ نہیں اکیلی ہی آئی ہوں۔"

"بہتر ہے سچ بولو تم نے میرا تعاقب کیوں کیا؟"

"میں نے تمہارا تعاقب تو ہرگز نہیں کیا۔ یہ تو ایسے ہی اچانک مڈبھیڑ ہو گئی۔"

"لیکن میں نے تمہارے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنی۔"

"یقیناً نہیں سنی ہو گی، ہم پہاڑی لوگ ہلکے پاؤں دھرنے کے عادی ہوتے ہیں!"

"آخر اس ویرانے میں اور اس وقت تمہارا کیا کام ہو سکتا ہے؟"

لڑکی ہنس پڑی گہری خاموشی میں اس کی آواز بڑی پراسرار معلوم ہوئی۔

"تم بہت جذباتی اور غصیلے ہو۔ میں نے تم جیسا آدمی پہلے نہیں دیکھا تم کو مجھ سے ڈرنا نہیں چاہیے۔"

"روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے۔ جس سے میں ڈروں...... میں نے تم سے پوچھا تھا کہ یہاں کیا کرنے آئی ہو؟"

"تم اس قدر پریشان ہو اور بری طرح خوف زدہ ہو کہ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی؟"

"اوہ اچھا۔ تو یہ لو۔ اب تمہارے پریشان اور خوف زدہ ہونے کی باری ہے۔" رائف نے اپنا چاقو سنبھالا۔

"کیا کرتے ہو؟" لڑکی بڑی اطمینان سے بولی۔ "کیا تم ایڈگر نہیں ہو۔ وہی آدمی جس نے آج جیل سے دوسری جیل میں منتقل ہوتے وقت اپنے محافظ کو مار ڈالا تھا اور مفرور ہو گیا تھا، میں نے آج تمہاری تصویر اخبار میں دیکھی تھی اور تمام تفصیل غور سے پڑھی تھی۔"

رائف نے سختی سے اپنے دانت بھینچے، اس کے جبڑے کی ہڈیاں ابھر آئیں۔ لڑکی اسی اطمینان اور سکون سے پوچھتی رہی۔

"اخبار والوں نے لکھا ہے کہ تم بڑے بے رحم اور خطرناک ہو، انہوں نے تمہارا بڑا ڈراؤنا نقشہ کھینچا تھا، تمہاری تصویر سے بھی وحشت ٹپک رہی تھی۔ مگر اس وقت تو تم خوفزدہ نظر آ رہے ہو۔ بری طرح سہمے ہوئے بالکل بچے کی طرح۔"

"تمہیں اس وقت مجھ سے خوف محسوس نہیں ہوتا؟"

"ہرگز نہیں!"

"وہ کیوں؟"

"ظاہر ہے اس وقت جو لڑکی ان پہاڑوں میں تنہا گھومنے پھرنے آئے گی وہ بھلا کس سے خوف کھاتی ہو گی۔ میں تمام خوف پر غالب آ جاتی ہوں۔"

لڑکی کمر لچکاتی بڑے اطمینان سے رائف کے قریب ایک پتھر پر بیٹھ گئی اور شانوں کو بڑے دلفریب انداز میں حرکت دیتے ہوئے بولی۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتی تم سے تو بالکل خوف محسوس نہیں ہو رہا۔"

"آخر تم مجھ سے چاہتی کیا ہو لڑکی؟"

"مجھے لڑکی نہ کہو۔ میرا نام ڈریم آمی ہے!"

"یہ کوئی خوب صورت نام نہیں ہے۔"

"اپنے اپنے رواج کی بات ہے اس طرف کے لوگ "ڈریم آمی کو بہت اچھا نام سمجھتے ہیں۔"

"بہت خوب محترمہ ڈریم آمی! اب آپ بتائیں آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟"

"مسٹر رائف تم یقیناً بھوکے ہو گے...... میں نے تمہارا صحیح نام لیا ہے ناں۔"

"ہاں میرا نام رائف ہی ہے۔"

"چار روز ہو گئے تم بھوکے پیاسے مارے مارے پھر رہے ہو اور یقیناً تمہارے پاس ایک دھیلہ بھی نہیں ہو گا۔"

"میرے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اپنا مطلب بتاؤ۔"

"اور تم اس قیدیوں والے لباس میں پہاڑ سے اتر کر شہر کی طرف بھی نہیں جا سکتے، کیوں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں......!"

رائف کو لڑکی کے اس اطمینان اور سرد مزاجی پر تاؤ آ گیا۔

"بکواس بند کرو۔ صرف اپنا مطلب بیان کرو۔ آخر تم کو مجھ سے کیا کام ہے؟"

ڈریم آمی نے رائف کے الفاظ پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے رائف کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم خوراک کہاں سے حاصل کر سکتے ہو۔ اور اس لباس سے چھٹکارا پانے کے لئے کپڑے کہاں سے مل سکتے ہیں۔"

"وہ رائف کے قریب کھسک آئی اور اپنا سر اس سے ملاتے ہوئے بولی۔

"اور ایک کثیر رقم بھی ہاتھ لگ سکتی ہے تقریباً دو ہزار ڈالر!"

"تمہیں یقین ہے، جو کچھ کہہ رہی ہو سچ ہے۔"

"بالکل!"

"اس میں شبہ نہیں کہ تم بہت خوب صورت ہو مگر مجھ جیسے آدمی کو بے وقوف بنانا ذرا مشکل ہے بس بہت ہوا اب تم چپ چاپ یہاں سے کھسک جاؤ۔"

"خوراک، لباس اور ایک بھاری رقم، کیا تم نہیں چاہتے کہ تم ان چیزوں کو حاصل کر کے اطمینان سے کہیں چلے جاؤ۔"

"تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے یہ تمام چیزیں میرے سامنے رکھی ہوئی ہیں۔ بس ہاتھ بڑھانے کی دیر ہے!"

"یقین کرو ایسا ہی معاملہ ہے۔"

"اگرچہ اب مزید بے وقوف بننے کی طاقت نہیں ہے مگر پھر بھی کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ یہ چیزیں کہاں سے مل سکتی ہیں؟"

"یہاں سے صرف ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گھر ہے!"

"تمام چیزیں اسی گھر سے مل جائیں گی؟"

"ہاں!"

"تم چاہتی ہو میں تمہارے ساتھ اس گھر تک جاؤں۔"

"ہاں!"

"آخر تم مجھ پر اس قدر مہربان کیوں ہو؟ تم میری مدد کیوں کرنا چاہتی ہو؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

"سیدھی سی بات ہے!"

"یعنی؟"

"تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا!"

"ایک نہیں دس...... اگر یہ تو بتاؤ کہ تم مجھ سے کس قسم کا کام لینا چاہتی ہو؟"

"میں ایک آدمی کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم اسے قتل کر دو۔"

"آخر کیوں؟" تم کیوں چاہتی ہو کہ میں کسی آدمی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگوں؟"

"وہ اسی کا حقدار ہے۔ اس حد تک کہ اسے قتل کرانا میرے لئے ایک اہم فرض کی حیثیت رکھتا ہے وہ بہت ظالم اور سنگدل انسان ہے بولو کیا تم اسے قتل کر دو گے میری خاطر!"

رائف حیران رہ گیا۔ لڑکی کی آنکھیں وحشیانہ انداز میں چمک رہی تھیں۔ پتلیاں بڑی بے قراری سے گردش کر رہی تھیں لڑکی پھر بولی۔

"ڈر گئے۔ تمہارے جیسے آدمی کے لئے جو ایک

گارڈ کو قتل کر چکا ہو، کسی دوسرے انسان کو قتل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے، بس یہ تمہارا آخری قتل ہوگا۔ اس کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گے جہاں چاہے جاسکتے ہو۔ سودا برا نہیں رہے گا!"

رائف نے پہلو بدلا بڑی مشکل سے لڑکی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"بڑی عجیب خواہش ہے تمہاری، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا!"

"میں مذاق نہیں کر رہی تم جیسے آدمی سے مذاق کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، بس میری یہ آرزو ہے کہ اس آدمی کو انتہائی بے رحمی اور وحشیانہ طور پر قتل کر دیا جائے گا۔"

"وہ آدمی اس مکان میں رہتا ہے جس میں روپے اور کپڑے موجود ہیں؟"

"ہاں کپڑے بہت زیادہ تو نہیں ہیں۔ مگر جتنے بھی ہیں، سب تمہارے فٹ آئیں گے کیونکہ آدمی تمہارے ہی قد وقامت کا ہے۔ اس کے علاوہ دو ہزار ڈالر بھی اس مکان میں تکیے کے نیچے تھیلی میں محفوظ ہیں۔"

"رقم میں تمہارا حصہ کتنا ہوگا؟"

"مجھے رقم کی ضرورت نہیں ہے، سب کی سب تمہاری ہے۔ میں تو بس اپنی آنکھوں سے اس شخص کو قتل ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"وہ شخص تمہارا شوہر ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر کون ہے؟"

"اب کیا کہوں، میں اس کی محبوبہ تھی کبھی، سوچتی تھی مجھے بہت چاہتا ہوگا۔"

"مگر بعد میں تمہیں ٹھکرا دیا۔ اب تم اس سے انتقام لینا چاہتی ہو!"

"کچھ ایسا ہی معاملہ ہے جب اس کا دل مجھ سے سیر ہوگیا تو ٹھکرا دیا۔ اور دوسری لڑکی میں دلچسپی لینے لگا۔ حالانکہ میرے پیٹ میں اس کا دو ماہ کا بچہ پرورش پا رہا تھا۔"

رائف ذرا دیر تک سوچتا رہا پھر ایک مضبوط ارادے کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔

"بہت اچھا محترمہ ڈریم آمی! مگر سوچ لو اگر کسی قسم کا دھوکہ ہوا تو میرا حشر جو ہو سو ہو مگر چاقو سب سے پہلے تمہارے ہی پیٹ میں اترے گا۔ میں تمہارے ساتھ چلے چلتا ہوں چونکہ تم نے انتہائی بے چارگی سے مدد کی درخواست کی ہے اس لئے تمہاری آرزو ضرور پوری ہوگی۔ تم اپنی آنکھوں سے اس شخص کو خون میں نہاتے دیکھو گی!"

لڑکی خوشی سے کھل اٹھی بڑے جذباتی انداز میں اس نے پوچھا۔

"تو تم واقعی اسے قتل کر دو گے۔"

"ہاں میرے لئے ایک قتل زیادہ یا ایک قتل کم سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"میں خوش ہوں، بہت خوش اب وہ کسی دوسری لڑکی کو میرے حال تک نہ پہنچا سکے گا۔ تمہیں قتل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی کیوں کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"تمہیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ مجھے کیسے معلوم؟"

"تم نے کہا تھا وہ مکان یہاں سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ہے!"

"ہاں کہا تھا!"

"بہت خوب میں تمہارے ساتھ چلوں گا اور اگر برا نہ مانو تو ایک بازو پکڑے رکھوں۔"

"اگر تمہاری نظر میں یہ ضروری ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

☆......☆......☆

لڑکی تیزی سے فاصلہ طے کر رہی تھی۔ ایک جگہ راستہ بہت تنگ تھا ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا مجبوراً رائف کو لڑکی کا بازو چھوڑنا پڑا آگے راستہ کشادہ تھا۔ لڑکی وہاں سے جا کر رک گئی اور رائف کا انتظار کرنے لگی۔ رائف پہنچا تو لڑکی نے اپنا بایاں بازو اس کی طرف بڑھا دیا۔ مگر اس بار رائف نے لڑکی کا بازو نہیں پکڑا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ ذرا دیر بعد دور ایک چھوٹا سا سیاہ دھبہ سا دکھائی دیا۔ لڑکی نے اس دھبے کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ

رہا اس شخص کا مکان! میرا خیال ہے ذرا جلدی کرنا چاہیے لوگ جاگنے لگ گئے ہوں گے۔"

رائف نے آستین سے پیشانی کا پسینہ صاف کیا اور کہا۔ "ڈریم آمی! اگرچہ مجھے تمہارے متعلق کافی اطمینان اور اعتبار ہے مگر پھر بھی احتیاط کا تقاضہ ہے کہ تم میرے ساتھ مکان میں داخل ہو۔ اس قسم کے کاموں میں ذرا احتیاط برتتا ہوں۔"

"تم جو کہو گے وہی کروں گی مسٹر رائف، میں تو بس اس سنگدل انسان کے مرنے کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

رائف لڑکی کے ساتھ مکان میں داخل ہوا۔ لڑکی بڑے مطمئن اور نپے تلے انداز میں اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ رائف دل میں سوچ رہا تھا۔

"خوب صورت لڑکی! تجھے خواہش ہے تو بے وفا شخص کے آخری خونی لمحات کا نظارہ کرلے۔ پگلی! تیرا بھی تو آخری وقت آن پہنچا ہے۔ یہ مکان تیرا قبرستان ثابت ہوگا۔ ڈریم آمی تو کس قدر خوب صورت ہے مگر تجھے بھی مرنا پڑے گا۔ مجھے افسوس تو ہوگا مگر اس کے علاوہ چارا بھی کیا ہے، میں اپنے اصول سے مجبور ہوں میں قتل کے چشم دید گواہ کو کبھی نہیں چھوڑتا، میرے لئے ایک قتل زیادہ یا ایک قتل کم کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میرے لئے اہم یہ ہے کہ میں کس طرح پرسکون اور مطمئن طریقے سے زندہ رہ سکتا ہوں!"

دروازے پر تالا نہیں پڑا ہوا تھا۔ رائف نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ دونوں اندر داخل ہوئے چھوٹا سا کمرہ بہت صاف ستھرا تھا۔ ضرورت کی تقریباً ہر چیز موجود تھی سامنے الماری میں شراب کی مختلف قسم کی بوتلیں بڑے قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔

رائف نے کمرے میں طائرانہ نظر دوڑائی کھانے پینے کی کافی چیزیں موجود تھیں۔ ایک شخص بستر پر پڑا سو رہا تھا اور کمرے میں شراب کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ رائف بستر کے نزدیک گیا اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ بری طرح پئے ہوئے تھا اور نیند میں ڈوبا ہوا تھا، بو اس کے سانس کے ساتھ خارج ہو کر کمرے میں پھیل رہی تھی۔ رائف نے ڈریم آمی کی طرف دیکھا۔ "اب کیا دیر ہے؟ رقم سرہانے ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے، مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے جھوٹ نہ بولو گی۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔"

"شکر ہے مجھ پر اعتبار تو آیا مگر اب جلدی کرو۔"

رائف نے چاقو جیب سے نکالا اور بستر کے قریب پہنچ کر پے در پے وار دل کے مقام پر کئے۔ وہ شخص غالباً پہلے ہی وار میں ختم ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس نے نہ کوئی حرکت کی۔ اور نہ کوئی آواز بلند کی۔ رائف نے چاقو کھینچا اور بستر کی چادر سے صاف کرنے لگا۔ پھر چاقو جیب میں ڈال کر لاش کو ذرا نیچے کھسکایا تکیہ ہٹا کر دیکھا تو نوٹوں سے بھری ہوئی تھیلی سامنے پڑی ہوئی تھی۔

رائف نے تھیلی جیب میں ڈالی۔ اور کرسی پر پڑے ہوئے شخص کے کپڑے دیکھنے لگا۔ پھر خون میں لت پت لاش کا جائزہ لیا۔ لڑکی نے غلط نہیں کہا تھا۔ لاش قد و قامت میں بالکل اس جیسی تھی۔ رائف کی طرح۔

رائف ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گیا۔

"افسوس! اس خوب صورت اور بہادر لڑکی کو بھی مرنا پڑے گا۔ مگر کیا کیا جائے، قسمت کی باتیں ہیں۔"

رائف نے دو مرتبہ جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی خواہش تھی کہ ایک ہی وار میں لڑکی کا خاتمہ کردے۔ تاکہ بے چاری لڑکی کی موت کی اذیت اور جان کنی سے بچ جائے۔ اور اسے کم سے کم درد اور موت کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

رائف نے بڑی سرعت سے چاقو والا ہاتھ پیچھے گھمایا جہاں لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ لڑکی اپنی جگہ موجود نہیں تھی۔

رائف پر دیوانگی سی طاری ہوگئی۔ وہ کمرے کی ایک ایک چیز ہٹا کر اسے تلاش کرنے لگا۔ الماریوں کے پٹ کھول کر دیکھا مگر لڑکی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح باہر بھاگا اس کی حالت بڑی خراب تھی۔ پسینہ چوٹی سے ایڑی تک بہہ رہا تھا اور وہ غصے میں ہذیان بک رہا تھا۔

اسے سامنے دھند میں سے دو آدمی نمودار ہوتے ہوئے دکھائی دیئے۔ دونوں کے جسم پر وردی تھی اور ہاتھوں میں ریوالور رائف مڑ کر پیچھے کی طرف بھاگا مگر ایک معمر آفیسر نے اسے للکارا۔ "خبردار چاقو نیچے ڈال دو اور ہاتھ اوپر کرکے کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ چھلنی کردیئے جاؤ گے!"

چاقو اور نوٹوں کی تھیلی رائف کے ہاتھوں سے گر پڑی، وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔

"وہ لڑکی......" رائف کمزور سی آواز میں بولا۔

پولیس افسران نے کوئی توجہ نہ دی اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ رائف نے پھر کمزور سی آواز میں پوچھا۔

"وہ لڑکی کہاں گئی؟"

پولیس آفیسر نے حیرت سے پوچھا۔ "کون سی لڑکی؟" پھر اپنے ساتھی کی طرف مڑ کر بولا! "ہاورا تم نے راستے میں کوئی لڑکی دیکھی؟"

"نہیں! اس نے بھی حیرت سے جواب دیا۔

ایک آفیسر کمرے میں داخل ہوا اور بستر پر پڑی ہوئی خون میں لت پت لاش کو دیکھ کر چونک پڑا پھر وہ رائف کے قریب آیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا، وہ ایک بار پھر چونکا۔ "ہاورا آؤ جلدی سے۔" اس کی آواز ہیجان اور جوش سے کانپ رہی تھی۔ "ذرا غور سے دیکھو پہچان رہے ہو۔ ارے یہ وہی قاتل ہے جس نے گارڈ کو قتل کر ڈالا تھا اور روپوش ہوگیا تھا۔

"اچھا تو یہ دھند میں چھپ چھپا کر ادھر نکل آیا تھا۔ یہاں جو کو قتل کرکے اس کی رقم ہتھیالی۔ خوب بھئی بہت خوب۔" دوسرا آفیسر بولا۔

"ہم جو کو پکڑنے آئے تھے مگر اس نے پہلے ہی جو کو مار ڈالا، خیر ایک تیر دو شکار اسی کو کہتے ہیں مگر یار میری خواہش تھی کہ میں جو کو زندہ پکڑتا اور ٹھڈے مار مار کے اس کے جبڑے توڑ دیتا۔ اس نے جو کچھ اس لڑکی کے ساتھ کیا اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ مار مار کے بھرکس نکال دیا جاتا۔ پھر بھلے ہی قتل ہو جاتا۔"

"پہلے تو اس کمبخت نے لڑکی کو محبت کا دھوکہ دے کر پھانسا جھوٹی محبت جتائی، رنگ رلیاں منائیں اور جب وہ حاملہ ہوگئی تو جان چھڑانے کے لئے اور بدنامی سے بچنے کے لئے خاموشی سے اس معصوم کو ٹھکانے لگا دیا۔ کم بخت کس آسانی سے بستر پر مرگیا، اسے تو کتے کی موت مرنا چاہیے تھا۔" آفیسر نے نفرت سے فرش پر تھوک دیا۔

رائف حیران اور پریشان پولیس افسروں کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اب تک کی ساری باتیں اور تمام واقعات خواب سے معلوم ہو رہے تھے۔ اس نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "لڑکی کو کب قتل کیا گیا تھا؟"

"کل رات!" "اس لڑکی کا کیا نام تھا؟"

"تمہیں اس سے کیا مطلب؟"

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں مجھے اس کا نام بتا دیجیے!" "اس کا نام ڈریم آمی تھا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے، وہ تو اس قتل میں میرے ساتھ شریک ہے۔" دونوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو۔ تم کسی کو اپنے جرم میں شریک ظاہر کرکے اپنے جرم کی اہمیت کم نہیں کرسکتے، تم نے جو گارڈ کو مارا ہے وہ جرم تمہیں بجلی کی کرسی پر بیٹھانے کے لئے کافی ہے۔"

"یہ تو مجھے معلوم ہے۔" رائف نے سر جھکا کر کہا۔ "مگر یقین کیجیے ڈریم آمی نے ہی مجھے اس قتل پر اکسایا تھا......!" "کس وقت؟"

"آج صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے۔"

دونوں افسران پھر ہنس پڑے۔ "یقیناً وہ ڈریم آمی کی روح ہوگی۔ کیونکہ اس وقت تو اسے قتل ہوئے بھی دس گھنٹے گزر چکے ہیں۔"

"نہیں نہیں۔ وہ مری نہیں ہے، یہ ممکن ہی نہیں ہے!" رائف پاگلوں کی مانند چلایا۔ ہاورنے اپنے ساتھی کو کہنی مارتے ہوئے کہا۔ "پاگل بن کر سزا سے بچنا چاہتا ہے۔ لیکن کوئی اس کی باتوں کا یقین نہیں کرے گا۔"

"اور واقعی کسی نے رائف کی باتوں کا یقین نہ کیا، خود رائف بجلی کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد زندگی کے آخری لمحات تک یہ ماننے سے انکار کرتا رہا کہ ڈریم آمی جو اسے پہاڑ پر ملی تھی۔ درحقیقت وہی لڑکی تھی جو مقتول کی محبوبہ تھی اور جو نے اسے بدنامی سے بچنے کے لئے قتل کر ڈالا تھا۔

عشق ناگن

ایم الیاس

قسط نمبر:04

چاهت خلوص اور محبت سے سرشار دلوں کی انمٹ داستان جو کہ پڑھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گی کہ دل کے ہاتھوں مجبور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے بے شمار جان لیوا اور ناقابل فراموش مراحل سے گزرتے ہوئے بھی خوشی محسوس کرتے ہیں اور اپنے وجود کے مٹ جانے کی بھی پروا نہیں کرتے۔ یہ حقیقت کہانی میں پوشیدہ ہے۔

یہ دنیا رہے نہ رہے لیکن کہانی محبت کی زندہ رہے گی۔ انہی الفاظ کو احاطہ کرتی دلگداز کہانی

"کیوں کیا ایسا نہیں ہوسکتا؟" آکاش نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

"ایسا کیوں نہیں ہوسکتا......؟" اس کے دل نے جواب دیا۔

"کیسے ہوسکتا ہے......؟"

"وہ ایسے ہوسکتا ہے کہ اس کا بدن نہیں دل جیت لیا جائے۔"

"دل جیتنا اتنا آسان نہیں ہوتا ہے؟ جسم تو پھر بھی جیتا جاسکتا ہے۔ حماقت سے...... قہر و زیادتی سے لالچ سے...... فریب اور دھوکے سے...... لیکن دل نہیں۔"

"پھر دل کیسے جیتا جائے گا......؟"

"محبت سے...... کیوں کہ محبت ایک ایسا جادو ہے کہ صرف یہ جادو عورت پر چل جاتا ہے...... کوئی اور جادو اسے اپنا اسیر نہیں بنا سکتا......"

میں انجان بن کر امرتا کو اعتماد میں لوں گا...... محبت کے فریب میں جکڑ لوں گا۔ بھولے سے بھی نیلم کا نام زبان پر نہیں لاؤں گا...... امرتا نے کبھی انجان بن کر مجھے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ میرا ماضی جاننے کی کوشش کی تو اس سے کہوں گا۔ "نیلم کی موت کے بعد کچھ دنوں تک میرے دل میں اس کی محبت کا جو چراغ جلتا رہا تھا وہ تمہیں پانے کے بعد بجھ چکا ہے۔ اب میری محبت، میرا جیون، میری آتما اور میرا سب کچھ تم ہو۔ تم مجھے چھوڑ کر مت جانا ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔"

عورت چوں کہ محبت کی بھوکی ہوتی ہے۔ وہ اس کے فریب کے جال میں آجائے گی۔ وہ اسے مزید اعتماد میں لینے کے لئے کہے گا۔ "مرنے والے کبھی جنم لے کر نہیں آتے ہیں...... مرنے والوں سے محبت کرنا کیا...... اور پھر تم اتنی حسین ہو کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی حسین ہستی ہوگی...... مجھے تمہارے حسن و شباب اور گداز بدن سے نہیں بلکہ تم سے ہے...... تمہاری آتما سے ہے...... آؤ...... ہم دونوں محبت کی دنیا میں کھو جائیں۔"

آکاش نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ عورت کی سب سے بڑی کمزوری اس کے حسن کی تعریف ہے...... یہ ایک ایسا جادو ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی توڑ نہیں ہے......

اس نے دیپ کو بلا کر کہا کہ وہ انڈے ابال کر کافی بنا کر لے آئے۔ جتنی دیر میں امرتا بال اور جسم خشک کرکے کپڑے پہن کر آئی اتنی دیر میں دیپ انڈے اور کافی لے آیا تھا۔ پھر وہ کمرے سے نکل گیا۔ آکاش

نے اسے نیلم کی جو ساڑی اور بلاؤز دیا تھا وہ کالے رنگ کا تھا جس میں اس کے گداز رنگت کی بہت قیامت کی ہوگئی تھی۔

"تم کون ہو......؟" آکاش نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "اس آندھی اور بارش میں کہاں سے بھیگتی ہوئی آرہی ہو......؟"

پھر اس کی طرف ابلے ہوئے انڈوں کی رکابی اور کافی کا پیالہ بڑھادیا...... "جلدی سے انڈے کھالو اور کافی پی لی۔ سردی سے تمہارا جسم جو کانپ رہا ہے اس سے سردی کم ہوجائے گی۔"

امرتا نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے ایک انڈا اٹھا کر کھالیا۔ پھر اس نے کافی کی چسکیاں لینے کے بعد جواب دیا۔

"میرا نام مدھرتا ہے...... میں ایک بدنصیب لڑکی ہوں۔ میں اپنی بوڑھی نانی کے ساتھ اس گاؤں میں ایک ٹیلے پر کٹیا میں رہتی تھی۔ تم جانتے ہو کہ آندھی، طوفان، سیلاب اور بارشیں صدیوں سے اس سنہرے دیش کا مقدر ہیں......

اچانک کالی آندھی آئی۔ طوفانی بارش میں میری بوڑھی نانی اور کٹیا بہہ گئی۔ اگر میں درخت کا سہارا نہ لیتی اور اس کے تنے سے چٹ نہ جاتی تو پھر میں بھی کسی تنکے کی طرح بہہ جاتی۔ جب پانی کا ریلا بہہ نکلا اور میں سردی سے تھر تھر کانپنے لگی تو مجھ سے تکلیف ناقابل برداشت ہونے لگی۔ پھر میں اس تاریکی میں نکل پڑی۔ کسی نہ کسی طرح بارش میں بھیگتی یہاں پہنچ گئی۔ دور سے مجھے اس کمرے میں روشنی دکھائی دی۔ ورنہ ہر گھر میں اندھیرا تھا جس کا پتا نہ چلتا تھا۔ آپ نے مجھے نا صرف پناہ دی بلکہ دیا کی ہے...... میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھول سکتی۔"

"اس میں احسان کی کیا بات ہے؟" آکاش نے کہا۔ "انسان مصیبت کے وقت ایک دوسرے کے کام آتا ہے۔"

"نہیں...... ایسا نہیں ہے۔" وہ تکرار کے انداز میں کہنے لگی۔ "ایسا بہت کم لوگ ہیں جو کسی کی مصیبت اور دکھ درد میں کام آتے ہیں۔ ایک ماہ پہلے کی بات ہے میری نانی کی طبیعت بگڑ گئی۔ میں وید جی کے پاس گئی تو وہ کاروباری لہجے میں بولا مفت میں علاج نہیں کرتا...... اگر تم میری ہر بات مان لو تو میں تمہاری نانی کا علاج کروں گا...... ورنہ نہیں...... پھر میں اپنے پتا جی کے زمین دار دوست کے پاس گئی۔ اس نے مجھے گود وں کھلایا ہوا تھا...... اس کی شرط بھی یہی تھی کہ میں اس پر خود کو نچھاور کردوں...... پھر مجھے معاً یاد آیا کہ گھر پر ایک سونے کی چوڑی پڑی ہے۔ اس طرح میں نے نہ صرف عزت بچائی بلکہ اس کے عوض نانی کا علاج بھی کرایا۔"

"دنیا میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں...... اچھے برے اور خود غرض...... نیکی اور بدی بھی ہے......" آکاش بولا۔ "لوگ مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ برسوں سے چلا آرہا ہے۔"

"آپ کے گھر میں اس قدر سناٹا اور ویرانی کیوں ہے......؟" وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی بولی۔ "صرف ایک نوکر نظر آیا ہے...... آپ نے جو لباس دیا ہے یہ عورت کا ہے...... کیا آپ کی پتنی اور بچے نہیں ہیں؟"

"اس لئے کہ میں اور نوکر اس گھر میں رہ رہے ہیں۔" آکاش نے جواب دیا۔ "بہت دن ہوئے میری پتنی کو ایک ناگن نے ڈس لیا۔ میری کوئی اولاد نہیں...... پھر میری زندگی میں کوئی عورت نہیں آئی...... میری زندگی میں ایک خلا ہے۔ بات یہ ہے دو ایک عورتوں نے مجھے اپنانا چاہا۔ لیکن ان میں محبت کا رتی بھر جذبہ نہیں تھا۔ اس لئے میں نے ان کی طرف پیش قدمی نہیں کی۔ میں ایک اداس زندگی گزار رہا ہوں۔"

"اوہ...... آپ بڑے دکھی ہیں۔" وہ بولی۔ "کیا مجھے یہاں رہنے کے لئے آپ کی کوئی شرط پوری کرنی ہوگی؟"

"نہیں...... میری کوئی شرط نہیں ہے۔" آکاش بولا۔ "ساتھ والے کمرے میں بستر ہے آپ آرام سے سو سکتی ہیں...... صبح ہوتے ہی آپ کا دل جہاں چاہے

جاسکتی ہیں۔ میرا نوکر آپ کو وہاں چھوڑ آئے گا۔"

"کیا میں اتنی حسین اور پرکشش نہیں ہوں کہ آپ کے جذبات بہک جائیں۔" وہ کہنے لگی۔ "اور پھر ایک بے سہارا سی کمزور اور نوجوان دوشیزہ ہوں اور آپ ایک کڑیل اور خوب صورت مرد ہیں...... باہر کالی رات ہے...... آندھی ہے...... موسلا دھار بارش بھی ہے...... اور آپ تجرد کی زندگی گزار رہے ہیں۔"

"نہیں...... نہیں...... میں کم ظرف، نیچ اور ذلیل شخص نہیں ہوں۔" آکاش بولا۔ "آپ مجھ پر اعتماد کرسکتی ہیں۔ اندر سے دروازہ بند کرکے سوجائیں۔ میں آپ کو اپنی عزت کی حفاظت کے لئے ایک خنجر دوں گا۔ اگر میں نے آپ کی عزت پر حملہ کیا تو بلا تامل مجھ پر وار کردینا۔"

"مجھے آپ سے کوئی ڈر اور خوف نہیں......" وہ بولی۔ "میں نے پہلی ہی نظر میں محسوس کرلیا کہ آپ کس طرح کے انسان ہیں، عورت پہلی ہی نظر میں مرد کو جان لیتی ہے۔ آپ مجھے بہت پسند آئے۔ صبح سورج کے نکلتے ہی میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ میں آپ کا یہ دیا کبھی نہیں بھولوں گی۔"

آکاش نے نہ تو دلچسپی لی اور نہ ہی اسے سنا۔ وہ تو امرتا کی تعریف کرتا۔ اتنی تعریف کرتا کہ وہ خوشی سے پاگل ہوجاتی۔

ایک روز آکاش کسی کام سے شہر گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا اس کا کمرا بند ہے اور اندر سے امرتا کی ہذیانی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"دیپ! تم جو چاہتے ہو وہ ناممکن ہے...... میں آکاش کی عزت اور محبت ہوں۔ میں اپنی عزت تمہارے حوالے نہیں کرسکتی...... مرجاؤں گی...... جان دے دوں گی۔"

"سن کمینی...... حرام زادی......" دیپ نے تو تلخ لہجے میں کہا۔ "میں کب سے تیرے گلابی بدن کا دیوانہ ہوں...... میں نے دو مرتبہ تیری کٹیا میں گھس کر تجھے قابو میں کرنا چاہا تھا تو مجھے فریب دے کر بچ گئی...... یہاں آنے کے بعد اس روز سے تم دونوں کو دن رات چھپ چھپ کر رنگ رلیاں مناتا دیکھ رہا ہوں...... میں شہر تھوڑی گیا تھا...... آج اب اس وقت میدان صاف ہے...... تو میری بات مان لے...... مجھے خوش کردے...... اگر تو نے انکار کیا تو پھر یاد رکھ تیرا یہ گلابی بدن خون سے تر کردوں گا......"

"نمک حرام...... ذلیل کمینے...... میرے کپڑے مجھے دے کر کمرے سے نکل جا...... آکاش آگیا تو تیری خیر نہ ہوگی۔ ہم دونوں مل کر تجھے جان سے ماردیں گے......" امرتا پھنکاری تھی۔

"آکاش...... شام سے پہلے آنے سے رہا...... میں شام تک تجھ سے جی بھر کے کھیل کے کلکتہ چلا جاؤں گا......" وہ قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ "تو کیوں اپنی جوانی اور بدن اور زندگی خراب کرتی ہے...... آج تک کوئی عورت اور لڑکی میرے ہاتھوں سے نہ بچ سکی تو کیا بچے گی......؟ میں دیکھتا ہوں۔"

آکاش کو اس دن کا ڈر تھا۔ کیوں کہ اس نے کئی مرتبہ دیپ کی کینہ توز نظروں میں میل دیکھا تھا۔ جب کبھی بھی وہ امرتا کو دیکھتا، گھورتا اور تاکتا تو اس کی آنکھوں میں حریص اور ایک بھوکے بھیڑیے کی سی خون خواری نظر آتی تھی۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکلا اور ساتھ والے کمرے کی کھڑکی کی طرف لپکا جو باہر کھلتی تھی۔ اس نے پہنچ کر دیکھا تو اچھل پڑا۔ دیپ امرتا کو قابو میں کرکے اس کی بے بسی سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کھڑکی میں کوئی گرل نہیں تھی۔ دو آدمی بیک وقت اندر آسانی سے جاسکتے تھے۔ آکاش کھڑکی پر چڑھ کر چیخا......

"ذلیل...... کتے...... چھوڑ دے اسے......"

پھر وہ یہ کہہ کر کمرے میں دھپ سے کودا۔

دیپ جو آکاش کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا تو امرتا نے اس لمحے سے فائدہ اٹھایا۔ دیپ کو اتنے زور سے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر دھکا دیا کہ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ فرش پر گر پڑا۔ پھر وہ اپنا لباس

اٹھا کر سرعت سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ دیپ فوراً ہی سنبھل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کمینے...... ذلیل...... نمک حرام......! یہ کیا حرکت ہے؟" آکاش نے گرجتے ہوئے کہا۔

"آپ اسے نہیں جانتے...... یہ بڑی حرافہ ہے...... اتنی حسین ہے کہ ہر مرد کو حق حاصل ہے کہ اس سے جی بہلائے......"

"یہ اب میری اپنی ہے۔" آکاش نے کہا۔ "جو اس کی طرف میلی نظروں سے دیکھے گا میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔"

"یہ صرف آپ کی نہیں میری بھی ہے...... یہ رستے کا مال ہے...... وہ آپ کے ہاں پناہ لینے آئی تو اسے اپنا مال بنالیا......" وہ فضا میں چاقو لہرانے لگا۔ میں ایسی گلابی حسینہ کے لئے اپنے مالک کو کیا دس آدمیوں کو بھی قتل کرسکتا ہوں...... ہٹ جاؤ میرے راستے سے تاکہ میں اسے اغوا کرکے لے جاؤں...... میں اس کے بغیر ایک گھڑی کیا ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتا...... میں اس کے لئے تڑپ رہا ہوں۔ مر رہا ہوں۔"

آکاش کسی قیمت پر نہیں چاہتا تھا کہ دیپ امرتا کو درندگی کا نشانہ بنالے۔ لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ ایسا دیپ کے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے کہ امرتا ایک ناگن ہے۔ وہ دیپ کو ڈس لے گی۔ دراصل وہ ایک طرح سے اس کا امتحان لے رہی تھی۔ آزمائش کررہی تھی کہ آکاش اس کی عزت اور جان بچانے کے لئے اپنی جان اور زندگی کہاں تک داؤ پر لگا سکتا ہے۔ وہ اس کسوٹی پر پورا اترنا چاہتا تھا۔ وہ امرتا کو مزید اعتماد میں لینے اور اپنی بے پناہ محبت کا ثبوت دینے کے لئے ضروری تھا کہ دیپ کو موت سے ہمکنار کردے۔ اس کے لئے بے حد ضروری تھا کہ دیپ کو موت کے منہ میں دھکیل دے۔ ورنہ دیپ اسے موت کا نشانہ بنادیتا۔ گو کہ اس نے آج تک کبھی انسان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے تھے۔ مجبوری تھی اور نشانہ بنانا بھی تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ دیپ کو موت کے گھاٹ اتار کر رہے گا۔

جب وہ برقی سرعت سے چاقو لہراتا دروازے کی طرف بڑھا تو آکاش تیزی سے اسے روکنے کے لئے راہ میں حائل ہوا۔ اتفاق سے دیپ جو اندھا دھند دوڑا تو اس کا وجود تپائی سے ٹکرایا۔ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ منہ کے بل فرش پر گرا۔ پھر اس نے ایک دل خراش چیخ ماری اور سیدھا ہوا تو آکاش نے دیکھا کہ چاقو اس کے پیٹ میں گھسا ہوا ہے اور خون زخم سے فوارے کی طرح ابل رہا ہے۔ پھر وہ زخمی پرندے کی طرح تڑپنے لگا تو آکاش سے دیکھا نہ گیا۔ اس نے چاقو کا دستہ پکڑ کے کھینچ لیا۔

"آکاش جی......؟" اس کے عقب میں امرتا کی دہشت ناک آواز گونجی۔ "آپ نے اس موذی کو قتل کردیا...... اوہ بھگوان! یہ کمینہ...... حرام زادہ کیسے تڑپ تڑپ کر مر رہا ہے......"

"میں نے اسے قتل نہیں کیا...... میں......"

"آپ نے اچھا کیا......" امرتا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "اس کی یہی سزا تھی...... جب میں گہری نیند میں تھی تو اس نے مجھ سے خوب فائدہ اٹھانا چاہا...... میں بمشکل اپنی آبرو بچا سکی تھی...... آپ اسے قتل نہیں کرتے تو وہ آپ کو قتل کردیتا اور میں اپنی عزت نہ بچا سکتی تھی......"

"میں نے اسے قتل نہیں کیا گلابی رانی......! بلکہ وہ......"

"دیکھئے...... اس نے دم توڑ دیا ہے...... جلدی سے اس کی لاش کو ٹھکانے لگادیں...... ورنہ کسی نے دیکھ لیا تو وہ پولیس کو اطلاع کردے گا۔ پھر آپ کو قتل کے الزام میں پولیس پھانسی پر چڑھا دے گی۔"

"ت...... تم ٹھیک کہتی ہو...... لیکن گلابی رانی......" وہ امرتا کو بتانا چاہتا تھا کہ یہ قتل اس نے نہیں کیا ہے۔ لیکن وہ اسے موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔

پھر وہ ایک دم سے اس کے گلے میں اپنی عریاں بانہیں حمائل کرکے اس سے لپٹ گئی۔ ایک ناگن کی طرح...... ! میرے دیوتا...... میری آتما...... تم کتنے مہان ہو...... تم نے میری محبت میں کتنا بڑا دان دیا...... میری عزت و آبرو اور زندگی بچانے کے لئے کتنا بڑا جرم کیا...... اس موذی کو قتل کردیا...... تمہاری دیا مجھ پر بڑھتی جارہی ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔" اور وہ اسے دیوانہ وار دیر تک چومتی رہی۔

تم جلدی سے یہ لاش باہر لے جاکر صحن میں جو برگد کا درخت ہے اس کے پاس کھود کر دفن کردو...... اتنی دیر میں میں فرش دھو کر صاف کئے دیتی ہوں...... پھر ہم دونوں تالاب میں جاکر نہاتے ہیں تاکہ کپڑوں اور جسم پر خون کے جو دھبے ہیں وہ صاف ہوجائیں۔"

دیپ کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی۔ فرش پر بھی خون بکھرا ہوا تھا۔ آکاش نے اس کی لاش گود میں اٹھالی اور صحن کی طرف بڑھ گیا۔ مٹی نرم ضرور تھی۔ لیکن کدال اور بیلچہ کی ضرورت تھی تاکہ کھود کر قبر جیسا گڑھا بنا سکے...... وہ بہت برا سپنا تھا۔ حالاں کہ اس نے قتل نہیں کیا تھا۔ لیکن امرتا اس قتل کی عین گواہ بن گئی تھی۔ وہ جب چاہے اسے مجرم بنا سکتی تھی۔ وہ قانون کی نظروں میں قاتل تھا۔

وہ کدال اور بیلچہ لینے کے لئے باورچی خانے کی طرف بڑھا۔ جس کے ساتھ والی کوٹھری میں بیلچہ اور کدال تھی۔ کمرے کے سامنے سے گزرتا ہوا ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے سارے جسم پر ایک عجیب کراہیت انگیز سنسنی دوڑ گئی۔ اسے ابکائی آتے آتے رہ گئی۔ وہ ضبط نہ کرتا تو اسے قے ہوجاتی۔

فرش پر جو دیپ کا خون تالاب بن گیا تھا سینکڑوں سنپولئے چاٹ رہے تھے۔ ایک طرف امرتا کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان سنپولیوں نے سارا خون چاٹ لیا۔ پھر وہاں ایک قطرہ خون بھی نہ رہا۔ پھر وہ کوٹھری سے کدال اور بیلچہ لے کر لاش کے پاس پہنچا۔ پھر اسے زیادہ محنت اور مشقت نہ کرنی پڑی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے کھودنے سے ایک بڑا سا گڑھا ہوگیا۔ جس وقت وہ لاش کو گڑھے میں ڈال کر اس کی قبر بنا کر مٹی ہموار کررہا تھا امرتا بھی آگئی۔ اس نے بھی آکاش کا ہاتھ بٹایا۔

پھر وہ دونوں مکان کے عقب کے تالاب پر آگئے۔ امرتا بہت خوش تھی کہ آکاش نے اسے اس موذی سے نجات دلادی۔ نہانے کے بعد امرتا نے اپنے اور آکاش کے کپڑے دھوئے۔ پھر گھر آکر صحن میں بندھی رسی پر سوکھنے کے لئے پھیلادیئے۔ پھر انہوں نے کپڑے پہنے اور تیار ہوگئے۔

"کیا اب پردیپ کا کوئی نام و نشان رہا؟" امرتا نے پوچھا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی نے سوال کیا کہ پردیپ اچانک کہاں غائب ہوگیا؟ تم اسے کیا جواب دو گے؟ یہ تم نے سوچا؟"

"کہہ دینا وہ اپنی پتنی سے ملنے اچانک چلا گیا......" آکاش نے جواب دیا۔ "تمہیں کسی بات کی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں۔ چند دنوں میں اس کی لاش کیڑے مکوڑوں کی غذا بن جائے گی۔ اس کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔"

"اچھا اب تم بازار جاکر جلدی سے سودا سلف لے آؤ۔ میں اتنی دیر میں گھر کی صفائی کرلوں۔" امرتا بولی۔

آکاش بازار جانے کے لئے نکلا کچھ دور جانے کے بعد اسے خیال آیا کہ اس نے پیسے نہیں لیے۔ وہ فوراً واپس آیا تو اس نے امرتا کو خواب گاہ میں پراسرار اور مشکوک سی حالت میں دیکھا۔

امرتا اس کی خواب گاہ کی چیزیں الٹ پلٹ کررہی تھیں۔ جیسے کوئی چیز تلاش کررہی ہو۔ اس کے دل کے کسی کونے میں شک کی لہر اٹھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ نیلم کے قیمتی زیورات چوری کرکے بھاگ جانا چاہتی ہو...... لیکن اس نے اس خیال کو رد کردیا۔

جب وہ اپنی خواب گاہ کی دہلیز پر جاکر کھڑا ہوا تو امرتا اسے دیکھ کر اچھل پڑی اور اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔

"یہ تم اتنی جلدی واپس کیوں آگئے؟" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

"میں پیسے بھول گیا تھا لینے آیا ہوں۔" آکاش

نے جواب دیا۔ ”تم کیا تلاش کررہی ہو؟“

”میری کلائی میں ماں کی نشانی ایک کنگن تھا۔“ امرتا بولی۔ ”میں تلاش کررہی ہوں۔ وہ نہیں مل رہا ہے۔ اسے تلاش کررہی ہوں۔ میری کلائی سے نکل کر کہیں گرگیا۔“

”جب سے امرتا آئی تھی اس کی دونوں کلائیاں ننگی تھیں۔ کنگن کوئی ایسی چھوٹی چیز نہیں تھی جو نظر نہ آتا اور اس کی موجودگی محسوس نہ ہوتی...... نہ ہی امرتا نے جذبات کی رو کے عالم میں اسے کلائی سے نکال کر ایک طرف رکھ دیا ہو۔ پھر صبح گھڑی کی طرح پہن لیا ہو۔ اس نے کسی خیال کے پیش نظر امرتا کی بات سے انکار کیا ہو۔

”کیا تمہیں میرا کنگن نظر نہیں آیا تھا...... جب میں آندھی کی رات میں آئی تھی تب میری کلائی میں تھا...... اور آج صبح بھی تھا......؟“ وہ بولی۔ ”جڑاؤ، بڑا خوب صورت اور قیمتی کنگن تھا۔ میری ماں مجھ سے کہیں حسین تھی۔ میرے پتا جی سے محبت کرتی تھی۔ یہ ان دونوں کے پریم کی نشانی تھی۔ تم اندھے تو ہو نہیں جو ایسا کنگن تمہیں متوجہ کرسکا۔“

”اگر میں کنگن دیکھ نہ سکا تو اس میں میرا نہیں تمہارا دوش ہے...... میں نردوش ہوں۔“ آکاش شوخی سے بولا۔

”میرا دوش......؟“ اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ ”وہ کیسے......؟“

”وہ ایسے کہ تم اتنی حسین اور کشش کے خزانوں سے بھری ہوئی ہو کہ میں تمہارے گلابی چہرے، رخساروں اور جھیل جیسی کالی کالی آنکھوں...... انگ انگ، سڈول مرمریں بانہیں اور نشیب و فراز نے کوئی اور شے دیکھنے نہیں دیا۔ تمہاری ان نازک، خوب صورت، سڈول اور مرمریں کلائیوں میں ایک کیا دس کنگن ہوتے بھی تو دیکھ نہ پاتا...... تمہارے گلابی رنگ اور بدن نے مجھے مسحور کردیا تھا۔ تم جو اس کنگن کے لئے اس قدر پریشان ہورہی ہو وہ تمہارے مقابلے میں نہ تو قیمتی ہوگا اور نہ خوب صورت...... میں تمہارے ایسے دس کنگن بنادوں گا۔“

”قیمتی اور خوب صورت کی بات نہیں بلکہ میری ماں کی نشانی تھی جسے میں نے جان سے کہیں عزیز رکھا تھا۔“

آکاش کوئی بچہ نہ تھا جو اس کی بات کی تہہ میں نہ پہنچتا۔ وہ جان گیا تھا کہ یہ کوئی اور اہم چیز ہے جو نہایت اہم اور قیمتی ہے۔ جس کے لئے وہ پریشان ہورہی ہے اور جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ اس پر شبہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے اپنے بازوؤں میں گھسیٹ لیا۔ پھر اس کے چہرے پر جھک گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے امرتا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

”میری گلابی رانی......! ابھی اور اسی وقت چلو...... سودا سلف گیا بھاڑ میں...... میں تمہیں قیمتی کنگن خریددوں۔ اسے تم اپنی ماں کی نشانی سمجھ لینا......“

”میں تلاش کرلوں گی شاید اور ادھر ادھر کہیں پڑا مل جائے......“ وہ اپنا لباس اور بال درست کرتی ہوئی بولی۔ ”تم جاکر سودا سلف لے آؤ...... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ اس کی تلاش میں کہیں شام نہ ہوجائے۔“

وہ اس کے رخسار کا بوسہ لے کر گھر سے نکل گیا۔ پھر اس نے کچھ دور جاکر پلٹ کر دیکھا۔ دروازے میں اسے امرتا نظر آئی جو اسے دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسے امرتا دروازے میں دکھائی نہ دی۔ وہ فوراً ہی دوسرے راستے سے لپک کر آیا۔ اس نے چھپ کر دیکھا۔ امرتا گھر کا کونہ کونہ چھان کر کنگن تلاش کررہی تھی۔ وہ جان گیا کہ وہ کنگن نہ تھا۔ کوئی پراسرار اور عجیب سی شے تھی جس کی تلاش میں وہ پاگل سی ہوئی جارہی تھی۔

”آخر ایسی کیا چیز ہوسکتی ہے؟“

آکاش عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔ اس آندھی اور بارش کی رات اس نے امرتا کو بے پردہ دیکھا تھا۔ نہ تو اس کے گلے میں لاکٹ تھا اور نہ کانوں میں آویزے...... نہ ہاتھوں کی کسی انگلی میں انگوٹھی...... نہ کلائیوں میں چوڑی یا کنگن...... یا ناک میں لونگ......

آخر وہ کیا چیز تلاش کررہی ہے؟

پھر اسے یاد آیا کہ رات جب بارش میں وہ بھیگتی ہوئی آئی تھی شاید اس نے وہ شے مٹھی میں دبا رکھی ہو...... کپڑے بدلتے وقت وہ چیز کہیں گرگئی ہو...... یا پھر راستے میں گرگئی ہو۔ اسے خبر بھی نہ ہوسکی۔ خیر وہ سودا لینے چلا گیا

جب وہ سودا سلف لے کر گھر پہنچا تو اس نے دیکھا وہ خواب گاہ میں بستر پر مغموم اور متفکر سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا۔

”میری جان! کیا وہ چیز نہیں ملی؟“

”نہیں......“ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بادل تھے۔

”کہیں ایسا تو نہیں کہ جب تم رات بارش اور آندھی میں آرہی تھیں وہ کنگن کلائی سے نکل گیا ہو؟“

”نہیں......“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”لیکن مجھے دیپ پر شک ہورہا ہے۔“

”دیپ نے تمہاری کلائی سے کنگن اتارا ہوتا تو تمہیں یقیناً خبر ہوجاتی؟“

تمہارے جانے کے بعد جب میں گہری نیند سورہی تھی تب اس نے کمرے میں داخل ہوکر اندر سے دروازہ بند کیا...... اس وقت میں لباس سے بے نیاز تھی۔ اس کی نظر کلائی پر پڑی ہوگی۔ ایسا قیمتی، نایاب اور خوب صورت کنگن دیکھ کر وہ مجھے بھول کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا ہوگا...... پھر اس نے میری گہری نیند کو دیکھ کر کسی نہ کسی غیر محسوس انداز سے کنگن کو اتار لیا ہوگا۔ مجھے خبر بھی نہ ہوسکی۔

”تم کہو تو میں اس کی قبر کھود کر اس کے کپڑوں کی تلاشی لے لوں؟“

”وہ کس لئے......؟“ امرتا نے چونک کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”اس لئے کہ اس کی کسی جیب میں تمہارا کنگن موجود ہو......“ آکاش نے جواب دیا۔

”وہ تو بے لباس خواب گاہ میں گھسا تھا......“ امرتا بولی۔ ”اس کا لباس کمرے سے باہر فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میں اس کا لباس اس کی کوٹھری میں پھینک آئی ہوں...... میں نے اس کی کوٹھری میں جاکر نہ صرف اس کا لباس دیکھ لیا اور کونہ کونہ چھان مارا۔ اس خیال سے کہ شاید اس نے کنگن اتارنے کے بعد اپنی کوٹھری میں چھپا کر میرے کمرے میں آیا ہو لیکن مایوسی ہوئی۔“

آکاش تجسس اور مخمصے میں پڑگیا کہ آخر وہ کیا چیز ہوسکتی ہے...... یہ تو طے تھا کہ بہرحال وہ کنگن نہیں ہے۔ اسے ایک شبہ یہ بھی ہوا کہ شاید وہ کوئی ایسی شے ہے جو کہ اسے قتل میں پھنسادے۔ لیکن وہ ایسا کرنے سے باز رہی تھی۔ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آکاش نے کہا۔ ”میں بازار جارہا ہوں تاکہ سگریٹ لیتا آؤں۔ تم اندر سے دروازہ اچھی طرح بند کرکے سونا۔ کھڑکی کے پٹ بھی بند رکھنا۔ شاید واپسی میں مجھے دیر ہوجائے۔“

”وہ کس لئے......؟“ وہ ایک دم سے ہنس پڑی۔ شوخی سے دیکھنے لگی۔

”اس لئے کہ تمہیں گہری نیند میں غرق پاکر کوئی اور شخص تم سے فائدہ اٹھائے۔ تم بے بس ہوجاؤ۔“

”میں آسانی سے کسی مرد کے قابو میں آنے سے رہی۔“

”لیکن تم اس قدر حسین اور دل کش ہو کہ مرد قابو میں رہنے سے رہا۔“

اس نے دروازے تک آکر آکاش کو جذباتی انداز سے رخصت کرتے ہوئے تاکیدی لہجے میں کہا۔ ”جلد آنے کی کوشش کرنا...... تمہارے بغیر میرے لئے ایک ایک پل کاٹنا دوبھر ہوجاتا ہے۔“

آکاش ابھی چند قدم گیا ہوگا کہ اس نے دو سانپوں کو اس کے مکان کی طرف تیزی سے جاتے دیکھا۔ جو آٹھ دس فٹ لمبے تھے۔ وہ حیرت اور تجسس سے واپس لوٹ گیا۔ وہ دونوں سانپ ایک درخت کے نیچے کنڈل مار کر بیٹھ گئے۔

آکاش نے گھر سے باہر نکلتے وقت باہر کے

دروازے پر کنڈی لگادی تھی تاکہ وہ باہر نہ جاسکے۔ اس وقت اس نے مشرقی سمت سے اپنی خواب گاہ کی چھت پر چڑھ کر روشندان سے اندر جھانکا۔ امرتا بستر پر دراز کسی گہری سوچ میں غرق تھی...... کسی خیال سے اس کا چہرہ دمک جاتا تھا تو کسی خیال سے بجھ جاتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک دم سے بستر سے نکلی اور سنگار میز کے بڑے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، پھر اس نے اپنا لباس نکال کرا یک طرف پھینک دیا، پھر وہ ناقدانہ نظروں سے اپنا عکس ہر زاویے سے دیکھنے لگی۔ وہ حیران تھا کہ امرتا ایسی حرکت کیوں کررہی ہے۔ پہلے تو اس نے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ وہ دونوں سانپ دروازے پر اپنا پھن مار کر دستک دے رہے تھے۔ امرتا کو خبر نہیں تھی کہ آکاش باہر سے کنڈی لگا کر گیا ہے۔

حالاں کہ امرتا کا گلابی بدن اور نشیب و فراز پہلی بار دیکھ نہیں رہا تھا۔ لیکن اس ناگن کے ان گنت روپ تھے۔ ہر روپ اپنے اندر بڑی دلکش اور جاذبیت رکھتا تھا۔ اچانک امرتا نے فرش پر دراز ہوکر لوٹ لگائی۔ پھر اس کے گلابی بدن نے گلابی ناگن کا روپ دھار لیا۔ اب اس کے سامنے قالین پر تیس فٹ لمبی گلابی ناگن موجود تھی۔ اسے یاد آیا کہ اس نے نیلم سے شادی سے قبل دس سانپوں کو کھولتے ہوئے پانی کی دیگ میں تجربے کے لئے بند کیا ہوا۔ لیکن ایک سنہری ناگن آئی اور اپنے ہم نسلوں کو نکال کرلے گئی۔

موذی جانوروں کی یہ گلابی ناگن پر شکوہ اور باوقار پر تمکنت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا گلابی بدن اور سراپا عجیب بہار دے رہا تھا۔ وہ اس پر مرمٹی تھی۔ نیلم کی موت کے بعد امرتا بن کر اس کی زندگی میں اپنی جوانی اور قرب اس پر نچھاور کرتی رہی تھی۔ کئی روپ میں آئی تھی۔ اس بوڑھے نے اس سے کہا تھا کہ امرتا گلابی ناگن ہے جو تمہیں نیلم تک پہنچائے گی۔ تم اسے محبت کے فریب کے جال میں جکڑ کر رکھنا۔ اس کی نیلم اس گلابی رانی کی اسیر تھی۔ کالی راجدھانی میں قید تھی۔

اس نے دیکھا اور محسوس کیا کہ گلابی ناگن پہلے تو خواب گاہ اور دوسرے کمروں کی مسہریوں، الماریوں اور صوفوں کے نیچے بڑی دیر تک رینگتی اور سونگھتی ہوئی پھرتی رہی تھی۔ جیسے اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتی رہی ہو......

پھر باورچی خانے کی نالی کے پاس پہنچ کر وہ دو فٹ کی ناگن بن گئی۔ پھر اس میں گھس کر اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ چند لمحوں کے بعد وہ بیرونی دروازے پر آئی جہاں دونوں سانپ اس کے منتظر تھے۔ چند لمحوں کے بعد اس نے تین ناگنوں کو دیکھا۔ وہ جو دونوں سانپ تھے۔ وہ سنہری ناگنیں تھیں۔ چند لمحوں کے بعد وہ تینوں سانپ نوجوان لڑکیوں کے روپ میں تھے۔

ان میں سے ایک نے گلابی ناگن کو مخاطب کیا۔

”کیا ہوا امرتا......! تمہارا کھویا ہوا منکا مل گیا؟“

”نہیں“ امرتا نے نفی میں سر ہلایا۔ ”معلوم نہیں کہاں غائب ہوگیا۔ اس رات جب میں بارش میں بھیگتی آکاش کے ہاں پہنچی تاکہ اپنی رات اس کے چرنوں میں گزاروں تو اس نے مجھے دوسرے کمرے میں کپڑے بدلنے کے لئے بھیج دیا۔ اسوقت میری مٹھی میں میرا منکا تھا جو میں نے کپڑے بدلتے وقت اسے اس خیال سے میز پر رکھ دیا تھا کہ آکاش کی آغوش میں کہیں ادھر ادھر یا کھو نہ جائے۔ ساری رات ہم دونوں ایک بستر پر رہے اور مجھے منکا کا دوسرے دن شام تک خیال نہ آیا۔ اس لئے کہ ہم دونوں شام تک بھی ایک دوسرے میں گم دنیاو مافیہا سے بے نیاز رہے تھے۔ پھر دوسرے دن منکا کا خیال آیا تو سینہ دھک سے رہ گیا۔ میں نے اپنا بہروپ بدل کر جادو چلا کر آکاش کو پالیا...... اب کیا کروں...... منکا مل کے نہیں دے رہا ہے۔ میں نے اس مکان کا چپہ چپہ چھان مارا...... جانے وہ کہاں غائب ہوگیا؟“

”یہ تو بہت برا ہوا امرتا......!“ دوسری ناگن بولی۔ ”تو اس کے بغیر اپنا زور اور جادو آکاش پر چلا نہ سکی۔ اب تو ایک طرح سے اس کی باندی ہوکر رہ گئی ہے۔“

”میں منکا تلاش کررہی ہوں...... تم دونوں کو اس لئے بلایا ہے کہ اس کی تلاش میں میری مدد کرو۔ کیوں کہ منکا کے بغیر کسی بھی سانپ کی زندگی بے کار ہے۔“

”اگر منکا نہ ملا تو تو کیا کرے گی......؟ تو کیا آکاش کو نیلم کے پاس پہنچادے گی؟“

”نہیں...... اس کے علم میں یہ بات ہے کہ نیلم مرچکی ہے......“ امرتا نے بتایا۔

”تمہیں محتاط اور سنبھل کر رہنا ہوگا۔ تم بھولے سے بھی اپنے پیروں پر کلہاڑی مت مارنا...... کمان سے نکلا تیر واپس نہیں آتا ہے اور پھر تم بغیر منکا کے بہت کمزور ہو۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنا۔“

”وہ نیلم...... آکاش کی جدائی میں شاید تڑپ رہی ہوگی۔“ امرتا نے دریافت کیا۔

”ہاں......“ پہلی والی نے سر ہلایا۔ ”جب اسے یہ بتایا گیا کہ آکاش نے اس کے فراق اور جدائی میں خودکشی کرلی ہے۔ لیکن وہ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے...... وہ کہتی ہے کہ اس کا پریم سچا ہے...... اس کا من کہتا ہے کہ آکاش ایک روز اس راجدھانی میں آکر اسے لے جائے گا۔“

”آکاش کے پاس بھی تو ایک منکا ہے جو اسے سادھو مہاراج نے دیا تھا...... اب اس کے پاس ایک نہیں دو منکے ہیں۔ اس لئے کوئی ناگن اپنی دسترس میں نہیں رکھ سکتی اور نہ اس پر کوئی جادو منتر چل سکتا ہے۔ تم یہ بات مت بھولنا...... نہ تمہارے کسی کے بھی کاٹے کا کوئی اثر ہوگا۔“

”امرتا......! حیرت کی بات ہے کہ تم دو منکوں میں سے ایک منکا بھی حاصل نہیں کرسکیں؟“ پہلی والی بولی۔

دوسرا منکا بھی اس کے پاس ہے مجھے نہیں معلوم...... البتہ صرف ایک منکا کے متعلق جانتی ہوں...... وہ اسے کسی سمت میں بھی اپنے سے جدا نہیں کرتا ہے۔ اسے جان سے زیادہ عزیز ہے۔“ دوسری نے کہا۔

”چلو...... ہم دونوں تمہارا منکا تلاش کرتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آکاش لوٹ آئے۔“

ان تینوں کا انسانی زبان میں بات کرنا حیرت کی بات نہیں تھی۔ یہ دنیا کی ہر زبان جانتی اور بولتی تھیں۔ اس نے ان کی گفتگو غور سے سنی۔ اس کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ امرتا اپنے منکا سے محروم ہے۔ وہ اسے کہیں کھوچکی ہے۔ منکا کہنے کے بجائے کنگن کا نام لے رہی تھی۔ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ اس کا منکا کہاں گیا......؟ اس نے سوچا۔ کاش! امرتا کا منکا مل جائے۔

پھر وہ تینوں ناگنوں کے روپ میں اس کے مکان میں گھس گئیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک کونہ کونہ چھان مارا۔ انہیں امرتا کا منکا نہیں ملا...... رخصت ہونے سے قبل وہ انسانی روپ میں آگئیں۔ ان کی گفتگو سے یہ بات اس کے علم میں آئی کہ نیلم کی لاش کو قبر سے نکال کر کالی راج دھانی امرتا نے پہنچائی۔ اس قبر میں نیلم نہیں تھی۔ اس کی ایک ہم شکل لڑکی کو ڈس کر آکاش کے مکان میں پہنچادیا گیا۔ اس مردہ لڑکی کو جادو کے زور سے نیلم کی ہم شکل بنادیا گیا تھا۔

ان دونوں ناگنوں کے جانے کے بعد آکاش کے جی میں آیا کہ وہ امرتا کے جسم میں اور پھن پر تیزاب ڈال کر اسے بھسم کردے۔ اس ڈائن نے اس کی نیلم کو اس سے جدا کیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ کالی راج دھانی کی فضاؤں میں پہنچا تھا۔ صرف امرتا ہی اسے اس سرزمین پر پہنچا سکتی تھی۔ امرتا کے مرنے کی صورت میں وہ نہ تو اس پراسرار دنیا میں جاسکتا تھا اور نہ نیلم کو حاصل کرسکتا تھا۔ وہ نیلم کے پاس پہنچنے کے لئے امرتا کا محتاج تھا۔

آکاش نے بازار کی طرف جاتے ہوئے اس نے اپنے دل میں ایک ان جانا سا خوف محسوس کیا۔ اب اس کا اس مکان اور اس علاقے میں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اسے کسی بڑے شہر یا کلکتہ میں رہائش اختیار کرلینا چاہئے تاکہ اس گلابی ناگن رانی سے نجات مل سکے۔ اگر گلابی ناگن امرتا وہاں اس کی تلاش میں آئی تو اسے تیزاب سے بھسم کردے...... اس کا ذہن نامعلوم وسوسوں کے بھنور میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ وہ خوف ناک، زہریلے اور پھنکارتے ناگوں کے درمیان گھرا ہوا ہے...... زہریلی ناگنیں اور گلابی ناگن اسے ڈسنے کے لئے بڑھ رہی ہیں۔ اسے گزرتی اور نظر آتی ہر لڑکی ناگن لگ رہی تھی۔ اب گلابی ناگن شاید منکا نہ ملنے کے باعث اسے ڈس لے۔

پھر اسے خیال آیا کہ اس گلابی ناگن رانی امرتا کا زہر جادو منتر اور ڈسنا بے اثر ہوگا۔ کیوں کہ اپنے منکے کو کھو چکی ہے۔ اور پھر اس کے پاس سادھو مہاراج کا دیا ہوا منکا موجود ہے جسے اس نے بڑی حفاظت سے رکھا ہوا ہے اور ایک لمحے کے لئے بھی اسے جدا نہیں کرتا تھا۔ دو ایک مرتبہ امرتا نے نشاط انگیز لمحات میں اس کے گلے سے غیر محسوس انداز سے نکالنا اور اس کی ڈوری توڑنا چاہی تھی لیکن وہ ناکام رہی تھی۔ کیوں کہ منکا جس کالی ڈوری میں بندھا ہوا تھا وہ اس قدر مضبوط تھی کہ اسے توڑنا آسان نہ تھا۔ امرتا نے منتر پڑھ کر بھی پھونکا تھا۔ یہ اس کی حماقت تھی۔ کیوں کہ اس منکا پر کوئی جادو منتر اثر نہیں کر سکتا تھا۔

دو ایک مرتبہ امرتا نے اس سے غیر محسوس انداز سے دریافت بھی کیا تھا کہ اسے وہ منکا کہاں سے ملا......؟ کس نے دیا...... اس نے بتایا تھا کہ ایک سادھو مہاراج نے سیوا کرنے پر دان دیا۔

اسے ہر قیمت پر نیلم کو حاصل کرنا ہوگا۔ اسے امرتا کو کسی نہ کسی طرح فریب سے نیلم تک پہنچانے کے لئے کوشش کرنا چاہیے۔ اس نے سگریٹ سگار خریدنے کے بعد امرتا کے لئے میک اپ کے لوازمات خریدے...... اس کے لئے تعجب خیز بات یہ تھی کہ ناگن عورت کا روپ دھارنے کے بعد وہ بھی ایک عورت کی طرح سنگار کرتی تھی...... نیلم کی موت کے بعد جو ناگن بھی اس کی زندگی میں آئی تھی اس نے سنگھار میز پر نیلم کی رکھی ہوئی میک اپ کی لوازمات سے سنگار کیا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ امرتا اپنا منکا تلاش کر رہی ہوگی؟ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس نے امرتا کو دیکھا جو مسہری پر بے حجابانہ مدہوشی کی نیند سو رہی تھی۔ اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں رہی تھی۔ دروازے کھلے پڑے تھے۔ کوئی ملاقاتی لڑکا یا مرد آ جاتا تو وہ بہک جاتا اور اس کا دیپ بن جانا یقینی تھا۔ وہ قیامت بنی ہوئی تھی۔ انگ انگ سے مستی ابل پڑ رہی تھی۔ آکاش نے لمحے بھر تک اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھا اور سوچا کہ عورت مرد کی کتنی بڑی کمزوری ہے۔ اس کے دل کے کسی کونے میں خوف کی لہر اٹھی۔ مسہری کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ یہ عورت نہیں بلکہ زہریلی ناگن ہے۔ پھر دوسرے لمحے وہ بھول گیا اور مسہری کی طرف دیوانہ وار بڑھا۔

امرتا چند لمحوں کے بعد اس کی من مانیوں سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور اسے دیکھتے ہی بولی۔

''اوہ تم...... یہ کیا حرکت تھی۔ تم مجھے جگا تو سکتے تھے۔'' وہ سرخ ہوگئی۔ اس کے سینے میں سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی تو اس نے اپنے ہاتھ دھڑکتے سینے پر رکھ لئے۔ ''میں سمجھی کہ کوئی دیپ جیسا درندہ صفت مجھے نیند میں دیکھ کر بے بس کرنا چاہتا ہے۔''

''تم جس حالت میں سو رہی تھیں کوئی بھی اجنبی یا ملاقاتی آتا تو وہ بھیڑیا بن جاتا...... تم نے بیرونی اور اپنے کمرے کا دروازہ بھی کھلا رکھا ہوا تھا۔''

''اوہ...... مجھ سے بڑی بھول ہوگئی...... آئندہ خیال رکھوں گی...... لیکن تم بھیڑیے بن کر مجھ پر کیوں ٹوٹ پڑے۔ میں تمہاری ہوں۔ کوئی نئی تو نہیں ہوں۔'' وہ مسہری سے اتر کے لباس اور بال درست کرتی ہوئی بولی۔ ''تم بہت تھکے ہوئے نظر آ رہے ہو۔ میں تمہارے لئے کافی بنا کر لے آتی ہوں۔ تم اتنی دیر میں نہا لو۔''

وہ کمرے سے نکل گئی تو اس نے سگریٹ رکھنے کے لئے سرہانے والی میز کی دراز کھولی۔ وہ اس میں سگریٹ اور ماچس رکھتا تھا۔ پہلی والی دراز میں اس نے سگریٹ کے پیکٹ رکھے۔ دوسری دراز کھولی تو ایک دم سے چونک اٹھا۔ اس میں امرتا کا منکا رکھا ہوا تھا۔ اسے یاد آیا کہ امرتا جس رات آئی تھی اور اس روز صبح وہ ناشتا بنانے گئی تو اسے مسہری کے نیچے منکا دکھائی دیا۔ اس وقت اس پر پرانی شراب کا سا خمار چھایا ہوا تھا اس نے منکا اتار کر میز کی دوسری دراز میں رکھ کر بھول گیا۔ پھر اسے خیال نہیں رہا تھا۔ امرتا نے اتفاقی یہ کسی وجہ سے اس میز کی درازوں کی تلاشی نہیں لی تھی۔ اس نے فوراً ہی منکا اٹھا کر مسہری کے نیچے بائیں جانب رکھ دیا۔ وہ اپنا منکا بھی گدے کے نیچے رکھ دیتا تھا تاکہ امرتا کی نظر نہ پڑ سکے۔

اس کے دل کے ایک کونے میں امرتا کے خلاف ایسی ہی نفرت جنم لے چکی تھی جیسے پدما کے خلاف تھی۔ اس نے پدما کو سارے فساد کی جڑ سمجھا تھا۔ اس لئے کہ پدما سارے فساد کی جڑ تھی...... لیکن اس پر جب یہ منکشف ہوا کہ اصل فساد کی جڑ گلابی ناگن امرتا ہے...... اس نے زندگی میں زہر گھول دیا تھا۔

دوسری طرف اس پر اس گلابی ناگن کا ایسا جادو چل چکا تھا کہ جب بھی وہ نیلم کا انتقام لینے کی نیت کرتا تو ہوش ہی نہیں رہتا۔ وہ اسے قابو میں کر کے بے بس کر دیتا اور اس کے ہاتھ جسم پر کسی سانپ کی طرح رینگتے ہوئے گلے تک پہنچتے تاکہ وحشیانہ انداز سے گلا گھونٹ دے لیکن گلابی بدن کا لمس اس کی وحشت کم کر دیتا۔ پھر اسے نیلم کی بازیابی کا خیال آتا۔ پھر اس کا سارا غصہ، نفرت اور انتقام کا جذبہ جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا۔ امرتا کا منکا ہاتھ لگنے کے بعد ایک خیال اسے آیا کہ کیا وہ بلیک میل کر کے نیلم تک پہنچ سکتا ہے؟

رات گئے تک آکاش نے اس کے ساتھ محبت کے فریب تک ناٹک اس شدت جذباتی انداز اور وارفتگی سے امرتا سے رچایا کہ امرتا کو اس کی سچی محبت کا گمان ہو جائے۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ امرتا سے کہے گا کہ اس سادھو مہاراج نے بتایا تھا کہ نیلم زندہ ہے۔ اس کو نہیں ڈسا گیا بلکہ ایک نیلم کو لڑکی کا ہم شکل بنا کر ڈسا گیا۔ یہ سارا کھیل ایک ناگن کا ہے۔ اسی نے قبر سے اس لاش کو غائب کیا تھا۔ اس ناگن نے عشق میں ڈوب کر اتنا بڑا کھیل کھیلا۔ وہ اسے اس ناگن سے ملا دے۔ اس لئے کہ وہ اس کی سچی محبت سے متاثر ہو گیا ہے...... وہ اس سچی محبت کا ثبوت یہ چاہتا ہے کہ کالی راج دھانی لے جا کر صرف ایک بار نیلم کے درشن کرا دے...... پھر وہ کبھی نیلم سے واسطہ نہ رکھے گا......

امرتا اس کی محبت اور بات کا یقین کر لے گی۔ امرتا نے بھی بڑی فیاضی سے اس کے والہانہ پن اور مہربانی کا جواب خود سپردگی سے دیا تھا۔ اس پر امرتا کا ایسا نشہ چھایا تھا کہ کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

معلوم نہیں کتنا وقت بیت گیا تھا۔ آکاش نے گہری نیند میں محسوس کیا کہ امرتا غیر محسوس انداز سے اس کے بازوؤں سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے...... کیوں اور کس لئے......؟ یہ حرکت اسے عجیب اور پراسراری لگی۔ کیوں کہ امرتا نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ وہ اس کی آغوش میں صبح تک مدہوش اور بے سدھ رہتی تھی۔ اس نے اپنی گرفت کمزوری کر دی۔ کمرے میں کھڑکی سے جھانک کر دیکھا ہر طرف چاندنی بکھری ہوئی تھی۔

امرتا نے مسہری سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ بے آواز کھولا اور باہر نکل گئی۔

آکاش نے حیرت سے دیکھا کہ امرتا اس حالت میں کس سے ملنے جا رہی ہے؟ اس کے بدن پر دھجی تک نہ تھی...... کیا وہ اپنے کسی آشنا سے ملنے جا رہی ہے......؟

آکاش کو اس کا دماغ سمجھا رہا تھا کہ غلاظت کے دلدل میں دیکھ کر وہ غصے اور نفرت سے بھڑکے نہیں...... اپنے جذبات کو قابو میں رکھے۔ بلکہ سوچے کہ اس سے کیا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟

آکاش بڑے غیر محسوس انداز سے امرتا کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ امرتا کو اس بات کا کوئی ڈر اور خوف نہیں تھا کہ شاید کوئی اس کے تعاقب میں آ رہا ہوگا۔ وہ بڑی بے نیاز تھی۔ لاپروا تھی۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ اتفاق سے کوئی آدمی راستے میں آ گیا اور اس حالت میں دیکھ کر شیطان یا درندہ بن گیا تو وہ کیا کرے گی......؟ کیا وہ اس سے مقابلہ کر سکے گی؟

پگ ڈنڈیوں اور ناہموار راستوں سے وہ گزرتی ہوئی جھیل پر جو گھنے اور بوڑھے درختوں کے درمیان گھری ہوئی تھی پہنچی۔ جھیل کے کنارے اس نے ایک سات فٹ سے زیادہ قامت کے جوان کو دیکھا جو بے چینی سے کنارے پر ٹہل رہا تھا۔ وہ نہ تو خوب صورت تھا اور نہ بدصورت لیکن اس کی وجاہت اور مردانگی عورتوں، لڑکیوں کو متاثر کر دینے والی تھی۔

وہ فطری حالت میں تھی۔ امرتا کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ آکاش قریب جو درخت تھا۔ اس اوٹ میں چھپ گیا۔ چاندنی درختوں کے درمیان جھیل کی پانی کی سطح پر گھل کر برس رہی تھی۔ جس سے ماحول، رومان پرور اور فضا خواب ناک ہوگئی۔ اور جذبات میں تلاطم پیدا ہونے لگا۔

آکاش نے اندازہ کرلیا تھا کہ یہ غیر معمولی شخص ہرگز انسان نہیں بلکہ سانپ یا پھر کوئی بدروح ہے...... اس کا قیاس درست ثابت ہوا۔ وہ شخص دیوانہ وار امرتا کی طرف بڑھا اور اپنے بازو فضا میں پھیلا دیئے تاکہ امرتا اس کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں آئے اور وہ اسے دبوچ لے۔

امرتا اس کے بازوؤں کے شکنجے میں آنے کے بجائے اس سے ذرا فاصلے پر رک گئی۔ پھر وہ تیزی سے بولی۔

''دیوتا......! تمہیں آنے اور مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی......؟''

''کیوں......؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''کیا میں تمہیں بلا نہیں سکتا؟ کیا یہ میرا ادھیکار نہیں ہے تم پر...... یہ تم کیوں بھول رہی ہو؟ ہم دونوں ایک دوسرے سے ایک صدی سے محبت کررہے ہیں۔''

لیکن اب مجھے تم سے محبت نہیں رہی...... میں آکاش کی ہوچکی ہوں۔ اب وہ میرا ہوچکا ہے۔'' امرتا تھک کر بولی۔

''لیکن یہ تم کیوں بھول رہی ہو کہ پدما اس سے محبت کرتی ہے۔'' وہ بگڑ کر بولا۔

لیکن میرے عشق نے آکاش کو دیوانہ بنا دیا ہے...... پدما کیا کوئی بھی رانی آکاش کو مجھ سے نہیں چھین سکتی۔'' امرتا بپھر گئی۔ ''میرا ایک ایک لمحہ دن رات اس کی معیت میں گزرتا ہے...... تمہیں اس بات کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ اس کے باوجود تم کس امید پر میرے انتظار میں گھڑیوں خوار ہوتے رہے...... آکاش جب تھک ہار کے گہری نیند سوگیا۔ تب میں آئی ہوں...... یہ کہنے کہ آئندہ تم ہماری زندگی میں نہیں آنا۔ تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔''

امرتا نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا تھا جس سے اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم کھانے لگا تھا۔ اس کا چہرہ نہ صرف سرخ ہوگیا تھا بلکہ آنکھیں شعلے برسانے لگی تھیں وہ غضب ناک ہورہی تھی۔

''میں تمہیں لینے آیا تھا اور میں لے جاکر رہوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''تم مجھے لے جانے سے روک نہیں سکتی ہو۔''

''کیا تم یہ بات بھول رہے ہو کہ ناگ دیوتا جو ہماری کالی راج دھانی کا مہاراجا ہے۔ اس نے ہر کسی کو آزادی اور اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ کسی پر جبر وزیادتی نہیں کی جاسکتی......'' امرتا ہنے لگی۔

''میرا من جب چاہے کسی سے محبت کروں...... مہربان ہوجاؤں...... کوئی پسند نہ آئے...... دل بھر جائے اسے اپنے جیون سے نکال دوں...... راج دھانی میں کئی رانیاں ہیں......اور پھر تمہارا شمار بھی خوب صورت اور وجیہہ ناگوں اور راج کماروں میں ہوتا ہے......اس ایک صدی میں تم پر کتنی راج کماریاں مرتی اور مٹتی رہی ہیں۔ مجھ سے بھی دل بہلاتے رہے لیکن میں نے برا نہیں مانا......اور تم نے جن جن سے تعلق رکھا انہوں نے کتنے سارے سپنو لیے جنم دیئے...... جس پر ناگ دیوتا مہاراج خوش ہوئے۔ تمہیں اپنے دربار میں اعزاز اور شکتی دی......اور کیا چاہیے......''

''تم بہت بولنے لگی ہو...... مجھے راج دھانی میں تمہارے ساتھ صدیاں گزارنی ہیں...... تم گلابی رانی ہو...... ہماری راج دھانی دو ایک ہی گلابی دانیاں ہیں......ان میں کوئی ایک تمہارے مقابلے کی...... مجھے کسی بات کی پروا نہیں...... میں دیکھتا ہوں تم میرے ساتھ کیسے نہیں چلوگی......''

ناگ نے چشم زدن میں امرتا کو آغوش میں لے کر اس کے چہرے پر جھکا اور بہکنے لگا تو امرتا نے جبر و زیادتی اور من مانیوں کا موقع نہیں دیا۔ وہ فوراً ہی ناگن کے روپ میں آکر اس کے چہرے پر پھن مارنے لگی۔

جس نے ناگ کو مشتعل کر دیا۔ پھر وہ بھی ناگ بن گیا۔ ان کے درمیان جیسے جنگ چھڑ گئی تھی۔ وہ دونوں ایک نبرد آزما تھے۔ پھن اور دم سے ایک دوسرے کو ماری جا رہی تھیں۔ امرتا کبھی ناگ کے قابو میں آ جاتی...... کبھی اس کے قابو سے نکل کر اس کے سارے جسم اور پھن پر اپنا پھن مارتی...... پھر اس نے ایک موقع پر ناگ کو اپنی دم کی ضربوں سے ادھ موا کر دیا...... پھر فوراً انسانی روپ میں آکر ایک پتھر اٹھا کر اس کے جسم پر دے مارا۔ وہ ساکت و جامد سا ہو گیا۔ جیسے دم توڑ گیا...... آکاش نے دیکھا۔ وہ مرا نہیں تھا۔ اس میں زندگی تھی۔ وہ سانسیں لے رہی تھی۔ پھر وہ گھر کی سمت چل پڑی...... آکاش شارٹ کٹ گھر پہنچا۔ بستر پر دراز ہو کر سوتا بن گیا۔

امرتا کمرے میں آکر خاموشی سے آکاش کے برابر لیٹ گئی۔ آکاش نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ سانسوں کے زیروبم نے یہ نظارہ ہیجان خیز بنا دیا تھا۔ آکاش نے محسوس کر لیا تھا کہ امرتا کا غصہ ابھی کافور نہیں ہوا ہے۔

اسے ناگ کا لینے آنا سخت ناگوار اور زہر لگا ہے۔ وہ اس کے عشق میں ایسی گرفتار ہو گئی ہے کہ وہ کسی قیمت پر اپنی راج دھانی جانا نہیں چاہتی ہے۔ آکاش اس کی محبت کے جذبے سے ایسا متاثر ہوا تھا کہ اسے اپنی آغوش میں لے کر بہکنا چاہتا تھا کہ امرتا نے اسے بری طرح جھنجھوڑ دیا۔

''آکاش......! آکاش......! اٹھو...... جاگو...... دیکھو......''

آکاش نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ ''کیا بات ہے امرتا......! چلا کیوں رہی ہو؟''

''ناگ......! ناگ......!'' وہ ہذیانی لہجے میں چیخی۔ ''وہ دیکھو......'' اس نے ایک سمت اشارہ کیا۔

''کہاں ہے......؟'' آکاش ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ''کدھر ہے؟ یہاں تو نہیں ہے؟؟''

''ابھی ابھی اس کمرے میں گھسا تھا...... شاید وہ الماری کے پیچھے یا سامنے والے کمرے میں گھس گیا ہے؟'' امرتا نے سراسیمگی سے کہا۔

''آکاش سمجھ گیا کہ وہی ناگ جسے امرتا نے مار مار کر بے جان کر دیا تھا۔ ہوش میں آتے ہی وہ تعاقب میں امرتا کے آیا ہے تاکہ اسے اپنی راج دھانی لے جائے۔ وہ بستر سے اترنے لگا تو امرتا نے اس کا بازو تھام لیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو......؟ بستر سے کیوں اتر رہے ہو......؟'' وہ بولی۔

''میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ کہیں وہ مسہری کے نیچے یا کمرے میں تو نہیں ہے......'' آکاش نے جواب دیا۔

''وہ بڑا زہریلا...... خطرناک اور کوئی دس بارہ فٹ سے زیادہ لمبا ہے...... کہیں تمہیں ڈس نہ لے؟'' اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

''وہ مجھے اس لئے بھی ڈس نہیں سکتا کہ میرے پاس منکا ہے......'' آکاش نے اسے دلاسا دیا۔ ''ناگوں اور سانپوں سے ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی کیا بات ہے...... تم جانتی ہو کہ بنگال کی سرزمین ان موذی جانوروں سے بھری پڑی ہے۔ میں اسے ابھی بھگا اور مار کر آتا ہوں۔''

''تمہارے پاس منکا ہے اس لئے تمہیں کوئی خطرہ نہیں...... میں نے اپنی زندگی میں ایسا خوف ناک ناگ نہیں دیکھا...... وہ موقع پا کر مجھے ڈس سکتا ہے......'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''کیا مجال کہ وہ تم جیسی دنیا کی سب سے حسین ترین ناگن کو ڈس لے......'' آکاش نے اسے بازوؤں میں لے کر شوخی سے کہا۔

''کیا کہا......؟'' لمحے کے لئے اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔

''وہ دیکھو...... ناگ...... ناگ......'' امرتا نے اشارہ کیا۔ ''سامنے والے کمرے کی کھڑکی سے باہر جا رہا ہے۔''

کمرے میں رکھا ڈنڈا لے کر وہ ناگ کی طرف لپکا۔ اتنی دیر میں ناگ کھڑکی کی چوکھٹ سے اتر کے مخالف سمت جاتا نظر آیا...... چند لمحوں کے بعد وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

آکاش نے کمرے میں آکر امرتا کو پانی پلایا جس سے اس کے اوسان بحال ہوئے۔ ''کوئی بھولا بھٹکا ناگ آیا تھا...... میں نے سنا کہ جانور انسان سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس لئے وہ ناگ بھاگ گیا۔''

''میری نانی بتاتی تھی کہ سانپ، ناگ اور ناگنیں انسانی بہروپ بھر کر آتی ہیں۔'' وہ کہنے لگی۔ ''ان میں سے کوئی نہ کوئی انسانی خون کی پیاس ہی ہوتی ہیں......''

آکاش کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا حسین چہرہ گلابی بدن اور اس کے پرشکوہ سراپا اور نشیب و فراز کو نہیں بلکہ تراشیدہ پیکر کو...... جو آج اب اور اس وقت ایک انوکھے، دل کش اور موہنی روپ میں نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت بکھری ہوئی تھی اور اس کی بڑی بڑی گہری سیاہ آنکھوں میں دیئے روشن تھے...... کتنی سادگی تھی۔

آکاش نے حیرت سے سوچا کہ کیا ایک موذی جانوروں کی نسل کی عورت جو ناگن ہے وہ انسان سے اس قدر سچی محبت کر سکتی ہے......؟ یہ بات ناقابل فہم تھی...... اسے جو ناگ لینے آیا تھا وہ پہلے اس کی محبت کی اسیر تھی...... ایک صدی تک وہ دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے رہے تھے...... لیکن امرتا اسے دیکھ کر اپنا دل دے بیٹھی تھی...... ناگ گو اس کی طرح خوب صورت نہ تھا لیکن اس سے کہیں اور ایسا انوکھا تھا کہ اس دنیا کی لڑکیاں عورتیں دیکھیں تو ان کے سینے دھک سے ہو کر رہ جائیں اور ان کی نس نس میں انجانے تصور سے ہیجان خیز سنسنی دوڑ جائے۔ اس میں نیلم کی سی چاہت اور محبت کی شدت تھی۔ وہ نیلم کی محبت کی جھلک لے رہی تھی۔

آکاش نے کہا۔ ''اپنی نانی کی اور ناگوں کی بات نہ کرو۔ محبت بھری باتیں کرو...... اس وقت آسمان کے چاند کی طرح دکھائی دے رہی ہو...... تمہاری گلابی رنگت نے چاند کا حسن بھی ماند کر دیا ہے...... یہ ساری کہانیاں فرضی ہیں...... من گھڑت ہیں، تمہاری نانی ان کہانیوں سے دل بہلاتی رہی ہوگی۔''

''آکاش جی......'' وہ تیزی سے بولی۔ ''میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ میں کون ہوں...... میں ایک سپیرے کی بیٹی ہوں...... میرا تعلق سپیرے کے خاندان سے ہے...... اس لئے میری نانی، ماں، پتا جی اور ان کے کارن سانپوں اور ناگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں...... تم کیا جانو......''

''دیکھو...... مجھے غصہ نہ دلاؤ...... ورنہ......''

''ورنہ کیا......؟'' وہ درمیان میں بولی۔ ''تم کیا کر لو گے؟''

''میں ناگ بن کر تمہیں ڈس لوں گا...... میں ناگ سے بھی خطرناک بن جاؤں گا۔'' آکاش نے مصنوعی غصے سے کہا۔

''کیا کہا......؟'' امرتا دہشت زدہ سی ہو گئی۔ ''کیا تم ناگ ہو جو انسان کے روپ دھارے ہوئے ہو؟''

''کیا میں ایک ناگ کی طرح نہیں لگ رہا ہوں......؟'' آکاش شوخی سے بولا۔ ''کیا تمہیں ناگوں اور سانپوں کی پہچان نہیں ہے......؟ تم نے مجھے ابھی تک نہیں پہچانا......؟''

''نہیں...... تم ناگ نہیں...... بلکہ میرے دل کے چاند ہو...... میرا سپنا ہو...... اگر تم ناگ ہوتے تو مجھے نہ جانے کب کے ڈس کر جا چکے ہوتے...... اس راج دھانی میں جو حسین ناگنوں سے بھرا ہوا ہے۔''

''مجھے غور سے دیکھو...... کیا میں ناگ نہیں لگ رہا ہوں...... تمہاری نانی نے ناگوں کی پہچان بتائی ہوگی؟''

''وہ بتاتی تھیں کہ وہ ناگ اور ناگنیں اور سانپ...... جو کالی راج دھانی میں جنم لیتے ہیں وہ نہ

صرف انسانوں کا بلکہ ہر جانور کا روپ دھارنے کی شکتی رکھتے ہیں...... ان کے منہ میں سفید پتھر کی شکل کا ایک منکا ہوتا ہے۔ اس منکے میں بڑی شکتی ہوتی ہے...... وہ جس کے پاس بھی ہوگا اس پر نہ صرف ناگ کا زہر بلکہ کوئی جادو منتر اثر کرتا ہے۔"

"اب آکاش کی سمجھ میں آیا کہ امرتا کس قدر ہوشیار اور ایک صحرائی لومڑی کی طرح ہے...... اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ کس لئے ناگ کے ساتھ نہیں گئی......؟ کیونکہ اسے اپنا کھویا ہوا منکا حاصل کرنا تھا، منکا کی تلاش میں ناکام ہونے کے باوجود اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ مایوس نہیں ہوئی تھی...... کیا واقعی وہ اس سے سچی محبت کرنے لگی ہے؟"

"یہ ناگ اور منکا کہانی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ حسین اور چاندنی رات ہے...... میرے قریب آؤ تاکہ ہم محبت بھری باتوں میں کھو جائیں۔" آکاش نے اپنے بازو پھیلا دیئے۔

"تمہیں میری دلچسپ باتیں سننا ہوں گی؟ میں سنا کر رہوں گی۔" وہ ضد میں آگئی۔

"ایسا کرو...... تم بک بک کرتی رہو۔ میں دوسرے کمرے میں جا کر سو جاتا ہوں۔"

"تم سامنے والے کمرے میں جاؤ یا آکاش پر کیا میں تمہارے پاس آ نہیں سکتی...... میں نے تم جیسا ڈرپوک نہیں دیکھا...... ناگ کا سنتے ہی تمہاری سٹی گم ہوگئی تھی۔ میں نے کبھی تم جیسا ڈرپوک آدمی نہیں دیکھا۔" وہ بے تحاشا ہنسنے لگی۔

"میں کہاں ڈرا تھا...... وہ ناگ میرا نام سنتے ہی دم دبا کر بھاگ گیا۔ ورنہ میں نے اسے مار ڈالا ہوتا۔"

"اچھا...... یہ تو بتاؤ کہ منکا کیا ہوتا ہے؟" اس نے فوراً ہی موضوع بولا۔

"تم سپیرے کی بیٹی ہو...... تم مجھ سے زیادہ جانتی ہو...... انجان کیوں بن رہی ہو؟" آکاش کا لہجہ تند ہوگیا۔

"میں اتنا نہیں جانتی جتنا مجھے جاننا چاہیے تھا۔" وہ کہنے لگی۔

"میری نانی نے مجھے سپیروں کی برادری سے دور رکھا۔ اس لئے میں نہیں جانتی کہ منکا کیا ہوتا ہے۔ صرف ناگنوں اور سانپوں کی کہانی سنتی رہی ہوں۔ نانی نے کبھی مجھے منکا کے بارے میں نہیں بتایا۔" وہ بولی۔

"تم جانتے ہو...... لیکن مجھ سے چھپا رہے ہو...... کیوں اور کس لئے؟" وہ غصے سے بولی۔ "اگر تم نے نہیں بتایا تو جانتے ہو میں کیا کروں گی؟" اس نے سینہ تان لیا۔

"کیا کر لوگی......؟" آکاش بولا۔ "کیا تم مجھے کچا چبا کر کھا جاؤ گی؟"

"تم میری بات کا برا مان رہے ہو......؟" وہ اس کے چرنوں میں بیٹھ کر انہیں چومنے لگی۔

آکاش کو یک لخت غصہ آگیا کہ امرتا اسے بالکل ہی احمق سمجھ رہی ہے۔ اس نے اپنے پیر کھینچ کر اسے ایک طرف دھکیل دیا اور مسہری سے نیچے اتر آیا۔ اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"تم ایک ناگن ہو......! میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جان چکا ہوں۔ تم یہ سارا کھیل اس لئے کھیل رہی ہو کہ تمہارا منکا جو طوفانی رات میں اس گھر میں کھو گیا اسے تلاش کرو...... اور میں......"

آکاش کا آخری جملہ پورا ابھی نہیں ہوا تھا کہ امرتا کا چہرہ متغیر ہوگیا پھر اس کے منہ سے ایک خوفناک اور لرزا دینے والی پھنکار نکلی۔ یہ ایسی پھنکار تھی جب سادھو مہاراج کے قابو کرنے پر نکلی تھی۔ امرتا اس وقت کسی اور ناگن کے بہروپ میں تھی۔ اس وقت وہ گلابی ناگن نہ تھی۔ اس امرتا کو سادھو مہاراج نے پاتال کی گہرائیوں میں دفن کیا تھا۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں تھا...... اس پھنکار کو سن کر اپنی اس کوتاہی کا پچھتاوا ہوا۔ اس کی جذباتی حرکت نے سارا کام بگاڑ دیا تھا...... یہ گلابی رانی امرتا سابقہ بہروپ بھر کر اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی...... اس نے جو کالی راج دھانی اور نیلم کی بازیابی کے سپنے دیکھے تھے وہ خاک میں ملتے نظر آ رہے تھے۔

گلابی ناگن کے فرار کا اندیشہ اس کی رگوں میں لہو منجمد کرنے لگا۔ وہ کف افسوس ملنے لگا۔ آکاش کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے...... اس کے پاس ایک نہیں دو دو منکے تھے۔ جس سے وہ صرف اپنی زندگی بچا سکتا تھا۔ لیکن اس سے جادو منتر کا کام نہیں لے سکتا تھا...... اب وہ غضب ناک پھنکاریں مار رہی تھی...... اپنی اصلی آواز میں...... گلابی ناگن کا بدن غیر محسوس انداز سے نیا روپ لے رہا تھا۔

پھر اسے سادھو مہاراج کی بات ایک دم سے یاد آئی جو اس نے باتوں باتوں میں کہی تھی کہ ناگن کے بالوں کو قبضے میں کر لیا جائے تو وہ بے دست و پا ہو جاتی ہے۔ یہ بات اس کے ذہن میں نہیں رہی تھی۔ اسے ایسا لگا تھا سادھو مہاراج کی آواز اس کے ذہن میں گونج رہی ہے...... وہ اس سے کہہ رہی ہے کہ اس کے بالوں کو اپنی گرفت میں لے لو...... کاٹ لو...... تمہیں یوں لرزہ براندام ہونے کی ضرورت نہیں...... تمہارے پاس منکا ہے۔

امرتا نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اوپر اٹھائیں جو انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں...... شعلے برسا رہی تھی۔ وہ شعلے اس کی طرف لپکے لیکن اس پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے جو امرتا کے بالوں کو جکڑ رکھا تھا اس پر اپنی گرفت اور سخت کر لی۔ اس قدر مضبوط تھی کہ وہ جنبش تک نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن امرتا نے اپنا پورا زور لگا دیا۔ پھر وہ بل کھانے اور اس کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کرنے لگی۔ اس کے گلابی ہونٹوں کے درمیان سے ہولناک پھنکار اور عجیب سی لرزا دینے والی آوازیں اس کے کانوں میں گرم گرم سیسے کی طرح پگھلنے لگی تھیں۔

"تمہاری یہ کوشش اور طاقت اور زور آزمائی فضول ہے گلابی رانی!" آکاش نفرت اور غصے سے بولا۔ "اب تم میرے قابو میں ہو...... تمہیں دنیا کی کوئی طاقت میرے ہاتھوں سے بچانے سے رہی۔"

آکاش کو یک لخت خیال آیا کہ ناگ رانی...... ڈک دیتا...... یا سانپ انسانی بہروپ بھرتے وقت انسانی زبان بولنے سے قاصر ہو جاتے ہیں...... اس کی پھنکاروں سے ملتی جلتی آوازوں سے ایسا ہو رہا تھا کہ وہ اپنی آواز میں کچھ کہہ رہی ہے۔ آکاش باوجود کوشش کے مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔ جب سادھو مہاراج نے اس ناگن کو قابو میں کر کے بے بس کیا تھا۔ اس وقت یہی حالت تھی۔ طیش میں تھی۔

سادھو مہاراج نے اسے بتایا ہوا تھا کہ ناگن ایسے منتر پڑھتی ہے کہ اپنے ناگوں اور ناگنوں کو مدد کے لئے طلب کرتی ہے...... سادھو مہاراج نے اسے کچھ اشلوک یاد کرائے اور کہا تھا کہ وہ کسی قیمت کسی کو نہ بتائے ورنہ وہ بے اثر ہو جائیں گے۔ اس نے امرتا کو گھورتے ہوئے اشلوک پڑھنا شروع کر دیئے۔ جس سے اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ رفتہ رفتہ اس کے بدن کی شکتی دم توڑتی چلی گئی۔

امرتا پر ایک ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اشلوک نے اسے جیسے مفلوج کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے شعلے بجھ چکے تھے۔ وہ ساکت و جامد سی تھی۔ وہ اس نئی نویلی ناگن کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ جیسے اس کے ساتھ کسی شیطان نے درندگی کر کے اس کے سندر سپنوں کو خاک میں ملا دیا ہو۔

امرتا ساکت و جامد سی تھی۔ آکاش نے اس کے بالوں کو پکڑ کے گود میں اٹھا لیا۔ پھر اس نے اپنی خواب گاہ میں لا کر اسے بستر پر لٹا کر میز کی دراز سے قینچی نکال کر سیاہ گھری لہراتی زلفوں کو کاٹ لیا۔ جیسے ہی بال کٹے امرتا نے ہوش میں آ کر ایک پھنکار ماری تو اس نے کٹی ہوئی زلفوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر وہ پلک جھپکتے ہی گلابی ناگن کے بہروپ میں آ گئی۔

اب امرتا کی جگہ فرش پر ایک لمبی ناگن بل کھا رہی تھی۔ اگر آکاش نے اپنی زندگی ان موذی جانوروں میں نہ گزاری ہوتی تو دہشت زدہ سا ہو کر بے ہوش ہو جاتا۔ گو اس کے سارے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ وہ ایسی لحیم شحیم ناگن بن گئی تھی کہ ایک عام مرد دیکھے تو اس کے اوسان خطا ہو جائیں۔ آکاش

ایسی لمبی چوڑی ناگن دیکھ کر بھی ہمت اور حوصلے سے کام لے رہا تھا...... اپنا چوڑا چکلا پھن غصے سے بار بار پٹک رہی تھی۔ پھر یک لخت اس نے خوف ناک اور وحشیانہ انداز سے اپنا لمبا جسم کمرے میں لہریے کی شکل میں لہرا دیئے۔ آکاش نے خوف زدہ ہو کر کمرے سے نکل جانا چاہا لیکن وہ اس کے راستے میں حائل ہو کر دیوار بن گئی اور خوف ناک انداز میں پھنکاریں مارتی اس کی طرف لپکی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ اپنا توازن ایک دل خراش چیخ مار کر پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

اسے کھڑے ہونے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ امرتا فرش پر سرعت سے رینگتی اس کے قریب آئی اور اپنا نچلا دھڑ اس کی ٹانگوں پر لپیٹنے لگی۔ اس کے لئے یہ اچانک اور غیر متوقع افتاد ناگہانی ناقابل برداشت تھی۔ اسے لگا موت اس کے سامنے کھڑی وحشیانہ انداز سے ہنس رہی ہے...... قہقہے لگا رہی ہے۔

آکاش کو لحہ بہ لحہ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جو اس کی ٹانگوں پر کسی بیل کی طرح وحشیانہ انداز سے لپٹ گئی ہے اس کی ٹانگوں کی ہڈیوں کو پل بھر میں توڑ کے رکھ دے گی...... اس نے دیکھ رکھا تھا کہ ایسے سانپ دودھ پینے کے لئے گائے بھینسوں کی پچھلی ٹانگوں سے لپٹ کر ہڈیاں توڑ ڈالتے ہیں...... اور اب اس گلابی ناگن کا عشق نفرت اور انتقام میں بدل کر اسے موت کی نیند سلا دینے والا تھا۔

پھر سے وہ الفاظ یاد آگئے سادھو مہاراج نے منکا دیتے وقت منتر کے بتائے تھے...... منکا ہوتے ہوئے بھی وہ اس کے زہر اور جادو منتر سے محفوظ تھا لیکن امرتا کی جسمانی قوت سے جو بے پناہ تھی اس سے اس کا جسم، ہاتھ، پیروں، پسلیوں اور پنڈلیوں کے ٹوٹنے سے وہ ساری انسانی زندگی کے لئے اپاہج اور معذور ہو کر رہ جاتا۔ اس زندگی سے موت ہی بہتر تھی۔

آکاش کسی قیمت پر نہیں چاہتا تھا کہ وہ مر مر کے جیتا رہے۔ وہ جانتا تھا کہ صحت کتنی بڑی دولت اور نعمت ہے اپنی معذوری کا تصور اس قدر دہشت انگیز تھا کہ اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔ اپنی پوری طاقت جمع کی اور اپنا بدن اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا تو امرتا نے غضب ناک ہو کر اپنا پھن دے مارا۔ آکاش نے اس کی زبان سلگتی ہوئی رخسار پر تپش محسوس کی۔ اس نے کانٹے کی سی چبھن محسوس کی۔

موت کو سر پر پا کر اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر اس خطرناک ناگن کو ختم کر کے رہے گا۔ اس نے مڑ کے دیکھا...... وہ بڑے پرسکون انداز میں دروازے کے پاس کنڈلی مارے بیٹھی تھی۔ اس کا گلابی پھن فضا میں لہرا رہا تھا۔

وہ بڑے اطمینان سے اپنی سرخ زبان نکال نکال کر ہلکی پھلکی پھنکاریں مار رہی تھی جیسے اسے چیلنج کر رہی ہو۔ ''اپنی جان بچا کر دیکھو...... اب تم بچ نہیں سکتے۔''

آکاش کے بدن پر خوف کی لہر سنسنی بن کر ریڑھ کی ہڈی میں چاقو کی نوک کی طرح اتر گئی۔ اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔ امرتا کی اس نے جو زلفیں کاٹی تھیں۔ ابھی تک اس کے بائیں ہاتھ کی گرفت میں مضبوطی سے دبی ہوئی تھیں اور داہنے ہاتھ میں قینچی موجود تھی...... اس نے فوراً ہی قینچی کے دونوں پھل کھولے اور تان کر بڑی احتیاط سے سنبھل کر اس ارادے سے اس کی طرف بڑھا کہ اس نے حملہ کیا تو وہ اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دے گا...... اب اسے آخری اور فیصلہ کن معرکہ کرنا تھا...... موت یا زندگی......؟

آکاش کے ہاتھ میں دبی ہوئی قینچی کے ایک چمک دار تیز پھل اور اس کے وحشیانہ انداز دیکھ کر امرتا کا پرسکون انداز جیسے فوراً ہی غارت ہو گیا۔ وہ جیسے حواس باختہ ہو گئی۔ اس نے فضا میں اپنا پھن دو تین مرتبہ جارحانہ انداز سے لہرایا تو اس کے حلق سے گھٹی گھٹی پھنکاریں نکلنے لگیں۔ پھر اپنا پھن فرش پر رگڑنے لگی۔

وہ ایک دم سے ٹھٹک کے رک گیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا استعجاب چھا گیا۔ امرتا کے

رویے میں جو اچانک تبدیلی رونما ہوئی وہ ناقابل فہم تھی۔ اس کی آنکھوں سے بے بسی اور بے چارگی جھانکنے لگی تھی۔ پھر اسے معاً سادھو مہاراج کی بات یاد آئی کہ اس کی زلفیں قابو میں کرنے سے وہ ایک دم سے مفلوج ہو جائے گی۔

آکاش کے اعصاب پھول کی طرح ہلکے ہوئے تو اسے فوراً ہی احساس ہوا کہ امرتا نے اس کے جسم سے لپٹ کر اور اس کے رخساروں کو اپنی سلگتی زبانوں سے چوم چوم کر اپنی بے پایاں عشق کا اظہار کیا تھا جس کا اس نے غلط مطلب لیا تھا وہ غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔

اس نے قینچی میز پر رکھ دی۔ اس کا چکیلا گلابی بدن رفتہ رفتہ پرسکون انداز میں پرسکون ہو گیا۔ اس کا پھن ابھی تک فرش پر پڑا تھا اور اس کی آنکھوں میں محبت بھری تھی۔

گلابی رانی اب پوری طرح اس کی دسترس میں تھی۔ جس نے اسے جیسے خوش قسمت اور دنیا کا طاقت ور آدمی بنا دیا تھا۔ خطرناک اور پراسرار قوتوں کی مالک موذی جانوروں کی نسل کی مخلوق اس کے تابع ہو گئی تھی اور کٹھ پتلی بن گئی تھی۔ آکاش نے جانے کس خیال کے زیر اثر دل میں کہا۔

''کاش......! میرے دل کی رانی گلابی رانی امرتا...... تم فوراً گلابی رانی کے روپ میں آجاؤ۔''

یہ دیکھ کر آکاش کی حیرت کی انتہا نہ رہی اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ناگن...... امرتا کے روپ میں آگئی۔ جیسے اس کے دل کی زبان نے جو کچھ کہا وہ امرتا نے سن لیا ہو...... اس کے ذہن نے امرتا کے ذہن سے رسائی کی ہو۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔ کیوں کہ ایک غیر انسانی اور خطرناک اور پراسرار قوت نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی طور پر اس کی اسیر بن گئی تھی جس کا وہ تصور اور خیال بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''بڑے کٹھور دل ہو تم......؟'' وہ بولی تو اس کے لہجے میں مٹھاس تھی۔

اس کی خوب صورت اور بڑی آنکھوں میں گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اس کے سر کے ریشمی سیاہ بال کٹے ہوئے تھے جس نے الہڑ دوشیزہ کی خوب صورتی کو مضحکہ خیز بنادیا تھا۔

''گلابی رانی......!'' وہ اس کی طرف بڑھا۔ ''تمہارے کٹے ہوئے بالوں نے تمہارے حسن کو متاثر کردیا ہے۔''

''ایک عورت کی ساری سندرتا اس کے بالوں میں ہوتی ہے جسے تم نے بے دردی سے چھین لیا۔'' اس کے لہجے میں دکھ بھرا ہوا تھا۔ اس کی ویرانی منجمد اپنے بالوں پر جمی ہوئی تھی اور بڑی حسرت سے دیکھے جارہی تھی۔ ''میرے بال، میری سندرتا اور جاذبیت لوٹادو تو میں تمہاری راتوں کو خوشیوں اور رنگینی سے ہمکنار کرتی رہوں گی۔ میری سندرتا مجھے دے دو۔''

جانے کیوں آکاش کی گرفت بالوں پر غیر ارادی طور پر مضبوط ہوگئی۔ آکاش کہنے لگا۔

''ان بالوں کو تمہاری سندرتا کے ساتھ ساتھ میں نے تمہیں شکتی سے بھی محروم کردیا۔'' آکاس نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ جب کبھی بھی تم انسان کے روپ میں آؤ گی بدنمائی عیب بن کر تمہارا منہ چڑاتی رہے گی۔ لیکن میں تمہیں یہ بال کسی قیمت پر واپس نہیں کروں گا۔''

آکاش نے اپنی بات ختم کرکے اس کو اپنے ہاتھوں میں بھرلیا۔ آکاش کے جسم کے لمس نے اس کے وجود میں جیسے بجلیاں بھردیں اس پر ایک عجیب سی مستانہ کیفیت طاری ہونے لگی۔ آکاش میں ایک وحشیانہ پن آگیا جس سے وہ بے خودسی ہوتی گئی...... پھر اس کی زبان سے بے معنی جملے ہوا کی طرح نکل رہے تھے۔ اس کے بدن میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوگیا۔ وہ پوری طرح آکاش کے سینے میں جذب ہوکر جیسے شانتی حاصل کرنا چاہتی تھی۔ پھر وہ دونوں دھول بھرے راستے پر چل پڑے۔

امرتا نے جیسے گلابی رانی کے روپ میں اس پر جادو کردیا تھا۔ ایک عجیب سا سرور تھا جس نے آکاش پر ایک نشہ سا طاری کردیا۔ وہ اپنی محبت کی شدت سے ایسی مدہوشی طاری کردی تھی کہ غیر اختیاری طور پر اس کے ہاتھ سے بال نکل کر فرش پر گر گئے۔ اس کے ذہن پر پرانی شراب کا خمار تھا جس نے اسے بیگانہ کردیا۔ پھر وہ اس کے بازوؤں کی گرفت سے تڑپ کر نکل گئی۔

آکاش کو مدہوشی میں یہ احساس ہوا کہ امرتا اس کے والہانہ پن اور وحشیانہ انداز کو برداشت نہ کرسکی۔ جب اس نے امرتا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دیکھا کہ کروٹ لے کر مسہری سے فرش پر گری ہے۔ پھر اس نے اپنے بالوں کو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھا رہی ہے...... اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ امرتا نے اس پر فیاضی سے مہربان ہوکر بالوں کے حصول کے لئے فریب دیا تھا جس کے جال میں وہ پھنس گیا تھا۔ یہ دیکھ کر آکاش کا دل حلق میں دھڑکنے لگا۔

گلابی رانی امرتا بڑی عیاری، مکاری اور فریب اس کی دسترس سے نکلی جارہی تھی۔ پھر اس نے ایک لحظہ کے ہزارویں حصے میں فیصلہ کیا کہ اسے کیا اقدام کرنا چاہیے...... پھر اس نے ایک ساعت کی تاخیر بھی نہیں کی۔ بستر سے جست لگا کر وہ امرتا کے جسم پر گر پڑا۔ اس کے بھاری بوجھ کو وہ برداشت نہ کرسکی وہ ایک دم سے چیخی۔ آکاش نے اس کے ہاتھ سے ہر قیمت پر زلفیں چھین لینے کا تہیہ کرلیا تھا۔ امرتا کا بدن اس کے بدن کے نیچے کسمسایا اور اس کے سارے جسم میں جیسے چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ وہ چاہ رہی تھی اسے ایک بار پھر غلاظت کے دلدل میں لے کر ڈوب جائے تاکہ وہ ہر قسم کے خیال سے بے نیاز ہوکر رہ جائے۔

ان دونوں کے درمیان بالوں کے حصول کے لئے کشمکش ہونے لگی۔ ان دونوں نے جان دھڑ کی بازی لگادی تھی۔ ایک طرف امرتا اپنے بدن کے لمس، خودسپردگی اور من مانیوں سے اس بات کی کوشش کررہی تھی کہ آکاش اس کی آگ میں جل جائے اور اس کی کوشش اور جدوجہد ناکام ہوجائے۔ پھر اس نے اچانک اور غیر متوقع ایسی حرکت کی کہ وہ قابو نہ پالیتا تو بال اس کے ہاتھ کی گرفت سے نکل جاتے...... امرتا ہر لحاظ سے ایک تجربہ کار عورت تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ مرد کی کیا کمزوریاں ہوتی ہیں اسے فوراً ہی احساس نہ ہوتا تو بازی اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہوتی۔ اس لئے آکاش نے فوراً ہی اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ اس لئے کہ امرتا کا شعلہ بدن اسے جھلسائے دے رہا تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی امرتا کے ہاتھ میں آگئے۔ وہ فوراً ہی لیٹ گیا۔ امرتا کی انجانی حرکتوں اور من مانیوں نے اسے پاگل کردیا تھا۔

امرتا نے تکلیف محسوس کرکے ہلکی چیخ مار کر بال چھوڑ دیئے جو باقی ماندہ تھے، آکاش نے فوراً ہی انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ لحظہ بھر کی دیر نہیں کی۔ پھر اس نے امرتا کو کھلونا بنادیا۔ اسے یہ جتانا چاہتا تھا کہ مرد آخر مرد ہوتا ہے...... عورت کھلونا ہوتی ہے...... نازک ہوتی ہے۔ وہ اس کے تشدد اور جنون سے نجات پاکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آکاش کو اس پر ترس آگیا۔ امرتا کو مسہری پر لٹایا۔ پھر اس کے متاثرہ حصوں پر مرہم لگانے لگا تو وہ بے چین سی ہوگئی۔ وہ سسکیاں بھرتی ہوئی بولی۔

''آکاش پیارے...... ! مجھے شما کردو...... میں تم سے جیت نہیں سکی اور نہ ہی جیت سکتی ہوں...... تمہارا یہ مرہم میرے زخم مندمل نہیں کرسکتا...... ہمارے زخموں کا علاج صرف جنگلی بوٹیاں ہی کرسکتی ہیں...... مجھے جانے دو...... تمہاری آ گیا اب میں کچھ نہیں کرسکتی...... کچھ بھی نہیں کرسکتی......''

آکاش نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس کے بال آکاش کے قبضے میں تھے۔ وہ ان ریشمی بالوں کو دیکھنے لگا جو نیلم کے سے تھے۔ ان میں اتفاق سے بال اس کے بالوں کی سوندھی سوندھی خوشبو سے مہک رہے تھے۔ نیلم کو پراسرار طور پر غائب کرکے اس نیلم کو ہم شکل لڑکی کو ڈال دیا گیا تھا...... پھر اس نے نیلم کی قبر بناکر اسے قبر میں اتار دیا تھا...... یہ سارا کھیل گلابی ناگن نے کیوں اور کس لئے کھیلا تھا......؟ نیلم کو کس لئے راج دھانی میں زندہ رکھا ہوا تھا...... بہرحال یہ ایک معمہ تھا...... لیکن یہ سب کچھ رقابت بھی تو تھی۔ نیلم راج دھانی میں تھی اور وہ اس کے فراق کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس نے سوچا کیوں نہ وہ گلابی ناگن کو طلب کرکے راج دھانی کا ذکر چھیڑ دے؟

نیلم...... اس کی محبت، سراپا اور قرب یاد آتے ہی اذیت اور کرب میں اس نے ساری رات کاٹی۔ بستر نہیں انگارے تھے۔ جس پر لوٹتا رہا کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اس کے دل کو کسی لمحے قرار نہیں آیا تھا۔ نیند تو سولی پر آجاتی تھی۔ رات کے آخری پہر آ گئی لیکن وہ سپنا نیلم کا ہی دیکھتا رہا تھا۔

جب وہ بیدار ہوا تو دن خاصا چڑھ آیا تھا۔ پھر اس نے شیو کیا، نہایا...... پھر اس نے ناشتا بنایا پھر وہ کافی بنا کر برآمدے میں آکر بیٹھ گیا...... سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟ چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ امید کی کرن تک دکھائی نہیں دیتی تھی۔ پھر معاً اسے پھاٹک پر ہارن کی تیز آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم سے چونک پڑا۔ یہاں مجھ سے ملنے کون آیا ہے؟

جب اس نے طویل راہ داری کرکے پھاٹک کھولا تو اسے یقین نہیں آیا۔ اس نے حیرت سے پولیس جیپ کو دیکھا۔ اس میں انسپکٹر پروہت داس بیٹھا ہوا تھا۔ جیپ میں پانچ سپاہی موجود تھے۔ اسے دیکھتے ہی وہ سب جیپ سے اتر آئے تھے۔

پروہت داس کالج میں اس کا ہم جماعت تھا۔ اس کا باپ ڈی ایس پی تھا۔ جب وہ انٹر میں فیل ہوگیا تو اس کے باپ نے اسے اپنی سفارش اور اثر و رسوخ سے انسپکٹر بنادیا تھا۔ پروہت داس اس سے جلتا تھا۔ کیوں کہ کالج کی اور ہم جماعت لڑکیاں اسے اس لئے پسند نہیں کرتی تھیں وہ بڑا مغرور اور بدمعاش قسم کا تھا۔ لڑکیوں کو چھیڑنا اور فحش فقرے چست کرنا اس کی عادت تھی۔ پرنسپل نے اسے دو مرتبہ لڑکیوں کی شکایت

پر کالج سے نکال بھی دیا تھا۔ اس کے باپ کی دھمکی پر اسے پھر سے رکھ لیا گیا تھا اور ایک روز ایک ہم جماعت لڑکی کو لائبریری میں تنہا پا کر دبوچ لیا تو اس نے جوتی سے دھنک کر رکھ دیا...... اور پھر وہ نیلم کی کتابوں میں فحش اور بے ہودہ خط لکھ کر رکھ دیتا تھا۔ آکاش نے دو تین مرتبہ ٹوکا تو وہ باز نہ آیا۔ ایک خط اس قدر لغو اور شرمناک تھا کہ آکاش نے اس کی کالج میں پٹائی کردی تھی۔ اس روز سے پروہت داس انتقام لینے کے لئے بے تاب تھا۔ لیکن آکاش نے اسے ایسا کوئی موقع نہیں دیا تھا۔ آج وہ آیا تو آکاش حیران تھا۔ پروہت داس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اس سے نہ صرف انتقام بلکہ اسے قانون کے پھندے میں پھنسانے کی غرض سے آیا ہے۔ ایک انجانے خیال سے اس کا دل دھڑک اٹھا۔

''آکاش......!'' پروہت داس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''کیا بات ہے تمہارے ہاں کوئی حسن کی دیوی دکھائی نہیں دے رہی ہے......''

''پروہت داس......!'' آکاش کو غصہ آ گیا۔

''اپنی زبان قابو میں رکھو...... یہ بات مت بھولو کہ میں ایک باعزت شہری ہوں۔ تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتی ہیں۔''

''میں پروہت داس نہیں انسپکٹر پولیس ہوں۔ تمیز سے بات کرو۔ مجھے پروہت داس نہیں بلکہ مسٹر پروہت داس کہہ کر مخاطب کرو۔''

''تم کوئی بھی ہو میری بلا سے...... میں کیا کروں؟'' آکاش اس کے رعب میں نہیں آیا۔

''اس وقت تم میری حراست میں ہو......'' انسپکٹر نے جیب سے وارنٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''ہمیں ایک منیجر نے اطلاع دی ہے کہ تم نے دیپ کی لڑکی کی آبروریزی کی۔ اس نے تمہیں دھمکی دی تھی کہ وہ پولیس میں میرے خلاف ایف آئی آر کٹوائے گا...... تم نے گرفتاری کے خوف سے دیپ کو قتل کردیا اور اس کی بیٹی سے رنگ رلیاں مناتے رہے، وہ پانچویں دن موقع پا کر فرار ہوگئی...... میرے پاس دو وارنٹ ہیں۔ ایک تو ناقابل ضمانت وارنٹ ہے...... دوسرا مکان کی تلاشی کا وارنٹ ہے...... تم مزاحمت اور انکار نہیں کرو گے؟''

''وارنٹ......؟'' آکاش نے بے خوفی سے کہا۔ ''میں نے دیپ کی بیٹی کو سپنے میں بھی نہیں دیکھا...... میرے ہاں صرف دیپ ملازمت کرتا تھا۔ وہ ملازمت چھوڑ کر چلا گیا۔''

''تم یہ صفائی عدالت میں پیش کرنا۔ عدالت اس کا موقع دے گی۔'' وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''دیپ کے قتل کی تفتیش میرے ذمے سونپی گئی ہے۔ لہٰذا میں اپنا یہ فرض انجام دوں گا......''

آکاش حیران تھا کہ کس نے اس قتل کی اطلاع دی ہے......

''آکاش......!'' انسپکٹر نے سخت لہجے میں کہا۔ ''ہمارا وقت برباد مت کرو...... کہ دیپ کو قتل کرکے تم نے اس کی لاش کہاں دفن کی ہے...... پولیس کو تم دھوکا نہیں دے سکتے۔''

''جب میں نے اسے قتل ہی نہیں کیا تو اس کی لاش کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... یہ تمہارا کام ہے لاش کو برآمد کرنا...... میرا نہیں......'' آکاش نے تند لہجے میں کہا۔

دیپ کی لاش جس رازداری سے دفن کی گئی تھی۔ اس کے افشا ہونے کا خطرہ نہیں تھا۔ یہ ایک نئی ناگہانی افتاد تھی جو اچانک نازل ہوئی تھی۔ اس کی ذرا سی لغزش پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتی تھی۔ صرف گلابی رانی اس واقعہ کی چشم دید گواہ تھی جو اس کی دسترس میں تھی۔ دیپ کی لاش برآمد ہونے کے بعد بھی اس قتل کی واردات سے لاتعلقی ظاہر کرکے پھانسی کے پھندے سے بچ سکتا تھا۔ کیوں کہ کوئی ثبوت اور عینی گواہ نہ تھا۔ اس نے وہ چاقو جس سے وہ قتل ہوا تھا آکاش نے اسے ایک نالے میں پھینک دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ امرتا اس کے خلاف گواہی دینے سے رہی۔

انسپکٹر کے ماتحتوں نے آکاش کو بندوقوں کی زد

میں لے کر کونہ کونہ چھان مارا...... انسپکٹر نے تمام کمرے، غسل خانے، باورچی خانہ اور مسہریوں کے نیچے اور الماریوں کو بھی دیکھ لیا کہ کہیں اس نے کوئی لڑکی تو نہیں چھپا رکھی ہے۔ وہ پولیس کی طرح کمینگی اور ذلالت پر اتر آیا تھا کہ ماضی کا انتقام لے سکے۔

انسپکٹر دو بجے تک پورے مکان کو کنگال کرچکا تھا۔ گلاب کے تختے بھی ادھیڑ ڈالے جس سے اس نے اطلاع کی تھی کہ لاش گلاب کی کیاریوں میں دفن کی ہوئی ہے۔

اس دوران کوئی دو تین انسپکٹر اپنے ماتحتوں کے ساتھ ٹھیک اس جگہ پہنچا تھا جہاں منوں مٹی کے نیچے دیپ کی لاش دبی ہوئی تھی۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کو شبہ نہ ہوسکا۔ کیوں کہ اس نے مٹی ڈال کر مٹی کو اس طرح دبا دیا تھا کہ گہری نظر سے جائزہ لینے پر شبہ ہونے کا امکان نہیں تھا۔

ناکامی پر انسپکٹر کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تو آکاش نے اس پر چوٹ کی۔

''کیوں مسٹر پروہت داس انسپکٹر......! تم نہ تو لڑکی بازیاب کرسکے اور نہ دیپ کی لاش...... تمہاری ساری محنت اور مہارت اور ذہانت خاک میں مل گئی...... یوں بھی تم بے گناہوں کو قانون کے پھندوں میں پھنسانے میں بہت بدنام ہو...... اب یہاں بھی تمہاری ناکامی تمہارا منہ چڑا رہی ہے......''

''تم میری بے عزتی کررہے ہو......؟'' اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''بے عزتی تو تم نے میری کی ہے جو میرے خلاف وارنٹ لا کر مجھے تنگ و ہراساں کیا ہے۔''

''آکاش! تم کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہو......'' اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور ایک لمبا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑ دیا۔ ''میں تم سے آخری مرتبہ کہہ رہا ہوں...... تمہیں وارننگ دے رہا ہوں کہ تم ہی لاش کی نشان دہی کردو...... اس طرح تم حوالات میں سرکاری مہمان نوازی سے بچ سکو گے...... تم جانتے ہوگے اور علم ہوگا کہ ہماری مہمان نوازی سے شیطان بھی کانپ اٹھتے ہیں......''

''میں نہیں جانتا کہ آپ کس دیپ کی بات کررہے ہیں......؟'' آکاش مکر گیا۔ ''میں نے اپنے ہاں کوئی ملازم نہیں رکھا...... مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں پڑی۔ معلوم نہیں کس نے غلط بیانی کی ہے۔''

''کامنی نے بتایا کہ وہ آپ کا گھریلو ملازم تھا اور اس کی بیٹی کی آبروریزی کرتے رہے ہیں۔''

''کامنی......؟ جو چند سکوں کے عوض اپنی عزت بیچتی ہے یہ سارا محلہ جانتا ہے۔''

خیر...... اب میں آخری حربہ آزماتا ہوں...... دیکھتا ہوں کہ تم کیسے بچ سکتے ہو؟''

آکاش سمجھ گیا اب وہ اس پر تشدد کرکے اگلوانے کی کوشش کرے گا...... اس نے تشدد تو نہیں کیا۔ اس نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا...... اس کے تین آدمی جیپ لے کر لوٹ گئے۔

ان کے جانے کے بعد اپنے تین آدمیوں کو لے کر پھر وہ لان اور اطراف میں سر کھپانے لگا۔

آکاش اس وقت تک اپنے کشیدہ اعصاب پر قابو پاچکا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ہنستا ہوا انسپکٹر کی مغز پاشی کو دیکھتا رہا۔ انسپکٹر کی پریشانی سے اسے بڑی خوشی ہورہی تھی۔

دو گھنٹے کے بعد اس کے دونوں ماتحت لوٹے۔ جیپ کی پچھلی نشست پر نظر پڑتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ انسپکٹر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس کی نگاہیں خونخوار اور شیر کی جسامت اور قد آور کتے پر جمی ہوئی تھیں۔ جو جیپ کی پچھلی سیٹ پر چوکنے انداز میں ہانپ رہا تھا۔ اس کے چوڑے چکلے جبڑے سے باہر لٹکی گز بھر کی زبان کے دونوں پر نوکیلے دانت چمک رہے تھے۔

آکاش کے ہوش و حواس گم ہوگئے...... اس کی آنکھوں کے سامنے پھانسی کا پھندا لہرانے لگا۔

(جاری ہے)

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

جیون کی سب خوشیاں تم پر لٹادیں گے
بھولیں گے نہ تجھ کو ہم دنیا کو بھلادیں گے
یادوں میں تیری ہی ہم ایسے کھوئیں گے
تجھ کو نہ پایا تو ہم خود کو بھی مٹادیں گے
(صبا محمد اسلم.....گوجرانوالہ)

توبہ نہ کی پھر توبہ کی تو توبہ کرکے توڑ دی
میری اس توبہ پر توبہ بھی توبہ کر اٹھی
(عائشہ محمد کاشف.....گوجرانوالہ)

یہ عشق نہیں آسان بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے
(ساجد جاوید.....نارروال)

پرکھنا مت پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا
کسی بھی آئینہ میں دیر تک چہرہ نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا دریا نہیں رہتا
(بلقیس خان.....پشاور)

ہجر کے واسطے قطرہ بھی بہت ہوتا ہے
دید کے واسطے لمحہ بھی بہت ہوتا ہے
جن پر ہوتا ہے مان بہت گہرا مان
اگر وہ بدل جائیں تو صدمہ بھی بہت ہوتا ہے
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

ان کے دل پر اس طرح تحریر ہونا تھا مجھے
آئینہ وہ خود نہیں تصویر ہونا تھا مجھے
گردشوں کے بعد آخر آپ ہم مل ہی گئے
یہ بھی طے تھا آپ کی تقدیر ہونا تھا مجھے
(انتخاب: اکرم علی.....میرپورخاص)

اس نے ایسی چال چلی اس کی جیت یقینی تھی
اپنی اپنی قسمت تھی کہ ہارا میں پچھتایا وہ
(انتخاب: وقاص علی.....ٹنڈوجام)

اس چالیس برس میں تم نے کتنے دوست بنائے ہیں
اب جو عمر بچی ہے اس میں کتنے دوست بناؤ گی
(انتخاب: محمد اسحاق انجم.....کنگن پور)

کبھی لوٹ آئیں تو پوچھنا نہیں، دیکھنا انہیں غور سے
جنہیں راستے میں خبر ہوئی یہ راستہ کوئی اور ہے
(انتخاب: محمد عثمان حنیف.....کنگن پور)

قسم ٹوٹے ہوئے دل کی تمہیں خود سے جدا کرکے
وہاں تک ہم نے دیکھا ہے جہاں تک تم نظر آئے
(انتخاب: طیبہ کنول.....لاہور)

کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے کچھ نے کہا چہرا تیرا
(انتخاب: محسن عزیز حلیم.....کوٹھ پنڈ کنگن پور)

جانے کیوں بڑھتا گیا گہرے سمندر کی طرف
ڈوبنے والے کو ہر شخص نے روکا تھا بہت
(انتخاب: محمد سلیم.....کوٹھ پنڈ کنگن پور)

چوری کہیں کھلے نہ نسیم بہار کی
خوشبو اڑا کے لائی ہے گیسوئے یار کی
چلو اچھا ہوا کام آگئی دیوانگی اپنی
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے
(انتخاب: محمد اسحاق انجم.....کنگن پور)

چند بڑے لوگوں سے مل کر میں نے یہ محسوس کیا!
اپنی بابت نااہلوں کو کیا دلچسپ گماں ہوتے ہیں
(انتخاب: عمر دراز.....کھڈیاں خاص)

دعا بہار کی مانگی تو اتنے پھول کھلے
کہیں جگہ نہ ملی میرے آشیانے کی
(انتخاب: شیخ ناصر.....کھڈیاں خاص)

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی
دل کی خلوت میں حشر بپا ہو جیسے
رقص کرتی ہوئی پون کی گھٹا ہو جیسے
(انتخاب: عبدالستار انجم.....قصور)

کبھی پھول سے ابھر کر کبھی چاندنی میں ڈھل کر
تیرا حسن چھیڑتا ہے مجھے رخ بدل بدل کر
(محمد عامر خان.....دبئی)

☆☆

خوابوں کے گلستاں سے آگے نکل گئے
اب ہم تیرے گمان سے آگے نکل گئے
راہ دیکھنا فضول ہے اب ان کی رات دن
جو لوگ اس جہاں سے آگے نکل گئے
پسپا ہوا نہ حوصلہ جن کا کسی طرح
چشمے وہ اب چٹان سے آگے نکل گئے
ہو ہار یا کہ جیت ہمیں اب قبول ہے
ہم تیرے امتحان سے آگے نکل گئے
تقدیر پر ہی چھوڑ دے اب ان کا فیصلہ
وہ تیر جو کمان سے آگے نکل گئے
منزل کی جستجو ہمیں ٹھوکریں ملیں
جب میر کاروان سے آگے نکل گئے
یا اس نے ہم پہ کھول دیا در نیا کوئی
یا ہم ہی آسمان سے آگے نکل گئے
اس نازنین نے دیکھ کر جب پھیر لی نظر
پھر ہم بھی اس مکان سے آگے نکل گئے
جب اس نے بند کردیا اپنی وفا کا در
پھر ہم بھی جسم و جان سے آگے نکل گئے
ان طائروں کا مل نہ سکا پھر کوئی سراغ
نادان جب اڑان سے آگے نکل گئے
(حکیم خان خان.....کامل پورموسیٰ)

ہے خشک بہت مٹی ہر سمت بگولے ہیں
صحرا کے بگولوں سے اٹھتے ہی تو شعلے ہیں
ہم کھل کے اگر برسو صحرا میں گلستاں ہو
پر تم سے کہیں کیسے؟ تم ابر گریزاں ہو
بس تم ہی ایک خواہش تم ہی ایک ارمان
پر تم سے کہیں کیسے تم ابر گریزاں ہو
کھل جاؤں اگر تم سے ہم جشن منائیں گے
دھرتی نہ دیکھوں ہوں وہ پھول کھلائیں گے
آنکھوں میں واجد اجالے ہوں ہر سمت چراغاں ہوں
پر تم سے کہیں کیسے تم ابر گریزاں ہو
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

شعور محبت کا گمان رکھتا ہے
حرارت عشق کو تحویل جان رکھتا ہے
دل کی شناسائی کا حال بیان کیا کروں
اوس و شبنم میں پہچان رکھتا ہے
موازنہ جاناں کا کسی اور سے بھلا کیا
رفاقت و محبت میں تیرا اک جہاں رکھتا ہے
دل کو چھید کے جگر کے پار ہوجائے
نظر کو تیر آنکھوں کو کمان رکھتا ہے
دکھ دینے والوں کو بھی دعا دیتا ہے
وہ مہربان دل بھی مہربان رکھتا ہے
گر محبت ہے محبت کہاں رکھتا ہے میری
بسمل وہ محبت کو روح میں رواں رکھتا ہے
(ایس بی بسمل.....ایبٹ آباد)

ہر طرف اک خوشی کا عالم ہے
میرے گھر مفلسی کا عالم ہے
کوئی ہمدرد غمگسار نہیں
ہر سمت بے حسی کا عالم ہے
اپنا سب کچھ لٹا کے درد ملا
کیا عجب دوستی کا عالم ہے
ان کے کھلتے ہوئے لبوں کی قسم
اک عجب سے کشی کا عالم ہے
زخم دے کر نمک چھڑکتے ہیں
کیسا چارہ گری کا عالم ہے
اس طرف شور ہے غریبی کا
اس طرف بے دلی کا عالم ہے
گھر میں محفوظ تک نہیں مکین
خوف میں زندگی کا عالم ہے
خون سے سرخ سر زمین خالد
کیا وحشت گری کا عالم ہے
بھول سکتا نہیں تجھے پل بھر

یہ میری بے بسی کا عالم ہے
آکے دیکھو غریب خانوں میں
کس قدر بے کسی کا عالم ہے
ڈوبتے جارہے ہیں ہم ساقی
ہر سمت تیرگی کا عالم ہے
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈوالہ یار)

مجھے گلے سے لگا لو بہت اداس ہوں میں
غم جہاں سے چھڑالوں بہت اداس ہوں میں
یہ انتظار کا دکھ اب سہا نہیں جاتا
تڑپ رہی ہے محبت رہا نہیں جاتا
تم اپنے پاس بلالو بہت اداس ہوں
ہر ایک سانس میں ملنے کی پیاس پلتی ہے
سلگ رہا ہے بدن اور روح جلتی ہے
بچا سکو تو بچالو بہت اداس ہوں میں
بھٹک چکا ہوں بہت زندگی کی راہوں میں
مجھے اب آکے چھپالو تم اپنی بانہوں میں
مرا سوال نہ ٹالو بہت اداس ہوں میں
(عثمان......ککن پور)

سازگار ہیں اس طرح سے کچھ حالات دوستو
دن بھی ہوا ہے اپنے لئے اب رات دوستو
زندگی ہارگئی روز روز کے غموں سے
مجھ کو ملی نہ پیار کی پھر سے خیرات دوستو
وہ جس سے ہوا تھا رشتہ وفا کا استوار
اس کو بری لگی ہے میری ہر بات دوستو
میں جل رہا ہوں دکھ کے آلاؤں میں
میری قسمت کی ہے بس یہی عنایت دوستو
آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
جب چل پڑی ہے یادوں کی برات دوستو
رکتا بھی کب ہے یہ بھلا آنسوؤں کا طوفان اب
ہوتی ہے جب بھی پھر سے اشکوں کی برسات دوستو
گزری ہے جاوید تمام زندگی کچھ نہ پوچھئے
جلتا ہی رہا ہوں ہجر کی آگ میں دن رات دوستو
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

یہ کس جرم کی اب سزا دی گئی
کہ شاخ نشیمن جلا دی گئی
جہاں کے کمیں حد سے آگے بڑھے
وہ بستی ہی اک دن مٹادی گئی
جو تصویر آنکھوں میں رکھنے کی تھی
وہ بازار میں کیوں سجا دی گئی
مجھے ذوق شعر و سخن دے دیا
مری عمر کتنی بڑھادی گئی
مسیحائی کا جس نے دعویٰ کیا
تو زخموں کی اس کو قبا دی گئی
چھپائے سے افسردگی کب چھپی
خوشی یوں تو رخ پر سجادی گئی
ازل سے جو وجہ تعلق رہی
وہی بات امتیاز بھلا دی گئی
(ایس امتیاز احمد......کراچی)

آئے ہیں میری زندگی میں کچھ اس طرح سے وہ
جس طرح سے بن بادل کے برسات ہوتی ہے
جب مجھ سے بچھڑ کے وہ دور جاتے ہیں
ان کی یاد میں گزری میری ہر رات ہوتی ہے
کبھی مجھ سے بچھڑ کے وہ دور نہ ہوجائیں
ان سے بچھڑ کر سوچنے سے ہی زندگی دشوار ہوتی ہے
(عائشہ محمد کاشف......گوجرانوالہ)

نہ میں پاس اس کو بلاسکا نہ میں دل کی بات بتاسکا
وہ ہنسی ہنسی میں چل دیا کہ میں ہاتھ تک نہ ہلاسکا
مجھے کیا خبر کہ وہ کیا ہوا مجھے کتنا گہرا خمار تھا
میں کھڑا تھا اس کے حصار میں میرے ارد گرد غبار تھا
نہ میں پاس اس کو بلاسکا نہ میں دل کی بات سناسکا
یونہی سوچتا رہا دیر تک مگر اس کو کچھ نہ بتاسکا
یہ بھی ٹھیک ہے کہ نہ آئے گا کبھی بت انا کا وہ توڑ کر
وہ جدا بھی مجھ سے ہوا تو یوں کوئی رسم بھی نہ نبھاسکا
نہ میں پاس اس کو بلاسکا نہ میں دل کی بات سناسکا
وہ مسکرا کے یوں چل دیا کہ میں ہاتھ بھی نہ ہلاسکا
(عثمان غنی......پشاور)

کبھی تو تم مجھے فرصت سے ملو گے
آج ہو بے نیاز کبھی محبت سے ملو گے
اتنا یقین ہے ہمیں چاہت پر اپنی
آج ہے روا داری تو کبھی چاہت سے ملو گے
اس طرح سے اپنے رنگ میں رنگ دیں گے
دیکھو گے آئینہ اور میری صورت سے ملو گے
سنگ دل کو اس طرح موم کردیں گے
کہ پتھروں سے بھی نزاکت سے ملو گے
اس طرح سے حیا نگاہ میں سموئیں گے
تم مہ کشی میں بھی شرافت سے ملو گے
تڑپو گے کبھی تم میرے واسطے اس طرح
میرے خیال سے بھی تب بڑی حسرت سے ملو گے
لب ہلیں گے تیری صدا مگر ہوگی میری
تب تم جان محبت کی طاقت سے ملو گے
میرے لئے وہ لمحہ وصال ہوگا کہ جب بسمل
میرے جذبو تم اس کی ساعت سے ملو گے
(سیدہ بی بسمل......ایبٹ آباد)

خدا کرے تو خوش رہے عمر بھر
تیری زندگی کے تمام غم مجھے مل جائیں
مسکراہٹیں سدا تیرے لبوں پر کھلکھلائیں
تیرے دل کے سارے زخم مجھے مل جائیں
تیرے نصیب میں بہاریں لکھ دی جائیں
اور خزاؤں کے موسم مجھے مل جائیں
نہ آئے کبھی تیری پلکوں پہ غموں کی نمی
تیرے سارے آنسو صنم مجھے مل جائیں
تیرے نصیب کی بے چینیاں سب الجھنیں تیری
اے کاش میرے ہم دم مجھے مل جائیں
(صبا محمد اسلم......گوجرانوالہ)

میرے جذبے کہیں پر کھوگئے ہیں
میرے الفاظ کیوں چپ ہوگئے ہیں
کوئی بیدار دل، بیدار کردے
تخیل میرے سارے سوگئے ہیں
کب کدورت کی بات ہوتی ہے
اک ضرورت کی بات ہوتی ہے
تم کو دیکھا، بدل دیا عنوان
تیری صورت کی بات ہوتی ہے
کوئی تدبیر کی سنتا ہے پہلے
کوئی چپکے سے مسکراتا ہے
بات تقدیر کی جو چھڑجائے
خم گیسو کا ذکر آتا ہے
(چوہدری قمر جہاں علی پوری......ملتان)

وہ بیوفا تو ہے نہیں پر بیوفا سے کم نہیں
اس نے جو کی تھی دل لگی وہ تو جفا سے کم نہیں
نہ سنگ دل ہے وہ صنم پر بے رحم سے کم نہیں
دیکھی جو اس کی بے رخی وہ تو دغا سے کم نہیں
نظروں سے اوجھل وہ نہیں دل کے سرائے میں ہے وہ
ہر زخم تازہ پھر دیا کیا وہ دوا سے کم نہیں
تنہا مجھے چھوڑا ہے کیوں دل توڑ کے جوڑا ہے کیوں
وہ ساتھ میرے پھر بھی ہے کیا وہ جدا سے کم نہیں
اب کیوں صنم جلتا ہے وہ دل توڑ کے ہنستا ہے وہ
مجھ کو جلایا پیار نے کیا وہ سزا سے کم نہیں
مجھ کو دیا اس نے دغا رہتا ہے وہ مجھ سے خفا
سچ ہے کہ ظالم ہے مگر وہ مہرباں سے کم نہیں
تنہا مجھے پھر کردیا سب سے جدا پھر کردیا
پھر بھی وہ میرا ہمنوا کسی رازداں سے کم نہیں
(آصفہ سراج......لاہور)

بھاگ تو آیا خرکاروں کے چنگل سے
لیکن اپنے گھر کا راستہ بھول گیا
گرد پڑی ہے کچھ ایسی ہر چہرے پر
میں جانا پہچانا چہرہ بھول گیا
عہد نوئے ہر انسان بدل ڈالا
اک دوجے سے ہر کوئی رشتہ بھول گیا

پہلے اوروں کو رستہ دکھلاتا تھا
جگنو اب کے اپنا رستہ بھول گیا
جانے کون سجاد میری آنکھوں میں
رکھ کر پیارا پیارا سپنا بھول گیا
(سجاد حسین نومی...... پنڈدادنخان)

تیرے بغیر تو میں اک پل بھی جی نہ پاؤں گا
میں تو تیرے بنا زندگی سے ہی کٹ جاؤں گا
تجھ سے بچھڑ کر تو میں اتنی دور چلا جاؤں گا
تیرے لاکھ بلانے پر بھی میں کبھی واپس نہ آؤں گا
تجھ کو میں نے چاہا تھا اپنی زندگی سے بڑھ کر
تو نے اگر مجھ سے جفا کی تو میں زندہ نہ رہ پاؤں گا
سب کو چھوڑ کر تجھ کو اپنایا تھا خدا کی قسم
کسی کو بھی میں اپنے زخم نہ دکھا پاؤں گا
دل پہ چوٹ کھا کے کون کمبخت زندہ رہتا ہے
تیری بیوفائی سے تو میں جیتے جی مرجاؤں گا
جسے میں نے چاہا تھا زندگی سے زیادہ وہ تم ہی تو ہو
تیری جدائی کو صنم میں کیسے سہہ پاؤں گا
دنیا والے طعنے دیں گے مجھ کو تیری بیوفائی کے
ان طعنوں سے تو میں زندگی ہار جاؤں گا
میری دعا ہے تم سدا خوش رہو اپنی دنیا میں
میں اپنے زخموں کو خود اپنے سینے میں ہی چھپاؤں گا
(سیف الرحمٰن محمد اسلم...... گوجرانوالہ)

کہاں وفا کا بدلہ وفا سے دیتے ہیں لوگ
اب تو محبت کی سزا دیتے ہیں لوگ
پہلے تو سجاتے ہیں دلوں میں چاہتوں کے خواب
پھر تعبیروں کو آگ لگادیتے ہیں لوگ
دوسروں کو ڈبو کر سمندر میں
خود ساحل پر کھڑے مسکرادیتے ہیں لوگ
غرض کسی کی پریشانیوں سے ان کو نہیں
خاک میں ارمانوں کو ملادیتے ہیں لوگ
ذرا دیکھ کر چلنا مطلب پرستوں کی دنیا سے
یہاں تمہاری طرح قدم قدم پر دھوکا دیتے ہیں لوگ
(بلقیس خان...... پشاور)

ہمیں تو آج تک کچھ ملا نہیں
ساری دنیا میں اجالا کرکے
دکھ کے سوا ہاتھ نہ آیا کچھ بھی
ہزار بار دکھ ادل کو متوالا کرکے
درد میں رہتے نہیں لب خاموش
صبر کو دیکھا ہونٹوں کا تالا کرکے
الفت کے روگ ہی ملے ہیں مجھے
منیر دل کو محبت میں کالا کرکے
رونے سے حاصل نہیں ہوتا کچھ بھی
ہزار بار دیکھا آہ و نالا کرکے
موت آتی ہے اپنے وقت پر ساغر
میں نے زہر کو دیکھا ہے نوالا کرکے
تشنگی بجھتی نہیں ہونٹوں کی اے منیر
پی ہے شراب بہت ہاتھوں کو پیالا کرکے
(منیر احمد ساغر...... میاں چنوں)

اک دیا دل میں جلانا بھی، بجھا بھی دینا
یاد کرنا بھی اسے روز، بھلا بھی دینا
کیا کہوں یہ مری چاہت ہے کہ نفرت اس کی
نام لکھنا بھی میرا، لکھ کے مٹا بھی دینا
پھر نہ ملنے کو بچھڑتا تو ہوں تجھ سے لیکن
مڑ کے دیکھوں تو پلٹنے کی دعا بھی دینا
خط لکھنا اسے، مایوس بھی رہنا اس سے
جرم کرنا بھی مگر خود کو سزا بھی دینا
مجھ کو رسموں کا تکلف بھی گوارا لیکن
جی میں آئے تو یہ دیوار گرا بھی دینا
ان سے منسوب بھی کرلینا پرانے قصے
اس کے بالوں میں نیا پھول سجا بھی دینا
صورت نقش قدم، دشت میں رہنا محسن
اپنے ہونے سے نہ ہونے کا پتا بھی دینا
(شرف الدین جیلانی...... ٹنڈوالہ یار)

☆☆

ہم جنہیں دل سے دعا دیتے رہے
ہر قدم پہ وہ دغا دیتے رہے
ہم رہے خاموش ان کے سامنے
ہر طرح کی وہ سزا دیتے رہے
یہ بھی ان کی دیکھیے نظر کرم
وہ ہمیں غم اک نیا دیتے رہے
مڑ کے بھی دیکھا نہیں اس نے ہمیں
گو اسے دل سے صدا دیتے رہے
ایک ہونے کیلئے چاہا مگر
عمر بھر وہ آسرا دیتے رہے
زندگی کی راہ میں رانا بہت
اپنے دل کو حوصلہ دیتے رہے
(قدیر رانا...... راولپنڈی)

دھوپ میں تیرے آنچل نے
میرے سر پہ چھاؤں کی
لوگ نجانے کتنے ہی
چڑھ گئے بھینٹ اناؤں کی
آنکھ کھلی تو ٹکڑوں میں
لاش ملی آشاؤں کی
وقت ابھی زنجیر نہ بن
میرے زخمی پاؤں کی
نسبت گھر کے چراغوں سے
دیکھے کوئی ہواؤں کی
مٹی پہ کوئی رنگ چڑھے
مانگو بھیک گھٹاؤں کی
ہم تو عاطر رکھتے ہیں
ساتھ دعائیں ماؤں کی
(رانا حنیف عاطر......)

بلا کا ضبط رکھتے ہو
تمہیں تو کچھ نہیں ہوگا
مگر دیکھو......
جسے تم چھوڑ رہے ہو
اسے تو ٹھیک سے شاید
بچھڑنا بھی نہیں آتا
سنو......
تم عزم والے ہو
اسے مت چھوڑ کر جاؤ
اسے نہ توڑ کر جاؤ
اسے نہ موڑ کر جاؤ
سنو تم عزم والے ہو
سنو تم عزم والے ہو
(بلقیس خان...... پشاور)

دل کا لگانا کام نہ آیا
وعدہ نبھانا کام نہ آیا
آنکھ کا کاجل پھیلا پھیلا
آنسو بہانا کام نہ آیا
لبوں سے اس کا نام پکارا
بات بنانا کام نہ آیا
جاتے وقت بھی روکا تھا
کوئی بہانہ کام نہ آیا
آخر اپنا ہی کام آیا
کوئی بیگانہ کام نہ آیا
کوئی دیوانہ کام نہ آیا
کوئی بیگانہ کام نہ آیا
جب سے میں بچھڑا ہوں اس سے
بال بنانا کام نہ آیا
(عثمان غنی...... پشاور)

اس نظر کو یہ کیا ہوگیا
منقطع ہر سلسلہ ہوگیا
اے غم دل یہ کیا ہوگیا
وہ بھی مجھ سے خفا ہوگیا
اک بڑا سانحہ ہوگیا
دل یہ تم پہ فدا ہوگیا
ہم سمجھتے تھے اپنا جسے
پھر وہی بے وفا ہوگیا
یہ نظر اس نظر سے ملی
زخم دل پھر ہرا ہوگیا
بھائی کا بھائی قاتل ہوا
آدمی کیا سے کیا ہوگیا
پھیری امتیاز سے اس نے نظر
ساز دل بے صدا ہوگیا
(ایس امتیاز احمد...... کراچی)

اس کی خواب سی آنکھوں میں تصویر تو
میری تھی
پھر یہ کیا کہ دھندلے دھندلے عکس
نمایاں ہیں
خوابوں کی دہلیز پہ جاناں!
موسم کی بدحال رتوں کی
ویرانی کا مطلب کیا ہے
تھوڑی دیر یہ پہلے تو
آنکھوں کے ان دروازوں
پر حیرت کا کتبہ
کندہ تھا!
پھر یہ کیا کہ گرد میں
ہر ایک لمحہ کیوں مضطرب ہوا
حیرت کے اس شہر میں
خوابوں کا اک گھر غرقاب ہوا!!
اسکی خواب سی آنکھوں میں تصویر تو
میری تھی!!
(راشد ترین...... مظفر گڑھ)

☆☆

خواہش تھی دریاؤں کی
خاک ملی صحراؤں کی
اس کے شہر میں رہتی ہے
اک لڑکی وہ گاؤں کی

تم عزم والے ہو
تم عزم والے ہو

کالی دنیا

سید علی حسن گیلانی-ملتان

رات کے پرھول سناٹے میں دلوں پر دہشت طاری کرتی، خوف کے سمندر میں غوطہ زن جسم و جاں پر سکتہ اور رگوں میں خون کو منجمد کرتی خونچکاں بھونچکاں سوچ کے افق پر رواں دواں اپنی نوعیت کی عجیب و غریب تاریک راھوں پر سرپٹ دوڑتی ناقابل فراموش کھانی۔ جو کہ پڑھنے والوں کو خوف کے شکنجے میں جکڑ لے گی۔

جاسوسی کرداروں پر مشتمل بدن پر لرزہ طاری کر دینے والی دنیائے تاریکی کی ہیبت ناک کہانی

"**اللہ پاک** میری مدد فرما"...... سلیمان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"پیارے کیا بات ہے یہ اتنی ٹھنڈی سانس لے کر اللہ سے مدد کیوں مانگی جارہی ہے"...... ساتھ بیٹھے ہوئے عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"صاحب۔ اتنی دیر ہوگئی ہے اور ابھی تک ویٹر کھانا نہیں لایا۔ بھوک سے جان نکلی جارہی ہے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ میں فلیٹ میں ہی مونگ کی دال تیار کر کے کھا چکا ہوتا۔ کم سے کم پیٹ کی آگ تو بجھ چکی ہوتی"...... سلیمان نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"ویسے تو بڑے بہادر بنے پھرتے ہو کہ میں تین تین دن کھائے پیئے بغیر گزارہ کر سکتا ہوں مگر اب آدھے گھنٹے کا انتظار بھی نہیں کر سکے۔ تمہاری ہمت جواب دے رہی ہے"...... عمران نے کہا۔

"صاحب۔ اپنے فلیٹ کی اور بات ہے۔ دیس میں بھوک برداشت ہو جاتی ہے مگر پردیس میں بھوک بڑھ جاتی ہے"۔ سلیمان نے بے زار لہجے میں جواب دیا۔ جیسے اسے کھانے سے پہلے بولنا ناگوار لگ رہا ہو۔

"ابے ہم اپنے فلیٹ سے صرف بیس منٹ کی ڈرائیو پر ہیں اور تو پردیسی بھی بن گیا"...... عمران نے حیرت سے آنکھیں منکائیں۔

"صاحب۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں تو اکثر فلیٹ میں ہی کھانا کھاتا ہوں اس لئے یہ ہوٹل میرے لئے پردیس ہی ہوئے۔ ہاں آپ کے لئے ہوٹلوں کا کھانا معمول کی بات ہے"...... سلیمان نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے جواب دیا۔

عمران اور سلیمان اس وقت شیرٹن ہوٹل میں کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ سلیمان چونکہ گاؤں گیا ہوا تھا اور کچھ دیر پہلے ہی فلیٹ پہنچا تھا اور چونکہ تھکا ہوا تھا، اس لئے عمران کھانا کھانے کے لئے سلیمان کو لے کر معروف ہوٹل آ گیا تھا، مگر ویٹر کو آرڈر دینے کے باوجود ابھی تک ویٹر نے کھانا سرو نہیں کیا تھا۔ جس کی وجہ سے سلیمان بھوک اور بے زاری کی وجہ سے ویٹر اور ہوٹل والوں کو کوسنے لگا۔

"صاحب۔ یہ جتنے بھی بڑے اور معروف ہوٹل ہیں ان میں پیسہ بھی بہت لگتا ہے اور کھانا بھی لیٹ ملتا ہے اس لئے میں سوپر فیاض صاحب سے کہہ کر ان بڑے ہوٹل والوں پر جرمانہ عائد کراؤں گا"...... سلیمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ابے تیرے سوپر پہلے بھی بہت بھتے وصول کرتا رہتا ہے، بڑے ہوٹلوں سے اس لئے اس معاملے میں تیری دال نہیں گلے گی"...... عمران نے سلیمان کی حالت دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ سلیمان چونکہ اس دفعہ کافی دن لگا کر گاؤں سے آیا تھا اس لئے عمران، سلیمان سے بحث اور تفریح کرنے کو ترس گیا تھا اس لئے عمران آج تفریح کے موڈ میں تھا
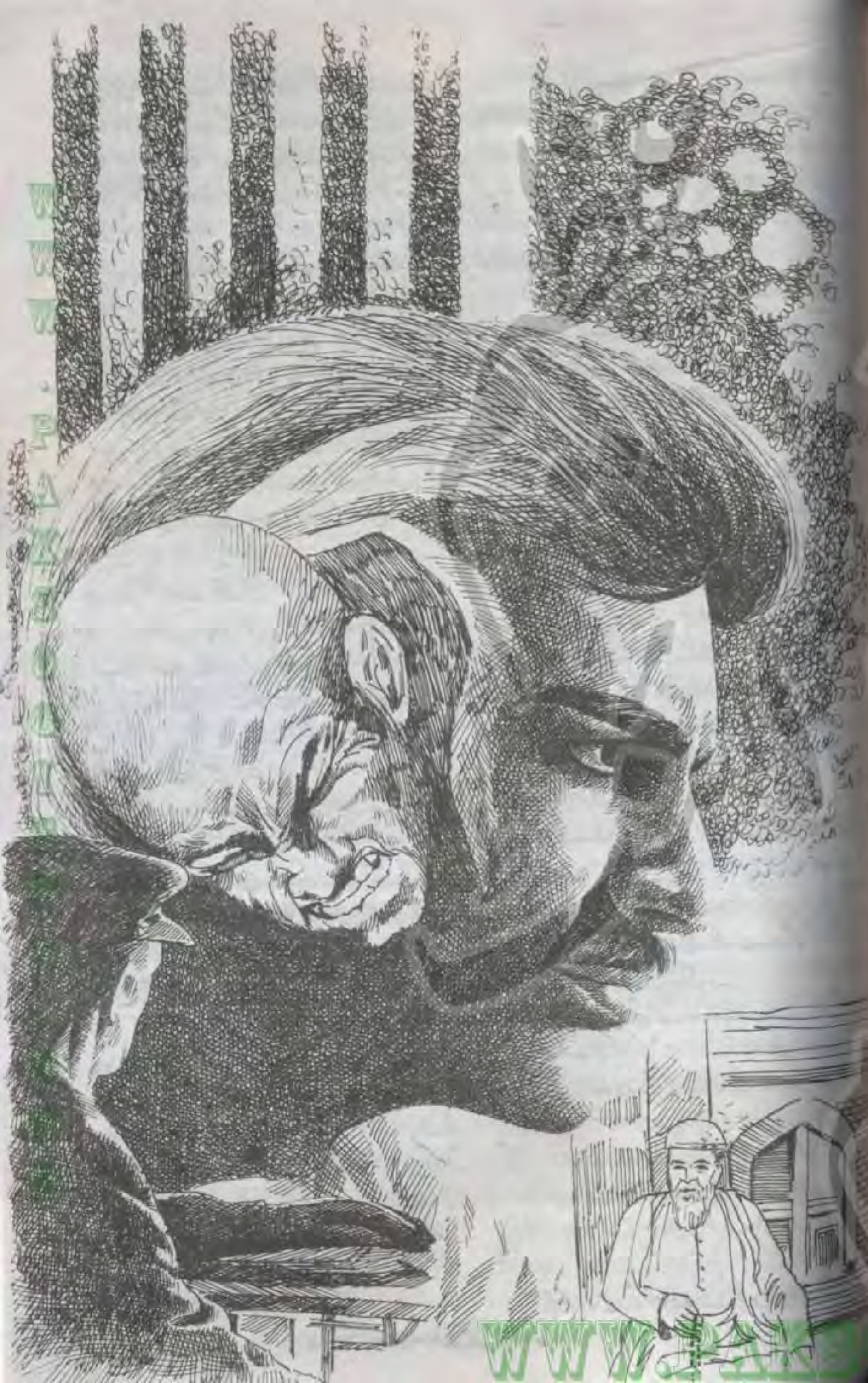
اور سلیمان کو زچ کرنے کے لئے ویٹر کو آنکھ کے اشارے سے کھانا جلدی لانے سے منع کر دیا تھا۔ عمران چونکہ شیرٹن ہوٹل میں اکثر آتا رہتا تھا اس لئے یہاں کے تمام ویٹرز اس کی حماقتوں، فیاضیوں اور تمام حرکتوں سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے عمران کے اشارے کو دیکھ کر ویٹر نے عمران اور سلیمان کی ٹیبل پر ابھی تک کھانے کے برتن نہیں سجائے تھے۔ گو کہ عمران جانتا تھا کہ حماقتوں اور دوسروں کو زچ کرنے میں سلیمان اس سے بھی دو قدم آگے ہی ہے، مگر عمران اپنی حماقتوں سے مجبور ہو کر کسی کو بھی زچ کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔ سلیمان نے ادھر، ادھر نظریں دوڑائیں تو اس نے محسوس کیا کہ جو لوگ ان کے بعد آئے تھے ویٹرز ان کو بھی کھانا سرو کر رہے تھے، مگر کوئی ویٹر ان کی ٹیبل کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کر رہا تھا۔ سلیمان سمجھ گیا کہ عمران اسے زچ کرنے کے لئے تفریح کے موڈ میں ہے تو سلیمان کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"صاحب۔ کیا اس ٹیبل پر ڈریکولا بیٹھا ہے جو تمام ویٹرز آپ کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہے ہیں"...... سلیمان نے منہ بناتے ہوئے کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ارے۔ کیا مطلب ہے تیرا"...... عمران نے اس کی باتیں سمجھ کر اسے آنکھیں دکھائیں۔

"وہ۔ وہ صاحب میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ"...... سلیمان عمران کا انداز دیکھ کر گڑ بڑا گیا۔ ابھی سلیمان نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کی نظر ہال کے دروازے کی طرف گئی جہاں سے جوزف، جوانا، رابرٹ اور ٹائیگر چاروں اکٹھے ہی ہال کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ ان چاروں کی نظریں بھی سلیمان اور عمران کو دیکھ چکی تھیں۔

اس لئے سیدھا چاروں ان کی طرف بڑھے۔ چونکہ اس ہوٹل میں اکثر غیر ملکی بھی کھانا کھانے آتے رہتے تھے اس لئے زیادہ تر گاہکوں نے ان کو سرسری نظروں سے دیکھا اور اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ البتہ چند نئے گاہک جوزف اور جوانا جیسے قوی ہیکل نیگرو اور رابرٹ جیسے قوی ہیکل و دراز قد گورے کو دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ چاروں سب سے بے نیاز ہو کر ان کی ٹیبل پر پہنچ گئے۔ ویٹرز چونکہ ان کو اچھی طرح جانتے تھے اس لئے فوراً چار کرسیاں عمران اور سلیمان کی ٹیبل کے پاس رکھ دیں۔

"ارے جوزف۔ جوانا اور رابرٹ تم سب رانا ہاؤس چھوڑ کر یہاں کیوں آ گئے"...... عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"ماسٹر۔ رانا ہاؤس کو ہم اسپیشل لاک لگا کر آئے ہیں۔ بس کھانا کھا کے پھر چلے جائیں گے"...... جوانا نے تسلی سے جواب دیا اور اس کے جواب میں جوزف نے دانت نکوس کر عمران کو دکھا دیئے۔

"ابے کالے گیدڑ۔ اپنا بھیڑیئے جیسا منہ بند کر کیونکہ اس ٹیبل پر آج بھوک ہڑتال ہے۔ تجھ بھینسے کو کچھ کھانے کو نہیں ملے گا"۔ سلیمان نے جوزف کو مسکراتا دیکھ کر فقرہ کسا۔ جوزف غصے سے سلیمان کو گھورنے لگا جس نے اسے دیکھتے ہی بکواس شروع کر دی تھی۔

"ارے۔ میرا بگ باس"...... رابرٹ زور سے بولا۔

"پیرو مرشد۔ آپ نے بڑے دنوں بعد زیارت کرائی ہے"۔ یہ کہہ کر رابرٹ نے مسکراتے ہوئے سلیمان سے ہاتھ ملا کر اس کا ہاتھ چوم لیا اور پھر عمران سے ہاتھ ملانے پر ہی اکتفا کیا۔ رابرٹ کی یہ حرکت دیکھ کر سلیمان کا چہرہ خوشی سے پھول گیا اور وہ اکڑ کر بیٹھ گیا۔ جوانا بھی مسکرانے لگا البتہ جوزف نے ناگواری سے منہ بنا لیا۔ ٹائیگر کا چہرہ البتہ سنجیدہ ہی رہا۔

"ابے گورے پٹھے۔ اس باورچی کو تو نے عقیدت کے ساتھ سو سلام کئے اور مجھے صرف خالی سلام کیا"...... عمران نے رابرٹ کی طرف دیکھ کر حیرت سے آنکھیں مٹکائیں۔

"باس۔ بات دراصل یہ ہے کہ بگ کے معنی بڑا ہوتا ہے اور ظاہری بات ہے ایک ہونہار شاگرد اپنے بڑے استاد کی زیادہ تعظیم کرتا ہے"...... رابرٹ نے بدستور مسکراتے ہوئے ڈھٹائی پن سے اپنا فلسفہ پیش کیا۔ سلیمان نے بھی مسکرا کر رابرٹ کے کندھے پر تھپکی دے دی۔

"دیکھو رابرٹ۔ تم باس کے سامنے اس کام چور باورچی کی تعریف مت کیا کرو"...... جوزف نے ناگواری سے کہا۔

"میں بڑے استاد محترم کے سامنے چھوٹے استاد کی تعریف کیسے کر سکتا ہوں۔ یہ ادب اور قانون کی توہین ہو گی"...... رابرٹ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک جھانپڑ لگا نہ اس باورچی کو تو اس دیوار سے جا چپکے گا"۔ جوزف نے سلیمان کی طرف اشارہ کر کے ہاتھ نچا کر کہا۔

"او کالیا۔ تیرے خوفناک منہ کی طرح تیرا دل بھی اور

زبان بھی کالی ہے۔ صاحب تم سب کے لڑائی کے استاد ہیں اور میں اپنے ہونہار شاگرد کا پڑھائی کا استاد ہوں"...... سلیمان نے جوزف کو آنکھیں دکھاتے ہوئے جواب دیا تو رابرٹ نے بھی مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔ خشک مزاج ٹائیگر کا چہرہ بدستور سپاٹ تھا جیسے اسے مسکرانا آتا ہی نہ ہو البتہ جوانا بدستور مسکراتے ہوئے عمران، جوزف، رابرٹ اور سلیمان کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ جوانا جانتا تھا کہ حماقتوں میں سلیمان، عمران سے بھی دو ہاتھ آگے ہے اس لئے زندہ دل اور عاشق مزاج رابرٹ، سلیمان کے ساتھ مل جاتا ہے۔

"لعنت ہے تجھ پر میں جانتا ہوں تیری پڑھائی کا لیکچر قاسم کی فل فلوٹی سے شروع ہوتا ہے اور بابا رستم کی میٹھی آنکھ پر ختم ہوتا ہے"۔ عمران نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"صاحب۔ آپ یہ بات کہہ کر لازوال عاشقوں لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، راول جگنی، سوہنی مہینوال کی توہین کر رہے ہیں۔ ان بے چاروں کی روحوں کو تکلیف پہنچے گی"...... سلیمان نے نیا فلسفہ پیش کیا۔

"بگ باس۔ اس دور میں بھی عشق کی بڑی بڑی داستانیں مشہور ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں کچھ عرض کروں"...... رابرٹ نے بڑی انکساری سے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ سلیمان نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"افسوس کہ اس دور کے مرد عاشق پتھر دل ہیں اور ان کی ظالم مگر معصوم محبوبائیں ان کے فراق میں تڑپ رہی ہیں جیسا کہ ٹائیگر، روزی راسکل، عمران، تھریسیا عرف ٹی تھری بی، کرنل فریدی و ناتوتا اور ڈاکٹر سائمن و ریٹا موٹڈارے عرف ڈائمنڈ بیوٹی وغیرہ"۔ رابرٹ نے تسلی سے جواب دیا۔

"مگر رابرٹ آج کے عشق کی داستانیں ہیں تو پھر طبلے ہی بجیں گے اور سر ہی پھوٹیں گے"...... اس دفعہ جوانا نے ہنستے ہوئے پہلی دفعہ بولنے میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہائے۔ بس کر جوانا ان پتھر دل عاشقوں کو دیکھ کر دل کرتا ہے ان چاروں بے چاری حسیناؤں کے زخمی دلوں کو مرہم لگا کر اپنے سینے کے ساتھ لگا لوں"...... رابرٹ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ہائے کو لمبا کرتے ہوئے ٹھیٹھ عاشقوں کی طرح کہا۔

"ابے گورے پٹھے۔ پھر تو یک نہ شد چار چار سے عشق کرنے چل پڑا ہے۔ یہ چاروں دنیا کی شاطر ترین لڑکیاں ہیں ان میں سے ایک بھی تجھے مل گئی تو تیری درگت بنا دے گی"...... عمران نے حیرت سے کہا۔

"یار رابرٹ بے غیرت نہ بن تو روزی راسکل کو ان تینوں کے ساتھ شامل نہ کر کیونکہ آخر روزی راسکل ہماری ہونے والی بھابی ہیں"...... آج جوانا موڈ میں تھا اس لئے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار میں بے غیرت نہیں ہوں۔ میں اس پتھر دل ٹائیگر کو غیرت دلانے کی کوشش کرتا ہوں مگر اسے غیرت آتی ہی نہیں کہ ہم اس کی ہونے والی کو بھگا کر لے جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں"...... رابرٹ نے مسکراتے ہوئے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے فقرہ کسا۔

"بے شک۔ لے جاؤ بھگا کر مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے"۔ پہلی دفعہ ٹائیگر نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اس دوران ویٹر نے کھانا سرو کر دیا کیونکہ عمران نے ویٹر کو اشارہ کر دیا تھا۔

"ہت تیرے کی۔ ابے تو نے میرے شاگردوں کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا"...... عمران نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

"باس۔ ہم سب آپ کے شاگرد ہیں اس لئے جب آپ کی مس جولیا سے، اوہ نہیں سوری مس تھریسیا سے شادی ہو جائے گی اس کے بعد میں کچھ سوچ سکتا ہوں"...... ٹائیگر نے سعادت مندی سے جواب دیا تو سب مسکرا دیئے اور عمران بھی مسکراتے ہوئے اپنا سر کھجانے لگا۔

"ہائے مس جولیا"...... رابرٹ نے بھی مسکراتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ابے۔ ہر حسین لڑکی کے ذکر پر تیرا ہاتھ سینے کی طرف کیوں پہنچ جاتا ہے"...... عمران نے آنکھیں دکھاتے ہوئے غصے سے کہا۔

"یار رابرٹ۔ تو نے بے غیرتی کی حد کر دی۔ تو نے اپنے باس کی مس جولیا کو بھی نہیں چھوڑا"...... جوزف نے حیرت سے کہا۔

"ابے او کالے ریچھ۔ عورت ذات کے مقابلے میں تیرے دل میں بھس بھرا ہوا ہے۔ ابے صاحب تو مس جولیا سے کبھی دل کی بات کرتے ہی نہیں ہیں اس لئے شاگرد اپنے استاد کی کمی کو پورا کر رہے ہیں"...... سلیمان نے کھانا کھاتے ہوئے رابرٹ کے بولنے سے پہلے ہانک لگائی۔

"دیکھ سلیمان۔ تو بار بار میرا نام بگاڑ رہا ہے۔ اگر اب تو نے میرا نام بگاڑا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا اور رابرٹ جو تیرا شاگرد بنا ہوا ہے مس جولیا کیا ہر حسین لڑکی کو دیکھ کر اس کا دل ڈولنے لگتا ہے"...... جوزف نے غصے سے سلیمان کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"کھڑے ہو کر اس ٹیبل پر مرغا بن جاؤ تم دونوں، تم استاد شاگرد جب بھی آپس میں ملتے ہو عشق، پیار و محبت کا ہی موضوع چھیڑ دیتے ہو"...... عمران نے مصنوعی غصے سے دونوں کو ڈانٹا۔ عمران جانتا تھا کہ زندہ دل اور عاشق مزاج رابرٹ جب بھی سلیمان سے ملتا ہے اس کی طرفداری کر کے لطف اندوز ہوتا ہے اور سلیمان بھی خاص کر جوزف کی موجودگی میں حد سے زیادہ رابرٹ کی طرفداری کرتا ہے اور جوزف سے اسے خدا واسطے کا بیر تھا۔

"بب۔ بب۔ باس یہ زیادتی ہے۔ ہم یہاں مرغا بننے نہیں مرغا کھانے آئے ہیں اس لئے یہ فول ہے"...... رابرٹ نے ڈھٹائی پن سے جواب دیا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

"صاحب۔ آپ نے تو شادی نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے ہم استاد شاگرد پر تو رحم کریں۔ آخر کب تک ہم دونوں کنوارے رہیں گے"...... سلیمان نے کہا۔

"رابرٹ کا تو مجھے پتہ نہیں ہے البتہ تو کنوارہ ہی رہے گا"۔ جوزف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابے او کالے کوے۔ شکل اچھی نہ ہو تو منہ سے تو اچھے الفاظ نکالا کر۔ ایک تو کالے رنگت والوں کی زبان بھی کالی ہوتی ہے"۔ سلیمان نے غصے سے جوزف کو دیکھ کر کہا۔ پھر اسے فوراً ہی خیال آ گیا کہ جوانا بھی کالا یعنی نیگرو ہے کہیں اس بات پر جوانا ناراض نہ ہو جائے اس لئے فوراً بولا۔

"سوری مسٹر جوانا۔ میرا اشارہ آپ نہیں اس لئے آپ ناراض نہ ہونا۔ میں کالی زبان صرف اس افریقی سیاہ بھینسے کو کہہ رہا ہوں"...... سلیمان نے فوراً بات بنائی تو جوزف غصے سے سلیمان کو گھورنے لگا۔

"نہیں سلیمان صاحب۔ میں آپ کی بات سے ناراض نہیں ہوں"...... جوانا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہائے۔ ہائے۔ رابرٹ کے بعد اب یہ باورچی تیرا بھی صاحب بن گیا"...... عمران نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ سلیمان چوڑا ہو گیا البتہ جوزف قہر آلود نگاہوں سے رابرٹ اور جوانا کو گھورنے لگا جو عمران کی طرف داری کی بجائے اس کے حریف خاص سلیمان سے مل گئے تھے۔

"ماسٹر۔ بات دراصل یہ ہے کہ آخر کو رابرٹ اور میں ایک ہی ملک ایکریمیا کے باسی رہ چکے ہیں۔ چونکہ جوزف اور ٹائیگر آپ کی طرف ہیں اس لئے میں نے سوچا کہ ایک ہی ملک کے باسی ہونے کے ناطے میں رابرٹ اور اس کے معروف بگ باس کی طرف داری کروں تاکہ حساب برابر ہو جائے"...... جوانا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آہ۔ کیا وقت آ گیا ہے۔ ہماری ہی مرغی ہمیں ہی میاؤں کہنے لگی"...... عمران نے حماقت سے ٹھنڈی سانس لے کر محاورے کو بگاڑتے ہوئے کہا۔ عمران سمجھ چکا تھا کہ چرب زبان سلیمان اور عاشق مزاج رابرٹ کے ساتھ مل کر جوانا بھی آج تفریح کے موڈ میں آ گیا ہے۔ ٹائیگر کا چہرہ تو سنجیدہ تھا مگر جوزف جو عمران کے اشارے پر اپنی جان بھی لٹا سکتا تھا قہر آلود نگاہوں سے سلیمان کو گھورنے لگا کیونکہ سلیمان کی وجہ سے اس کے دونوں دوست جو رابرٹ کے بعد اب جوانا بھی سلیمان کی طرف داری کرنے لگا تھا۔ جوزف کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سلیمان کو کچا ہی چبا جائے۔

"دیکھ شب دیجور کی اولاد۔ مجھے اس طرح نہ دیکھ ورنہ میں ایک مکا مار کر تیری بتیسی توڑ دوں گا"...... سلیمان نے دھونس جمائی۔

"دیکھ بدبخت باورچی۔ مجھ پر دھونس نہ جما ورنہ میرا ایک مکا ہی تجھے ہسپتال کی سیر کرا دے گا"...... جوزف غصے سے بولا۔

"واہ۔ ہسپتال کی سیر۔ کبھی شکل دیکھی ہے آئینے میں۔ میرا ایک جھانپڑ سے تو کرسی سمیت زمین میں دفن ہو جائے گا"۔ سلیمان نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"دیکھ باورچی کے تخم۔ میں باس کا خیال کر رہا ہوں ورنہ میرے سامنے تیری اوقات ہی کیا ہے۔ میں جوزف دی گریٹ جنگلوں کا پرنس ہوں"...... جوزف نے فخر سے کہا۔

"دیکھ کالئے۔ میں آل پاکیشیا باورچیوں کا پرنس ہوں۔ اگر میں نے حکم دیا تو تمام ہوٹلوں کے باورچی تجھے کھانا کھلانے تو دور کی بات کھانا دکھائیں گے بھی نہیں پھر جنگل کے پرنس۔ اوہ سوری۔ جنگل کے کالے بھوت کو جانوروں کی

تمام گھاس ہی کھانے کو ملے گی"...... سلیمان نے پھر دھونس جماتے ہوئے کہا۔

"دیکھ منحوس باورچی۔ میرا نام بار بار مت بگاڑ ورنہ میں جوزف دی گریٹ تجھے چیر کر رکھ دوں گا"...... جوزف بار بار اپنے نام کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر غصے سے بولا۔

عمران ہونقوں کی مانند حیرت سے ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا جن کی سدا سے کبھی نہیں بنتی تھی۔ رابرٹ اور جوانا بھی مسکراتے ہوئے ان دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"دیکھ کالے گیدڑ۔ اگر تو نے آغا سلیمان پاشا دی گریٹ سے پنگا لیا تو میں افریقہ کی نیلی جھیل کی سرخ دلدل کی بدروح کو بلا لوں گا جو گدھوں کے گھونسلے میں انڈے بھی دے دے گی"۔ سلیمان نے چہرے کو خوفناک بناتے ہوئے کہا۔

"فارگاڈ سیک۔ باس اسے کہیں کہ یہ ایسی منحوس باتیں نہ کرے ورنہ تباہی اور بربادی شروع ہو جائے گی اور سرخ دلدل سے کالی دنیا کے دروازے کھل جائیں گے۔ پھر ہر طرف خوف کا راج ہوگا اور خون کی بارش شروع ہو جائے گی"...... جوزف نے خوف زدہ ہو کر کانپتے ہوئے کہا۔

رابرٹ اور جوانا، جوزف کی یہ حالت دیکھ کر ہنسنے لگے۔

"ماسٹر جوزف نے تو آج توہم پرستی کی حد کر دی"...... جوانا نے عمران سے کہا۔

"نہیں باس۔ رابرٹ اور جوزف نہیں جانتے کہ سلیمان بہت خوفناک باتیں کر رہا ہے"...... جوزف نے بدستور خوفزدہ لہجے میں کہا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور کچھ بولتا عمران کے سیل فون پر کال وصول ہوئی۔ عمران نے ٹشو سے ہاتھ صاف کر کے جیب سے سیل فون نکال کر دیکھا تو سکرین پر ایکسٹو کے الفاظ درج تھے۔ عمران سمجھ گیا کہ بلیک زیرو نے کال کی ہے۔

"جی سر۔ فرمائیں۔ یہ بندہ ناچیز آپ کے لئے کیا کر سکتا ہے"...... عمران نے حماقت سے کہا۔

"عمران۔ جولیا اپنے فلیٹ سے غائب ہو چکی ہے۔ صفدر نے بتایا ہے کہ جولیا کا بیڈ روم مکمل طور پر جلا ہوا ہے مگر جولیا پراسرار طور پر غائب ہے اس کا کوئی پتہ نہیں چل رہا"...... دوسری طرف سے بلیک زیرو سمجھ گیا کہ عمران اکیلا نہیں ہے اس لئے اس نے ایکسٹو کے مخصوص انداز میں سختی سے کہا۔

"مگر چیف۔ جولیا کا بیڈ روم کیسے جل گیا اور جولیا کیسے اغوا ہو گئی"...... جولیا کے اغوا کا سن کر عمران سنجیدہ ہو گیا اور پریشانی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔

"میں نے دیگر ممبران کو کال کر دی ہے اور تم بھی فوراً دانش منزل پہنچو"...... بلیک زیرو نے ایکسٹو کی مخصوص آواز میں کہا اور رابطہ ختم کر دیا۔

"رابرٹ، جوزف اور جوانا۔ تم لوگ فی الحال رانا ہاؤس پہنچو ابھی میں دانش منزل جا رہا ہوں۔ اگر تم لوگوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں کال کر لوں گا"...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

عمران کو سنجیدہ دیکھ کر باقی سب بھی سنجیدہ ہو گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

عمران نے جلدی سے بل ادا کیا اور بلیک زیرو سے ملنے کے لئے فوراً دانش منزل روانہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی عیاں تھی۔

☆......☆......☆

"آج کل حیرت انگیز طور پر قاسم اور انسپکٹر آصف کی دوستی عروج پر تھی اور دونوں اکٹھے ہی ایک ساتھ مختلف ہوٹلوں میں نظر آ رہے تھے۔ دراصل یہ دوستی کیپٹن حمید اور انور نے کرائی تھی۔ حمید نے قاسم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی ایک زبردست فل فلوٹی سے ملاقات کرائے گا اور انور نے آصف سے وعدہ کر رکھا تھا۔ وہ ایک زبردست کیس میں اس کی رہنمائی کرے گا جس سے اس کا نام کافرستان میں ادب سے لیا جائے گا۔ اس طرح حمید اور انور کے وارے نیارے تھے کیونکہ کھانے کا بل قاسم اور آصف ادا کرتے تھے اور یہ دونوں مفت کھانے کے مزے لے رہے تھے۔

آج بھی یہ چاروں ایک معروف ہوٹل میں بیٹھے تھے اور رشیدہ بھی آج ان کے ہمراہ تھی۔ ویٹر نے کھانا سرو کر دیا تھا اور وہ سب کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

"یہ لیں۔ آسپ بھائی یہ سالت بھوت کا مجدار ہے"...... قاسم نے مسکراتے ہوئے سالن کا ڈونگا آصف کو پیش کیا۔ آصف نے بھی مسکراتے ہوئے سالن کا ڈونگا قاسم کے ہاتھ سے لے لیا۔

"قاسم۔ آج تو تم نے بہت اچھا لباس پہن رکھا ہے اور اس لباس میں بہت اچھے لگ رہے ہو"...... رشیدہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے قاسم کو مکھن لگایا۔

''سکریہ سکریہ۔ مش رشیدہ۔ مائیں بچپن سے ہی ایسا کھوبصورت ہوں۔ وائے سے آپ بھی بحوت کھوبصورت ہیں''۔ قاسم نے ہنستے ہوئے کہا۔ رشیدہ کے منہ سے اپنی تعریف سن کر اس کی ہی ہی اسٹارٹ ہوگئی۔ آصف نے ناگواری سے قاسم کو دیکھا۔ مگر حمید، انور اور رشیدہ کی موجودگی کی وجہ سے خاموش ہی رہا۔ دراصل قاسم کی ہنسی آصف کو اچھی نہیں لگتی تھی مگر ان تینوں کی موجودگی میں اپنی ناگواری کا اظہار نہ کیا۔

''ویسے آصف۔ روزا تمہاری بہت تعریف کر رہی تھی کیونکہ گزشتہ چند مہمات میں تم نے جو کارنا انجام دے رکھے ہیں۔ اس سے روزا تم سے بہت متاثر ہے''...... انور نے کھانے پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے انور کی خوشامد کی۔

''مجھ جیسے عظیم پولیس افسر کی تعریف تو ہر کوئی کرتا ہے اور میں ہونہار افسر تو ہوں ہی تعریف کے قابل مگر پھر بھی آپ لوگ میری طرف سے مس روزا کو شکریہ کہہ دینا''...... آصف نے گردن اکڑا کر فخر سے کہا۔

''ہمارے آسپ بھیا بحوت بہادر مہادر ہائیں۔ کاپھرستان کے بڑے بڑے مجرم ان سے ڈرتے ہائیں''...... قاسم نے بھی ہنستے ہوئے آصف کی خوشامد کی۔

''ویسے قاسم۔ انسپکٹر ریکھا تمہاری بہت تعریف کر رہی تھی کیونکہ کافی مہمات میں تم نے بھی بہت بہادری دکھائی تھی''۔ انور نے مسکراتے ہوئے مکھن لگایا۔

''اچھا۔ مش پولیش والی آئے سا کہہ رہی تھیں۔ وہ کھد بحوت کھوبصورت اور تگڑی فل فلوٹی ہائیں۔ میری طرف سے آپھ سب مش ریکھا کو سکریہ سکریہ کر دینا''...... قاسم نے خوشی سے گردن اکڑا کر کہا اور اس کی ہی ہی دوبارہ شارٹ ہوگئی۔ انسپکٹر آصف نے ناگواری سے قاسم کو دیکھا مگر خاموش ہی رہا۔

''ویسے قاسم بھائی۔ آپ بہت اچھے ہیں۔ ہر فل فلوٹی آپ کو چاہتی ہے''...... رشیدہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ بھائی وائی کس کو بولا''...... قاسم زور سے گرجا۔ رشیدہ کی بات سن اس کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔ ہوٹل کے فلور پر بیٹھے ہوئے لوگ حیرت سے اس گوشت کے پہاڑ کو دیکھنے لگے۔

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ بھائی میں نے نہیں۔ انسپکٹر ریکھا نے مجھے کہا تھا کہ قاسم بھائی کو میرا سلام دے دینا''...... قاسم کی ذہنی رو بھٹکنے پر رشیدہ نے نئی کہانی گھڑی۔

''قاسم۔ دراصل بات یہ ہے کہ تم سے پیار کرتی ہے۔ مگر ہریش نے انسپکٹر ریکھا کو منع کیا ہوا ہے کہ قاسم کو بھائی کہا کرو کیونکہ ہریش خود انسپکٹر ریکھا کو پسند کرتا ہے۔ چونکہ ہریش ماضی میں کافرستان کی انڈر ورلڈ کا غنڈہ رہ چکا ہے اس لئے انسپکٹر ریکھا ہریش سے ڈرتی ہے''...... کیپٹن حمید نے بھی مسکراتے ہوئے قاسم کو ٹھنڈا کیا۔

''مائیں مش ریکھا کی کھاطر ہریش کا کھون کر دوں گا''۔ قاسم زور سے میز پر مکا مارتے ہوئے زور سے دھاڑا۔

''نہیں۔ نہیں۔ ایسا مت کرنا۔ اگر تم نے ہریش کا خون کر دیا تو کرنل صاحب تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ کیونکہ ہریش کرنل صاحب کا خاص بندہ ہے۔ کیا تم کرنل صاحب کا مقابلہ کر لو گے''...... انور نے قاسم کو ڈراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ مائیں کرنل صاحب سے مقابلہ وقابلہ نہیں کر سکتا''۔ قاسم نے ڈرتے ہوئے کہا۔ کرنل فریدی کا نام سن کر اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''ویسے آصف۔ اگر تم چاہو تو ایکریمی لڑکی روزا تمہاری سیکریٹری بن سکتی ہے۔ روزا کرنل فریدی کے ڈر سے تمہاری طرفداری نہیں کرتی ورنہ وہ تم سے متاثر ہو چکی ہے''...... کیپٹن حمید نے سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا مگر آصف بھی اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ کیپٹن حمید اس کی خوشامد کر رہا ہے کیونکہ آصف اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ خشک مزاج لڑکی کیپٹن حمید جیسے عاشق مزاج کو گھاس تک نہیں ڈالتی اس کو خاک لفٹ کرائے گی مگر آصف نے کیپٹن حمید کو کچھ نہ کہا کیونکہ وہ انور اور کیپٹن حمید سے دوستی کرنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ یہ دونوں چند کیسز میں اس کی رہنمائی کر چکے تھے مگر اس سے کہیں زیادہ اس کے پیسے بٹور اور مختلف کلبوں میں کھانا کھا چکے تھے اور اسی طرح کیپٹن حمید چند بار قاسم کی ملاقات حسین لڑکیوں سے کرا چکا تھا اور قاسم بھی کیپٹن حمید اور انور سے دوستی کرنے پر مجبور تھا۔

''ویسے قاسم۔ ایکریمی لڑکی روزا تمہاری بھی تعریف کر رہی تھی۔ کیونکہ اکثر مہمات میں تم نے بھی کارنامے انجام دے رکھے ہیں...... رشیدہ نے بدستور مسکراتے ہوئے قاسم کی تعریف کی۔

''مائیں بچپن سے ہی بہادر مہادر ہوں''...... رشیدہ کی بات سن کر قاسم کی ہی ہی شارٹ ہوگئی۔

''منہ بند کرو ورنہ مکھی تیرے منہ میں چلی جائے گی''...... آصف نے ناگواری سے کہا۔ قاسم کی ہنسی سے آخر کار اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''کک۔ کیا''...... قاسم نے گھبرا کر کہا اور منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ جیسے واقعی اس کے منہ میں مکھی چلی جائے گی۔ قاسم کی یہ حرکت دیکھ کر حمید، انور اور رشیدہ مسکرانے لگے۔

''حمید۔ تم کب میری ملاقات روزا سے کرا رہے ہو''...... انسپکٹر آصف نے حمید سے پوچھا۔

''مش روجا سے مائیں دوشتی کروں غا''...... اچانک قاسم پھر زور سے دھاڑا۔

''موٹے۔ حرام خور اپنی اوقات دیکھی ہے تو نے۔ تجھے تو حسین لڑکیاں دیکھتے ہی تھپڑ ماریں گی''...... آصف نے ناگواری سے کہا۔ قاسم کی دھمکی نے اس کا موڈ مزید خراب کر دیا تھا۔

''حرام کھور ہو گا تو۔ کھد تیرا کھاندان''...... قاسم غصے سے کرسی سے کھڑے ہوتے دھاڑا۔

''ارے قاسم۔ یہ تو آصف نے بڑی اچھی بات کی ہے کیونکہ آخر تمہارا دوست یا یار تم بھی تو حسین لڑکیوں سے اسی طرح محبت وصول کرتا ہے''...... حمید نے فوراً قاسم کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دی۔

''ہاں یہ تو بحوت اچھی بات ہے۔ ماپھ کرنا آسپھ بھیا مائیں جرا گھسے میں آگیا تھا''...... قاسم نے ہنستے ہوئے کہا اور اس کی ذہنی رو ٹھیک ہوگئی

''تو پھر یہ فیصلہ ہو گیا کہ روزا کی دوستی، میں آصف سے کراؤں گا''...... حمید نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ مش روجا سے مائیں دوشتی کروں غا آسپھ بھائی مش پولیش والی اور مش رشیدہ کو اپنی سیکٹری میکٹری بنا لیں''...... قاسم نے پھر میز پر مکا مارتے ہوئے اپنا فیصلہ صادر کیا۔

''دیکھ موٹے حرام خور۔ میں جو فیصلہ کرتا ہوں اس پر عمل بھی ضرور کرتا ہوں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تم اپنے فیصلے سے دستبردار ہو جاؤ''...... آصف نے بھی غصے سے اپنا فیصلہ سنایا۔

''حرام کھور۔ مائیں تیزی ٹانگیں توڑ دوں غا''...... قاسم بھی آصف کو گالی دینے پر بگڑ گیا اور اس کی ذہنی رو پھر بہک گئی۔

''دیکھ موٹے۔ میں تجھے جیل کی ہوا کھلا دوں گا اگر تو نے مجھ پر رعب جمانے کی کوشش کی تو''...... آصف نے بھی غصے سے میز پر مکا مارتے ہوئے کہا۔ فلور پر بیٹھے سبھی لوگ حیرت سے ان دونوں کو دیکھنے لگے۔

''واہ۔ بلے آئے جیل کی ہوا کھلانے والے اپنے قرنل صاحیب تیری درغت درغت بنا دیں گے۔ مائیں جانتا ہوں تو حرام کھور اپنے قرنل صاحیب سے ڈرتا ہائے''...... قاسم نے بھی بدستور غصے سے جواب دیا۔

''کرنل سے ڈرتی ہے میری جوتی لہٰذا تم مجھے کرنل فریدی کے طعنے مت دیا کرو ورنہ کبھی تیرا یہ حرام کا پلا ہوا موٹا بدن مجھ سے خوب پٹے گا''...... آصف نے بگڑتے ہوئے کہا۔ چونکہ قاسم نے اسے کرنل فریدی کا طعنہ دیا تھا اور کرنل فریدی سے خار کھانے کی وجہ سے آصف بھی بگڑ گیا تھا۔ ان دونوں کی دوستی کا آغاز جس سلام دعا سے ہوا تھا اب اس کا انجام گالیوں سے ہو رہا تھا۔ حمید، انور اور رشیدہ ہونقوں کی مانند ان دونوں کو لڑتا دیکھنے لگے جو خشک مزاج روزا کی خاطر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے تھے۔

''ارے آصف اور قاسم۔ تم دونوں بلاوجہ آپس میں لڑ رہے ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ روزا بہت خشک مزاج لڑکی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ وہ ایکریمی لڑکی بے پناہ حسین ہے مگر وہ پتھر دل لڑکی اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتی لہٰذا تم دونوں روزا کو اس کے حال پر چھوڑ دو''...... انور نے ان دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''بس بس۔ اس کی زیادہ تعریف مت کرو۔ میں جانتی ہوں کہ روزا کتنی خوبصورت ہے''...... انور کے منہ سے روزا کی تعریف سن کر رشیدہ نے ناگواری سے کہا۔ جیسے اسے اچھا نہ لگا ہو۔

''میں نے صرف حقیقت بیان کی ہے۔ مجھے کسی لڑکی سے دوستی کرنے کا شوق نہیں ہے اور ویسے بھی روزا صرف کرنل صاحب کو چاہتی ہے جو اس کی طرح خشک مزاج کے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تم مجھ پر اپنا رعب مت جھاڑا کرو ورنہ کسی دن مجھ سے خوب پٹو گی''...... انور نے رشیدہ کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

''جب بھی تم کوئی غلطی کرو گے میں تمہیں ضرور ٹوکوں گی۔ سمجھے''...... رشیدہ نے بھی غصے سے انور کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے لڑکیوں سے دوستی

کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ بس ایک تم ہی ہو جو ہر وقت میرا سر کھانے کے لئے میرے ساتھ نتھی ہو۔ چونکہ تم بھی میری طرح کرائم رپورٹر ہو اس لئے تمہیں برداشت کرتا رہتا ہوں ورنہ کب کا تمہارا سر پھوڑ چکا ہوتا"...... انور بھی جرح پر اتر آیا۔

"دیکھو۔ میں تمہاری آفس پارٹنر ہوں کوئی ملازمہ نہیں جو ہر وقت مجھ پر رعب جمانے کی کوشش کرتے ہو۔ تمہاری طرح میں بھی کرنل صاحب کی شاگرد ہوں اگر کبھی موقع ملا تو تمہاری درگت بنا کر رکھ دوں گی۔ لہٰذا مجھ سے مت الجھا کرو"...... رشیدہ غصے سے انور پر برس پڑی۔ قاسم اور آصف اپنی لڑائی چھوڑ کر ہونقوں کی مانند انور اور رشیدہ کی نوک جھونک دیکھنے لگے جن کی آپس میں شدید محبت ہونے کے باوجود اکثر آپس میں لڑائی رہتی تھی۔

"دیکھو رشیدہ کی بچی۔ میرا ایک ہی تھپڑ تمہارے ہوش ٹھکانے لگا دے گا۔ لہٰذا مجھ سے مت الجھا کرو"...... انور نے میز پر غصے سے مکا مارتے ہوئے کہا۔

"واہ بڑے آئے ہوش ٹھکانے لگانے والے۔ میں تمہاری ایسی درگت بناؤں گی کہ ساری زندگی زخم چاٹتے رہو گے"...... رشیدہ نے بھی غصے سے کہا۔

"چلو۔ اب تم دونوں کی کسر باقی تھی کہ پورے ہوٹل والوں کے سامنے تماشا بننے کے لئے آصف اور قاسم کی لڑائی کم تھی جو تم دونوں شروع ہو گئے۔ یار کبھی تو تم دونوں نہ بھی لڑا جھگڑا کرو۔ ابھی تو تم دونوں کی شادی بھی نہیں ہوئی۔ معلوم نہیں شادی کے بعد کیا حال ہوگا"...... اس سے پہلے کہ انور کچھ بولتا حمید نے ان دونوں کو سمجھاتے ہوئے مشورہ دیا۔

"اگر اب اس چرخ انور نے مش رشیدہ کو کچھ وچھ کہا تو مائیں اش کی درغت بنا دوں غا"...... دفعتاً قاسم نے رشیدہ کی طرف داری کرتے ہوئے غصے سے انور کی طرف دیکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ قاسم۔ اگر اب تم نے رشیدہ کی طرف داری کی تو میں تمہارے باپ سیٹھ عاصم سے تمہاری شکایت لگا دوں گا کہ تم شادی شدہ ہونے کے باوجود دوسری لڑکیوں سے دوستی کرتے پھرتے ہو۔ پھر جو کوڑے سے تمہارا حشر ہوگا وہ تم اچھی طرح جانتے ہو"۔ قاسم کے تیور دیکھ کر انور نے فوراً کہا۔

"ہی ہی ہی۔ ارے مائیں تو آپ سے مجاق کر رہا تھا انور بھیا" قاسم نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ اپنے باپ کا کی دھمکی کا سن کر خوف سے قاسم کا چہرہ زرد ہو گیا کیونکہ جب بھی قاسم کی طرف سے کوئی غلط اطلاع اس کے باپ کو ملتی تھی تو قاسم کا والد سیٹھ عاصم کوڑے سے اس کی پٹائی کرتا تھا جس سے قاسم کی روح تک لرز جاتی تھی۔ قاسم خاموشی سے کسی شریف بچے کی طرح منہ پر انگلی رکھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر آصف بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ کیپٹن حمید، انور اور رشیدہ تو قاسم کے اس انداز کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔

"یار۔ آخر تم دونوں کو کیا ہو جاتا ہے۔ اچھا بھلا اکٹھے رہتے ہو مگر پھر بھی لڑائی سے باز نہیں آتے"...... کیپٹن حمید نے پھر انور اور رشیدہ کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے کہ انور یا رشیدہ کیپٹن حمید کی بات کا جواب دیتے اچانک کیپٹن حمید کا سیل فون بجنے لگا۔ کیپٹن حمید نے سیل فون کی اسکرین پر دیکھا تو کرنل فریدی کا نمبر فلیش کر رہا تھا۔

"جی جناب والا۔ کیا حکم ہے جو کھانا کھانے کے دوران آپ نے مجھ غریب کو زحمت دی"...... کیپٹن حمید نے اپنا سیل فون آن کرتے ہوئے کہا۔

"برخوردار۔ فوراً کوٹھی پہنچو۔ بہت بری خبر ہے۔ روزا کے فلیٹ میں ہر چیز جلی ہوئی ہے اور وہ اپنے فلیٹ سے پراسرار طور پر غائب ہے اور اس کا کوئی پتہ نہیں مل رہا اور ہاں اپنے ساتھ موجود انور کو بھی لیتے آنا۔ بہت تم دونوں نے اسکو آصف اور قاسم کو لوٹ لیا"...... یہ کہہ کر کرنل فریدی نے کال ڈراپ کر دی۔ کیپٹن حمید کو غصہ تو بہت آیا کہ کرنل فریدی نے اس کے پیچھے زیرو فورس کے ممبران کو لگا رکھا ہے جو پل پل رپورٹ کرنل فریدی کو کرتے رہتے تھے کہ حمید کہاں، کیسے اور کیا کر رہا ہے مگر روزا کے اغوا کا سن کر وہ پریشان ہو گیا اور انور کو کرنل فریدی کی کال سنائی تو انور اور رشیدہ سمیت قاسم اور آصف بھی پریشان ہو گئے۔

☆......☆......☆

"جولیا نے آنکھ ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا تو ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ اور جب اس نے غور سے ماحول کو دیکھا تو حیرت اور خوف سے اچھل پڑی۔

"اوہ اللہ۔ یہ میں کہاں پہنچ گئی ہوں"...... جولیا حیرت اور خوفزدہ نظروں سے ماحول کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔ جولیا نے دیکھا کہ وہ اس وقت اپنے فلیٹ کے بجائے ایک انتہائی خوفناک کمرے میں تھی۔ کمرے میں ہر طرف انسانی ہڈیاں

اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کمرے کا فرش بھی سیاہ پتھروں کا تھا اور دیواروں پر خون جما ہوا تھا اور ایک ناگوار بو اس بھیانک کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ جولیا نے غور کیا تو اس بھیانک کمرے کا صرف واحد دروازہ تھا جو بند تھا۔ چونکہ بدبو سے جولیا کا دم گھٹ رہا تھا اس لئے جولیا تیزی سے اٹھی اور تیزی سے بند دروازے کی طرف بڑھی اور تیزی سے اسے دھڑ دھڑانے لگی۔

"کوئی ہے یہاں۔ یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں مجھے کون لایا ہے؟"...... جولیا زور زور سے چیختے ہوئے بولی۔ چونکہ آج کل سیکرٹ سروس کے پاس کوئی کیس نہیں تھا اس لئے جولیا اسلامی کتابوں میں وقت پاس کر رہی تھی۔ آج جولیا سیکرٹ سروس کے ممبران کے ساتھ ہوٹل میں لنچ کرنے گئی تھی اور اب کھانا کھا کر اپنے فلیٹ آئی تھی تو اسے اپنے فلیٹ کے کمرے میں ناگوار بو کا احساس ہوا جسے جولیا نے زیادہ اہمیت نہ دی۔ چونکہ جولیا تھکی ہوئی تھی اس لئے کتاب پڑھے بغیر سو گئی ورنہ وہ سونے سے پہلے کتاب کا مطالعہ ضرور کرتی تھی اور خاص کر مقدس کلام تو ضرور پڑھتی تھی مگر آج تھکاوٹ کے باعث کچھ پڑھے بغیر ہی سو گئی تھی۔ اب آنکھ کھلنے پر جولیا نے خود کو اپنے فلیٹ کی بجائے اس بھیانک کمرے میں پایا تھا۔ بدبو اور سڑی ہوئی انسانی لاشوں کے تعفن سے جولیا کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ وہ مسلسل زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگی مگر کوئی جواب نہ ملا اور نہ ہی دروازہ کھلا تو تیزی سے پیچھے ہوئی اور تیزی سے آگے بڑھ کر زور سے دروازے کو ٹکر ماری مگر دروازہ بہت مضبوط تھا۔ اسے آنچ تک نہ آئی۔ اس نے دو تین بار پھر دروازہ توڑنے کی کوشش کی مگر اس بھیانک کمرے کے دروازے پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اب تو وہ بہت پریشان ہوئی ایک تو بدبو اور تعفن سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا دوسرا لاکھ چیخنے کے باوجود کوئی اس کو جواب نہیں دے رہا تھا اور دروازہ کسی طرح نہیں کھل رہا تھا۔

"یا اللہ یہ میں کسی عذاب میں پھنس گئی ہوں"...... جولیا نے روہانسی حالت میں زور سے چلاتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنا سانس روک لیا تھا مگر پھر بھی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے سرانڈ بو اس کے دماغ کو پھاڑ کر رکھ دے گی۔ اس کو احساس تھا کہ وہ زیادہ دیر اس کمرے میں رہی تو اس کا دماغ پھٹ جائے گا اور ویسے بھی کب تک وہ سانس روک سکتی تھی اس لئے اس نے بلند آواز سے آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔ حیرت انگیز طور پر جیسے ہی اس نے آیت الکرسی کا ورد شروع کیا تو اس کے اعتماد میں اضافہ ہو گیا۔ اب اس کو یوں محسوس ہوا کہ اگر اب اس نے ہمت کر کے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو وہ اللہ کے کرم سے ضرور کامیاب ہو گی۔ تیزی سے آگے بڑھی اور بھرپور لات مضبوط دروازے کو رسید کی تو دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھل گیا چونکہ وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی اس لئے دروازہ کھلنے پر کمرے کے باہر جا گری تھی۔

جولیا تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی اب اس نے خود کو ایک راہداری میں محسوس کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ اس راہداری میں کئی کمرے بنے ہوئے تھے اور ہر کمرے کے دروازے پر کھوپڑی کا نشان بنا ہوا تھا۔ اتنا تو وہ سمجھ چکی تھی کہ شیطانی طاقتوں نے اسے اغوا کر لیا ہے مگر انجام سے بے پرواہ ہو کر اس طویل راہداری میں گھوم رہی تھی مگر یہ راہداری بھوت کے آنت کی طرح طویل تھی۔

"اوہ یہ میں کس شیطان نگری میں پھنس چکی ہوں۔ کوئی ہے یہاں، میں کہاں ہوں، مجھے یہاں کون لایا ہے، سامنے آؤ۔ کون لایا ہے مجھے؟"...... جولیا زور سے چلائی۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ جولیا کافی دیر پاگلوں کی طرح اس طویل راہداری میں گھومتی رہی مگر ہر طرف گھومنے کے بعد دوبارہ اسی تعفن زدہ اور بھیانک کمرے کے نزدیک پہنچ جاتی۔ اب تو وہ خوفزدہ ہو گئی۔ کافی دیر چلنے کی وجہ سے اس کو تھکاوٹ بھی محسوس ہو رہی تھی۔ سوائے اس بھیانک کمرے کے باقی سب کمروں کے دروازے بند تھے۔ اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ جائے تو کہاں جائے۔ ہر طرف بھیانک خاموشی تھی۔ جولیا کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون سا وقت ہے کیونکہ اس کے ہاتھ سے واچ ٹرانسمیٹر بھی غائب تھا۔

اس پراسرار شیطانی راہداری میں پراسرار روشنی تھی جس سے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ دن ہے یا رات ہے۔ اس کو اب اس بھیانک، سنسان اور پراسرار شیطانی راہداری سے وحشت اور خوف محسوس ہونے لگا۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اسی خیال کے تحت وہ آگے بڑھی اور زور سے ایک بند دروازے پر لات رسید کی۔ بند دروازے کے پٹ جھٹکے سے کھل گئے۔ کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ اب اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آیا وہ

اندھیرے کمرے میں جائے یا نہ جائے۔ چونکہ وہ اس پراسرار راہداری میں گھوم گھوم کر تھک چکی تھی اور اسے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا اس لئے جولیا نے اس اندھیرے کمرے میں گھسنے کا فیصلہ کرلیا۔

''جو ہوگا دیکھا جائے گا''...... وہ بڑبڑائی اور جی کڑا کے اس اندھیرے کمرے میں داخل ہوگئی، جیسے ہی وہ اس اندھیرے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کو ایک زوردار گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ خوف سے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو دروازہ خود بخود بند ہوگیا تھا۔

''یہ دروازہ کس نے بند کیا۔ کون ہے یہاں۔ آخر بولتے کیوں نہیں۔ کون ہو تم لوگ؟''...... جولیا ہذیانی انداز میں زور سے چلائی مگر بدستور جواب نہ ملا۔ چونکہ کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا اس لئے اس نے اندازے سے آگے بڑھ کر دروازے والی جگہ پر ہاتھ رکھا تو حیرت اور خوف سے اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا کیونکہ سنگی دروازے کی بجائے سپاٹ دیوار اس کو منہ چڑا رہی تھی۔ خوف کی دہشت سے اس کا دل لرزنے لگا۔ وہ پہلے بھی ایک دوبار شیطانی طاقتوں کے ذریعے اغوا ہوئی تھی اور اس بار بھی معلوم نہیں کس شیطانی طاقت نے اسے اغوا کرکے خاموش شیطانی طلسم کدے میں ڈال دیا تھا اور ان کا اس کے پیچھے کیا مقصد تھا۔

''جولیا ابھی تک اندھیرے میں تھی کہ اچانک کمرے میں ایک مشعل خود ہی جل اٹھی جس کی پراسرار روشنی میں کمرے کا بھیانک ماحول اجاگر ہوگیا۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے اس کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ کمرے کی سیاہ دیواروں پر تازہ خون جما ہوا تھا۔ اچانک اس کے سر پر کوئی چیز لگی تو اس نے سر پر ہاتھ پھیرا تو خوف سے اس کی چیخ نکل گئی کیونکہ اس کا ہاتھ لیس دار تھا اور تازہ خون اس کے سر پر ٹپکا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر بہت ہی خوفناک تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ شیطانی تصویریں تھیں جو بہت ہی خوفناک تھیں جن کو دیکھ کر جولیا پر وحشت طاری ہوتی جارہی تھی۔

اچانک اس کمرے میں دھواں بلند ہونے لگا۔ یہ دھواں چند لمحے بعد ایک انتہائی خوفناک بڑھیا میں تبدیل ہوگیا۔ اس بڑھیا کا چہرہ انتہائی سیاہ تھا اور آنکھیں خون کی مانند سرخ تھیں۔

''ہاں لڑکی۔ کیوں اتنا شور مچار کھا ہے''...... بڑھیا کے منہ سے کھرکھراتی ہوئی آواز نکلی۔ جولیا خوفزدہ نگاہوں سے اس بڑھیا کو دیکھ رہی تھی۔

''کون ہو تم اور مجھے کون لایا ہے اور کس لئے مجھے اغوا کیا گیا ہے۔ کیا مقصد ہے تم لوگوں کا؟''...... جولیا نے ایک ہی سانس میں سارے سوال پوچھ ڈالے۔

''لڑکی۔ تم شہنشاہ ظلمات کی قربانی کے لئے چن لی گئی ہو اور تمہیں مہا قربانی کے لئے چن لیا گیا ہے اس لئے ایک اور ناری بھی شہنشاہ ظلمات کی مہا قربانی کے لئے چنی گئی ہے''...... بڑھیا نے کہا۔

''یہ شہنشاہ ظلمات کون ہے اور کس مہا قربانی کے لئے مجھے چنا گیا ہے؟ اور کیوں چنا گیا ہے''...... جولیا نے غصے سے کہا۔ خوفناک بڑھیا کی بات سن کر جولیا کو غصہ آگیا تھا۔ اتنا تو وہ سمجھ چکی تھی کہ شیطانی دنیا کی رذیل طاقتوں نے اپنے مفاد کے لئے اسے اغوا کیا ہے۔

''دیکھ ناری۔ تیری ساتھی روشنی کا نمائندہ ہے اور اس نے شہنشاہ ظلمات کو کافی نقصان پہنچائے ہیں۔ شہنشاہ ظلمات کے بڑے بڑے مہا گرو تمہارے ملیچھ ساتھی عمران اور اس کے حبشی غلام کے ہاتھوں فنا ہوچکے ہیں۔ مگر ابھی تک تمہارا ساتھی زندہ ہے اس لئے اب مہا گمبارو نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ تمہاری بلی شہنشاہ ظلمات کو دیں گے اور تمہارے ساتھی عمران کی عبرت ناک موت کا فیصلہ بھی کرلیا گیا ہے۔ مہا گمبارو شہنشاہ ظلمات کے سامنے قسم کھا چکے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھی کو عبرت ناک موت سے دوچار کردیں گے۔ پھر کالی دنیا کے دروازے کھل جائیں گے اور تمہاری دنیا پر مہا گمبارو کا کالا راج ہوگا۔ کالے جادو کی شکتیاں ہی تمہاری دنیا میں راج کریں گی جو شہنشاہ ظلمات کا پیروکار ہوگا وہی زندہ بچے گا۔ باقی سب کا حشر بہت بھیانک ہوگا''...... خوفناک شکل بڑھیا کہتی چلی گئی۔

''یہ شہنشاہ ظلمات سے مراد کہیں شیطان بدبخت تو نہیں ہے اور دوسرا یہ مہا گمبارو کون ہے اور تم نے بتایا نہیں کہ مجھے یہاں کون لایا ہے؟''...... جولیا نے ہمت کرکے کہا کیونکہ اس کا اعتماد بحال ہوگیا تھا۔ ویسے بھی جولیا جانتی تھی کہ اگر اس نے اس شیطانی دنیا میں بزدلی کا سامنا کیا تو مزید مشکلات کا شکار ہوجائے گی۔

''بدبخت ناری۔ شہنشاہ ظلمات کا نام ادب سے لے

ورنہ شہنشاہ ظلمات کا عتاب تجھے جلا کر راکھ کردے گا اور جہاں تک تجھے یہاں لانے کا سوال ہے تو مہا گمبارو کی کالی دنیا میں، میں ہی تجھے لائی ہوں اور اس کالی دنیا میں صرف کالی شکتیوں کا ہی راج چلتا ہے۔

اماوس کی رات میں اس کالی دنیا میں مہا گمبارو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بلی دیں گے۔ پھر شہنشاہ ظلمات ہمیں امر طاقتیں عطا فرمائیں گے''...... بڑھیا نے نحوست سے مکروہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

جولیا یہ سن کر لرز گئی تھی کہ رذیل شیطانی طاقتوں نے اسے پراسرار طریقے سے اغوا کرلیا ہے لیکن عمران لازمی طور پر اس کی بازیابی کے لئے شیطان پرستوں کی شیطانی دنیا میں آئے گا اور ان شیطان پرستوں نے واقعی کوئی کالی دنیا بنائی ہے جہاں سے باہر نکلنا ان کے بس سے باہر تھا۔ اچانک جولیا کو خیال آیا کہ وہ مقدس کلام کے ذریعے ان شیطان پرستوں کی کالی دنیا سے نکل سکتی ہے۔ یہ سوچ کر جولیا نے آیت الکرسی کا ورد کرنا چاہا مگر جولیا کا دماغ بھک سے اڑ گیا کیونکہ اسے لاکھ یاد کرنے کے باوجود مقدس کلام یاد نہیں آرہے تھے۔ جولیا نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس کے سر پر چھت سے ٹپکا ہوا خون تھا۔ خون سے اس کے ہاتھ لتھڑ گئے۔ وہ سمجھ گئی کہ اس ناپاک خون کی وجہ سے اس کو ناپاک کردیا گیا ہے اور اسے مقدس کلام یاد نہیں آرہے۔ اچانک اس کو اور تو کچھ نہ سوجھا۔ اس نے بے اختیار چھلانگ اس خوفناک بڑھیا کی طرف لگائی مگر اس کو خاک چاٹنی پڑی کیونکہ خوفناک بڑھیا اپنی جگہ سے دھواں بن کر غائب ہوگئی تھی اور دوسری طرف کھڑی تھی۔

''بدبخت ناری۔ تم اس وقت مہا گمبارو کی کالی دنیا میں موجود ہو اور یہاں سے نکلنا تمہارے بس سے باہر ہے۔ ابھی تو میں جارہی ہوں۔ پھر تم سے ملاقات ہوگی''...... یہ کہہ کر خوفناک بڑھیا اچانک اس کی نظروں سے غائب ہوگئی اس کے غائب ہوتے ہی اس پراسرار کمرے میں پھر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا اور جولیا اس کمرے میں قیدی بن کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

''عمران صاحب۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ پروفیسر نصیر احمد اس مسئلے کا حل بتادیں گے''...... صفدر نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے سوال کیا۔

''ہاں۔ میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اللہ پاک نے ان کو کافی علوم عطا کئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری مدد ضرور کریں گے۔ جولیا کو واقعی شیطانی قوتوں نے اغوا کیا ہے۔ اگر سید چراغ شاہ موجود ہوتے تو میں ان سے رہنمائی حاصل کرتا مگر شاہ صاحب کہیں گئے ہوئے ہیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا کیونکہ جولیا کے پراسرار اغوا نے عمران کو پریشان کردیا تھا۔ چونکہ عمران کئی دفعہ شیطانی قوتوں کو ختم کرچکا تھا اس لئے وہ سمجھ چکا تھا کہ اس بار کسی نئی شیطانی طاقت نے اسے اپنے جال میں پھنسانے کے لئے جولیا کو اغوا کیا ہے تاکہ جولیا کی خاطر عمران خود شیطانی طاقتوں کے علاقے میں جائے۔ یہ اور بات ہے کہ جوزف نے ان پراسرار معاملے میں بیشتر عمران کی مدد کی تھی۔

عمران دانش منزل گیا تھا اور بلیک زیرو سے ملاقات کی تھی۔ بلیک زیرو نے صفدر کی رپورٹ پیش کی تھی کہ صفدر اور جولیا وغیرہ ہوٹل میں کھانا کھانے گئے تھے مگر جولیا اپنا پرس ہوٹل میں ہی بھول گئی تھی تو تنویر اور صفدر جولیا کے فلیٹ پر اس کا پرس دینے گئے تو لاکھ دروازہ پیٹنے کے باوجود دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی صفدر اور تنویر نے دروازے کو توڑ دیا۔ جیسے ہی انہوں نے دروازہ توڑا تو ان کو اندر انتہائی ناگوار سی بو کا احساس ہوا اور جولیا کے کمرے کے اندر ہر چیز جلی ہوئی ملی تھی۔ پہلے تو دونوں پریشان ہوگئے تھے کہ کسی دشمن پارٹی نے جولیا کو جلا دیا ہے مگر کمرے میں جولیا کا جلا ہوا وجود کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر جولیا کے کمرے کی ہر چیز جلی ہوئی تھی اور اس سے ناگوار بو آرہی تھی جس سے صفدر اور تنویر کا دماغ پھٹنے لگا تھا مگر جولیا کا بیڈ صحیح سلامت تھا۔ صفدر اور تنویر نے فوراً اس بات کا بلیک زیرو کو فون کرکے بتادیا تھا اور اپنی طرف سے اندازہ کرکے بتایا کہ جولیا کو پراسرار طریقے سے ماورائی قوتوں نے ہی اغوا کیا ہے۔

عمران اس رات دانش منزل ہی میں سویا تھا اور صبح کی نماز پڑھنے کے بعد فوراً سید چراغ شاہ سے ملنے روانہ ہوگیا تھا مگر وہاں جاکر عمران کو معلوم ہوا کہ سید چراغ شاہ کہیں گئے ہوئے ہیں تو عمران پریشان ہوگیا کیونکہ ان ماورائی طاقتوں کے بارے میں سید چراغ شاہ اس کی صحیح رہنمائی کرسکتے تھے۔ مگر پھر عمران کو پروفیسر نصیر احمد کا خیال آیا جو دور نواحی علاقے میں رہتے تھے۔ عمران نے اس بار صفدر اور تنویر کو بھی فون کرکے اپنے پاس بلا لیا تھا اور تینوں نے جولیا کے فلیٹ کا اچھی

طرح مشاہدہ کیا تھا۔ پھر عمران ان دونوں کو لے کر پروفیسر نصیر احمد کی کوٹھی پر روانہ ہوگیا تھا اور اب تینوں کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صفدر ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ عمران عقبی سیٹ پر بیٹھا تھا اور تنویر پیچھے بیٹھا تھا۔

"عمران صاحب۔ آپ کے خیال میں یہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے؟"...... صفدر نے پھر نیا سوال کیا۔

"کم از کم میرے ہونے والے سسر نے تو ایسا کام ہرگز نہیں کیا"...... عمران نے مخصوص لہجے میں کہا تو صفدر خود ہی اپنے احمقانہ سوال پر شرمندہ سا ہوگیا۔

"سوری عمران صاحب۔ یہ میں آپ سے کیا احمقانہ سوال کر بیٹھا۔ دراصل مس جولیا کے پراسرار اغوا نے پریشان کردیا ہے"۔ صفدر نے شرمندہ سا ہوکر مسکراتے ہوئے کہا۔

"لازماً ایک دفعہ پھر کوئی ماورائی کیس شروع ہوگیا ہے۔ شیطان کی کالی اور طاغوتی قوتیں ہم پر حملہ آور ہوئی ہیں"۔ تنویر نے فکر مندی سے کہا۔

"ہم پر نہیں پیارے۔ جولیا پر حملہ آور ہوئی ہیں"...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جولیا ہم سے الگ تو نہیں ہے۔ ہماری ساتھی ہے۔ اس کے بغیر ہم سب ادھورے ہیں"...... تنویر نے منہ بنا کر جوشیلے لہجے میں کہا۔

"جولیا کے بغیر ہم سب ادھورے ہیں یا صرف تم ادھورے ہو"...... عمران نے پیچھے منہ کر کے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"عمران۔ تم جولیا کو اپنا ساتھی سمجھتے ہی نہیں ہو۔ جولیا کی تمہیں پرواہ ہی نہیں ہے"...... تنویر نے تیز لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ جولیا کی صرف تمہیں ہی فکر ہے اس لئے تو پروفیسر نصیر احمد سے تم ہمیں ملوانے لے جارہے ہو"...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو تنویر خونی نگاہوں سے عمران کو گھورنے لگا۔

"مجھے اس طرح قاتل نگاہوں سے نہ دیکھا کرو۔ میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا"...... عمران نے مسکین سی صورت بناتے ہوئے کہا۔

"یہاں ہماری جولیا مشکل میں ہے اور تمہیں مذاق کی سوجھی ہے"...... تنویر غصے سے گلا پھاڑ کر جیسے چلایا۔

"ہائے۔ ہماری جولیا"...... عمران نے سینے پر ہاتھ رکھ کر تنویر پر پھر چوٹ کی تو اس بار صفدر ہنسنے لگا البتہ تنویر غصے سے عمران کو گھورنے لگا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ عمران کو کچا ہی چبا جاتا۔

"تو تم جولیا کے دشمن ہو"...... تنویر نے جل بھن کر کہا۔

"ہاں۔ واقعی تم جولیا کے سب سے بہترین دوست ہو اس لئے جولیا تمہاری محبت کا دم بھرتی رہتی ہے"...... عمران نے اپنے لہجے کو سنجیدہ بناتے ہوئے پھر چوٹ کی تو تنویر کٹ کر رہ گیا اور غضبناک نگاہوں سے عمران کو گھورنے لگا کیونکہ سبھی جانتے تھے کہ جولیا دل و جان سے عمران سے محبت کرتی ہے۔ صفدر ان دونوں کی باتوں سے پھر ہنسنے لگا۔

"تم دونوں کو جولیا کی پرواہ نہیں ہے اور میں اپنی جولیا کے دشمنوں کے ساتھ ہرگز سفر نہیں کرسکتا"...... تنویر کا پارہ گرم ہوگیا اور اس نے چلاتے ہوئے کہا۔

"ہائے۔ میری جولیا"...... عمران نے سینے پر ہاتھ رکھ کر میری جولیا کو لمبا کرتے ہوئے کہا تو صفدر نے پھر زوردار قہقہہ لگایا۔

"میں کہتا ہوں گاڑی روکو ورنہ میں تم دونوں کو بھون کر رکھ دوں گا۔ میں جولیا کے دشمنوں کے ساتھ سفر ہرگز نہیں کرسکتا"...... تنویر نے اپنی جیب سے پسٹل نکالتے ہوئے کہا اور عمران پر پسٹل تان لیا۔

"میں جولیا کی خاطر اس کے دونوں دشمنوں کو مار ڈالوں گا"۔ تنویر نے غصے کی شدت سے کانپتے ہوئے کہا۔

"لعنت ہے تمہاری زندگی پر تنویر۔ تم نے یہ تصور بھی کیسے کرلیا کہ عمران صاحب کو جولیا کی فکر نہیں ہے۔ متعدد بار مس جولیا دشمنوں کی قید میں گئی ہیں مگر عمران صاحب نے اپنی جان پر کھیل کر مس جولیا کی عزت و عصمت اور زندگی بچانے میں کامیاب رہے ہیں۔ کیا مس جولیا کی صرف تمہیں ہی فکر ہے۔ میں جانتا ہوں مس جولیا کے اغوا پر عمران صاحب کے دل کا کیا عالم ہے۔ ان کے دل و دماغ پر طوفان چل رہے ہیں مگر ہنسی مذاق کر کے وہ اپنی اور ہماری پریشانی دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور تم نے عمران صاحب کو مس جولیا کا دشمن سمجھ لیا ہے"...... صفدر نے تنویر کی یہ حرکت دیکھ کر گاڑی کو فل بریک لگاتے ہوئے شدید غصے کے عالم میں کہا۔

عمران حیرت سے صفدر کو دیکھنے لگا کیونکہ اس نے ٹھنڈے مزاج صفدر کو کبھی اتنے غصے کے عالم میں نہیں دیکھا تھا۔ دراصل صفدر حقیقت میں عمران کو دل سے چاہتا تھا اور یہ

بھی جانتا تھا کہ عمران جولیا سے شدید محبت کرتا ہے مگر لاابالی ہونے کی وجہ سے کبھی جولیا سے محبت کا اظہار نہیں کیا اور آج جولیا کی خاطر عمران پر پسٹل تانے دیکھ کر غصے سے صفدر تنویر پر چھٹ پڑا تھا۔ تنویر نے بھی صفدر کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ اب تنویر کو احساس ہوا کہ وہ عمران کے مذاق پر اشتعال میں آکر کچھ زیادہ ہی کر گیا ہے۔

"سوری یار صفدر۔ میں کچھ زیادہ ہی غصے میں آگیا تھا۔ دراصل جولیا کے اغوا نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔ دوسرا عمران کے بے وقت مذاق نے میرا دماغ خراب کر دیا ہے"...... تنویر نے پسٹل جیب میں رکھتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

"یار۔ ہم سب ہی کو مس جولیا کی فکر ہے اور ہم سب مس جولیا کے ہی سلسلے میں پروفیسر صاحب سے ملنے جارہے ہیں۔ لہٰذا اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرو اور عمران صاحب کی باتوں اور مذاق سے انجوائے کیا کرو"...... اس بار صفدر نے نرم لہجے میں کہا۔

"یار۔ مجھ سے اس احمق کا مذاق برداشت نہیں ہوتا"...... تنویر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ہاں یار۔ صفدر احمق کے مذاق سے دوسرے لوگ تو محظوظ ہوتے ہیں مگر احمق کے مذاق کو احمق لوگ برداشت نہیں کرسکتے"۔ عمران نے مسکین سے لہجے میں صفدر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس بار صفدر ہنس پڑا مگر عمران کی بات سن کر تنویر کا منہ بن گیا تھا مگر اس بار تنویر خاموش ہی رہا۔ صفدر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ حقیقت یہ تھی کہ جولیا کے اغوا اور وہ بھی اس پراسرار طریقے سے کہ کسی ماورائی طاقت نے اسے اغوا کیا تھا۔ عمران بہت پریشان تھا مگر وہ عمران ہی کیا جو دوسروں پر اپنی پریشانیاں ظاہر کرے۔ عمران کو تنویر پر بے پناہ غصہ تھا کہ تنویر نے اس پر پسٹل تان لیا تھا مگر وہ اس وقت جولیا کے معاملے میں تنویر کی جذباتی حالت کو جانتا تھا اس لئے صبر کرنا ہی بہتر سمجھا تھا۔

اچانک گاڑی کے آگے دھند سی چھا گئی۔ آگے کچھ نظر نہیں آرہا تھا اس لئے صفدر نے فوراً بریک لگا دی جس سے چرچراہٹ کے بعد جھٹکے سے گاڑی رک گئی۔

"آؤ روشنی کے نمائندے۔ آؤ۔ کالی دنیا تمہارا انتظار کر رہی ہے"...... اچانک دھند میں ایک ہولناک آواز سنائی دی جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ اس آواز میں اتنی ہولناکی تھی کہ صفدر اور تنویر سمیت عمران جیسا آدمی بھی گنگ رہ گیا۔ پھر اچانک ہی دھند ختم ہوگئی جیسے کبھی دھند تھی ہی نہیں۔

"صفدر۔ تم نے گاڑی کو اچانک بریک کیوں لگائی ہے"۔ عمران نے چونک کر صفدر سے پوچھا۔

"عمران صاحب۔ اچانک کار کے آگے نہ معلوم دھند سی چھا گئی تھی"...... صفدر نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تو عمران چونک گیا۔

"صفدر۔ تو کیا تمہیں بھی وہ دھند نظر آئی تھی جو صرف چند لمحے کے لئے تھی"...... عمران نے چونک کر صفدر سے پوچھا۔

"جی ہاں عمران صاحب۔ مجھے بھی وہ دھند نظر آئی تھی"۔ صفدر نے کہا۔

"عمران۔ اس دھند میں ایک انتہائی ہولناک آواز بھی شامل تھی جس میں ہمیں کسی کالی دنیا میں آنے کی دعوت دی گئی ہے"۔ پیچھے بیٹھے تنویر نے بھی حیرت اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں کہا تو عمران چونک گیا۔

"تو گویا یہ میرا وہم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اس دھند میں کسی گرج نما ہولناک آواز نے ہمیں کسی کالی دنیا میں آنے کی دعوت دی ہے"...... عمران نے بھی حیرت سے کہا۔

"جہاں تک میرا اندازہ ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جولیا کو ماورائی طاقتوں نے اغوا کر کے کسی کالی دنیا میں پہنچا دیا ہے"...... تنویر نے کہا۔

"نہیں میرے خیال میں کسی حلوائی نے جولیا کو اغوا کیا ہے تاکہ حلوے کھلا کر اسے موٹا کر سکے اور وہ تم جیسوں کا بھرکس بنا سکے"...... عمران نے احمقانہ لہجے میں کہا تو نہ چاہتے ہوئے بھی صفدر ہنس پڑا اور تنویر غصے سے عمران کی پیٹھ کو گھورنے لگا جو اس ماورائی واقعے کے بعد بھی اپنی حماقتوں سے باز نہیں آیا تھا۔ صفدر نے کار ایک دفعہ پھر آگے بڑھا دی۔

اس بار تینوں خاموش ہی رہے۔ چند لمحوں بعد صفدر نے ایک خوبصورت کوٹھی کے باہر کار روک دی اور کار سے باہر نکل کر گیٹ کے ساتھ آویزاں بیل پر انگلی رکھ دی۔ چند لمحوں بعد گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلا تو ان کو ایک لڑکے کا چہرہ نظر آیا۔

"جی فرمایئے۔ آپ کو کس سے ملنا ہے؟"...... اس لڑکے نے صفدر سے پوچھا۔

"چھوٹے بھائی۔ ہمیں پروفیسر نصیر احمد سے ملنا ہے۔

ان کو کہیں کہ شہر سے علی عمران ان سے ملنے آیا ہے"۔ عمران نے شیشے سے سر باہر نکال کر کہا تو لڑکا اثبات میں سر ہلاتا واپس چلا گیا اور گیٹ کا چھوٹا دروازہ بند کر دیا پھر چند لمحے بعد لڑکے نے گیٹ کا بڑا دروازہ کھول دیا اور گاڑی کو اندر لے آنے کا کہا تو صفدر سر ہلا کر کار میں بیٹھ گیا اور اسے سٹارٹ کر کے کوٹھی کے اندر لے گیا جہاں ایک وسیع پورچ بنا ہوا تھا جہاں دو تین گاڑیوں کے کھڑے ہونے کی گنجائش تھی اور ایک کار وہاں پہلے سے موجود تھی۔ صفدر نے پورچ میں کار کھڑی کر دی اور انجن بند کر دیا۔ پھر تینوں ہی ایک ساتھ باہر نکلے تو لڑکا ان کو لیتے ہوئے مہمان خانے میں آ گیا۔

"آپ لوگ بیٹھیں۔ بابا ابھی آتے ہی ہوں گے"......

لڑکے نے عمران سے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پروفیسر نصیر کا لڑکا۔ ان تینوں کو مہمان خانے میں بٹھا کر باہر نکل گیا۔ صفدر اور تنویر تو صوفوں پر بیٹھ گئے مگر عمران کمرے میں نظر دوڑانے لگا۔ کمرے میں دیوار کے ساتھ ایک ریک لگا ہوا تھا جس میں سلیقے سے کافی کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ ان کتابوں کو دیکھ کر عمران آگے بڑھ کر غور سے کتابوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اچانک عمران چونک گیا۔

☆......☆......☆

"روزا نے حیرت سے اس سیاہ کتاب کو دیکھا اور بیڈ پر بیٹھ کر غور سے اس کو دیکھنے لگی جس پر "کالا جادو" کے الفاظ درج تھے۔ روزا نے حیرت سے کالا جادو کے الفاظ دہرائے اور اس سیاہ کتاب کو کھول دیا۔

"کالی دنیا اور اس کے اسرار" کتاب کے اندر موٹے حروف میں الفاظ لکھے تھے۔ روزا نے تجسس سے کتاب کا ورق مزید پلٹ دیا۔ کالے جادو کی کالی دنیا میں جانے کا راستہ۔

"ازتوماشتری کاغوفاسے میری شا۔ جو ان الفاظ کو سات بار دہرائے گا وہ جلد کالے جادو کی کالی دنیا کی سیر کرے گا۔ جو عجائبات کی سرزمین اور شہنشاہ ظلمات کی انوکھی دنیا ہے"۔

"حیرت ہے۔ یہ کیسی عجیب و غریب کتاب ہے اور اس میں کیا منحوس الفاظ درج ہیں"...... جیسے ہی روزا نے منحوس الفاظ کہے تو روزا کو ایسا محسوس ہوا جیسے کتاب سے ایک سایہ سا نکل کر لہرایا ہو۔ روزا نے غور سے ادھر ادھر دیکھا مگر سایہ کہیں نہیں تھا۔

"حیرت ہے۔ یہ سایہ کیسا تھا؟"...... روزا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ مگر پھر اپنا وہم سمجھ کر غور سے ان الفاظ کو پڑھنے لگی۔ روزا کو معلوم نہیں کیوں اس سیاہ کتاب سے خوف اور نحوست محسوس ہونے لگی۔ روزا بیڈ سے اٹھی اور کتاب کو ہاتھ میں تھامے کھڑکی کی طرف بڑھی تا کہ اس کتاب کو فلیٹ سے باہر پھینک سکے مگر پھر کچھ سوچ کر ایسا نہیں کیا۔ جس میں نامعلوم الفاظ درج تھے جو کالی دنیا میں جانے کا راستہ تھا۔ روزا اپنے تجسس میں ان الفاظ کو بار بار دوہرانے لگی۔ جیسے ہی اندازے کے مطابق روزا نے ساتویں مرتبہ ان نامعلوم الفاظ کو دوہرایا تو اچانک روزا کے ہاتھ کو جھٹکا لگا۔ جیسے کسی نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر جھٹکا دیا ہو اور کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ روزا کو ایک بار پھر ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سر کے اوپر سایہ سا لہرایا ہو۔ روزا نے چونک کر اوپر دیکھا تو انرجی سیور کی روشنی میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔

"حیرت ہے۔ یہ آج رات میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"۔ روزا بڑبڑائی۔ روزا معمول کے مطابق آج رات بھی ہوٹل سے کھانا کھا کر اپنی کار میں فلیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اچانک راستے میں سیاہ رنگت کی ایک فقیرنی جس نے گہرے رنگ کا لباس پہن رکھا تھا، اس کے سامنے سڑک پر آ گئی تھی۔ روزا نے فوراً بریک نہ لگائی ہوتی تو وہ پراسرار فقیرنی کار کے نیچے آ جاتی۔

"کون ہو تم اور کار کے آگے کیوں آئی ہو۔ کیا مرنے کا ارادہ ہے؟"...... اچانک جھٹکا کھا کر کار بند ہو گئی تھی۔ روزا شیشے سے سر باہر نکال کر غصے سے بولی۔

"ہوں۔ حد سے زیادہ سندر ناری ہے تو"...... سیاہ رنگت فقیرنی روزا کے حسین چہرے کو دیکھ کر بولی۔

"کیا مطلب۔ کون ہو تم؟"...... روزا نے حیرت سے اس بوڑھی فقیرنی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جو شہنشاہ ظلمات کی غلامی میں چلا جائے۔ وہ ان معمولی چیزوں سے مرنے والا نہیں"...... پراسرار فقیرنی پھر بولی۔

"کیا تم ہی میرے آقا مہا گمبارو کے خاص دشمن فریدی نامی شخص کی ساتھی روزا ہو"...... پراسرار فقیرنی نے کہا۔

"کیا مطلب۔ کون ہو تم۔ کرنل صاحب اور مجھے کیسے جانتی ہو؟"...... روزا نے حیرت سے اس پراسرار فقیرنی سے

چونک کر پوچھا۔

"میں جو بھی ہوں۔ سندر ناری تمہیں سب پتہ چل جائے گا۔ مگر اس کے لئے تمہیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا ہوگا" یہ کہہ کر پراسرار فقیرنی نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ایک سیاہ کتاب روزا کی کار میں ڈال دی۔

"ضرور پڑھنا اس کتاب کو تا کہ عجائب کی دنیا کی سیر کر سکو جو شہنشاہ ظلمات کے نائب مہا گمبارو کی کالی دنیا ہے"...... یہ کہہ کر پراسرار فقیرنی مسکراتی ہوئی مڑی ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ چونکہ سڑک سنسان تھی اس لئے روزا حیرت سے اس پراسرار فقیرنی کو دیکھنے لگی جو چلتے ہوئے اچانک غائب ہو گئی تھی۔ پھر حیرت سے اس کتاب کو دیکھنے لگی۔ جس میں "کالا جادو" کے الفاظ درج تھے۔ روزا نے کچھ سوچ کر کتاب کو اٹھا کر ڈیش بورڈ پر رکھا اور کار آگے بڑھا دی۔ چند لمحوں بعد روزا اپنے فلیٹ میں تھی اور تجسس سے اس کتاب کو کھول دیا تھا۔

چونکہ روزا کرنل فریدی کی شاگرد تھی اور کرنل فریدی کی محبت میں اسلام قبول کیا تھا اور اسلامی کتابوں کا مطالعہ کر کے سچے دل سے مسلمان ہو گئی تھی اور جب بھی وقت ملتا نماز ضرور پڑھتی تھی۔ چونکہ آج کل کوئی کیس نہیں تھا اس لئے فراغت تھی اس لئے روزا کتابوں سے ہی ٹائم پاس کرتی تھی۔ کبھی کبھار انسپکٹر ریکھا، رشیدہ اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سیر و تفریح کرنے چلی جاتی تھی۔ چونکہ روزا کرنل فریدی کی طرح سنجیدہ مزاج تھی اس لئے زیادہ تر سیر و تفریح سے پرہیز ہی کرتی تھی۔ بس زیادہ تر کتابوں سے ہی ٹائم پاس کرتی تھی البتہ فراغت کے اوقات میں کبھی کبھار کرنل فریدی باہر کے ملک کا دورہ کرتا تو شاذ و نادر روزا کو بھی اپنے ساتھ باہر لے جاتا تھا۔ اسی طرح کرنل فریدی چند بار گریٹ لینڈ میں ٹونی کے ینگ کپل ہوٹل میں بھی روزا کے ہمراہ جا چکا تھا۔ جہاں صرف نوجوان جوڑوں کو ہی جانے دیا جاتا تھا اور ان دنوں روزا، کرنل فریدی کے ہمراہ چل کر خود پر فخر محسوس کرتی تھی۔ روزا دل کی گہرائیوں سے کرنل فریدی کو چاہتی تھی اور اس کی محبت میں اپنا ملک ایکریمیا چھوڑ کر مستقل کافرستان شفٹ ہو گئی تھی لیکن کبھی کرنل فریدی سے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا اور روزا کی یہی ادا کرنل فریدی کو اچھی لگتی تھی۔ چونکہ روزا کے دماغ میں اس کالا جادو نامی کتاب کا تجسس سوار تھا اس لئے روزا نے نہ تو وضو کر کے نماز پڑھی اور نہ ہی آج کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کیا تھا۔ اب چونکہ نامعلوم جھٹکا لگنے سے روزا کے ہاتھ سے کتاب چھوٹ گئی تھی اس لئے روزا نے جھک کر کتاب پھر اٹھا لی۔

"مجھے یہ کتاب جلا دینی چاہئے"...... روزا نے بڑبڑاتے ہوئے خود سے کہا اور کچن کی طرف بڑھی تا کہ اس کتاب کو جلا سکے کیونکہ روزا کو اب اس کالا جادو نامی کتاب سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ اچانک روزا کا سیل فون بجنے لگا تو روزا نے کتاب کو کچن میں رکھا اور کچن سے باہر نکل کر ٹیبل پر موجود اپنا سیل فون اٹھا لیا جس کی اسکرین پر انسپکٹر ریکھا کا نمبر اسپارک کر رہا تھا۔

"ہاں ریکھا۔ کیا حال ہیں۔ آج بڑے دنوں بعد تم نے یاد کیا"...... روزا نے سیل فون آن کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس تمہاری یاد آ رہی تھی۔ سوچا فون کر لوں"...... انسپکٹر ریکھا کی آواز سنائی دی۔

"سناؤ آج کل کیا ہو رہا ہے؟"...... روزا نے پوچھا۔

"ارے ہم نے اور کیا کرنا ہے۔ ظاہری بات ہے بڑی انسپکٹر ہوں اپنی ڈیوٹی کرتی ہوں۔ البتہ جب کرنل صاحب کسی مہم میں شامل ہونے کا کہتے ہیں تو اس وقت تم سے مہم کے دوران ملاقات یقینی رہتی ہے کیونکہ تم تو صرف کرنل صاحب کے لئے ہی کام کرتی ہو۔ کرنل صاحب کے لئے ہی مخصوص ہو"...... انسپکٹر ریکھا کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی جس میں طنز بھی شامل تھا۔ جسے روزا نے واضح محسوس کیا مگر روزا نے کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا کیونکہ روزا اچھی طرح جانتی تھی کہ انسپکٹر ریکھا بھی کرنل فریدی سے بے پناہ الفت رکھتی ہے۔

"سناؤ۔ تمہارے ہریش کا کیا حال ہے؟ مانا کہ وہ ماضی میں تمہارے کافرستان کے انڈر ورلڈ کا نامی گرامی غنڈہ تھا مگر اب تو وہ کرنل صاحب کا پکا وفادار اور تمہارا پکا عاشق ہے"...... سنجیدہ مزاج روزا نے بھی آج انسپکٹر ریکھا کے طنز کا بھرپور جواب دیا۔

"یعنی تم کرنل صاحب کو اپنے لئے ہی مخصوص سمجھتی ہو"۔ انسپکٹر ریکھا کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"دیکھو ریکھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اصل میں تو ایکریمیا کی رہنے والی ہوں مگر کرنل صاحب کی وجہ سے میں کافرستان میں رہتی ہوں۔ کیونکہ کرنل صاحب کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ ان کو چاہا جائے مگر سبھی جانتے ہیں کہ کرنل صاحب خشک مزاج اور عورت ذات سے دور بھاگنے والے ہیں۔ میں

مانتی ہوں کہ میں بھی تمہاری طرح کرنل صاحب کو بہت پسند کرتی ہوں مگر کبھی کرنل صاحب نے تمہاری طرف رغبت رکھی تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ مگر تم کرنل صاحب کے مزاج کو مجھ سے بہتر سمجھتی ہو کہ وہ خشک مزاج ہیں اس لئے تو میں نے کبھی کرنل صاحب سے محبت کا اظہار نہیں کیا اور تم کرنل صاحب کے لئے جذباتی ہو جاتی ہو۔ کرنل صاحب کو یہ اچھا نہیں لگتا“۔ روزا نے اس بار سنجیدہ لہجے میں انسپکٹر ریکھا کو سمجھایا۔

”ہاں۔ تمہاری یہ بات تو درست ہے“...... انسپکٹر ریکھا نے بھی اس بار مختصر جواب دیا۔

”خیر۔ کرنل صاحب نہ سہی مگر ہریش تو تم سے دل و جان سے محبت کرتا ہے“...... اس بار روزا نے پھر کہا۔

”ہاں۔ ہریش بھی اچھا نوجوان ہے مگر کرنل صاحب کی بات ہی کچھ اور ہے“...... روزا کو انسپکٹر ریکھا کی جذبات بھری آواز سنائی دی۔

”اچھا۔ کل ہوٹل فلٹن میں ملاقات کریں گے۔ رشیدہ کو بھی میں کال کرلوں گی لہٰذا کل تینوں اکٹھے ہی ڈنر کریں گے“...... انسپکٹر ریکھا نے چند لمحے کے وقفے کے بعد پھر کہا مگر اس سے پہلے کہ روزا کسی بات کا جواب دیتی اچانک انسپکٹر ریکھا کی کال ڈراپ ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی کمرے کی لائٹ بھی چلی گئی جس سے کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ روزا نے حیرت سے پہلے سیل فون کو پھر بند لائٹ کو دیکھا تو حیرت سے کندھے اچکائے اور اپنے سیل فون کا ٹارچ روشن کردیا مگر جیسے ہی روزا نے ٹارچ روشن کیا۔ روزا کی چیخ نکل گئی کیونکہ ایک دل ہلا دینے والا منظر روزا کا منتظر تھا۔

روزا نے دیکھا کہ اس کے کمرے کی دیواروں پر تازہ سرخ خون بہہ رہا تھا۔ روزا یہ ہولناک منظر دیکھ کر دروازے کی طرف بڑھی مگر یہ دیکھ کر وہ پھر لرز گئی کہ دروازے کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

”یہ۔ یہ سب کیا ہے۔ یہ خون کیسا ہے؟ یہ میرے فلیٹ میں کیا ہو رہا ہے؟ یہ میرے فلیٹ کا دروازہ کہاں گیا۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟“...... روزا نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔ خوف کی حالت میں روزا کے ہاتھ سے اپنا سیل فون چھوٹ کر فرش پر گر گیا تھا اور حیرت انگیز طور پر سیل فون کی ٹارچ بھی آف ہوگئی تھی۔ روزا نے اندازے سے دروازے والی جگہ پر ہاتھ رکھا تو اس کا ہاتھ لتھڑ گیا جیسے کسی غلیظ لیس دار مادے کو اس نے چھوا ہو۔ زندگی میں آج تک ایسا ہولناک واقعہ روزا کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا اس لئے روزا پوری طرح خوفزدہ ہوگئی تھی۔

”یہ سب کیا ہے۔ میں کس عذاب میں پھنس گئی ہوں“۔ روزا پھر خوف کی حالت میں ہذیانی انداز میں چیخی۔

”تم نے کالی دنیا میں جانے کا عمل ساتھ دفعہ پورا کرلیا ہے۔ حسن کی دیوی۔ اب مہا گمبارو کی کالی دنیا تمہاری منتظر ہے“۔ روزا کو اندھیرے میں ایک گرج دار آواز سنائی دی۔ پھر کمرے میں ہر طرف ناگوار سی بو پھیل گئی جو بہت زیادہ تعفن زدہ تھی جس سے روزا کے دماغ میں اندھیرا چھا گیا اور روزا لڑکھڑا کر نیچے گر کر بے ہوش ہوگئی۔

☆......☆......☆

”گاڑی اونچے نیچے راستوں سے گزر رہی تھی۔ راستہ چونکہ پہاڑی تھا اس لئے کئی موڑ تھے مگر انور بڑی ہوشیاری سے گاڑی چلا رہا تھا جیسے پہاڑی راستوں میں گاڑی چلانے کا عادی ہو۔ وہ خوبصورت اور سرسبز پہاڑی علاقہ تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر تھے اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔

”واہ۔ کیا قدرت کا نظارہ ہے“...... ساتھ بیٹھے حمید نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا جو انور کے ساتھ عقبی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ انور مسکراتے ہوئے حمید کو دیکھنے لگا جو اس کشیدہ ماحول میں بھی اپنی عاشق مزاجی سے باز نہیں آیا تھا۔ دراصل حمید نے پہاڑی کے خوبصورت نظاروں کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس نہیں بھری تھی بلکہ ایک چھوٹے سے پلاٹ میں بیٹھی چند نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کر کہا تھا جو لانگ ٹینس کھیل رہی تھیں۔ کرنل فریدی بھی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر اکیلا بیٹھا تھا اور گہری سوچ میں گم تھا جیسے وہ یہاں ہو ہی نا۔

”جناب والا۔ کیا بات ہے۔ آج تو آپ نے خاموشی کے عالمی ریکارڈ توڑ دیئے۔ کیا آج نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے؟“...... حمید نے سر پیچھے کرکے کرنل فریدی سے کہا۔

”نور عالم شاہ صاحب کا گھر کتنی دور ہے؟“...... دفعتاً کرنل فریدی نے سوچوں سے نکل کر انور سے سوال کیا اور حمید کی باتوں پر توجہ نہ دی۔

”سر۔ پہنچنے ہی والے ہیں“...... انور نے ادب سے جواب دیا البتہ حمید نے منہ بنالیا کیونکہ کرنل فریدی نے اس کی

بات پر توجہ نہیں دی تھی۔

دراصل کرنل فریدی کو ہریش نے بتایا تھا کہ انسپکٹر ریکھا نے رات کو روزا کو اس کے فلیٹ فون کیا تھا مگر باتوں کے دوران ہی روزا کی کال ڈراپ ہوگئی تھی پھر بقول ریکھا کے اس نے روزا کو دوبارہ تین چار مرتبہ پھر کال ملائی مگر روزا کا فون آف ہی ملا جس پر ریکھا چونک گئی کہ ایسا تو روزا کبھی نہیں کرتی اور فون بھی روزا کا ڈیڈ تھا۔ ”ریکھا نے مجھے فون کرکے بتایا کہ روزا کسی مشکل میں ہے کیونکہ اس کے سیل فون، ٹیلی فون، سیٹلائٹ فون اور اسپیشل ڈکٹافون سب ہی آف ملے۔ حالانکہ اچھی بھلی بات ہو رہی تھی کہ اچانک ہی کال ڈراپ ہوئی اور باقی تمام فون آف ہوگئے۔ میں نے ریکھا کے فون کے فوراً بعد زیرو فورس کے ممبرز کو فون کیا جو روزا کے فلیٹ کے باہر ہر وقت نگرانی پر مامور رہتے ہیں مگر زیرو فورس کے ممبرز نے مجھے بتایا کہ روزا کے فلیٹ میں تو کوئی بھی نہیں آیا اور نہ ہی ایسی کوئی حرکت ہم نے دیکھی ہے کیونکہ روزا کا فلیٹ مسلسل ان کی نظروں میں ہے۔ پھر میں نے خود روزا کو فون کیا۔ اس کے ہر نیٹ ورک پر، مگر جواب ندارد۔ اس پر میں خود تیزی سے اپنی گاڑی پر روزا کے فلیٹ گیا جہاں زیرو فورس کے ممبرز مستعدی سے فلیٹ کی نگرانی کر رہے تھے۔ میں اکیلا روزا کے فلیٹ گیا مگر لاکھ گھنٹی بجانے اور دروازہ پیٹنے پر بھی روزا نے دروازہ نہ کھولا تو میں نے دروازہ توڑ دیا مگر دروازہ توڑتے ہی مجھے انتہائی ناگوار بو اور دھواں نظر آیا۔ گوکہ دروازہ بند تھا مگر سوراخوں سے بھی دھواں نکل سکتا تھا مگر حیرت انگیز طور پر ناگوار بو والا دھواں کمرے کے اندر ہی چکرا رہا تھا۔ بو اتنی ناگوار تھی کہ میرا دم گھٹنے لگا مگر میں منہ پر رومال لپیٹ کر اندر چلا گیا۔

کمرے میں ہر طرف پراسرار دھواں چکرا رہا تھا اور ایک نامعلوم پراسرار جیسی روشنی کمرے میں حیرت انگیز طور پر موجود تھی۔ اس پراسرار روشنی میں مجھے کمرے میں ہر چیز جلی ہوئی نظر آئی مگر لاکھ ڈھونڈنے پر پورے فلیٹ میں مجھے روزا کا زندہ یا مردہ وجود نظر نہ آیا۔ روزا کا سیل فون بھی اس کے کمرے میں ہی موجود تھا مگر روزا کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ میں نے بلیک فورس کے ممبرز کی مدد سے روزا کو پوری عمارت میں ڈھونڈا مگر روزا کا کچھ پتہ نہیں لگ سکا اور روزا کے کمرے کی صورتحال سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ روزا کو ماورائی طاقتوں نے اغوا کیا ہے۔“

کن ماورائی قوتوں نے روزا کو اغوا کیا اور کس مقصد کے لئے اغوا کیا ہے اس بارے میں بقول ہریش کے وہ لاعلم تھا۔

ہریش کی باتوں سے کرنل فریدی خود روزا کے فلیٹ گیا تھا مگر اس وقت پراسرار دھواں تو ختم ہو چکا تھا مگر روزا کے کمرے کی ہر چیز جلی ہوئی ملی تھی مگر روزا کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ کرنل فریدی چند بار ماورائی اور شیطانی طاقتوں سے نبرد آزما ہو چکا تھا مگر اس بار کسی زبردست شیطانی طاقت نے اسے چیلنج کرنے کے لئے روزا کو اغوا کرلیا تھا۔ گوکہ کرنل فریدی کافرستان کا رہنے والا تھا مگر سچا مسلمان تھا۔ ویسے بھی کافرستان میں تیس کروڑ سے زائد مسلمان ہیں۔

جن دنوں کرنل فریدی اپنی پوری ٹیم کے ساتھ بیرونی دورے پر ہوتا ان دنوں ہی زیرو لینڈ یا ریڈ ڈ ےجھ جیسی عالمی مجرم تنظیمیں کافرستان کا رخ کرتی تھیں۔ یہ دو ایسی ہولناک اور بدنام زمانہ مجرم تنظیمیں ہیں جن کا نام سن کر دنیا کی حکومتیں خوف سے لرز جاتی ہیں مگر کرنل فریدی اور اس کی ٹیم کی موجودگی میں کسی دہشت گرد تنظیم کا فرستان میں دہشت پھیلانے کی ہمت بہت کم ہی کرتے تھے۔

ایک مسلمان ہونے کے ناطے کرنل فریدی کا کافرستان کے مسلمان عالموں سے بھی رابطہ تھا روزا چونکہ اس کی محبت میں مسلمان ہوئی تھی۔ گوکہ اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد روزا سچے دل سے مسلمان ہوگئی تھی اور اپنا ملک ایکریمیا چھوڑ کر کافرستان میں بس گئی تھی۔ اس کے علاوہ روزا کرنل فریدی کی طرح خشک و سنجیدہ مزاج تھی مگر بردبار لڑکی تھی اور کرنل فریدی سے شدید محبت کرنے کے باوجود بھی اس سے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا اور اس کی یہی ادا کرنل فریدی کو اچھی لگتی تھی۔ ویسے تو کرنل فریدی اپنی ٹیم کے ہر ممبر کو دل و جان سے چاہتا تھا اور ان کا خیال بھی کرتا تھا۔

کرنل فریدی کی ٹیم میں انسپکٹر جگدیش، ہریش اور انسپکٹر ریکھا گوکہ غیر مسلم یعنی ہندو تھے مگر کرنل فریدی اپنے ہر ممبر کو دل و جان سے چاہتا تھا اور کرنل فریدی کا بھی ہر ممبر ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ کرنل فریدی کی ممبر انسپکٹر مس ریکھا اور زیرو لینڈ کی دوسری ناگن نانوتا بھی کرنل فریدی کو دل و جان سے چاہتی تھیں مگر روزا نے چونکہ اس کی خاطر اپنا وطن چھوڑا تھا اور اس کی طرح خشک و سنجیدہ تھی اس لئے کرنل فریدی، روزا کو پسند کرتا تھا مگر اپنی خشک مزاجی کی وجہ سے روزا اور کرنل فریدی

نے کبھی ایک دوسرے سے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔

کرنل فریدی جذبات کو ہرگز ترجیح نہیں دیتا تھا۔ روزا چند بار مجرم تنظیموں کے ہاتھوں اغوا ہو چکی تھی۔ کبھی تو اکیلی ہی مجرموں کی درگت بنا کے خود ہی ان کی گرفت سے نکل چکی تھی اور چند بار کرنل فریدی ان ایکشن ہو کر روزا کی مدد کر چکا تھا مگر اس دفعہ معاملہ اور تھا اور پہلی دفعہ کسی مجرم تنظیم نے نہیں بلکہ کسی خوفناک ماورائی طاقت نے روزا کو اغوا کیا تھا اس لئے کرنل فریدی پریشان تھا کہ کس شیطانی طاقت نے روزا کو اغوا کیا ہے اور کس مقصد کے لئے کیا ہے؟

اس بارے میں کرنل فریدی لاعلم تھا اسی لئے کرنل فریدی شہر سے دور نینی تال کے خوبصورت پہاڑی علاقے میں کیپٹن حمید اور کرائم رپورٹر انور کے ہمراہ اپنے اسپیشل ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر وہاں پہنچا تھا اور بلیک فورس کے ذیلی کوارٹر پہنچ کر گاڑی میں نور عالم شاہ سے ملنے جا رہا تھا جو بہت اللہ والے بزرگ تھے۔

دراصل انور نے ہی کرنل فریدی کو نور عالم شاہ سے ملوایا تھا جو وہاں کے پرفضا مقام پر ایک پہاڑی کی چوٹی پر ان کا حجرہ تھا۔ جہاں مریدین کا رش لگا رہتا تھا۔ متعدد بار نور عالم شاہ سے کرنل فریدی مل چکا تھا اور ان کی پرنور شخصیت سے بہت متاثر تھا اور چند بار ماورائی کیسز میں ان سے مدد بھی لے چکا تھا۔

اب روزا کے پراسرار اغوا نے کرنل فریدی کو پریشان کر دیا تھا اور انور کے کہنے پر کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور انور کے ہمراہ نور عالم شاہ کے ملنے جا رہا تھا۔ انور تو کرنل فریدی کے ہمراہ چند بار نور عالم شاہ سے مل چکا تھا مگر کیپٹن حمید، انور اور کرنل آفریدی کے ہمراہ پہلی بار نور عالم شاہ سے ملنے جا رہا تھا۔ گاڑی پہاڑی علاقے میں اونچے نیچے راستے سے گزر رہی تھی اور خوبصورت سرسبز پہاڑی بادلوں سے ڈھکی ہوئی تھی سڑک چوڑی اور صاف تھی اس لئے انور پراعتماد طریقے سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اگر راستہ خطرناک بھی ہوتا تو کرنل فریدی کو اپنے ہر ممبر کی ڈرائیونگ پر مکمل بھروسا تھا۔

"جناب والا۔ کیا نور عالم شاہ صاحب روزا کے پراسرار اغوا کے بارے میں بتا پائیں گے"...... کیپٹن حمید نے سر پیچھے کر کے کرنل فریدی سے پوچھا۔

"ہاں حمید۔ مجھے مکمل یقین ہے کہ نور عالم شاہ اس ماورائی کیس میں میری مدد ضرور کریں گے"...... کرنل فریدی نے اعتماد سے کہا۔

"ویسے پاکیشیا کا احمق بھی کئی دفعہ ماورائی طاقتوں کے شکنجے میں پھنس چکا ہے مگر اپنے حبشی غلام جوزف کی مدد سے وہ کئی دفعہ موت کے منہ سے بچا ہے"...... کیپٹن حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں۔ تمہاری بات ٹھیک ہے۔ جوزف کئی مرتبہ شیطانی طاقتوں سے عمران کو بچا چکا ہے اور شیطانی طاقتوں کا خاتمہ بھی کر چکا ہے مگر پاکیشیا کے ایک ولی صفت بزرگ سید چراغ شاہ بھی اپنی روحانی طاقتوں سے عمران کی مدد کر چکے ہیں اور عمران ان کی مدد اور دعاؤں سے بے شمار رذیل قوتوں کا خاتمہ کر چکا ہے"۔ انور نے کیپٹن حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نور عالم شاہ بھی اللہ والے بزرگ ہیں۔ شیطان کی رذیل طاقتوں کے خلاف وہ ہماری ضرور مدد کریں گے"...... کرنل فریدی نے کیپٹن حمید اور انور کی باتیں سن کر اعتماد سے کہا۔ گو کہ روزا کے پراسرار اغوا نے اسے پریشان کر دیا تھا مگر کرنل فریدی کو نور عالم شاہ پر مکمل بھروسا تھا کہ وہ اس کیس میں اس کی مدد ضرور کریں گے اس لئے وہ پرامید تھا۔

"ہاں سر۔ آپ کی بات درست ہے۔ نور عالم شاہ صاحب اس سفلی و پراسرار کیس میں آپ کی رہنمائی ضرور کریں گے"...... انور نے کرنل فریدی کی بات سن کر ادب سے جواب دیا۔

انور نے جیسے ہی پہاڑی راستے میں موڑ کاٹا تو یکدم گاڑی کو بریک لگا دیئے۔ گاڑی کے پہیوں سے چرچراہٹ کی آواز گونجی اور گاڑی رک گئی کیونکہ موڑ مڑتے ہی سڑک کے درمیان میں آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن تھا۔ معلوم نہیں کس نے سڑک کے درمیان اچانک آگ جلا دی تھی۔ اگر انور ایک لمحے کی بھی تاخیر کرتا تو گاڑی آگ کے بھڑکتے الاؤ میں گھس جاتی۔ اس آگ کے شعلے سرخ کی بجائے سیاہ تھے اور اس اچانک بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھ کر تینوں پریشان ہو گئے۔

☆......☆......☆

"روزا کو ہوش آیا تو اس نے خود کو بدلے ہوئے ماحول میں پایا تو حیران ہو گئی۔ اسے اپنے اوپر بیتے ہوئے سابقہ واقعات یاد آ گئے کہ کس طرح وہ اپنے کمرے میں کالا جادو نامی کتاب میں درج الفاظ دہرانے کے بعد خوفناک حادثے کا شکار ہوئی تھی۔ روزا اپنے فلیٹ کے کمرے والے ہولناک واقعات کو یاد کر کے کانپ اٹھی اور اب حیرت سے خود کو نئی جگہ پر دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ ہر طرف سنگلاخ چٹان پہاڑیاں تھیں۔ روزا اٹھ کھڑی ہوئی اور ہر طرف نظریں دوڑانے لگی مگر دور دور تک کسی چیز کے آثار نہیں تھے۔ ہر سو خشک پہاڑ اس کو منہ چڑا رہے تھے۔ روزا خود کو اس سنسان اور ویران جگہ پر دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"یا اللہ پاک۔ یہ میں کس گورکھ دھندے میں پھنس گئی ہوں؟"۔ روزا خود سے بڑبڑائی۔ روزا بزدل ہرگز نہیں تھی مگر یہاں روزا کسی مجرم تنظیم کے ہتھے نہیں چڑھی تھی کہ ہمت کا مظاہرہ کرتی۔ روزا سمجھ چکی تھی کہ کالا جادو نامی کتاب کے منحوس الفاظ دوہرا کر وہ شیطانی طاقتوں کے ذریعے کسی رذیل شیطانی دنیا میں پہنچا دی گئی ہے اس لئے وہ پریشان تھی کہ وہ کیسے اس شیطان کی خوفناک دنیا سے نکلے گی۔

روزا کو خود پر بھی بے پناہ غصہ آ رہا تھا کہ اس نے بغیر سوچے سمجھے اس منحوس کالا جادو نامی کتاب کے مخصوص الفاظ سات مرتبہ دہرائے جس کے ذریعے وہ پراسرار طور پر کالی دنیا کی عجیب و پراسرار سرزمین میں غالباً پہنچا دی گئی تھی جہاں سے نکلنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ روزا چونکہ اپنی ہی غلطی سے اس انجان دنیا کی قیدی بنی تھی اس لئے سوائے خود کو کوسنے اور پچھتانے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"اچھا جو غلطی ہو گئی سو ہو گئی اب مجھے فوراً اس منحوس جگہ سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنا ہوگا"...... روزا نے خود سے کہا اور ہنکارہ بھر کر خشک پہاڑی راستے پر آگے بڑھنے لگی۔ اس خشک پہاڑی راستے پر کوئی باقاعدہ راستہ نہیں بنا ہوا تھا۔ مگر روزا پھر بھی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ جیسے کسی آسان راستے پر چل رہی ہو۔ دراصل کرنل فریدی نے اسے ہر فن میں یکتا کر دیا تھا۔ روزا کو کرنل فریدی نے مارشل آرٹ، کمانڈو ایکشن، تکوانڈو، غرض ہر فن میں یکتا کر دیا تھا۔ روزا کافی ویران و ویران پہاڑوں پر بھٹکتی رہی مگر سوائے چٹیل پہاڑ کے اسے کچھ نظر نہ آیا تو اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار ظاہر ہو گئے۔

"یا خدایا۔ یہ میں کیسی ہولناک دنیا میں پھنس گئی ہوں جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا؟"...... روزا نے تھک ہار کر پریشانی سے ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے خود سے کہا۔ روزا کچھ دیر تو پریشانی سے ہونٹ چباتی رہی اور پھر ہمت کر کے اٹھی اور ہر طرف نظریں دوڑانے لگی مگر آسمان پر سورج اور زمین پر سنگلاخ چٹانوں کے کچھ نہیں تھا۔

"کوئی ہے یہاں۔ اس سنسان جگہ پر کون لایا ہے مجھے؟"۔ روزا زور سے چلائی تو ان پہاڑوں پر اس کی بازگشت دور تک سنائی دی مگر کوئی اس کے سامنے نہ آیا۔ وہ ایک دفعہ پھر ہمت کر کے اٹھی اور پھر آگے بڑھنے لگی جیسے اس سنسان جگہ سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر لے گی۔ جس جگہ اس کو ہوش آیا تھا اب وہ وہاں سے کافی آگے آ چکی تھی۔ اب اس نے خود کو سیاہ رنگ کے پہاڑوں پر محسوس کیا۔ یہاں پہاڑوں کا رنگ توے کی طرح کالا سیاہ تھا۔ خود کو اتنے کالے سیاہ پہاڑوں پر محسوس کر کے وہ گھبرا گئی۔ معلوم نہیں وہ تیزی سے چلتی ہوئی کس خوفناک جگہ پر آ گئی تھی۔ اس کو ایک سیاہ پہاڑ کے درے پر سرخ رنگ کا دروازہ نظر آیا۔ یہ سرخ دروازہ لکڑی کا لگ رہا تھا۔ وہ اب حیرت سے اس سرخ دروازے کو دیکھنے لگی جس کے درمیان میں ایک چمگادڑ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس نے چمگادڑ والے سرخ دروازے کو حیرت اور خوف سے دیکھا اور آہستہ آہستہ اس دروازے کے قریب پہنچ گئی اور غور سے چمگادڑ کی تصویر کو دیکھنے لگی۔ اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے چمگادڑ کی سرخ انگارہ آنکھیں اس کو گھور رہی ہوں جیسے وہ چمگادڑ کی تصویر نہ ہو بلکہ کوئی اصل چمگادڑ دروازے پر بیٹھا ہو۔

"لگتا ہے مجھ پر اس سنسان جگہ کا اثر غالب ہونے لگا ہے"۔ وہ خود سے بولی اور ہنکارہ بھر کر سرخ دروازے پر زور سے لات رسید کر دی۔ جیسے ہی اس نے سرخ دروازے کو لات رسید کی دروازہ جھٹکے سے کھل گیا۔ تو اس نے دیکھا کہ اندر گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے اور اندر کچھ نظر نہیں آ رہا۔ وہ اب شش و پنج میں پڑ گئی کہ وہ اندر داخل ہو یا نہ ہو کیونکہ سوائے تاریکی کے اندر کچھ نہیں تھا۔ آخر کافی سوچ بچار کے بعد اس نے جی کڑا کر کے اس اندھیرے میں گھسنے کا ہی فیصلہ کر لیا کہ شاید یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ مل جائے کیونکہ ان خشک پہاڑوں میں کافی دیر چلنے کے باوجود اسے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ چونکہ دروازہ تو ویسے ہی اس کے پاؤں رسید کرنے سے کھل چکا تھا اس لئے دھڑکتے دل کے ساتھ چمگادڑ کی تصویر والے سرخ دروازے کے اندر قدم رکھ دیا اور اندر داخل ہو گئی۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی تو اچانک زوردار گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ ایک تو اندر پہلے ہی اندھیرا تھا دوسرا دروازہ بھی بند ہو گیا تھا اس لئے اب وہ تاریکی کی قیدی بن گئی تھی۔

"یہ۔ یہ دروازہ کس نے بند کیا۔ کون ہے یہاں۔ مجھے کس لئے اس ہولناک دنیا کا قیدی بنایا گیا ہے؟"...... روزا اتنے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں خوف کا شکار ہوکر ہذیانی انداز میں چلائی۔ اس کے چلانے پر جواب تو ندارد ہی تھا مگر اس تاریک جگہ میں ہلکی ہلکی پراسرار سرمئی رنگ کی روشنی پھیل گئی۔ اب اس پراسرار روشنی میں اس نے غور کیا تو خوف سے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے خود کو ایک ہولناک قربان گاہ میں محسوس کیا۔ یہ ایک چوکور کمرہ تھا جس کی دیواروں پر جگہ جگہ سیاہ اور خوفناک چمگادڑوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ بظاہر تو یہ تصاویر تھیں مگر ان چمگادڑوں کی بے نور آنکھوں سے گویا آگ کے شعلے سے نکلتے نظر آرہے تھے اور کمرے کے وسط میں چمگادڑ کا ایک بہت بڑا بت ایستادہ تھا۔

اس چمگادڑ کے بت کے قدموں میں سات پیالے پڑے تھے۔ روزا خود کو اس خوفناک کمرے میں دیکھ کر خوفزدہ ہوگئی۔ معلوم نہیں اس چمگادڑ کے قوی ہیکل بت کے قدموں تلے سات پیالے کیوں پڑے تھے یہ روزا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اچانک پراسرار دھیمی روشنی کہاں سے آئی ہے۔ روزا خوفزدہ نگاہوں سے اس بھیانک کمرے کی ہر چیز کو دیکھنے لگی۔ روزا نے دیکھا کہ روشنی ہونے کے بعد وہ دروازہ ہی غائب ہو چکا تھا جہاں سے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اب وہاں سپاٹ دیوار اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ روزا سمجھ گئی کہ وہ شیطان کی رذیل قوتوں کا شکار ہوکر اس کی کالی دنیا کی قیدی ہو چکی ہے۔ جہاں سے نکلنا کوئی اتنا آسان نہیں ہوگا۔

"کوئی ہے یہاں۔ میں اس ہولناک دنیا کی قیدی کس طرح بنی ہوں؟ مجھے یہاں کون لایا ہے؟ آخر میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا جارہا؟"...... روزا زور سے چلائی۔ چمگادڑ کے قوی ہیکل بت کو دیکھ کر اس کے وجود میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی اس لئے وہ ایک دفعہ پھر زور سے چلائی مگر اس بار بھی جواب ندارد تھا۔ اسے اس قربان گاہ میں گھٹن اور خوف آنے لگا اس لئے روزا اس بھیانک کمرے سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگی تو اسے قربان گاہ میں ایک اور سالخوردہ دروازہ نظر آیا جو کمرے کے کونے میں تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور دروازے کے قریب پہنچ کر پھر زور سے لات رسید کی تو سالخوردہ دروازہ جھٹکے سے کھل گیا۔ دوسری طرف بھی مدھم سی روشنی تھی اور قربان گاہ کے کمرے کے دروازے کے اندر سیڑھیاں اوپر کو جا رہی تھیں۔

روزا ویسے بھی چونکہ کالی دنیا کی قیدی بن چکی تھی اس لئے قربان گاہ سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر جیسے ہی اوپر پہنچی اسے ایک طویل راہداری نظر آئی۔ اس راہداری میں اسے بے شمار کمرے نظر آئے جو کہ بند تھے۔ اب اس کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں جائے کیونکہ راہداری بہت طویل تھی اور کافی آگے جا کر بائیں طرف گھوم رہی تھی۔

"یہ پہاڑوں کے اندر میں کن بھول بھلیوں میں پھنس گئی ہوں؟"...... وہ خود سے بڑبڑائی اور کندھے اچکا کر راہداری میں آگے بڑھنے لگی جہاں بے شمار کمرے تھے جو کہ بند تھے۔ وہ اس راہداری سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے کے لئے آگے بڑھنے لگی۔ آگے جا کر رہداری بائیں طرف گھومی تو وہ بھی مزید آگے بڑھی اور بائیں طرف گھوم گئی جیسے ہی وہ بائیں طرف گھومی تو خوف سے اس کی چیخ نکل گئی کیونکہ ایک دل ہلا دینے والا ہولناک منظر اس کا منتظر تھا۔

☆......☆......☆

"عمران کو کتابوں کے ریک میں "کالا جادو اور کالی دنیا" نامی ایک کتاب نظر آئی۔ اس کتاب کو دیکھ کر عمران چونک گیا تھا۔ اس نے کالا جادو نامی یہ کتاب اٹھالی اور غور سے اس کو دیکھنے لگا جس کے ٹائٹل پر عملیات کی دنیا بھی لکھا ہوا تھا۔ کتاب کافی ضخیم اور موٹی تھی۔ عمران ابھی اس ضخیم کتاب کو دیکھ ہی رہا تھا کہ کمرے میں ایک ادھیڑ عمر بزرگ تشریف لائے۔

"پروفیسر صاحب۔ میں تو سمجھا تھا کہ ہم کئی دن آپ کے دیدار کو ترستے رہیں گے"...... عمران نے ان ادھیڑ عمر بزرگ کو دیکھ کر کہا جو دراصل پروفیسر نصیر احمد تھے جو پاکیشیا کے پائے کے اسکالر اور علم شناس شخصیت تھے۔

"عمران بیٹا۔ تم آؤ میرے غریب خانے پر اور میں تم سے ملنے کی دیر کروں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ عمران بیٹا تم جیسے محب وطن کے لئے تو میں ہر وقت ملنے کو تیار ہوں"...... پروفیسر نصیر احمد نے عمران کی بات سن کر ہنستے ہوئے کہا۔ تنویر اور صفدر بھی پروفیسر نصیر احمد کو دیکھ کر احترام سے اٹھ کر سلام کرنے لگے۔ پرفیسر نصیر احمد صاحب گو کہ پینٹ کوٹ اور ٹائی میں ملبوس تھے مگر چہرے پر سنت کے مطابق داڑھی تھی اور سر پر نماز والی ٹوپی تھی۔ سفید رنگت اور دبنگ شخصیت کے مالک تھے مگر چہرے پر عاجزی تھی اور ہاتھ میں چھوٹی سی تسبیح تھی۔

تنویر اور صفدر کے برعکس عمران پروفیسر صاحب سے ملنے کی بجائے ہونقوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"عمران بیٹے۔ یہ تم ادھر ادھر کیا دیکھ رہے ہو"...... پروفیسر نے عمران کو ہونقوں کی طرح دیکھتے ہوئے دیکھ کر حیرت سے اس سے پوچھا۔

"میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہاں غریب کون ہے۔ مگر مجھے دور دور تک کوئی غریب، یتیم، مسکین، نظر نہیں آرہا"...... عمران نے بدستور احمقوں کی طرح ادھر ادھر نظریں گھماتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب عمران بیٹے۔ میں کچھ سمجھا نہیں"...... پروفیسر نصیر احمد نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے ایک جانی پہچانی آواز آئی تھی کہ کوئی خود کو غریب خانہ کہہ رہا تھا"...... عمران نے مسکین لہجے میں کہا تو پروفیسر صاحب بے اختیار ہنس پڑے۔

"تم کبھی نہیں سدھرو گے عمران۔ تم ویسے کے ویسے ہی ہو۔ شرارتی کہیں کے"...... پروفیسر نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔ صفدر تو عمران کی اس حرکت پر مسکرانے لگا مگر تنویر غصے سے عمران کو دیکھنے لگا جو یہاں بھی اپنی حماقتوں سے باز نہیں آیا تھا۔

"عمران بیٹا۔ تم لوگوں کو کافی عرصے کے بعد کیسے میری یاد آگئی"...... پروفیسر صاحب نے شفقت بھرے انداز میں کہا۔ انہیں عمران کو اپنے گھر میں دیکھ کر بہت خوشی ہورہی تھی۔

"پروفیسر صاحب۔ ہم ایک مشکل میں ہیں اور آپ کے پاس اسی سلسلے میں آئے ہیں۔ دراصل ہماری ایک ساتھی پراسرار طور پر اغوا ہوگئی ہے"...... اس سے پہلے کہ عمران کچھ بولتا، صفدر نے پروفیسر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر جولیا کے پراسرار اغوا کی تفصیل بتانے لگا۔ اس دوران عمران خاموش ہی رہا اور پرفیسر صاحب غور سے صفدر کی بات سننے لگے۔

"پروفیسر صاحب۔ ہماری ہاتھی۔ اوہ سوری۔ ہماری بہت پیاری ساتھی ہمیں چھوڑ کر کہیں بھاگ گئی ہے اور اس کا بھائی اپنی بہن کے لئے بہت پریشان ہے۔ آپ ہماری پریشانی دور کردیں تاکہ اس کا بھائی اپنی بہن سے مل کر پرسکون ہوجائے"...... عمران نے احمقانہ لہجے میں کہا تو تنویر قہر آلود نگاہوں سے عمران کو گھورنے لگا۔ مگر کچھ بولا نہیں تاکہ بدمزگی نہ ہوجائے۔

"عمران بیٹے۔ کیا تم نے اس سلسلے میں سید چراغ شاہ صاحب سے بات کی"...... پروفیسر نصیر احمد نے عمران کے مذاق کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ چونکہ وہ صفدر سے جولیا کے پراسرار اغوا کی مکمل تفصیل سن چکے تھے اس لئے سنجیدہ لہجے میں عمران سے پوچھا۔

"نہیں پروفیسر صاحب۔ ہماری سید چراغ شاہ صاحب سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ ہم ان سے ملنے ضرور گئے تھے مگر وہ کہیں گئے ہوئے ہیں اس لئے تو ہم آپ کے پاس آئے ہیں تاکہ آپ ہماری کچھ مدد کرسکیں"...... اس بار عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور راستے والے پراسرار واقعہ کے بارے میں بھی پروفیسر صاحب کو بتا دیا جو ان کو کسی کالی دنیا میں آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

"عمران بیٹا۔ تم کئی مرتبہ ماورائی طاقتوں کے شکنجے میں پھنس چکے ہو مگر اللہ کے کرم سے تم نے ہمیشہ باطل پر فتح پائی ہے۔ اس مرتبہ بھی انشاء اللہ تم باطنی طاقتوں پر فتح ضرور پاؤ گے۔ مگر مجھ سے جتنا ہوسکا میں تم لوگوں کی مدد کروں گا"...... پروفیسر صاحب نے فکر مندی سے کہا۔ جیسے ان کو جولیا کے پراسرار اغوا کی پریشانی ہوئی ہو۔

"پروفیسر صاحب۔ پہلے تو اس کتاب کے بارے میں بتائیں جو سامنے ٹیبل پر پڑی ہے۔ اس موٹی کتاب کا نام دیکھ کر میری روح فنا ہورہی ہے"...... عمران نے کالا جادو اور کالی دنیا نامی ضخیم کتاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"عمران بیٹے۔ یہ کتاب بہت ہی معلوماتی ہے۔ اس کتاب میں قدیم جادو کی ابتدا یعنی جادو کب سے اور کیسے شروع ہوا۔ مختلف مذہب میں جادو کا تصور اور جادو کس طرح ہوتا ہے اور اسلامی لحاظ سے اس کا توڑ کیا ہے۔ یہ سب باتیں تفصیل سے اس کتاب میں درج ہیں"...... پروفیسر صاحب نے عمران سے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"پروفیسر صاحب۔ میں نے سنا ہے کہ بعض جگہ جادو کو مذہبی حیثیت بھی حاصل رہی ہے"...... صفدر نے پروفیسر صاحب سے سوال کیا۔

"ہاں بیٹا۔ قدیم دور میں فراعین کی سرزمین مصر میں جادوگروں اور ساحروں کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ جو جتنا بڑا جادوگر ہوتا اسے دربار میں اتنا بڑا رتبہ ملتا۔ انہیں کاہن اعظم اور پیشوائے اعظم کا لقب دیا جاتا تھا۔ قدیم مصری دور میں چند بڑے ساحروں کے شیطانی علوم کی وجہ سے دریائے نیل پر بھی بہت بھیانک اثر ہوا۔ مصر کا دریائے نیل ہزاروں برس ہر

سال کنواری اور حسین ترین دوشیزہ کی قربانی مانگتا تھا پھر حضرت عمرؓ کے دور میں ان کے فرمان جو انہوں نے دریائے نیل کے نام رقعہ لکھا تھا اس کی بدولت دریائے نیل پر شیطانی عمل کا بدترین اثر ختم ہوگیا تھا جو ہر سال سحر کی بدولت خشک ہو جاتا تھا اور حسین دوشیزہ کی بھینٹ دینے کے بعد رواں ہوتا تھا“...... پروفیسر صاحب نے صفدر کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”محترم۔ اسلام میں جادو کی کیا اہمیت ہے“...... اس بار تنویر نے پوچھا۔

”میرے بچے۔ ہمارے مذہب میں جادو سیکھنے والا اور کرنے والا اسلام کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔ اسلام ہمیں جادو سیکھنے، سکھانے اور عمل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا“...... پروفیسر صاحب نے کہا۔

”پروفیسر صاحب۔ آپ کے نزدیک ہمارے مذہب میں سب سے پسندیدہ عمل کیا ہے“...... اس بار عمران نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

”عمران بیٹا۔ جو مسلمان پنجگانہ نماز پڑھتے ہیں وہ اللہ کے قریب ہوتے ہیں“...... پروفیسر صاحب نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

اب پروفیسر صاحب نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور تسبیح ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھنے لگے۔ عمران، تنویر اور صفدر پروفیسر صاحب کو دیکھنے لگے۔ پروفیسر صاحب کافی دیر تک کچھ پڑھتے رہے پھر آنکھیں کھول دیں تو ان کی آنکھیں ہلکی سرخ تھیں اور پریشانی ان کے چہرے پر عیاں تھی۔

”کیا ہوا پروفیسر صاحب۔ آپ کے چہرے پر پریشانی ظاہر ہو رہی ہے؟ لگتا ہے ہماری ساتھی کسی سخت مشکل میں ہے“...... صفدر نے پروفیسر صاحب کو آنکھیں کھولے دیکھ کر چونک کر پوچھا۔

”میرے عزیزو۔ واقعی تمہاری ساتھی انجانے میں ایک بہت بڑے کالے علم کے ماہر اور شیطان کے خاص ساتھی مہا گمبارو کے ہاتھ لگ چکی ہے۔ مہا گمبارو کی براہ راست شیطان مردود تک رسائی حاصل ہے۔ ہزاروں لاکھوں بدروحیں اور بے شمار سفلی طاقتیں اس کے قبضے میں ہیں۔ وہ اپنے ایک خاص مقصد کے لئے تم لوگوں کی ساتھی جولیا اور کافرستان کے کرنل فریدی کی ساتھی روزا کو بھی اغوا کرچکا ہے۔ اب وہ دونوں ایک انجانی دنیا میں یعنی شیطان پرستوں کی بنائی گئی کالی دنیا کی قیدی بن چکی ہیں۔ ایک ایسی ہولناک دنیا جہاں صرف شیطان پرستوں کا ہی راج چلتا ہے اور وہاں سے نکلنا ان دونوں کے بس سے باہر ہے“...... پروفیسر صاحب نے کہا تو یہ سن کر تینوں پریشان ہوگئے۔

”مگر پروفیسر صاحب۔ وہ مہا گمبارو نامی شیطان میری ساتھی جولیا اور کرنل فریدی کی ساتھی روزا کو آخر کس مقصد کے لئے اغوا کرکے لے گیا ہے؟ آپ مجھے بتائیں کہ یہ کالی دنیا کہاں ہے؟ تاکہ میں وہاں جاکر کالی طاقتوں کے ماہر مہا گمبارو کا خاتمہ کرکے اس دنیا سے اس شیطان پرستی کا خاتمہ کر سکوں۔ میں پہلے بھی متعدد بار کئی شیطان پرستوں کا خاتمہ کر چکا ہوں“...... عمران نے مٹھیاں بھینچ کر خشک لہجے میں کہا۔

”عمران۔ میں جانتا ہوں تمہارے ہاتھوں متعدد بار شیطانی اور رذیل قوتیں فنا ہو چکی ہیں مگر اس بات پر تکبر نہ کرنا۔ تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہارا کردار پاک اور صاف ہے اس لئے تو روشنی کی طاقتیں تمہاری مدد کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ تمہارا ساتھی جوزف بھی کئی بار تمہیں شیطان پرستوں سے بچا چکا ہے۔ چونکہ وہ بھی تمہاری طرح صاف دل اور صاف کردار کا ہے اس لئے پراسرار افریقہ کی ماورائی قوتیں اس کی رہنمائی کرتی ہیں“۔ پروفیسر صاحب نے عمران کو سمجھاتے ہوئے کہا تو تنویر اور صفدر حیران ہوگئے۔

”پروفیسر صاحب۔ آپ اتنا علم کیسے جانتے ہیں۔ یہ تو ایک طرح سے غائب کا علم ہوگیا۔ کیا آپ جوزف کو پہلے سے جانتے ہیں یا عمران آپ کو جوزف کے بارے میں پہلے سے بتا چکا ہے اور آپ کو کیسے علم ہوگیا کہ جولیا کی طرح روزا بھی شیطان پرستوں کی ہولناک دنیا یعنی کالی دنیا کی قیدی بنا دی گئی ہے“...... تنویر نے حیرت بھرے لہجے میں پروفیسر صاحب سے سوال پوچھا۔

”میرے بچے۔ میرے پاس کوئی غیب کا علم نہیں ہے۔ غیب کا علم تو اللہ تعالیٰ کی پاک ذات ہی جانتی ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جسے انسانی ذہن قبول نہیں کرتا۔ یعنی جس کو بظاہر ہماری آنکھ نہیں دیکھ سکتی اس کو ہمارا ذہن قبول نہیں کرتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو قیامت تک چھوٹ دے رکھی ہے اس لئے شیطان اپنے خاص بندوں کو جو اس کے کہنے پر چلتے ہیں اپنی طاقتیں عطا کرتا ہے مگر عمل کوئی بھی کیوں نہ ہو، چاہے خیر کا ہو یا شر کا ہو ہر عمل کے لئے سخت محنت اور مجاہدہ کرنا پڑتا

ہے۔ اسی مشقت سے وہ علم پر دسترس حاصل کرتا ہے۔

چونکہ شیطان اپنے خاص ساتھیوں کو اس کی محنت اور جان لیوا سخت مشقت کے بعد اسے سفلی اور شیطانی طاقتیں عطا کرتا ہے تاکہ وہ کالے علوم کے ذریعے فساد برپا کرسکیں اور کالے علوم کے ماہر ظاہری بات ہے کہ کوئی نیک عمل تو نہیں کرتے بلکہ ہر گھر کو اجاڑنا ہی ان کا مقصد ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے جب شر کے نمائندے انسانی حدود کو پھلانگنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ پاک ان کے خاتمہ کے لئے اپنے نیک اور خاص بندوں کو روحانی علوم عطا کرتے ہیں جو شر پسندوں کی سرکوبی کرسکیں۔ جب کوئی شر کا نمائندہ کالے عملیات کے ذریعے باطن کا علوم ظاہر کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے خاص بندوں کو روحانیت کا علم عطا کرتے ہیں مگر ہر کوئی روحانیت کے افضل درجے کو نہیں پا سکتا۔ چند چیدہ انسان ہی اس عظیم درجے پر پہنچ پاتے ہیں جیسا کہ سید چراغ شاہ صاحب۔ وہ واقعی عالم باعلم انسان ہیں۔

یہ درست ہے کہ فضیلت کے درجے پر پہنچنے والا انسان چاہے وہ باطنی علوم پر بھی دسترس رکھتا ہو مصلحت کے تحت ہر شر کے نمائندے کی سرکوبی نہیں کرسکتا اس کے لئے عام انسان کو ہی حرکت میں لایا جاتا ہے جس کا کردار صاف ہو۔ اب جیسا کہ عمران بیٹا تم خود کو ہی لے لو۔ سید چراغ شاہ تمہیں متعدد بار سفلی عملیات کے ماہر شیطان پرستوں کی سرکوبی کے لئے بھیجتے رہے ہیں۔ جہاں تمہیں مشکل پیش آئی شاہ صاحب کی دعاؤں اور معاون مددگاروں کی مدد سے تم نے شیطان کی رذیل قوتوں کا خاتمہ کیا ہے“...... پروفیسر صاحب نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔ عمران، صفدر اور تنویر غور سے پروفیسر صاحب کی باتوں کو سن رہے تھے۔

”پروفیسر صاحب۔ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مہا گمبارو جو کسی کالی دنیا کا سربراہ ہے جہاں شیطانیت کا راج چلتا ہے اور جہاں شیطان کی رذیل قوتوں کا مسکن ہوتا ہے۔ اسے اندھیری کی دنیا کہا جاتا ہے کیونکہ شیطان پرست اندھیروں کے رسیا اور روشنی سے دور بھاگتے ہیں اگر اسی غلاظت کی دنیا میں روشنی پھیلا دی جائے تو اندھیرے کا خاتمہ لازمی بات ہے“...... عمران نے فلسفے انداز میں نیا سوال پوچھا۔

”میرے عزیز۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس جگہ پر جاکر اللہ کا پاک کلام پڑھا جائے تو رذیل طاقتیں خود ہی بھاگ جائیں گی مگر بیٹے اس کے لئے دل و دماغ کے صاف گو آدمی کو وہاں جانا ضروری ہے کیونکہ شیطان پرستوں کا سب سے بڑا جال حسین ترین عورت ہے اور یہ ایسا طلسمی جال ہے جس میں بڑے بڑے زاہد و عابد پھنس چکے ہیں مگر جو اس حسین جال سے نکل آئے وہ کامیاب ہوتا ہے اور میرے بچے تم اپنی ساتھی کے لئے کالی دنیا جیسی ہولناک شیطانی سرزمین پر جانا چاہتے ہو مگر وہاں تمہیں مشکلات پیش آئیں گی مگر میرے عزیز، میں اس معاملے میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ اگر سید چراغ شاہ صاحب ہوتے تو وہ تمہاری صحیح رہنمائی کرتے“...... پروفیسر صاحب نے بات سمجھاتے ہوئے معذرت بھی کی۔

”کیا مطلب۔ کیا شیطان پرستوں کی کالی دنیا میں جانے کا اس زمین پر کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ کیسی کالی دنیا ہے شیطان پرستوں کی جہاں جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے“...... اس بار صفدر نے حیرت سے پوچھا اور غیر شناسائی سے پروفیسر صاحب کا منہ دیکھنے لگا۔

”میرے عزیزو۔ اس بارے میں میرا علم خاموش ہے کیونکہ ماورائی طریقے سے اس شیطان کی ہولناک دنیا کا سفر کیا جاسکتا ہے البتہ عمران بیٹے کا ساتھی جوزف اس معاملے میں تم لوگوں کی رہنمائی کرسکتا ہے۔ ہاں اگر سید چراغ شاہ صاحب سے ملاقات ہوجاتی ہے تو وہ آپ لوگوں کی صحیح رہنمائی کرسکیں گے۔ میرے بس میں جو تھا وہ میں نے آپ کو بتا دیا“...... پروفیسر صاحب نے پھر معذرت کے انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ پروفیسر صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے ہماری بہت مدد کی“...... عمران نے کہا۔

”عمران صاحب۔ اب ہم مس جولیا کو کیسے تلاش کریں گے؟“۔ صفدر نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”چاہے کچھ بھی ہوجائے۔ میں اپنی جولیا کی خاطر ضرور اس کالی دنیا کا سفر کروں گا“...... عمران نے سنجیدہ اور پختہ لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تنویر اور صفدر بھی عمران کو اتنا سنجیدہ اور اس کا پختہ یقین دیکھ کر چونک گئے کیونکہ عمران نے کبھی جولیا کو میری جولیا نہیں کہا تھا بلکہ ہمیشہ اس کی محبت کا مذاق اڑایا تھا مگر آج عمران کا جولیا کی خاطر ہر مشکل میں جانے کا پختہ ارادہ دیکھ کر دونوں حیران ہوگئے تھے۔

☆......☆......☆

”اس خوفناک بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھ کر حمید کی تو چیخ

نکل گئی۔ انور اگر بروقت بریک نہ لگاتا تو گاڑی اس بھڑکتی ہوئی آگ میں جا چکی ہوتی۔ تینوں حیرت اور خوف سے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھنے لگے جو اچانک ہی نمودار ہوئی تھی۔ اس اچانک بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھ کر تینوں حیران اور خوفزدہ ہو گئے اور اس پراسرار آگ کو دیکھنے لگے۔

"آو زمین کے حقیر لوگو۔ میں کالی دنیا کا آقا مہا گمبارو تم سے مخاطب ہوں۔ تم لوگ مجھ سے مقابلہ کرنے چلے ہو حالانکہ میں تم سب کو مچھر کی طرح مسل کر رکھ دوں گا، تم لوگ میرا مقابلہ نہیں کر سکو گے"...... اس پراسرار آگ سے ایک گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ آواز بہت ہی ہولناک تھی۔

"کون ہو تم اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟"...... کرنل فریدی نے بلند آواز اور خشک لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں بتا تو چکا ہوں کہ میں کون ہوں۔ پھر بھی تم پوچھ رہے ہو"...... پراسرار آواز سے پھر گرجدار آواز سنائی دی۔

"کیا روزا کو تم نے اغوا کروایا ہے"...... کرنل فریدی نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ میں تمہاری روزا کو اپنے مہان مقصد کے لئے اپنی کالی دنیا میں لے آیا ہوں"...... پراسرار بھڑکتی ہوئی آگ میں سے پھر گرجدار آواز سنائی دی۔

"تو تم شیطان بدبخت کے پجاری ہو۔ خیر تم جو بھی ہو۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تم روزا کو چھوڑ دو ورنہ میں تمہارا بڑا برا حشر کروں گا"...... کرنل فریدی نے کہا۔

"زمین کے حقیر۔ ادب سے نام لے شہنشاہ ظلمات کا ورنہ کتے کی موت مارا جائے گا اور دوسرا یہ کہ تم اب روزا کو بھول جاؤ اب وہ کالی دنیا کی قیدی بن چکی ہے اگر پھر بھی تمہیں اس حسن کی دیوی کو حاصل کرنا ہے تو آؤ میری کالی دنیا میں، وہاں تمہارا وہ حشر ہوگا کہ تمہاری روح صدیوں تک تڑپتی رہے گی"...... آگ سے وہی پراسرار آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی پراسرار آگ خود بخود بجھ گئی۔ جیسے یہاں کبھی آگ جلی نہ ہو۔

"یہ کیسی پراسرار آگ تھی اور اس میں بڑی ہولناک آواز تھی۔ آخر یہ سب کیا تھا"...... حمید نے حیرت اور خوف سے کرنل فریدی اور انور کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"حیرت ہے حمید۔ کیا تم ابھی تک نہیں سمجھے۔ یہ وہی شیطان بدبخت کا نمائندہ ہے جس نے روزا کو اغوا کیا ہے"...... کرنل فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تو کیا آپ اس شیطانی ساحر کے خوف سے روزا کو اس کے چنگل سے نہیں چھڑوائیں گے؟"...... حمید نے چونک کر پوچھا۔

"تم غالباً اس شعبدہ بازی سے ڈر گئے ہو اور روزا کو بھول جانا چاہتے ہو مگر میں اپنی روزا کو ہرگز نہیں بھول سکتا"...... کرنل فریدی نے خشک لہجے میں کہا تو حمید اور انور دونوں نے حیرت سے فوراً سر پیچھے کر کے کرنل فریدی کو دیکھا جو غالباً زندگی میں پہلی مرتبہ جذباتی ہوا تھا۔

"ہائے۔ میں اپنی روزا"...... انور تو خاموش رہا مگر حمید نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنی کو لمبا کرتے ہوئے کہا۔

"ہم۔ میرا مطلب ہے کہ روز بھی تم لوگوں کی طرح میری شاگرد ہے اور میری ٹیم کی ممبر ہے۔ میرا فرض بنتا ہے کہ میں اپنے ہر ممبر کا خیال کروں"...... کرنل فریدی نے حمید کی بات سن کر منہ بناتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"سر۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں فوراً نور عالم شاہ صاحب سے مل لینا چاہئے۔ اب تو بات ثابت ہو گئی ہے کہ روزا کسی کالی دنیا کی قیدی بن چکی ہے جہاں کسی مہا گمبارو نامی شیطان پرست کی حکمرانی ہے۔ روزا لاکھ ہمت والی سہی مگر وہ شیطان پرستوں کی کالی دنیا میں شیطانی قوتوں کا اکیلا مقابلہ نہیں کر سکے گی"...... انور نے فکرو پریشانی سے کہا تو حمید نے بھی اس بار اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب ان کی گاڑی پہاڑی سڑک پر پھر آگے بڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک خوبصورت علاقے میں پہنچ گئے۔ یہ ایک چھوٹا مگر خوبصورت قصبہ تھا۔ اس قصبے میں چند گھر تھے ان کی گاڑی ایک مکان کے سامنے رک گئی۔ اس مکان کے باہر اور بھی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ تینوں کار سے باہر نکلے اور انور نے گاڑی لاک کی تو تینوں آگے بڑھنے لگے اور ایک مکان کے ساتھ منسلک ایک حجرے میں داخل ہو گئے جہاں اور بھی لوگ موجود تھے۔ حجرے کے اندر لوگ احترام سے بیٹھے ہوئے تھے اور حجرے کے ایک کونے میں ایک بہت ہی باریش بزرگ بیٹھے ہوئے تھے اور لوگوں کو دین اسلام کے متعلق بتا رہے تھے۔ ان کا موضوع شیطان لعین اور اس کے کالے علم کرنے والے پجاری تھے۔ کرنل فریدی، انور اور حمید حجرے میں داخل ہو کر لوگوں کو سلام کرنے لگے۔ باریش

بزرگ نے کرنل فریدی اور انور کو دیکھا تو مسکرانے لگے۔

"کیا حال ہیں بیٹا تم سب کے"...... باریش بزرگ نے ان تینوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور ان کو اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔ ان بزرگ کی لمبی سفید داڑھی تھی۔ سر پر عمامہ تھا اور ہاتھ میں ایک تسبیح تھی اور چہرے پر نور برس رہا تھا۔

"فریدی بیٹا اور انور بیٹا تم دونوں آج کافی عرصے بعد میرے غریب خانے میں تشریف لائے ہو اور اپنے ساتھ اس نوجوان کو بھی لائے ہو جو غالباً کیپٹن حمید ہے"...... باریش بزرگ نے شفیق انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ جو نور عالم شاہ صاحب تھے۔

"ہاں۔ شاہ صاحب۔ میں آج اپنے ساتھ اپنے اسسٹنٹ کو بھی لایا ہوں۔ انور کو تو آپ جانتے ہی ہیں"...... کرنل فریدی نے احترام سے بیٹھ کر ادب سے کہا۔ کیپٹن حمید اور انور بھی شاہ صاحب سے مصافحہ کر کے بیٹھ گئے اکثر لوگ کرنل فریدی اور اس کی ٹیم کے ممبران کو جانتے تھے اس لئے انہوں نے بھی ان تینوں کو خوش آمدید کہا۔

"شاہ صاحب آپ لوگوں کو دین اسلام کا لیکچر دیتے ہیں۔ میں اور انور پہلے بھی متعدد بار آپ کی مفید باتوں سے مستفید ہو چکے ہیں۔ اس بار ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک خاص مقصد کے تحت آئے ہیں اور ہم بہت مشکل میں ہیں"...... کرنل فریدی نے اس بار سنجیدہ لہجے میں شاہ صاحب سے کہا۔

"اچھا تم لوگ تھوڑی دیر بیٹھو، میں فارغ ہوتے ہی تمہارا مسئلہ معلوم کرتا ہوں"۔ شاہ صاحب نے کہا۔

اور تھوڑی دیر میں ہی آئے ہوئے لوگوں کو فارغ کر دیا۔

"ہاں میرے عزیزو۔ اب بتاؤ کہ تم لوگ کیسے مجھ ناچیز سے ملنے آئے ہو"...... نور عالم شاہ صاحب نے مسکرا کر ان تینوں سے پوچھا۔

"شاہ صاحب۔ میری ساتھی روزا جو کہ مسلمان ہو چکی ہے۔ اچانک پراسرار طور پر اپنے کمرے سے غائب ہو گئی ہے"...... کرنل فریدی نے کہا اور پھر تفصیل سے تمام واقعات جوان کے ساتھ پیش آئے تھے نور عالم شاہ صاحب کو بتا دیئے اور یہاں آنے سے پہلے جو پراسرار واقعہ ان کے ساتھ رونما ہوا تھا شاہ صاحب کو بتا دیا۔ کرنل فریدی کی باتیں سن کر شاہ صاحب کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔

"میرے بچے۔ تمہاری ساتھی روزا جو کہ مسلمان ہو چکی ہے وہ ایک بہت بڑے شیطان کی قید میں پہنچ چکی ہے۔ اس شیطان کے پجاری کی براہ راست شیطان لعین تک رسائی حاصل ہے اور شیطان مردود نے اس مہا گمبارو نامی ساحر کو بے پناہ شیطانی علوم اور کالے علوم دے رکھے ہیں اور اس مردود ساحر نے اپنی ایک الگ دنیا جسے وہ کالی دنیا کہتا ہے اس میں قیدی بنا دیا ہے"...... شاہ صاحب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"مگر اس منحوس ساحر نے میری ساتھی کو کس لئے اغوا کروایا ہے؟ اس سے اس منحوس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"...... کرنل فریدی نے پریشانی سے پوچھا۔

"میرے عزیز۔ تمہاری تمام ساتھیوں کا کردار بہت اچھا ہے۔ خاص کر تمہارا کردار بہت صاف ہے۔ کبھی تم عورت اور شراب کے چکروں میں نہیں پڑے حالانکہ یہ دو شیطان کے بڑے ہتھیار ہیں۔ تم اور خاص کر پاکیشیا کا علی عمران شیطان پرستوں کے خاص دشمن ہو اور عمران تو کئی مرتبہ شیطان کی کالی طاقتوں کو نقصان پہنچا چکا ہے اس لئے مہا گمبارو نے اس بار تم دونوں کی ساتھیوں کو اغوا کروا کے اپنی کالی دنیا میں پہنچا دیا ہے تاکہ تم دونوں اپنی اپنی ساتھی کی خاطر اس کی ہولناک دنیا کا رخ کرو اور وہ تم دونوں کی اپنی کالی دنیا میں شیطان مردود کے نام پر قربانی کر سکے"...... شاہ صاحب نے کہا تو وہ تینوں شاہ صاحب کے باطنی علم پر حیران ہو گئے۔ کرنل فریدی اور انور تو اچھی طرح جانتے تھے کہ شاہ صاحب بہت ہی اللہ والے ہیں اور ان کے لئے شیطان کی ان زروں کا اپنی روحانیت سے پتہ کرنا مشکل نہیں ہے مگر حمید، شاہ صاحب کی باتیں سن کر حیران ہو گیا۔

"شاہ صاحب۔ عمران کی تو کئی ساتھی لڑکیاں ہیں۔ جیسے کہ روشی، صالحہ، کراسٹی اور اس کی خاص ساتھی جولیا ہے۔ عمران کی کون سی ساتھی کو اس شیطانی ساحر مہا گمبارو نے اغوا کروایا ہے"۔ حمید نے پہلی دفعہ بولتے ہوئے کہا۔

"میرے عزیز۔ جس طرح روزا تمہارے افسر کی خاص ساتھی ہے اسی طرح جولیا بھی عمران کی خاص ساتھی ہے"...... اس بار شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ تو روزا کی طرح جولیا بھی مہا گمبارو کی کالی دنیا کی قیدی بنا دی گئی ہے"...... کرنل فریدی نے چونک کر کہا۔

"شاہ صاحب۔ عمران کی ساتھی جولیا تو عمران کے

ساتھ کئی بار شیطان پرستوں کا مقابلہ کر چکی ہے اور کالی دنیا میں وہ شاید شیطان پرستوں کا مقابلہ کر کے ان کا خاتمہ کر کے کالی دنیا سے نکل آئے مگر میری ساتھی روزا شیطان کی کالی دنیا میں گھبرا جائے گی کیونکہ اس کا کبھی شیطانی قوتوں سے واسطہ نہیں پڑا اس لئے آپ میری رہنمائی فرمائیں"...... کرنل فریدی نے پریشانی سے کہا۔

"یہ کالی دنیا آخر ہے کیا؟"...... انور نے پریشان کن لہجے میں سوال کیا۔

"میرے بچے۔ کالی دنیا شیطان کے حواریوں کی بنائی ہوئی ہولناک اور طلسمات کی پراسرار دنیا ہے۔ جہاں صرف شیطان اور اس کے ساتھیوں کا راج چلتا ہے۔ چونکہ شیطان مردود نے مہا گمبارو کو بے پناہ کالے علوم عطا کئے ہیں اس لئے وہاں شیطان کا مکمل راج چلتا ہے"...... شاہ صاحب نے جواب دیا۔ اس دوران ایک لڑکا جس کی عمر پندرہ سال کے قریب ہوگی حجرے میں ایک ٹرالی لے آیا جس میں چار کپ چائے کے تھے۔

"آپ لوگ چائے پی لیں۔ باتیں تو پھر ہوتی رہیں گی"۔ شاہ صاحب نے ان تینوں سے کہا تو ان تینوں نے چائے کے کپ ٹرالی سے اٹھا لئے اور چائے پینے لگے۔ شاہ صاحب نے بھی چائے کا کپ لیا اور بسم اللہ پڑھ کر اسے پینے لگے۔

"شاہ صاحب۔ میں تو بہت کم ہی شیطانی چکروں میں پھنسا ہوں اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کی رہنمائی کے بغیر اپنی ساتھی روزا کی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ آپ خود کہہ رہے ہیں کہ وہ شیطان پرستوں کی بہت ہی ہولناک دنیا ہے اس لئے آپ ہی میری اس پراسرار کیس میں مدد فرمائیں"۔ کرنل فریدی نے آس بھری نگاہوں سے شاہ صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔

"فریدی بیٹا۔ جہاں تک ہو سکا میں تمہاری مدد ضرور کروں گا مگر اپنی ساتھی کے لئے تمہیں خود کالی دنیا میں جانا ہوگا تاکہ اس کی مدد کر سکو ورنہ وہ شیطان کی ہولناک دنیا سے کبھی نہیں نکل سکے گی"...... شاہ صاحب نے کرنل فریدی سے کہا۔

"میں روزا کی خاطر ضرور اس ہولناک دنیا کا سفر کروں گا"۔ کرنل فریدی نے مضبوط لہجے میں کہا تو انور اور حمید حیرت سے کرنل فریدی کو دیکھنے لگے جو روزا کے اغوا کے بعد اب اس کی خاطر جذباتی ہو گیا تھا حالانکہ پہلے خشک مزاج فریدی ایسے کبھی کسی لڑکی کے لئے جذباتی نہیں ہوا تھا مگر شاہ صاحب کی موجودگی میں دونوں خاموش ہی رہے۔

"میرے بچے۔ میں جانتا ہوں کہ روزا تمہاری خاطر سچے دل سے مسلمان ہو گئی ہے۔ چونکہ روزا تمہاری محبت میں اپنا ملک بھی چھوڑ چکی ہے مگر تمہاری ہی طرح سنجیدہ اور بردبار لڑکی ہے اس لئے تم بھی اسے پسند کرنے لگے ہو اور گو کہ تم نے اور تمہاری ساتھی روزا نے کبھی ایک دوسرے سے محبت کا اظہار نہیں کیا مگر میں جانتا ہوں کہ تم نے دل میں ارادہ کر لیا ہے۔ اگر جب بھی تم شادی کرو گے اپنی ساتھی روزا سے ہی شادی کرو گے"...... شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو کرنل فریدی چونک پڑا اور انور حمید حیرت سے کرنل فریدی کو دیکھنے لگے اور دل ہی دل میں بہت خوش بھی ہوئے کہ کرنل فریدی بھی روزا جیسی بے پناہ حسین اور بردبار لڑکی کو پسند کرتا ہے۔

"میرے عزیز۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا کردار پاکیشیا کے علی عمران کی طرح بہت مضبوط ہے اور یہی تمہاری کامیابیوں کا راز ہے کہ شیطان ہر بار منہ کے بل گرتا ہے کیونکہ ایک مرد کے لئے غیر محرم حسین عورت ہی شیطان مردود کا سب سے بڑا ہتھیار ہے"۔ شاہ صاحب نے کرنل فریدی کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"شاہ صاحب۔ مجھے اب کیا کرنا ہوگا؟"...... اس بار کرنل فریدی نے تشویش سے پوچھا۔

"بیٹا۔ تمہیں خود اس کالے علوم کے بڑے شیطان مہا گمبارو کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ مگر ایک بات کا خاص خیال رکھنا کہ اس مہم میں غرور نہ کرنا۔ میں مانتا ہوں کہ تم کافرستان کے بہت بڑے ایجنٹ ہو مگر اس مہم میں ہمت کے ساتھ ذہانت دکھانا ہوگی"...... شاہ صاحب نے ان کو تنبیہ کے انداز میں سمجھایا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شاہ صاحب پھر بولے۔ "میرے عزیز۔ مجھے تمہارے پختہ کردار کا علم ہے اور تمہاری ٹیم کا ہر ممبر بھی باکردار ہے۔ گو کہ تمہارا خاص ساتھی عاشق مزاج ضرور ہے مگر کبھی کیچڑ میں نہیں گھسا"...... شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے حمید کی طرف دیکھ کر کہا تو انور اور کرنل فریدی بھی مسکرا دیئے اور حمید شرمندگی سے شاہ صاحب کو دیکھنے لگا جن سے وہ پہلی مرتبہ مل رہا تھا مگر وہ اس کے کرتوتوں سے اپنی روحانیت سے واقف ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

"وہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا اور اس کمرے میں ہر طرف ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں اور ہر طرف تعفن پھیلا ہوا تھا اور کمرے کی دیواریں بھی سیاہ تھیں اور ان دیواروں پر تازہ خون جما ہوا تھا اور ہر طرف انتہائی ناگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ بو اتنی شدید تھی کہ کوئی عام انسان یہاں ایک پل بھی کھڑا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس ناگوار بو سے چند لمحوں میں دماغ ہی پھٹ جائے۔ بعض ایسی کھوپڑیاں بھی تھیں جن کی تازہ گردنیں کٹی ہوئی تھیں۔ یہ منظر اتنا ہولناک تھا کہ کمزور انسان دور کی بات ایک مضبوط انسان بھی یہ منظر دیکھ کر خوف سے کانپ جائے۔ اس ہولناک کمرے کے ایک کونے میں چمگادڑ کا عظیم و عالی شان بت ایستادہ تھا اور اس بت کی آنکھیں بے نور تھیں مگر اس چمگادڑ کے قوی ہیکل بت کی آنکھیں سرخ تھیں حالانکہ بت بے جان تھا۔ یہ کمرہ ایک قربان گاہ لگ رہا تھا۔ اس کمرے کے وسط میں ایک نوجوان اس انتہائی بو میں آرام سے بیٹھا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ نوجوان نے اس وقت لنگوٹی پہنی ہوئی تھی اور دو زانوں بیٹھ کر اس نے ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے تھے اور منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ یہ نوجوان گوری رنگت اور بہت ہی پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی شخصیت اس قدر پر وقار تھی کہ حسین لڑکیاں اس سے دوستی کرنے کی خواں ہوں۔ اس نوجوان نے اچانک آنکھیں کھولیں اور مسکرانے لگا جیسے اسے کوئی خوشخبری مل گئی ہو۔

"ہوں۔ تو عمران اور فریدی کی حسین ساتھی لڑکیاں میری کالی دنیا میں پہنچ گئی ہیں۔ اب یہ دونوں میرے بستر کی زینت بنیں گی اور پھر دونوں شہنشاہ ظلمات کے نام پر قربان ہوں گی۔ ان کی بلی دینے کے بعد میں جولیا اور روزا جیسی حسین لڑکیوں کے منحوس عاشقوں، عمران اور فریدی کو بھی بلیک لارڈز کے نام پر ذبح کروں گا۔ ان بدبختوں کے غرق ہونے کے بعد بلیک لارڈز میری کالی قوتوں کو امر کر دیں گے۔ میں پاکیشیا کے عمران اور کافرستان کے فریدی کو ایسی عبرت ناک موت دوں گا کہ پھر کوئی روشنی کی طاقت بلیک لارڈز کی کالی شکتیوں والے ساتھیوں سے لڑنے کی ہمت نہیں کرے گا"...... پرکشش شخصیت والے نوجوان نے نخوت سے کہا جو دراصل شیطان کا خاص چیلا مہا گمبارو تھا اور اس وقت کالی دنیا کا سربراہ اور لاتعداد کالی و سفلی قوتوں کا مالک تھا۔

"اناکی حاضر ہو"...... اچانک اس نوجوان نے تیز آواز میں کہا تو اچانک اس بھیانک اور بدبودار کمرے میں ایک سرخ رنگ کا دھواں چکرانے لگا اور پھر اس کمرے میں ایک انتہائی حسین ترین لڑکی اس پراسرار دھویں میں سے نمودار ہوئی۔ یہ لڑکی نیم برہنہ تھی اور اس نے مختصر سا لباس پہن رکھا تھا اور اس کا نرم و نازک حسین جسم بہت خوبصورت تھا۔ کوئی مضبوط اعصاب کا مالک مرد بھی اس کے اور اس کے خوبصورت جسم کو دیکھ کر بہک سکتا تھا۔

"اناکی حاضر ہے آقا۔ حکم فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں"...... اس بے پناہ حسین لڑکی نے ادب سے مہا گمبارو کے آگے جھکتے ہوئے کہا۔

"اناکی۔ میں نے تمہیں ایک مہان کام کے لئے بلایا ہے اگر تم نے میرا یہ کام کر دیا تو بلیک لارڈز مجھے اپنا سب سے بڑا نائب مقرر کر دیں گے"...... مہا گمبارو نے اناکی کے حسین چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آقا۔ آخر وہ کیا کام ہے جس کے مکمل ہو جانے سے شہنشاہ ظلمات آپ کو اپنا سب سے بڑا نائب مقرر کر دیں گے۔ اگر ایسا ہے تو میری جان بھی آپ کے لئے حاضر ہے"...... اناکی نے خوش ہو کر مزید مہا گمبارو کے آگے سرخم کرتے ہوئے کہا۔

"اناکی۔ بلیک لارڈز کے دو بڑے دشمن ہیں۔ عمران اور فریدی جو روشنی کے نمائندے ہیں۔ یہ دونوں آقا کے سخت ترین دشمنوں میں شامل ہیں۔ خاص کر عمران نامی روشنی کے نمائندے نے آقا کے بے شمار کالی شکتیوں کے مہان ساحروں کا خاتمہ کیا ہے اور اس وقت آقا کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ عمران اور فریدی کا خاتمہ تم اور تمہاری بڑی بہن سنا کی کے ذریعے ہو، اور اگر ایسا ہو گیا تو تم دونوں کالی شکتیوں کی ماہر بہنیں میرے اور قریب ہو جاؤ گی اور آقا شہنشاہ ظلمات تم دونوں بہنوں کو مزید مرعات عطا فرمائیں گے کیونکہ یہ دونوں بدبخت روشنی کے نمائندے بے شمار سیاہ شکتیوں کے نمائندوں کا خاتمہ کر چکے ہیں"...... مہا گمبارو نے ہوس بھری نگاہوں سے اپنی غلام طاقت اناکی کے حسین جسم کو گھورتے ہوئے کہا۔

"آقا۔ آپ فکر نہ کریں۔ عمران اور فریدی جیسے روشنی کے نمائندے اس بار بچ نہیں سکتے اور دونوں کی بھینٹ لازمی

طور پر شہنشاہ ظلمات کے نام ہوگی۔ یعنی دونوں کی بلی بلیک لارڈز کے نام پر چڑھائی جائے گی“......انا کی نے سرخم کرتے ہوئے مہا گمبارو سے کہا۔

”یہ سنا کی کہاں ہے“......مہا گمبارو نے انا کی سے پوچھا۔

”آقا۔ سنا کی بھی حاضر ہے“......اس سے پہلے کہ انا کی جواب دیتی ایک دھواں اس قربان گاہ میں نمودار ہوا اور پھر ایک سیاہ رنگت کی انتہائی خوفناک بڑھیا کے روپ میں بدل گیا۔ اس بڑھیا نے بھی مہا گمبارو کے آگے اپنا سرخم کردیا۔

”سنا کی۔ تمہیں میں نے کہا ہے کہ جب بھی تم دونوں بہنیں میرے پاس آیا کرو تو اس وقت خصوصی روپ میں آیا کرو کیونکہ حسن ہی میری کمزوری ہے“......مہا گمبارو نے سنا کی کی طرف دیکھ کر منہ بنا کر کہا۔

”اوہ۔ معذرت چاہتی ہوں آقا۔ میں بھول گئی تھی۔ میں ابھی اپنے خاص روپ میں آتی ہوں“......یہ کہہ کر سنا کی پھر دھویں میں تحلیل ہوگئی اور پھر انا کی کی طرح انتہائی حسین اور نوجوان لڑکی میں تبدیل ہوگئی۔ انا کی کی طرح اس نے بھی مختصر سا لباس پہن رکھا تھا اور اس کا حسین روپ اور حسین جسم کسی بھی مضبوط مرد کو گمراہ کرسکتا تھا۔

”ہاں۔ اب تم اپنے خاص روپ میں آئی ہو“......مہا گمبارو نے خوش ہو کر کہا۔

”آقا۔ بتائیں ہم دونوں بہنیں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہیں“۔ سنا کی نے اس بار مسکراتے ہوئے ادب سے پوچھا۔

”تم دونوں بہنوں نے روشنی کے نمائندوں، عمران اور فریدی کی حسین اور خاص ساتھی لڑکیوں کو اغوا کر کے میری کالی دنیا میں پہنچا دیا ہے اور دونوں میرے بستر کی زینت بن کر بلیک لارڈز کے نام پر قربان ہوں گی مگر میں چاہتا ہوں کہ عمران اور فریدی جیسے خطرناک روشنی کے نمائندے بھی ضرور بلیک لارڈز کے نام پر قربان ہوں کیونکہ انہوں نے شہنشاہ ظلمات کے بے شمار ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے جس سے شہنشاہ ظلمات ان سے نالاں ہیں لیکن چونکہ دونوں پاک دامن ہیں اسی وجہ سے روشنی کے نمائندوں کی خاصی توجہ میں ہیں اور بڑی بڑی سیاہ شکتیاں ان کو مارنے کی بجائے خود موت کے گھاٹ اتار چکی ہیں اس لئے میں یہ نہیں چاہتا کہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک میری اس کالی دنیا میں آئے مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ میری کالی دنیا میں آتے ہیں تو ان کا روشنی کے نمائندوں سے رابطہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ میری کالی دنیا میں آنے کے لئے ان دونوں کو اکیلا اکیلا ہی آنا پڑے گا کیونکہ کالی دنیا میں آنے کی شرط ہی یہی ہے۔ اس طرح ان کا اپنے خاص اور خطرناک ترین پراسرار اور ماورائی علوم کے ماہر ساتھیوں سے رابطہ ختم ہو جائے گا جیسا کہ عمران اپنے خاص اور خطرناک ساتھی جوزف سے الگ ہو جائے گا اور فریدی اپنے خاص اور پراسرار علوم کے ماہر خطرناک شخص طارق سے جدا ہو جائے گا اگر عمران اور فریدی کی بجائے جوزف اور طارق اپنی ماورائی طاقتوں کے بل بوتے پر میری کالی دنیا میں آتے ہیں تو ہمیں بہت مشکل ہو جائے گی کیونکہ دونوں ہی کسی طاقتور ساحر سے کم نہیں ہیں اور اپنی ماورائی طاقتوں سے میری کالی دنیا کی مہان شکتیوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر عمران اور فریدی اپنی ساتھی لڑکیوں کی سرکوبی کے لئے میری کالی دنیا میں آتے ہیں تو روشنی کے نمائندے ہونے کے باوجود کالی دنیا میں مارے جائیں گے کیونکہ ان کا اپنے خاص خطرناک ساتھیوں اور روشنی کے نمائندوں سے رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ میری کالی دنیا میں آنے کے بعد“......مہا گمبارو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

”آقا۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں نے اپنی سیاہ شکتیوں کے ذریعے معلوم کروالیا ہے کہ آپ کی دھمکیوں کے باوجود عمران اور فریدی نے اپنی ساتھی لڑکیوں کی خاطر خود ہی آپ کی کالی دنیا میں آنے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ دونوں اپنی ساتھی لڑکیوں سے بے پناہ پیار کرتے ہیں“۔

”تو پھر میری کالی دنیا ان دونوں کی دردناک موت کا سبب بن جائے گی“......سنا کی بات سن کر مہا گمبارو نے خوش ہوتے ہو کر کہا۔

”ہاں آقا۔ وہ کالی دنیا میں آ کر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ مگر آقا مجھے اجازت دیں تو میں فریدی کے پاس جا کر اسے اپنے جال میں پھنسا سکوں اور اسے پلید کرنے کی کوشش کر سکوں۔ اگر ایسا ہو گیا تو روشنی کے نمائندوں سے اس کا رابطہ ٹوٹ جائے گا اور پھر بھیانک موت ہی اس کا انجام ہوگی“......انا کی نے ادب سے سر جھکا کر مہا گمبارو سے فریاد کی۔

”نہیں انا کی۔ تم دونوں بہنیں میرے لئے بہت اہم ہو۔ گو کہ لاتعداد سیاہ شکتیاں میری غلام ہیں مگر میں تم دونوں

سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا کیونکہ وہ دونوں بدبخت معلوم نہیں کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں کہ دنیا کی کوئی حسین ترین لڑکی بھی انہیں متاثر نہیں کرسکتی اور سیاہ شکتیوں نے بے شمار اس قسم کے جال ان دونوں پر آزمائے ہیں مگر الٹا اپنے جال میں خود ہی پھنسی ہیں اس لئے میں تم دونوں کو ان دونوں کے پاس جانے کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ وہ دونوں بدبخت بے شمار سیاہ شکتیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں“......مہا گمبارو نے اس بار نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”آقا۔ ہم دونوں بہنیں صرف حسین فتنہ ہی نہیں بلکہ لاتعداد شکتیوں کی مالک بھی ہیں اور یہ بھی میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ فریدی یا اس کے خاص خطرناک ساتھی نے مجھ سے مقابلہ کیا تو میں اس سے مقابلہ تو کرسکتی ہوں مگر ایسا ہوا تو میں فرار ہو کر واپس کالی دنیا میں چلی آؤں گی اور جیسا کہ سنا کی کہہ رہی ہے کہ عمران اور فریدی نے عہد کیا ہوا ہے کہ وہ اپنی ساتھی لڑکیوں کے لئے خود کالی دنیا کا سفر کریں گے تو پھر کالی دنیا میں آنے کے بعد روشنی کے نمائندوں اور اپنے خاص خطرناک ساتھیوں کی مدد سے جدا ہو جائیں گے اس طرح ہم دونوں بہنیں کالی دنیا میں آنے کے بعد ان دونوں کو آسانی سے بھٹکا سکتی ہیں اور اگر ہم نے ان کو عیاری سے بھٹکا کر پلید کر دیا تو پھر کالی دنیا میں ان کی عبرت ناک موت یا آقا بلیک لارڈز کی غلامی میں آنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا“......انا کی نے کہا تو مہا گمبارو اور سنا کی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ٹھیک ہے۔ تم جاسکتی ہو مگر اپنا خیال رکھنا۔ ویسے اگر تم دونوں نے ان بدبختوں کو بھٹکا کر گمراہ کر دیا یعنی پلید کر دیا تو روشنی کی تمام طاقتوں کا سایہ ان کے سر سے اٹھ جائے گا۔ پھر ان کو مارنا مسئلہ نہیں ہوگا مگر وہ بدبخت پتہ نہیں کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں کہ کوئی حسن ان پر اثر ہی نہیں کرتا اس لئے کالی دنیا سے باہر جا کر بہت احتیاط کرنا۔ اب تم دونوں جاسکتی ہو اور میں ذرا ان کی ساتھی لڑکیوں سے مل لوں۔ سنا ہے وہ بہت خوبصورت ناریاں ہیں“۔ مہا گمبارو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ یہ بات کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں شیطانیت رقص کر رہی تھی۔ انا کی اور سنا کی مہا گمبارو کی بات سن کر مسکراتے ہوئے دھویں میں تحلیل ہو کر غائب ہو گئیں تو کمرے میں یکلخت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔

☆......☆......☆

”ابے او کالی چڑی۔ بتا آج کل کہاں پیار محبت کا چکر چل رہا ہے“......عمران نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے جوزف کی طرف دیکھ کر کہا جو پریشانی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”باس۔ میں رابرٹ نہیں۔ جوزف ہوں اور جوزف کی زندگی میں کسی عورت ذات سے پیار ناممکن ہے“......جوزف نے عمران کی بات سن کر منہ بنا کر کہا۔

”تو پھر بتا کہ جولیا جس ہولناک و پراسرار دنیا میں قید ہے۔ وہاں کیسے پہنچا جاسکتا ہے“......عمران نے اس کی طرف دیکھ کر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”باس وہ بہت خوفناک دنیا ہے۔ آپ مس جولیا کے بارے میں فکرمند نہ ہوں میں آپ کا غلام جو ہوں۔ میں جولیا کی خاطر شیطان پرست مہا گمبارو کی کالی دنیا میں جاؤں گا اور وہاں سے جولیا کو واپس لے آؤں گا“......جوزف نے اس بار دانت نکوس کر کہا۔

”ابے او کالی چڑی۔ تو کیا مجھے الو سمجھتا ہے۔ میں جانتا ہوں تو وہاں جولیا سے محبت کے گل کھلانا چاہتا ہے اور جولیا کو تو وہاں سے لے آ کر اس کے دل میں جگہ بنانا چاہتا ہے“......عمران نے منہ بنا کر حماقت سے کہا۔

”بب۔ باس۔ یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ میں جولیا سے محبت کا اظہار کرتا پھروں۔ اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو آج کے بعد جوزف آپ کو نظر نہیں آئے گا میں اس دنیا سے ہی چلا جاتا ہوں۔ لعنت ہے جوزف کی زندگی پر جس کا باس جس کا آقا اس پر شک کرتا ہے۔ باس، میرے آقا میرے سب کچھ میری دلی تمنا ہے کہ جولیا آپ کو واپس مل جائے میرے اس دنیا سے جانے کے بعد اپنا خیال کیجئے گا“......یہ کہتے ہوئے جوزف سسک پڑا اور عمران کی بات سن کر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

”ابے تو کس دنیا میں جانے کی بات کر رہا ہے۔ میں وہاں بھی پہنچ جاؤں گا اور تجھے گردن سے پکڑ کر واپس لے آؤں گا“۔ عمران نے حیرت سے چونک کر جوزف کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میرا آقا مجھ پر شک کر رہا ہے اس لئے مجھے جینے کا کوئی حق نہیں ہے“......جوزف نے اب باقاعدہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہا اور اپنی پینٹ کی جیب سے ایک چاقو نکال لیا اور اس

کا پھل کھول کر اپنے سینے پر وار کر دیا مگر اس سے پہلے کہ چاقو جوزف کے سینے پر لگتا عمران نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”نہیں باس۔ مجھے مرنے دو۔ مجھے جینے کا کوئی حق نہیں ہے“۔ جوزف نے باقاعدہ روتے ہوئے کہا مگر عمران نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”رک جاؤ جوزف۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میرا مذاق کا تم اتنا اثر لو گے۔ ارے پاگل آدمی مذاق کرنا تو میری عادت ہے“...... عمران نے سخت لہجے میں اسے سمجھایا تو جوزف نے کسی فرمانبردار بچے کی طرف اس کا کہنا مان لیا۔

”باس۔ میں جانتا ہوں آپ جولیا کو پسند کرتے ہیں اور میں آپ کا غلام کس طرح اپنے آقا کی پسند سے محبت کا کھیل کھیل سکتا ہوں اور کسی بھی لڑکی سے محبت کرنا جوزف کا شعبدہ ہی نہیں ہے“...... اس بار جوزف نے عمران کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا۔

”ارے چھوڑ میرے پاؤں۔ گدگدی ہوتی ہے“...... عمران نے حماقت سے کہا اور اپنے پاؤں پیچھے کر لئے۔

”باس۔ اب آپ نے ایسا کبھی نہیں کہنا ورنہ جوزف دی گریٹ آپ کو زندہ نظر نہیں آئے گا“...... جوزف نے التجا کرتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

”ابے کالے سانڈھ۔ میں تیرا نام تو نہیں لے رہا تھا۔ میں تو رابرٹ کا نام لے رہا تھا۔ بس زبان غوطہ کھا گئی اور زبان پر تیرا نام آ گیا“...... عمران نے اس بار جوزف کو منانے کے لئے نئی کہانی گھڑی کیونکہ عمران کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ جوزف اس کے مذاق کو اتنا سنجیدہ لے گا کہ اس کے سامنے خود کو قتل کرنے پر تل جائے گا۔

”اوہ...... ہو۔ باس تو یوں کہیں اگر رابرٹ کی بات کر رہے تھے تو واقعی اس عاشق زادے کا کوئی پتا نہیں۔ بدبخت سلیمان کی شاگردگی اختیار کر کے جولیا سے بھی اظہار محبت کرنے سے باز نہیں آئے گا“...... اس بار عمران کی بات سن کر جوزف نے بے ڈھنگے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

عمران نے جوزف کو اپنے فلیٹ میں بلوایا تھا تا کہ جولیا کے سلسلے میں اس کی رہنمائی لے سکے کیونکہ پروفیسر نصیر احمد نے جولیا کی بازیابی کے سلسلے میں معذرت کر لی تھی اور سید چراغ شاہ بھی اسے نہیں مل سکے تھے۔ البتہ پروفیسر صاحب نے کہا تھا کہ اس کیس میں اس کا ساتھی جوزف اس کی رہنمائی کر سکتا ہے اس لئے عمران نے جوزف کو بتایا کہ وہ جولیا کے لئے کالی دنیا کا سفر کرنا چاہتا ہے مگر جوزف نے صاف انکار کر دیا کہ وہ مس جولیا کے لئے خود کالی دنیا کا سفر کرے گا کیونکہ وہ سحر و اسرار کی دہشت ناک دنیا ہے اور اس لئے وہاں وہ خود ہی جائے گا کیونکہ وہ سحر کا مقابلہ کر سکے گا اور جیسی بھی مشکل ہو وہ مس جولیا کو واپس لے آئے گا حالانکہ جوزف نے کبھی عمران کے آگے ضد نہیں کی تھی مگر عمران کو کالی دنیا میں بھیجنے پر راضی نہیں ہو رہا تھا۔ بقول جوزف کے اس نے پہلے ہی فادر جوشوا سے رابطہ کر کے سب کچھ معلوم کر لیا کہ کالی دنیا میں کیسے جایا جا سکتا ہے اور اس عمل سے صرف ایک مرد ہی اس انجانی دنیا میں جا سکتا ہے اور اس ماورائی عمل کے ذریعے خود ہی کالی دنیا جانا چاہتا تھا مگر عمران بھی ضد پر اتر آیا تھا کہ وہ جولیا کی خاطر اپنے کسی ساتھی کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا مگر جوزف نے اس کیس میں عمران کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ اپنے باس کو اتنی خطرناک اور بھیانک سحر کی دنیا میں نہیں بھیج سکتا اور اس پر ان دونوں کی کافی دیر سے بحث ہو رہی تھی۔

”باس۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ وہ کوئی ماورائی دنیا نہیں ہے۔ بہت سخت ہولناک اور تاریک دنیا ہے جہاں صرف دھوکا، ہیبت اور بربریت ہے۔ میں اس خوفناک مہم کے لئے آپ کو وہاں جانے کے لئے روک تو نہیں سکتا مگر آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اس سحر کی انجانی اور ہولناک دنیا میں مجھے جانے دیں کیونکہ میں نے معلوم کروا لیا ہے کہ کافرستان سے کرنل فریدی بھی اپنی ساتھی روزا کے لئے خود کو کالی دنیا میں جانے کا پروگرام بنا رہا ہے اس لئے جولیا کی رہنمائی کے لئے میرا کالی دنیا میں جانا بہت ضروری ہے۔ ہاں البتہ طارق صاحب روزا کے لئے کالی دنیا جاتے تو مجھے پرواہ نہ ہوتی کیونکہ وہ سحر کی اس ہولناک دنیا میں اپنی ساتھی روزا کے ساتھ ساتھ آپ کی اور جولیا کی بھی رہنمائی کرتے کیونکہ وہ سحر کی بھیانک دنیا ہے جہاں آپ اور کرنل صاحب اپنی ساتھیوں کی مدد کی بجائے الٹا خود مشکلات کا شکار ہو جائیں گے“...... جوزف نے عمران کو سمجھاتے ہوئے التجا کی۔

”ابے کالے۔ میں جانتا ہوں کہ ماورائی کیسوں میں کئی دفعہ تم نے میری اور میری ٹیم کی رہنمائی کی ہے مگر ایسی کئی ماورائی مہم بھی جس میں تم شامل ہی نہیں ہوئے جیسا کہ تم بے شمار سیاہ اور پراسرار کیس میں میرے ساتھ شریک نہیں ہوئے

تھے“۔ عمران نے منہ چلاتے ہوئے احمقانہ لہجے میں کہا۔

”باس۔ وہ آپ کی بات ٹھیک ہے۔ میں بھی انسان ہوں اور مشکل میں پھنس سکتا ہوں مگر ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ماورائی کیسز میں، میں مشکل کا شکار ہوا ہوں۔ باس۔ آپ کو پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ کوئی عام ماورائی مہم نہیں ہے بلکہ اس شیطان پرست کی ہولناک دنیا ہے جو حسن پرست، بہت بڑا عیاش اور کمینہ صفت بھی ہے۔ وہ دھوکے باز آپ کو ہر لحاظ سے الجھا سکتا ہے اور وہ دہشت اور وحشت کی بہت ہولناک دنیا ہے۔ میں یہ بھی مانتا ہوں کہ آپ پر اور کرنل فریدی پر روشنی کی طاقتوں کا سایہ ہے مگر وہ کالی دنیا دھوکے، سحر اور وحشت کی خوفناک و بھیانک ترین دنیا ہے اس لئے وہاں میرا یا طارق صاحب کا ہونا ضروری ہے تا کہ ہم اپنے مخصوص طریقے سے سیاہ دلدل والے مہا گمبارو کی سیاہ طاقتوں اور بھیانک بلاؤں کا مقابلہ کر سکیں جہاں دہشت اور عریانیت کے ساتھ دھوکا بھی ہر جگہ پھیلا ہوا ہے“...... جوزف نے پھر پریشانی سے کہا جیسے وہ عمران کے کالی دنیا میں جانے والے پراسرار عمل بتانے پر بالکل خوش نہ ہو۔

”نہیں جوزف۔ اگر کرنل فریدی روزا کے لئے کالی دنیا میں جا رہا ہے تو میں بھی جولیا کے لئے خود کالی دنیا میں جاؤں گا۔ اگر میں تمہارے بھروسے پر رہ گیا تو کسی دن شیطان پرستوں کی سیاہ قوتیں مجھ پر حاوی ہو جائیں گی اور ویسے بھی جولیا نے پاکیشیا کے لئے بہت قربانیاں دی ہیں۔ اب جبکہ وہ ایک انجان اور ہولناک دنیا کی قیدی بنی ہے میں اس کی مدد کے بجائے ڈر کر دوسروں کا سہارا لوں یہ میں گوارہ نہیں کر سکتا اس لئے اب اگر تم نے مجھے کالی دنیا جانے کا پراسرار عمل نہ بتایا تو میں تمہیں مرغا بنا دوں گا اور نیلی جھیل کی سیاہ دلدل کی سرخ چیلوں کو تمہاری کمر پر بٹھا دوں گا“...... عمران نے مصنوعی غصے سے جوزف کو ڈرایا۔

”بب۔ باس۔ ایسی منحوس اور خوفناک باتیں تو نہ کریں ورنہ کالی دنیا کا سحر مزید بھڑک اٹھے گا اور ہر طرف وحشت و بربریت کا ہولناک راج ہو جائے گا“...... جوزف نے عمران کی بات سن کر خوفزدہ لہجے میں کہا اور اس کے چہرے پر خوف عیاں تھا جیسے عمران نے بہت خوفناک بات کر دی ہو۔

”ابے کالے۔ یاد رکھ جب انسان ہمت، بہادری اور ذہانت استعمال کرے تو سحر کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے اور یہ کوئی میری پہلی ماورائی مہم نہیں ہے مجھے خود پر بھروسا ہے کہ میں اس سحر کی ہولناک دنیا سے اپنی جولیا کو وہاں سے لے آؤں گا“...... اس بار عمران نے سنجیدہ اور پریقین لہجے میں کہا تو جوزف حیرت سے عمران کی طرف دیکھنے لگا جو جولیا کے لئے اتنا جذباتی ہو رہا تھا۔

”ٹھیک ہے باس۔ میں آپ کو ویسے روک تو نہیں سکتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ جذبات میں آ کر آپ اور کرنل صاحب غلطی کر رہے ہیں کیونکہ وہ دھوکے اور وحشت کی بہت ہی ہولناک دنیا ہے“...... جوزف نے مایوسی سے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا کیونکہ عمران نے اس کی مدد لینے سے یکسر انکار کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

”فریدی بیٹا۔ انجانے میں روزا بیٹی ایک ایسے شیطان کے پجاری کے چنگل میں پھنس چکی ہے جس کی براہ راست شیطان ملعون تک رسائی حاصل ہے“...... طارق نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے کرنل فریدی سے کہا جو غور سے اپنے ملک کے معروف سیاح طارق کی بات غور سے سن رہا تھا۔

توڑنا منع ہے

باپ نے بیٹے سے کہا۔ ”منے سامنے والے باغ سے ایک پھول توڑ لاؤ۔“

منا واپس آیا تو اسکے ہاتھ میں پھول کے بجائے پودا تھا۔ جسے دیکھ کر باپ نے پوچھا۔

”میں نے تمہیں پھول توڑ کر لانے کو کہا تھا۔ اور تم پودا اکھاڑ لائے۔“

یہ سن کر منے نے کہا۔ ”ابا جان میرا بھی یہی خیال تھا کہ پھول توڑ لاؤں گا۔“

لیکن گیٹ کے باہر لکھا تھا، پھول توڑنا منع ہے۔ چنانچہ میں پورا پودا اکھاڑ لایا۔“

(روبینہ ناز۔ کراچی)

"طارق صاحب۔ مجھے سید نور عالم شاہ نے یہی کہا ہے کہ تم واپس جاؤ۔ شیطان کے خاص ساتھی مہا گمبارو کی کالی دنیا میں پہنچنے کا ذریعہ خود ہی بن جائے گا مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں روزا کی کس طرح مدد کروں جو شیطان پرستوں کی کالی دنیا کی قیدی بن چکی ہے اور وہ وہاں بہت پریشان ہوگی مگر آپ کو دیکھ کر میری امید جاگ چکی ہے کہ میں روزا کی مدد کرسکتا ہوں مگر اس کے لئے آپ کو میری رہنمائی کرنی ہوگی۔ غالباً شاہ صاحب نے مجھے آپ ہی کا اشارہ دیا ہوگا"...... کرنل فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے طارق کو اپنے سامنے دیکھ کر بہت خوشی اور تسلی ہورہی تھی۔ کیونکہ کرنل فریدی طارق کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی زندگی کا اکثر حصہ افریقہ اور خاص کر جنوبی امریکہ کے گھنے جنگلوں میں گزرا ہے اور جوزف کی طرح اس کے بھی تاریک جنگلوں کے وچ ڈاکٹروں سے تعلقات ہیں اور طارق بھی متعدد بار شیطان کی سیاہ قوتوں سے ٹکرا چکا ہے اور اپنی صلاحیتوں سے ان کا خاتمہ بھی کرچکا ہے اور کرنل فریدی یہ بھی جانتا تھا کہ طارق ماورائی سلسلوں میں عمران کے ساتھی جوزف سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں تھا اس لئے طارق کو دیکھ کر فریدی خوش ہوگیا تھا۔ کرنل فریدی، شاہ صاحب سے ملنے کے بعد سیدھا اپنی کوٹھی آگیا تھا۔ شاہ صاحب نے کرنل فریدی کو یہی کہا تھا کہ وہ فکر نہ کرے اس کی ساتھی روزا کے لئے اس کو خود ہی شیطان کی خاص جگہ کالی دنیا کا سفر کرنا پڑے گا اور رہنمائی کے لئے شاہ صاحب نے اس کو اللہ کے نام والی ایک تسبیح دی تھی اور دعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کو خوفناک مہم میں مشکلات تو درپیش ہوں گی مگر ہمت کرنے سے وہ اپنی ساتھی کو کالی قوتوں کے شکنجے سے چھڑوا سکتا ہے اور شیطان پرست کا خاتمہ بھی کرسکتا ہے مگر اس کے لئے اسے تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔

شاہ صاحب سے ملے ہوئے اسے تین دن ہوگئے تھے مگر اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ شیطان پرست مہا گمبارو کی کالی دنیا میں کس طرح جائے گا جہاں اس کی ساتھی روزا شیطان پرستوں کی قیدی بن چکی تھی۔ اگر کوئی مجرم تنظیم ایسی حرکت کرتی تو کرنل فریدی اپنی صلاحیتوں اور اثر و رسوخ سے اب تک شعلہ فشاں بن کر مجرم تنظیم سے ٹکرا چکا ہوتا اور اس کا خاتمہ کرچکا ہوتا مگر یہاں معاملہ مختلف تھا اور ایک طاقتور شیطانی قوت اس کو چیلنج کررہی تھی اور اس معاملے میں کرنل فریدی رحمانی قوتوں کے بغیر خود کو کمزور محسوس کررہا تھا اور اس کشمکش میں اسے طارق کا خیال ہی بھول گیا تھا۔ ویسے بھی طارق من موجی آدمی تھا جب مرضی ہوتی کافرستان کا چکر لگا لیتا ورنہ وہ تاریک جنگلات میں ہوتا یا پھر امریکہ یا میں ہوتا۔ اپنے آبائی ملک کافرستان کم ہی آتا تھا یا پھر کرنل فریدی نے جب کسی جنگل کی مہم سر کرنی ہوتی تو اس وقت وہ طارق سے رابطہ کرتا تھا اور کرنل فریدی کے کہنے پر طارق کافرستان کا رخ کرتا تھا اور آج اچانک طارق کو دیکھ کر کرنل فریدی خوش ہوگیا تھا۔ کرنل فریدی نے روزا کے اغوا ہونے اور پراسرار دھوئیں میں مہا گمبارو سے ٹکراؤ اور شاہ صاحب سے ملاقات ہونے کا تمام تر واقعہ سنا دیا تھا۔

کرنل فریدی کی باتیں سن کر کچھ دیر کے لئے طارق نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا پھر اپنی آنکھیں کھول دیں تو کرنل فریدی نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔

"کیا ہوا طارق صاحب۔ کوئی پریشانی والی بات ہے کیا"۔ کرنل فریدی نے حیرت سے طارق کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"فریدی بیٹا۔ یہ اتفاق ہی ہے کہ میں کافرستان آیا ہوں۔ میں تو برازیل کے جنگلوں میں تھا کہ بس اچانک تم سے ملنے اور اپنے ملک کافرستان آنے کا دل کیا اور میں یہاں آگیا۔ بس یوں سمجھو کہ شاہ صاحب کی دعاؤں کی وجہ سے میں تمہاری مدد کو آگیا اور یہ تم نے اچھا کیا کہ مجھے تمام باتیں بتادی ہیں اور بقول تمہارے شاہ صاحب نے تم سے یہی کہا ہے کہ تم شیطان کے خاص ساتھی مہا گمبارو کی کالی دنیا میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔ غالباً بات یہ ہے کہ مہا گمبارو انتہائی غلیظ، رذیل دنیا کا شیطان نمائندہ ہے۔ میں نے اپنے علوم سے معلوم کرلیا ہے کہ اس شیطان کا مقابلہ کرنا اتنا آسان نہیں ہے مگر یہ درست ہے کہ وہ عیاش پرست شیطان بہت زبردست ساحرانہ قوتوں کا مالک ہے اور یہ بات بھی درست ہے کہ وہ غلاظت کی دنیا میں جہاں بہت آگے بڑھ چکا ہے وہاں شیطان کے نام پر بے شمار لڑکیوں کو اپنی ہوس کی بھینٹ اور شیطان ملعون کے نام کی بلی چڑھا چکا ہے اور اس کا یہ گھناؤنا کھیل ابھی تک جاری ہے اور اب شیطان کا یہ خاص نمائندہ روزا بیٹی اور عمران کی ساتھی جولیا کو اغوا کرچکا ہے تاکہ ان

دونوں کو اپنے شیطانی مقصد کے لئے استعمال کرسکے۔

عموماً شیطان پرست غلیظ عمل کرنے اور شیطانی علوم حاصل کرنے کے لئے اپنی عمر گزار دیتے ہیں اور پھر جا کر ان کو شیطانی علوم میں دسترس حاصل ہوتی ہے مگر مہا گمبارو جوانی میں ہی شیطان کا خاص نمائندہ بن چکا ہے۔ شیطان کو خوش رکھنے کے لئے انسانوں کی بھینٹ دیتا رہتا ہے اور اس بار اس نے روشنی کے خاص نمائندوں سے مہا گمبارو سے ٹکر لینے کے لئے اس کی خاص اور ہر دل عزیز ساتھیوں کو اپنے ناپاک مقصد کے لئے چنا ہے"...... طارق نے آخری بات مسکرا کر کی تو کرنل فریدی بھی مسکرانے لگا کیونکہ طارق اچھی طرح جانتا تھا کہ کرنل فریدی روزا کو دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے اور اسی لئے روزا کو ایکریمیا سے کافرستان لایا تھا۔ چونکہ روزا اس کی طرح سنجیدہ، کم گو اور ذہین لڑکی تھی اس لئے فریدی نے خود ہی اسے فائٹ اور سراغ رسانی میں ماہر کردیا تھا۔ روزا نے بھی کرنل فریدی سے محبت کا اظہار تک نہ کیا تھا اور فریدی تو ویسے ہی خشک مزاج اور عورت ذات سے بے زار تھا مگر طارق اچھی طرح جانتا تھا روزا وہ واحد لڑکی ہے جسے کرنل فریدی پسند کرتا ہے اس لئے کرنل فریدی ایک غیر کافرستانی اور وہ بھی ایک نوجوان لڑکی کو کافرستان لایا تھا اور اپنی ٹیم میں شامل کیا تھا۔

"سب میری خاص ساتھی ہیں طارق صاحب"...... کرنل فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا بیٹا۔ یہ بتاؤ کہ شیطان پرست مہا گمبارو کی بنائی ہوئی ہولناک کالی دنیا میں تم خود جاؤ گے یا کسی اور کو روزا کی مدد کے لئے بھیجو گے"...... طارق نے اس بار سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ میں کچھ سمجھا نہیں"۔ اس بار کرنل فریدی نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔

"فریدی بیٹا۔ جہاں تک میرا علم کہتا ہے شیطان پرست کی اس کالی اور ہولناک دنیا میں صرف ایک فرد جاسکتا ہے اور وہ بھی ایک خاص عمل سے گزر کر وہاں جایا جاسکتا ہے اور میں اس عمل کو جانتا ہوں مگر اس عمل کے ذریعے میں خود کسی ایک فرد کو وہاں بھجوانے کا طریقہ بتا سکتا ہوں جس کے ذریعے وہ روزا کی رہنمائی کرسکتا ہے"...... طارق صاحب نے کہا۔

چونکہ کرنل فریدی اچھی طرح جانتا تھا کہ پراسرار اور حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک طارق بھی جوزف کی طرح پراسرار مخفی قوتوں کا ماہر ہے اور متعدد بار شیطانی قوتوں کا خاتمہ کرچکا ہے اس لئے روشن خیال ہونے کے باوجود وہ طارق کی باتوں کو کبھی رد نہیں کرتا تھا۔

"اگر ایسا ہے تو میں خود روزا کے لئے مہا گمبارو کی کالی دنیا میں جاؤں گا کیونکہ روزا کے لئے میں اپنے کسی ساتھی کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا"...... کرنل فریدی نے مضبوط اور خشک لہجے میں کہا تو طارق مسکرانے لگا جیسے اسے مکمل یقین تھا کہ کرنل فریدی اسے یہی جواب دے گا۔

"مگر طارق صاحب۔ یہ کیسی مہم ہے، جس میں ایک ہی فرد جاسکتا ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ اس شیطانی دنیا میں نہیں جاسکتے"...... کرنل فریدی نے ہنکارہ بھر کر پوچھا۔

"اگر تم اس شیطانی دنیا میں جانے سے ڈرتے ہو تو کوئی بات نہیں میں خود مہا گمبارو سے نمٹنے کے لئے اس کی کالی دنیا کا سفر کروں گا اور روزا بیٹی کو اس شیطان کے چنگل سے چھڑا کے لے آؤں گا"...... طارق نے کرنل فریدی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں طارق صاحب۔ آپ مجھے اس شیطان کی کالی دنیا میں جانے کا راستہ بتادیں۔ یعنی رہنمائی کریں میں خود اس شیطانی ساحر سے نمٹنا چاہتا ہوں۔ میں روزا کی خاطر اپنے کسی ساتھی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا اور ویسے بھی یہ مہم کوئی عام مہم نہیں۔ یہ ماورائی کیس ہے اور میرے ساتھی عمران کے ساتھیوں کی طرح بہت کم ہی ماورائی کیس میں پھنسے ہیں۔ وہ شیطانی ساحر کی کالی دنیا میں روزا کی مدد کرنے کے بجائے خود مشکل میں پھنس کر موت کا شکار ہوجائیں گے۔ اگر یہ کوئی بھی عالمی مجرم یعنی زیرو لینڈ یا عالمی دہشت گرد تنظیم ریڈ ڈیتھ کے نمائندے ہوتے تو میں اپنے کسی بھی ساتھی کو بھیجتا تو وہ اکیلا ہی اس خطرناک ایجنٹ سے ٹکرا جاتا اور اسے خاک چاٹنے پر مجبور کردیتا اور روزا خود بھی مجرموں کو سبق سکھا دیتی مگر یہاں معاملہ مختلف ہے اس لئے میں خود ہی کالی دنیا کا سفر کرنا چاہتا ہوں"...... کرنل فریدی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو طارق نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"فریدی بیٹا۔ تمہیں معلوم ہے کہ روزا بیٹی کی طرح عمران کی ساتھی جولیا بھی کالی طاقتوں کے ہاتھوں اغوا ہوکر مہا گمبارو کی ہولناک کالی دنیا میں پہنچا دی گئی ہے جہاں تک میرا علم کہتا ہے کہ عمران اپنے ساتھی جوزف کی بدولت اپنی ساتھی

جولیا کی خاطر کالی دنیا کا سفر ضرور کرے گا اور جوزف کی کوشش ہوگی کہ عمران کالی دنیا میں نہ جائے کیونکہ وہ بہت ہی ہولناک دنیا ہے اس لئے جوزف، جولیا کے لئے کالی دنیا کا سفر خود کرنا چاہے گا مگر میرے علم اور اندازے کے مطابق عمران خود اپنی ساتھی جولیا کے لئے کالی دنیا کا سفر کرے گا۔ تم ایسا کرو کہ اس معاملے میں یا تو مجھے کالی دنیا میں جانے دو یا پھر جوزف اور عمران کی مدد حاصل کرو کیونکہ عمران اور خاص کر اس کا غلام جوزف کئی بار شیطانی قوتوں سے الجھ کر ان کا خاتمہ کر چکے ہیں۔ گو کہ میرے علم کے مطابق یہ مہم عمران کے لئے آسان نہیں ہوگی مگر عمران کے پیچھے روشنی کی طاقتوں کا ہاتھ ہے ان کی دعاؤں اور مدد سے عمران متعدد بار سفلی قوتوں کو نیست و نابود کر چکا ہے اس لئے تم اس مہم کے لئے عمران سے مدد لے سکتے ہو۔ وہ کالی دنیا میں اپنی ساتھی جولیا کی مدد کرنے کے ساتھ روزا بیٹی کو بھی واپس لے کر آ سکتا ہے“...... طارق نے کرنل فریدی کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں طارق صاحب۔ میں روزا کے لئے کسی کی مدد نہیں لے سکتا۔ گو کہ میں عمران کی طرح بہت کم ماورائی کیس میں الجھا ہوں مگر اللہ کے کرم سے میرے پیچھے بھی روشنی کی طاقتوں کا ہاتھ ہے۔ گو کہ شاہ صاحب نے میری براہ راست مدد نہیں کی مگر ان کی دعائیں میرے ساتھ ہیں میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس ماورائی کیس میں آپ شیطان کے خاص ساتھی مہا گمبارو کی کالی دنیا میں جوزف کی طرح میرے اور عمران کی سے زیادہ اس شیطانی ساحر کی کالی دنیا میں اس شیطان کا زیادہ آسانی سے مقابلہ کر سکتے ہیں مگر عمران اپنی ساتھی جولیا کی خاطر کالی دنیا میں جائے نہ جائے مگر میں روزا کی خاطر کسی کو بھی مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔ چاہے وہ آپ ہی کیوں نہ ہوں اس لئے آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ مہا گمبارو کی کالی دنیا میں خاص عمل سے صرف ایک ہی فرد اس شیطانی دنیا میں جا سکتا ہے تو میں خود ہی اس انجانی دنیا کا سفر کروں گا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس ماورائی مہم میں سفلی قوتوں کا مقابلہ کر سکوں گا یا نہیں مگر اللہ پاک کی ذات پر یقین ہے کہ وہ اس ماورائی کیس میں میری مدد ضرور کریں گے“...... کرنل فریدی نے یقین سے کہا۔

”فریدی بیٹا۔ ٹھیک ہے کہ تم عورت ذات کے معاملے میں عمران کی طرح کورے ہو یعنی کوئی حسین ترین لڑکی بھی تمہیں اپنے جال میں نہیں پھنسا سکتی اور شیطان کا سب سے بڑا جال ہی عورت کی ذات ہے۔ کیونکہ بڑے بڑے نیک لوگ بھی عورت کے جال میں پھنس کر خود کو کمزور کر چکے ہیں مگر مجھے عمران سے زیادہ تم پر یقین ہے کہ کوئی فتنہ گر عورت تمہیں اپنے جال میں نہیں پھنسا سکتی مگر کالی دنیا بہت ہولناک دنیا ہے۔ گو کہ مجھے تمہاری صلاحیتوں پر شک تو نہیں مگر میں تمہیں کالی دنیا میں جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ میں خود ہی کالی دنیا کا سفر کرنا چاہتا ہوں“...... طارق نے کرنل فریدی کو مشورہ دیا۔

”نہیں طارق صاحب۔ میں روزا کی خاطر کسی کو بھی خطرے میں نہیں ڈال سکتا“...... کرنل فریدی نے مضبوط لہجے میں کہا۔

”تو بیٹا یوں کہو کہ تمہیں روزا کی فکر ہے اور تم اپنی روزا کے لئے خود ہی کالی دنیا کا سفر کرنا چاہتے ہو“...... طارق نے ایک دفعہ پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

”طارق صاحب۔ ایک تو آپ میرے والد صاحب کے دوست ہیں اور آپ زیادہ ایکریمیا میں ہی رہتے ہیں اور آپ مجھ سے زیادہ اچھی طرح روزا کو جانتے ہیں کہ وہ کتنی بردبار، میری طرح کم گو سنجیدہ لڑکی ہے اور میں جانتا ہوں کہ روزا بھی نانوتا اور انسپکٹر ریکھا کی طرح مجھے چاہتی ہے مگر وہ میری ممبر انسپکٹر ریکھا کی طرح جذباتی لڑکی نہیں ہے اور نانوتا تو ویسے بھی عالمی مجرم ہے۔ میں نے کسی سے ایسی بات نہیں کی مگر آپ کی بات اور ہے۔ میں روزا سے محبت تو نہیں کرتا مگر اس کی مجھے عادت پسند ہے اس لئے تو میں ذہین، سنجیدہ اور کم گو روزا کو ایکریمیا سے کافرستان لے آیا تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ روزا کو اب میں اپنی ٹیم کا اہم رکن سمجھتا ہوں“...... کرنل فریدی نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو طارق نے سر ہلا دیا جیسے اسے پہلے سے ہی معلوم ہو۔

”تو تم روزا کے لئے خود اس ہولناک دنیا میں جانا چاہتے ہو۔ کیا واقعی یہ تمہارا حتمی فیصلہ ہے“...... طارق نے اس بار سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”یہ آپ بار بار مجھ سے ہولناک دنیا کیوں کہہ رہے ہیں۔ آخر وہ ایسی کیا جگہ ہے جہاں جانے کے لئے کسی خاص عمل سے گزرنا پڑتا ہے“...... اس بار کرنل فریدی نے حیرت سے سوال کیا۔

”فریدی بیٹا۔ وہ واقعی ہولناک دنیا ہے۔ شیطان پرست مہا گمبارو نے بے شمار شیطانی طاقتوں کی مدد سے اس انجانی اور

پراسرار دنیا کو اس دنیا سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے اس سفلی اور سیاہ قوتوں کے مالک کے پاس بے شمار غلیظ اور خوفناک طاقتیں ہیں۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تم اس کی سیاہ قوتوں کا مقابلہ کر سکو گے مگر پھر بھی تم اگر مہا گمبارو کی کالی دنیا کا سفر کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں وہاں جانے کا راستہ بتا سکتا ہوں مگر تمہیں اپنے حواس پر قابو پا کر ہمت اور بہادری کا بھرپور مقابلہ کرنا ہوگا۔ گو کہ عمران بھی تمہاری طرح پاکیزہ کردار کا اور تمہاری طرح ہی روشنی کا نمائندہ ہے مگر شیطانی ساحر مہا گمبارو کی کالی دنیا میں عمران کو بھی بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا مگر میرا یقین کہتا ہے کہ اگر تم اور عمران مل کر اس انجانی دنیا میں شیطان پرستوں کا مقابلہ کرو تو اس ہولناک اور سحر و اسرار کی سرزمین کا خاتمہ کر دو گے مگر بات وہی ہے کہ اس سحر کی دنیا میں ہمت کا مظاہرہ کرنا ہوگا“...... طارق نے کہا۔

”سر آپ سے ایک خاتون ملنے آئی ہیں اور اپنا نام انا کی بتاتی ہیں“...... اس سے پہلے کہ کرنل فریدی طارق سے مزید کوئی بات پوچھتا اس کے ملازم نے آ کر اسے اطلاع دی۔

”یہ خاتون کہاں سے آئی ہیں“...... کرنل فریدی نے چونک کر ملازم سے پوچھا۔

”معلوم نہیں سر۔ خاتون کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟ اگر آپ کہیں تو میں ان کو مہمان خانے میں بٹھا دوں“...... ملازم نے ادب سے پوچھا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ تم اس خاتون کو مہمان خانے میں بٹھاؤ میں آتا ہوں“...... کرنل فریدی نے کہا تو ملازم نے ادب سے سر ہلا دیا اور کمرے سے چلا گیا۔

”تو تم اس مہم میں کب جانا چاہو گے مگر ایک مرتبہ میں پھر تمہیں مشورہ دے رہا ہوں کہ مجھے ہی مہا گمبارو کی سحر و اسرار کی انجانی اور خوفناک دنیا یعنی کالی دنیا میں جانے دو۔ تم لاکھ سیکرٹ ایجنٹ سہی مگر کالی دنیا کی شیطانی قوتوں سے مقابلہ کرنا تمہارے لئے مشکل ہوگا“...... طارق نے ایک دفعہ پھر کرنل فریدی کو مشورہ دیا۔

”نہیں طارق صاحب۔ میں جو فیصلہ ایک بار کر لیتا ہوں اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ چاہے کتنی ہی مشکلات کیوں نہ ہوں اور ویسے بھی ضروری نہیں کہ میں روزا کی خاطر اس ماورائی مہم میں جانا چاہتا ہوں اگر میرا کوئی اور ساتھی بھی مشکل میں ہوتا تو میں اس کی خاطر بھی اس مشکل میں کود جاتا“...... کرنل فریدی نے خشک لہجے میں کہا تو طارق نے اس کے مضبوط ارادے کو دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے بعد کرنل فریدی کرسی سے اٹھ کر مہمان خانے کی طرف بڑھا جہاں کوئی خاتون اسے ملنے آئی تھی۔

کرنل فریدی جیسے ہی مہمان خانے میں داخل ہوا اس نے دیکھا کہ ایک انتہائی خوبصورت لڑکی مہمان خانے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ لڑکی بے حد حسین تھی اور اس نے جینز کی پینٹ اور سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی اور بہت ایڈوانس لگ رہی تھی۔ لڑکی نے کرنل فریدی کو دیکھا تو مہمان خانے میں موجود صوفے سے اٹھ گئی جس پر وہ بیٹھی تھی اور آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے کرنل فریدی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لڑکی بہت خوبصورت اور بے حد حسین بدن کی مالک تھی مگر کرنل فریدی نے اس کی طرف سرسری نظروں سے دیکھا مگر لڑکی سے ہاتھ نہیں ملایا اور اپنی مخصوص کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

”سوری خاتون۔ میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا“...... کرنل فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور لڑکی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو ضرور لڑکی نے حیرت سے کرنل فریدی کو دیکھا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ اگر یہاں کرنل فریدی کی جگہ کیپٹن حمید ہوتا تو اتنی حسین لڑکی کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوتا مگر یہاں کرنل فریدی تھا جو انسپکٹر، ریکھا اور نانوتا جیسی حسین لڑکیوں کو بھی لفٹ نہیں کراتا تھا حالانکہ وہ دونوں اس پر مرتی تھیں اور اپنی ساتھی ایکریمی نژاد روزا جیسی بے پناہ حسین لڑکی سے بھی اس نے کبھی الفت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ گو کہ لڑکی بے پناہ حسین تھی مگر روزا سے کم حسین تھی۔ اس کا لباس اور سلگتا جسم اور بے پناہ حسن کسی بھی مضبوط مرد کو گمراہ کر سکتا تھا مگر یہاں کرنل فریدی تھا جسے دنیا ہارڈ اسٹون کے نام سے جانتی تھی اور وہ عورت ذات سے بے زار تھا۔

”جی بولیں خاتون۔ آپ کون اور کہاں سے آئی ہیں اور مجھ سے آپ کو کیا کام ہے؟“...... کرنل فریدی نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے خشک لہجے میں کہا تو انا کی نامی حسین لڑکی نے حیرت سے کرنل فریدی کی طرف دیکھا جو اس کے حسن سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔

”سر۔ میں بہت غریب لڑکی ہوں میں نے بہت سے پرائیویٹ فرموں میں کام کیا ہے مگر میرا حسن میرے لئے وبال جان بن گیا ہے۔ میں جہاں بھی نوکری کے لئے جاتی

ہوں وہاں ہوس پرست آفیسر اور ہوس پرست اسٹاف ہی ملا ہے میں غریب ضرور ہوں مگر عزت دار لڑکی ہوں میں نے آپ کی پاک دامنی کی بہت شہرت سنی تھی اس لئے آپ کے فرم میں جاب کرنے آئی ہوں"...... انا کی نے بڑے دلربا انداز میں کہا اور مسکراتے ہوئے قاتلانہ نگاہوں سے کرنل فریدی کی طرف دیکھنے لگی جیسے کرنل فریدی اس کی بات سن کر اس پر نچھاور ہو کر اسے اپنے پاس ملازمت پر رکھ لے گا۔

"دیکھیں خاتون۔ یہ کوئی فرم نہیں ہے کہ آپ یہاں ملازمت کرنے آئی ہیں۔ ہم سراغ رساں ہیں اس لئے آپ کسی اور جگہ کوشش کریں ضروری نہیں کہ ہر جگہ برے لوگ ہوں آپ نے یہاں آکر اپنا وقت برباد کیا ہے اس لئے آپ مہربانی کر کے یہاں سے جا سکتی ہیں"...... کرنل فریدی نے سپاٹ اور خشک لہجے میں کہا۔

"سر۔ مجھے سراغ رسانی کا بہت شوق ہے آپ مجھے نوکری دینے سے انکار نہ کریں میں آپ کی ہر بات پر عمل کروں گی۔ میں شریف لڑکی ہوں آپ مجھے مایوس نہ کریں"...... انا کی نے کرنل فریدی کے خشک لہجے کو دیکھ کر مزید اٹھلاتے ہوئے کہا جیسے کرنل فریدی ابھی اس پر فریفتہ ہو جائے گا۔

"خاتون آپ کی شرافت تو آپ کے لباس سے ہی معلوم ہو رہی ہے اور جہاں تک نوکری کا تعلق ہے تو سراغ رسانی کوئی نوکری نہیں ہے جو آپ ضد کر رہی ہیں لہٰذا آپ یہاں سے جا سکتی ہیں"...... کرنل فریدی نے اس بار سخت لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"دیکھیں مسٹر فریدی۔ میں جہاں بھی گئی کبھی ناکام نہیں ہوئی تم مجھے مایوس نہ کرو اور اپنے ساتھ رکھ لو میں تمہارے بہت کام آسکتی ہو"...... کرنل فریدی کو سخت لہجے میں دیکھ کر انا کی نے بھی اپنا لہجہ سخت کر لیا۔

"کون ہو تم اور کہاں سے آئی ہو۔ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"۔ اس بار کرنل فریدی نے حیرت سے اس سے پوچھا اور چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں جو بھی ہوں اس سے آپ کو کوئی غرض نہیں ہونا چاہئے۔ بس آپ مجھے اپنی ٹیم میں شامل کر لیں آپ کتنے پتھر دل ہیں جو مجھ جیسی حسین لڑکی کو ٹھکرا رہے ہیں"...... اس بار انا کی نے پھر دلربا انداز میں اٹھلاتے ہوئے مسکرا کر کرنل فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"انا کی۔ کہاں سے آئی ہو تم"...... اس بار کرنل فریدی نے غصے سے پوچھا۔

"سر۔ آپ اس بات کو چھوڑیں۔ بس مجھے ایک دفعہ اپنی ٹیم میں شامل کر لیں پھر دیکھیں میں آپ کے لئے کتنی فائدہ مند ثابت ہوتی ہوں"...... انا کی نے کرنل فریدی کے غصے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پھر اٹھلاتے ہوئے کہا۔

"لڑکی۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے تمہیں دھکے دے کر نکالنا پڑے"...... اس بار کرنل فریدی نے ہاتھ کا اشارہ کر کے اسے باہر نکلنے کا حکم دیا تو انا کی بھی اب بھوکی شیرنی کی طرح اسے گھورنے لگی جو ذرا بھی اس کے ناز نخروں سے متاثر نہیں ہوا تھا بلکہ اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گی۔ روشنی کے نمائندے تم کب تک میرے سحر سے بچ سکو گے میں تمہیں بھسم کر دوں گی"...... یکدم انا کی غصے سے چلائی اس کی آنکھوں سے گویا شرارے نکل رہے تھے۔

"کہیں تم بدکار مہا گمبارو کی بدکار غلام تو نہیں ہو جو شیطان ملعون کا ساحر ہے"...... کرنل فریدی نے چونک کر اس سے پوچھا۔

"اوہ بدبخت۔ ادب سے نام لے بلیک لارڈز کا"...... انا کی بدستور غصے سے چلائی اور کرنل فریدی کی طرف ہاتھ جھٹکا تو اس کے ہاتھ سے آگ کے شرارے نکلے اور کرنل فریدی کی طرف لپکے اور کرنل فریدی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں آگ لگ گئی ہو۔ کرنل فریدی کے منہ سے اچانک چیخ نکل گئی اسی دوران کرنل فریدی کو طارق نظر آیا جو اچانک اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ طارق منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا مگر یہ زبان کرنل فریدی کے لئے اجنبی تھی۔ طارق نے اچانک کچھ پڑھ کر انا کی کی طرف پھونک ماری تو انا کی کے منہ سے زوردار چیخ نکل گئی اور وہ اڑتی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔ طارق نے اپنے جیب سے ایک سیاہ رنگ کا دھاگہ نکالا اور تیزی سے آگے بڑھ کر انا کی کے منہ کے سامنے گانٹھ لگانے لگا مگر اچانک انا کی دھواں بن کر غائب ہو گئی۔

"اوہ۔ مجھے تھوڑی دیر اور ہو جاتی تو یہ خوفناک بدروح تمہیں مار ڈالتی۔ میں نے کوشش تو کی کہ مہا گمبارو کی سفلی طاقت کو فنا کر سکوں مگر دیگر سیاہ طاقتوں نے اس کی مدد کر کے

اسے میرے وار سے چھڑا لیا ورنہ یہ شیطانی طاقت میرے ہاتھوں فنا ہو جاتی"۔ طارق نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مجھ سے ملنے کوئی سفلی قوت آ رہی ہے"...... کرنل فریدی نے ان تمام نظاروں کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"فریدی بیٹا۔ شیطان پرست مہا گمبارو کی سفلی طاقتیں تمہارا راستہ روکنے کے لئے یہاں بھی آ چکی ہیں اب اس کا مطلب ہے کہ مہا گمبارو جولیا اور روزا کو اپنی بھینٹ چڑھانے کے لئے تیاری کر چکا ہے اس لئے تمہارا راستہ روکنا چاہتا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک مہا گمبارو کی کالی دنیا میں جا کر اپنے ساتھیوں کی مدد کرے ورنہ وہ دونوں موت کا شکار ہو جائیں گی"...... طارق نے فکرمندی سے کہا۔

"تو طارق صاحب آپ مجھے اس شیطانی ساحر کی کالی دنیا جو خوف اور دہشت کی دنیا ہے وہاں جانے کا طریقہ بتا دیں تاکہ میں اپنی ساتھی روزا اور عمران کی ساتھی جولیا کی مدد کر سکوں"۔ کرنل فریدی نے طارق کے منہ سے جولیا اور خاص کر روزا کی قربانی کا سن کر فکرمندی سے کہا۔

"فریدی بیٹا۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ کالی دنیا میں تم ان کی مدد کی بجائے خود مشکل میں پھنس سکتے ہو"...... طارق نے کرنل فریدی کو پھر مشورہ دیا۔

"نہیں طارق صاحب۔ کچھ بھی ہو جائے میں روزا کی خاطر اس انجانی دنیا میں جاؤں گا۔ ہاں اگر آپ بھی میرے ساتھ جا سکتے ہیں تو اچھی بات ہے مگر میں آپ کو کالی دنیا میں نہیں بھیج سکتا میں کسی کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا"...... کرنل فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

طارق نے اس کی بات غور سے سنی اور طویل سانس لے کر ہنکارہ بھرا اور نہ چاہتے ہوئے بھی سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

"سرخ رنگ کی کار تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی اور اس گاڑی میں دو جوڑیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک جوڑی آگے بیٹھی تھی اور ایک جوڑی پیچھے بیٹھی تھی۔ کار تیزی سے شہر سے دور ایک ملحقہ گاؤں میں جا رہی تھی۔

"ابھی باقی کتنا سفر ہے؟"...... نوجوان اور خوبرو ڈرائیور کے ساتھ عقبی سیٹ پر بیٹھی ہوئی نوجوان اور خوبصورت لڑکی نے بیزاری سے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"بس ابھی سے تھک گئی"...... نوجوان نے کار چلاتے ہوئے اپنی ساتھی لڑکی کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"نہیں میں تھک تو نہیں گئی۔ میں نے بڑے بڑے سفر کئے ہیں یہ تو ایک مختصر سفر ہے مگر مجھے معلوم نہیں ہے کہ ہم جس بزرگ سے ملنے جا رہے ہیں کیا وہ ہماری مدد بھی کر سکیں گے یا نہیں"...... لڑکی نے لمبا سانس لے کر کہا جیسے اسے یقین نہ ہو کہ وہ جس مقصد کے لئے جا رہے ہیں اس میں وہ کامیاب ہوں گے بھی یا نہیں۔

"روزی ڈیئر۔ تم اتنی فکرمند کیوں ہو حالانکہ ساتھی ہمارے ہم سے جدا ہوئے ہیں اور فکر تمہیں ہو رہی ہے"...... نوجوان ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا جو ٹائیگر تھا اور اس کے ساتھ روزی راسکل بیٹھی ہوئی تھی اور پچھلی سیٹوں پر صالحہ اور صفدر بیٹھے ہوئے تھے۔

"تمہارے ساتھی میرے بھی تو ساتھی ہوئے۔ تمہارا استاد عمران مجھے بھی اچھا لگتا ہے کیونکہ میں نے کبھی بھی اس کی آنکھ میں کسی عورت کے لئے طلب یا بدنظری نہیں دیکھی اور نہ کبھی سنا ہے کہ اس نے کسی لڑکی سے کوئی غیر شرعی حرکت کی ہو"...... روزی راسکل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ تو کیا میں تمہیں ایک غیر شرعی مرد لگتا ہوں"...... ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں کب کہا ہے کہ تم غیر شرعی ہو"...... روزی راسکل نے حیرت سے کہا۔ اسے ابھی تک ٹائیگر کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

"تو میں تمہارے لئے غیر نہیں ہوں اور تمہارا مرد ہوں"۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اے۔ زبان سنبھال کر بات کرو ورنہ زبان کاٹ کر رکھ دوں گی۔ تم میرے کوئی مرد نہیں ہو۔ میں کنواری لڑکی ہوں سمجھے تم"...... روزی راسکل نے ٹائیگر کی بات سمجھ کر غصے سے چلا کر کہا۔ ٹائیگر کے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ تھی اور روزی راسکل کو غصے میں دیکھ کر اس کی مسکراہٹ اور تیز ہو گئی۔

"مسٹر ٹائیگر۔ تم تو بہت سنجیدہ ہو آج تمہارا کیسے مذاق کا موڈ بن گیا"...... پیچھے بیٹھی صالحہ نے حیرت سے ٹائیگر سے پوچھا۔

"مس صالحہ۔ بات دراصل یہ ہے کہ باس بہت زندہ دل اور ہر کسی سے ہنسی مذاق کرنے والے انسان ہیں۔ جب

سے باس مس جولیا کے لئے شیطان کی کسی انجانی کالی دنیا میں گئے ہیں ہم سب ان کی کمی محسوس کررہے ہیں اور میں باس کا شاگرد ہونے کے ناطے اپنے استاد کی غیر موجودگی میں مذاق کرکے اپنا اور تم سب کا دل خوش کرنے کی کوشش کررہا ہوں“......ٹائیگر نے اپنا منہ پیچھے کرکے صالحہ کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر آگے دیکھ کر بڑی مہارت سے کار چلانے لگا۔

دراصل جولیا کے پراسرار اغوا کے بعد عمران اپنے کسی ساتھی سے مشورے کے بغیر جوزف کے بتائے ہوئے پراسرار عمل کے ذریعے شیطان پرستوں کی کالی دنیا میں چلا گیا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھی غمگین اور پریشان ہوگئے تھے۔ یہاں تک کہ روزی راسکل نے بھی ٹائیگر سے کہا کہ وہ عمران کے سلسلے میں کسی عامل سے رابطہ کرے جو عمران اور جولیا والے کیس میں ان کی رہنمائی کرسکے اس پر ٹائیگر کو سید چراغ شاہ یاد آئے۔ ٹائیگر نے معلوم کروالیا تھا کہ شاہ صاحب جو کہیں گئے ہوئے تھے اب واپس آگئے ہیں۔ ٹائیگر نے عمران اور جولیا کی مدد کرنے کے لئے صفدر سے رابطہ کیا کیونکہ وہ بھی عمران اور جولیا کے چلے جانے کے بعد خلا محسوس کررہا تھا۔ صفدر نے صالحہ کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کو کہا کیونکہ وہ بھی کئی بار عمران اور جولیا کا پوچھ چکی تھی۔ اس وقت ٹائیگر، روزی راسکل، صفدر اور صالحہ کار میں بیٹھے تھے۔

وہ سب سید چراغ شاہ سے ملنے جارہے تھے تاکہ وہ اس پراسرار کیس میں ان کی رہنمائی کریں۔ گوکہ پروفیسر نصیر احمد نے عمران سے کہا تھا کہ وہ اس پراسرار کیس میں اس کی رہنمائی نہیں کرسکتے البتہ ماورائی طریقے سے وہ شیطان پرستوں کی کالی دنیا میں جاسکتا ہے جس کے لئے وہ اپنے ساتھی جوزف کی رہنمائی لے سکتا ہے اور عمران نے جولیا کے لئے بغیر کسی سے مشورہ کئے کوئی پراسرار عمل کرکے جولیا کو شیطان پرست کے چنگل سے چھڑوانے کے لئے کالی دنیا میں جانے کا عمل پڑھ کر پراسرار طریقے سے غائب ہوچکا تھا اور جولیا کے جانے کے بعد اب عمران بھی نہیں تھا اس لئے سب پریشان تھے۔ ان کی کار تیزی سے سید چراغ شاہ کے گاؤں والی سڑک پر تیزی سے جارہی تھی۔

”ویسے ٹائیگر۔ میں تم پر حیران ہوں اور خوش بھی ہوں کہ تم نے اپنا جیون ساتھی چن لیا ہے اور تمہارے لئے تو شادی کرنا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ہم تو سیکرٹ سروس والے شادی نہیں کرسکتے اس لئے ہمیں اپنے چیف ایکسٹو سے اجازت لینا پڑے گی اور ہمارا چیف اس معاملے میں بہت سخت ہے۔

”لیکن تم، جوزف، جوانا اور رابرٹ تو عمران صاحب کے لئے کام کرتے ہو تمہیں تو اپنی شادی کرنے کے لئے ہمارے چیف سے اجازت نہیں لینی پڑے گی“......صفدر نے مسکراتے ہوئے ٹائیگر سے کہا۔

”کیا مطلب۔ میں نے کون سی لڑکی اپنے لئے چن لی ہے اور وہ لڑکی کون ہے؟“......اس بار ٹائیگر نے حیران ہوکر صفدر سے پوچھا۔

”ارے ابھی تو تم روزی راسکل کو اپنا بنانے کا کہہ رہے تھے“۔ صفدر نے ہنستے ہوئے کہا تو صالحہ نے بھی مسکراتے ہوئے صفدر کی تائید میں سر ہلادیا۔

”ارے۔ وہ تو میں مذاق کررہا تھا ورنہ اس جن زادی سے کون شادی کرے گا؟ میرا ابھی پاگل خانے جانے کا کوئی شوق نہیں ہے“......ٹائیگر نے صفدر کی بات سن کر ہنستے ہوئے کہا۔

”اے مسٹر۔ تم نے مجھے یعنی روزی راسکل کو جن زادی کہا اور مجھ سے شادی کرنے کا انکار کیا ہے۔ ابھی سوری کرو ورنہ میں تمہارا وہ حشر کروں گی جس سے تم ساری زندگی اپنا زخم چاٹتے رہو گے“۔ روزی راسکل نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔ غصے کی شدت سے اس کا حسین چہرہ انار کی طرح سرخ ہوگیا تھا اور قہر آلود نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھنے لگی جس کے چہرے پر روزی راسکل کی بات سن کر مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

”میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ میں کسی کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی شادی کے جھنجھٹ میں پڑنا چاہتا ہوں اس لئے میں تم سے کیوں معذرت کروں اور ہاں جب بھی میرا شادی کرنے کا پروگرام بن جائے گا تو میں کسی اچھی لڑکی سے شادی کرلوں گا“......ٹائیگر نے اپنے شانے اچکا کر اور روزی راسکل کی طرف شرارت سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

عمران کے کالی دنیا جانے کے بعد نہ جانے آج کیوں اپنے استاد عمران کے رنگ میں آنے کا دل کررہا تھا اور جس طرح عمران جولیا کو تڑپاتا رہتا تھا اسی طرح آج ٹائیگر، روزی راسکل کو تڑپا رہا تھا حالانکہ وہ جانتا بھی تھا کہ روزی راسکل غصے کی بہت تیز ہے مگر حیرت انگیز طور پر سنجیدہ مزاج ٹائیگر آج مذاق کے موڈ میں لگ رہا تھا اور روزی راسکل کو ستانے میں لگا ہوا تھا۔

”اے مسٹر۔ اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور لڑکی سے شادی کا سوچا بھی تو میں تمہارے اور اس دم چھلی کے ٹکڑے کرکے رکھ دوں گی۔ سمجھے تم“......روزی راسکل نے پھر غصے سے پھنکارتے ہوئے تیز لہجے میں کہا تو اس کی بات سن کر ٹائیگر ہنسنے لگا، صفدر اور صالحہ بھی روزی راسکل کو غصے میں دیکھ کر مسکرانے لگے۔

”کیوں۔ تم کیا میری محبت ہو یا میری باس ہو جس کی ہر بات پر میں ہاں کرتا رہوں۔ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں اور جو چاہے کروں تمہیں اس سے کیا۔ تم اپنے کام سے کام رکھا کرو“......ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا۔

”میں تمہارا پیچھا قیامت تک نہیں چھوڑوں گی۔ تمہارے باس نے خود ہی مجھ سے کہا تھا کہ وہ تمہاری مجھ سے شادی کروادے گا، میں مشرقی اور پاک دامن لڑکی ہوں میں نے جس کو ایک دفعہ اپنا جیون ساتھی چن لیا اب اسی سے ہی شادی کروں گی اور تم خوش قسمت ہو جو میں نے اپنے لئے تم جیسے احمق شخص کو چن لیا ہے“......اس بار روزی راسکل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اس پوری دنیا میں ایک میں ہی نظر آیا ہوں جس کو پھانسی کے پھندے میں لٹکانا ہے۔ میں بہت ہی ظالم قسم کا خوفناک اور جلاد صفت شخص ہوں۔ جو عورت میری زندگی میں آئے گی وہ بے چاری بے موت ماری جائے گی“......ٹائیگر نے اپنی شکل کو خوفناک بناتے ہوئے کہا۔

”اس لئے تو میں تمہیں کہہ رہی ہوں کہ میں ہی تم جیسے احمق جلاد کے لئے چنی گئی ہوں۔ میں تم جیسے جلادوں کو اچھی طرح ٹھیک کرنا جانتی ہوں“......روزی راسکل نے ٹائیگر کی بات سن کر بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ تم جیسی وحشی لڑکی سے شادی کروں گا اس سے تو کنوارہ رہنا ہی بہتر ہوگا“......ٹائیگر نے روزی راسکل کی نقل کرتے ہوئے کہا اور پھر منہ بنا کر اسے جواب دیا۔

”اے۔ تم نے مجھے یعنی روزی راسکل کو وحشی لڑکی کہا۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم نے مجھے وحشی لڑکی کہا“......ٹائیگر کی بات سن کر روزی راسکل نے غصے سے زخمی ناگن کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا اور غصے سے اس کا حسین چہرہ پھر سرخ ہوگیا تھا۔

”میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا اس لئے خاموش ہوجاؤ ورنہ شوٹ کرکے گاڑی سے باہر پھینک دوں گا۔ ایک تو میرا باس اور ان کی ساتھی پراسرار دنیا میں پھنس چکے ہیں دوسرا تم میرا دماغ چاٹ رہی ہو“......ٹائیگر نے کہا۔ صفدر اور صالحہ ان دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہوکر مسکرارہے تھے۔

”ویسے مسٹر ٹائیگر۔ میں روزی راسکل کی حمایت کروں گی کیونکہ عورت ذات ہونے کے باوجود زیر زمین دنیا سے تعلق ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ کیچڑ میں نہیں گھسی اور خود کو صاف رکھا ہے حالانکہ اس فیلڈ میں لڑکیاں اپنی عزت اور عصمت کی حفاظت نہیں کرسکتیں اور خراب عورتیں ہی اس فیلڈ میں چل سکتی ہیں مگر روزی راسکل نے خود کو اس کیچڑ سے بچائے رکھا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے جو روزی راسکل جیسی لڑکی اس خطرناک فیلڈ میں بھی پاک دامن ہے۔ ایسی لڑکی پر تو تمہیں فخر کرنا چاہئے“......صالحہ نے اس بار روزی راسکل کی تعریف کرتے ہوئے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہاں مس صالحہ۔ آپ کی یہ بات تو واقعی درست ہے کہ روزی راسکل ہوس پرست درندوں کے درمیان ہونے کے باوجود خود کو محفوظ کئے ہوئے ہے۔ گوکہ اس کا اپنا کلب ہے مگر اس کا تعلق زیر زمین دنیا سے تو رہتا ہی ہے اور اس جیسی حسین اور نوجوان لڑکی کی مثال ایسی ہے جیسے خونخوار شیروں کے درمیان ایک کمزور ہرنی کی سی ہو مگر روزی راسکل کسی شیرنی کی طرح چھٹے ہوئے بدمعاش اور غنڈوں کے درمیان رہ رہی ہے اور وہ عیاش پرست غنڈے اس کی نظر میں کسی گیدڑ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے“......صالحہ کی بات سن کر ٹائیگر نے غالباً پہلی دفعہ کھل کر روزی راسکل کی تعریف کرتے ہوئے کہا جو غلط نہیں تھا۔ ٹائیگر کے منہ سے اپنی تعریف سن کر روزی راسکل کا حسین چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا اور وہ مسکراتے ہوئے ٹائیگر کو پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی حالانکہ روزی راسکل نے آج تک کسی بھی مرد کو اس طرح محبت بھری نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔

”مگر روزی راسکل کا غصہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ ہر وقت غصہ اس کی ناک پر سوار رہتا ہے“......ٹائیگر نے روزی راسکل کو اپنی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بوکھلا کر کہا۔

”اس کی وجہ میں تم کو بتاتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ

روزی راسکل کا یہی غصہ اس کی پاک دامنی اور حفاظت، عزت وعصمت ہے۔ اس کے غصے کو دیکھ کر کوئی ہوس پرست غنڈہ اس کی طرف نہیں دیکھتا اور ویسے بھی روزی راسکل ایک اچھی فائٹر اور ذہین لڑکی ہے اس لئے تمہاری اس سے جوڑی خوب جمے گی"۔ اس سے پہلے کہ روزی راسکل، ٹائیگر کی بات پر غصہ کرتی صفدر نے روزی راسکل کے غصے کی اہمیت بیان کی۔

"میں جس فیلڈ سے تعلق رکھتی ہوں اس فیلڈ میں واقعی سب ہوس پرست درندے ہیں مگر ٹائیگر اور اس کا استاد کسی اور ہی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ میں نے ان کی آنکھوں میں کبھی کسی عورت ذات کے لئے ہوس نہیں دیکھا اور خاص کر انڈر ورلڈ کی دنیا میں ہونے کے باوجود میں نے ٹائیگر کا کسی حسین سے حسین لڑکی سے بھی افیئر نہیں سنا۔ ٹائیگر بہت پاک دامن اور عظیم خیال کا مالک ہے اس کی آنکھ میں کبھی ہوس نہیں آیا اور چونکہ میرا بھی ٹائیگر کی طرح انڈر ورلڈ سے تعلق رہتا ہے اس لئے مجھے ٹائیگر سے بہترین ساتھی نہیں مل سکتا اور میں نے اپنے لئے ٹائیگر کو اپنا جیون ساتھی چن لیا ہے"...... اس بار روزی راسکل نے ٹائیگر کی تعریف کرتے ہوئے کہا تو ٹائیگر مسکرا دیا۔

"ویسے آپ دونوں کا آپس میں کیا پروگرام ہے؟ آپ دونوں کی بھی تو باس نے جوڑی بنائی ہے آپ دونوں شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"...... ٹائیگر نے اس بار سنجیدہ لہجے میں صفدر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دیکھو مسٹر ٹائیگر۔ جس طرح عمران صاحب نے تم کو روزی راسکل سے نتھی رکھا ہے اسی طرح مجھے بھی صالحہ سے نتھی کر رکھا ہے مگر میں نے اس کو کبھی سنجیدہ نہیں لیا۔ وہ اس وجہ سے کہ ہم دونوں کا تعلق سیکرٹ سروس سے ہے اور ہم اپنے چیف ایکسٹو کے ماتحت ہیں اور وہ بہت سخت انسان ہیں۔ ہاں اگر کبھی ہمارے چیف نے ہمیں شادی کی اجازت دی تو میں صالحہ سے شادی کرنے پر خوشی محسوس کروں گا کیونکہ صالحہ ایک بہت اچھی اور خوش اخلاق لڑکی ہے مگر ہم دونوں اپنے چیف کے اصولوں کے پابند ہیں"...... صفدر نے بھی غالباً پہلی دفعہ اپنے دل کی بات کی کیونکہ صفدر ایک بردبار سنجیدہ انسان تھا اس لئے اس نے کبھی صالحہ سے محبت کی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی صالحہ نے اس سے کبھی محبت کا اظہار کیا تھا۔ صفدر کی بات سن کر صالحہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا مگر شرم اور خوشی سے اس کا حسین چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں۔

"ویسے جب سے باس مس جولیا کے لئے کالی دنیا میں گئے ہیں ہم پر بھی محبت کا بھوت کچھ زیادہ ہی سوار ہو گیا ہے"...... صفدر کی بات سن کر اس بار ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا تو چاروں ہی مسکرانے لگے۔

"اچھا مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم جس بابا جی کے پاس جا رہے ہیں کیا وہ واقعی مسٹر عمران اور مس جولیا کے سلسلے میں ہماری رہنمائی کر سکیں گے"...... اس بار روزی راسکل نے حیرت سے پوچھا۔

"روزی راسکل۔ تم سید چراغ شاہ کے بارے میں شاید نہیں جانتی۔ وہ بہت ہی اللہ والے اور صاحب علم انسان ہیں اور ان جیسے انسان بہت ہی کم ہیں۔ عمران صاحب ان کی بہت زیادہ قدر کرتے ہیں اور کئی مواقع پر جب عمران صاحب سفلی قوتوں کے ہاتھوں مشکل کا شکار ہوئے ہیں تو سید چراغ شاہ کی مدد سے ہی وہ شیطان پرستوں کے سحر سے نکلے ہیں اور ان کی مدد سے شیطان پرستوں کا خاتمہ کر چکے ہیں"...... صالحہ نے روزی راسکل کو سمجھاتے ہوئے کہا تو روزی راسکل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس دوران ان کی کار سید چراغ شاہ کے گھر کے پاس پہنچ گئی۔

"ویسے تو شاہ صاحب غیر عورتوں سے نہیں ملتے مگر عمران صاحب کے ساتھی ہونے کی وجہ سے وہ تم لڑکیوں سے مل تو لیں گے مگر تم دونوں اپنے سر پر دوپٹہ رکھ لینا کیونکہ شاہ صاحب بہت اللہ والے ہیں اور عورتوں کو خاص کر تو جوان لڑکیوں کو ننگے سر نہیں دیکھنا پسند کرتے"...... ٹائیگر نے کار روک کر سنجیدہ لہجے میں کہا تو صفدر نے بھی ٹائیگر کی بات پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو اگر تم لوگ کہتے ہو تو ہم اپنے سر پر دوپٹہ رکھ لیتے ہیں مگر ہمارے پاس دوپٹے کہاں سے آئیں گے"...... اس بار روزی راسکل نے کہا۔

"اس کا میں نے پہلے ہی انتظام کر لیا تھا کیونکہ ہم باس کے مرشد سید چراغ شاہ سے ملنے جا رہے ہیں"...... اس بار ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا اور کار کے ڈیش بورڈ سے دو دوپٹے نکال لئے۔ اب صالحہ اور روزی راسکل نے اپنے سر پر دوپٹے اوڑھ لئے۔ چند لمحوں بعد وہ شاہ صاحب کے گھر کے

ایک کمرے میں بیٹھے تھے۔ شاہ صاحب کو بھی اطلاع مل چکی تھی کہ عمران کے ساتھی اس بار اپنی ساتھی لڑکیوں کے ساتھ ان سے ملنے آئے ہیں۔

"یہ تو ایک کچا مکان ہے۔ کیا یہ غریب انسان تمہارے استاد اور اس کی ساتھی لڑکی کی مدد کر سکے گا"...... روزی راسکل نے حیرت سے سادہ سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جہاں سب ایک چٹائی پر نیچے فرش پر بیٹھے تھے۔

"روزی راسکل۔ کبھی کبھی تم بے تکا ہی بول جاتی ہو۔ سوچتی نہیں ہو۔ کیا امیر آدمی ہی اس ماورائی کیس میں باس اور مس جولیا کی مدد کر سکتا ہے۔ شاہ صاحب اللہ والے ہیں اور ماورائی کیس میں اللہ والے ہی ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں"...... ٹائیگر نے حیرت اور غصے سے روزی راسکل کی طرف دیکھ کر کہا تو روزی راسکل جھینپ کر خاموش ہو گئی کیونکہ واقعی اس نے بے تکا سوال کیا تھا۔ اچانک ان چاروں کی نظر دروازے پر پڑی تو چاروں چونک گئے۔

☆......☆......☆

"جولیا ایک بار پھر اندھیر نگری کی قیدی بن چکی تھی۔ اندھیرا اتنا گھٹا ٹوپ تھا کہ جولیا کو اس اندھیرے میں شدید گھبراہٹ ہونے لگی اور اس پر خوف کا غلبہ چھانے لگا۔ اسے اور تو کچھ نہ سوجھا اس نے اس اندھیرے میں اندازے سے آگے چلنا شروع کر دیا مگر ابھی جولیا تھوڑا ہی آگے بڑھی تھی کہ اس کو شدید ٹھوکر لگی اور وہ دھڑام سے نیچے گری تو اس کے منہ سے زوردار چیخ نکل گئی۔ دراصل وہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر نیچے گری تھی اور جیسے ہی جولیا نیچے گری اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرا گیا۔ اس نے اس چیز کو ٹٹول کر دیکھا تو اس کا ہاتھ لتھڑ سا گیا جیسے اس نے کسی لیس دار مادے کو چھو لیا ہو۔ جولیا نے اس لیس دار چیز کو ہاتھ سے چیک کیا تو اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی کیونکہ اس کے ہاتھ میں انسانی کھوپڑی تھی جو کہ خون آلود تھی۔ جولیا نے ابھی اس انسانی کھوپڑی کو نیچے پھینکا ہی تھا کہ اچانک وہاں دھیمی پراسرار روشنی پھیل گئی۔ جولیا نے اس پراسرار روشنی میں دیکھا تو وہ واقعی انسانی کھوپڑی تھی اور اس کھوپڑی کی بے نور آنکھوں سے خون رس رہا تھا۔ جولیا اس بات پر حیران تھی کہ یہ انسانی سر جس سے خون بہہ رہا ہے یہ پہلے کسی بدنصیب کا انسانی سر تھا جو کہ اب کھوپڑی میں بدل چکا تھا مگر پھر بھی حیرت انگیز طور پر اس انسانی کھوپڑی سے خون رس رہا تھا چونکہ جولیا سمجھ گئی تھی کہ اس نامعلوم دنیا کی رذیل طاقتوں نے اس کے اعصاب کا امتحان لینا شروع کر دیا ہے۔ گو کہ جولیا پہلے بھی عمران کے ساتھ ماورائی کیسوں میں کام کر چکی تھی مگر ان دنوں اس کے ساتھ عمران کا ساتھ تھا جو کسی مشکل سے گھبرانے والا نہیں تھا مگر اس وقت جولیا اکیلی کسی انجان دنیا کی قیدی بن چکی تھی جس کا سربراہ مہا گمبارو نامی تھا جو ابھی تک جولیا کی نظروں میں نہیں آیا تھا مگر اس کی غلام طاقتوں سے اس کی ملاقات ہو چکی تھی۔

جولیا کے ذہن میں ابھی تک اس پراسرار خوفناک بڑھیا کے الفاظ گونج رہے تھے کہ وہ کسی مہان قربانی کے لئے چن لی گئی ہے۔ جولیا کے سامنے ایک انسانی کھوپڑی تھی جس کی بے نور آنکھوں سے خون نکل رہا تھا جسے دیکھ کر جولیا کا خون خوف سے خشک ہو رہا تھا۔ جولیا کا دماغ مفلوج ہو گیا کہ آخر اس کے ساتھ یہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ اب جولیا نے عقبی دیوار کو دیکھا تو پھر حیران ہو گئی کیونکہ اب یہاں ایک دروازہ نمودار ہو چکا تھا۔ جولیا سمجھ گئی کہ کالی دنیا کا مالک مہا گمبارو اس کو مرعوب کرنے کے لئے اس کے ساتھ کھیل رچا رہا ہے۔

"مہا گمبارو۔ کہاں ہو تم اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ کیوں تم نے مجھے اغوا کر کے اپنی اس منحوس کالی دنیا کا قیدی بنایا ہے۔ جواب دو مجھے"...... جولیا نے اس دروازے کو دیکھ کر غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"خوبصورت ناری۔ تم کالی دنیا کے لئے چن لی گئی ہو۔ تمہارے عمران نے ہمارے آقا شہنشاہ ظلمات کے بہت سے ساتھیوں کا خاتمہ کیا اور کالی طاقتوں کو فنا کیا ہے اس لئے میں نے تم کو اغوا کرایا ہے تاکہ تمہاری خاطر وہ ملیچھ انسان یہاں کا رخ کرے اور میری کالی دنیا اس کی قبر بن جائے"...... جولیا کو ایک گرج دار آواز سنائی دی۔

"بکواس کرتے ہو تم۔ عمران کبھی تم جیسے بزدل سے نہیں مارا جا سکتا اور ویسے بھی ملیچھ وہ نہیں تم ہو اور تم شیطان بدبخت کے پجاری کبھی عمران اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے"...... جولیا نے کہا۔

"احمق لڑکی۔ شہنشاہ ظلمات کا نام ادب سے لو"...... ایک بار پھر غصہ بھری گرجدار آواز سنائی دی۔

"میں مسلمان ہوں اور منحوس شیطان کو بدبخت ہی کہوں گی"۔ جولیا نے بھی اس بار غصے سے کہا حالانکہ ابھی

چند لمحوں پہلے جولیا خوف سے کانپ رہی تھی مگر اب جولیا کے چہرے پر خوف کی بجائے غصہ عیاں تھا مگر اس بار جولیا کو کوئی جواب نہ ملا۔

"بولو کہاں ہو تم۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں"...... جولیا نے چلا کر کہا مگر جولیا کو کوئی جواب نہ ملا۔ جولیا آگے بڑھی اور دروازے کو زور سے ٹھوکر ماری جو ابھی نمودار ہوا تھا۔ دروازہ ایک دھماکے سے کھل گیا تھا مگر آگے پھر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ جولیا نے اس بار گھبرانے کی بجائے ہنکارہ بھر کر اندھیرے میں قدم رکھ دیا مگر اندر قدم رکھتے ہی جولیا کی چیخ نکل گئی کیونکہ آگے خلا تھا۔ جولیا لڑھکتے اور چیختے ہوئے نیچے جا گری مگر یہ کوئی نرم جگہ تھی کیونکہ جولیا کو کوئی چوٹ نہ لگی تھی۔ شاید شیطان پرست اس کو خوفزدہ کر کے اس کے اعصاب کا امتحان لے رہے تھے۔ نیچے اندھیرا تھا اس لئے جولیا کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جولیا سمجھ گئی کہ شیطان پرست اسے ابھی مارنا یا زخمی نہیں کرنا چاہتے اور کسی خاص مقصد کے لئے زندہ رکھا جا رہا ہے مگر اسے خوفزدہ ضرور کیا جا رہا ہے تاکہ وہ کالی دنیا کی ہولناک کھیل سے ڈر جائے مگر شیطان پرستوں کا خاص مقصد کیا تھا یہ ابھی جولیا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ہاں یہ ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ان شیطان پرستوں کے چنگل میں پھنس گئی ہے۔ وہ اسے ایسے نہیں چھوڑ دیں گے۔ خیر اتنا تو اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کسی مہان قربانی کے لئے چن لی گئی مگر جولیا کوئی عام لڑکی نہیں تھی کہ شیطان پرستوں نے اسے کہا کہ وہ کسی مہان قربانی کے لئے چن لی گئی ہے اور وہ ڈر کر ان کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ جولیا عمران کی شاگرد تھی۔ مانی ہوئی فائٹر تھی۔ گو کہ اس بار مجرم تنظیم کی بجائے شیطان پرستوں کی سیاہ قوتوں نے اسے اغوا کیا تھا مگر جولیا پہلے بھی عمران کے ہمراہ شیطان پرستوں کی سفلی اور گندی قوتوں کو شکست دے چکی تھی لیکن وہ اس بار اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نہیں تھی بلکہ اکیلی تھی مگر جولیا کسی بھی طرح شیطان پرستوں کے ہولناک سحر سے ڈرنے والی نہیں تھی۔ وہ ایک بار پھر اندھیرے میں آگے بڑھنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت کس جگہ ہے یہ کوئی کمرہ ہے یا کوئی راہداری ہے۔ اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک ایک بار پھر وہی دھیمی پراسرار سرمائی رنگ کی روشنی ہو گئی تو جولیا نے دیکھا کہ وہ کسی راہداری میں ہے جہاں پر سات قدموں کے فاصلے پر ایک کمرہ تھا جو کہ بند تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔ گورکھ دھندہ ہے یہاں ہر طرف عجیب و غریب پراسراریت ہے"...... جولیا نے بیزاری سے منہ بنا کر کہا اور آگے بڑھ کر ایک دروازے پر زور سے لات رسید کی تو ایک چھناکے سے دروازہ کھل گیا تو جولیا کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بے دھڑک اندر داخل ہو گئی جہاں بدستور سرمائی رنگ کی پراسرار دھیمی روشنی تھی۔ جیسے ہی جولیا اندر داخل ہوئی ایک زناٹے کی آواز سنائی دی۔ جولیا نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیرت اور خوف سے ٹھٹک گئی کیونکہ دروازے کی بجائے اب وہاں پر سپاٹ دیوار اس کا منہ چڑا رہی تھی اور جولیا اس کمرے میں قید ہو چکی تھی۔

"لگتا ہے یہ سحر کی پراسرار و ہولناک تاریک دنیا مجھے خوفزدہ کر کے پاگل کرنا چاہتی ہے"...... جولیا نے سپاٹ دیوار کو دیکھ کر خوفزدہ ہونے کی بجائے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے غور سے اس کمرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جس کی دیواروں پر مختلف تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کمرے میں ہلکی روشنی تھی یہ سب تصویریں نوجوان اور خوبصورت ترین لڑکیوں کی تھیں جن کے چہروں پر خوف عیاں تھا۔ یہ تمام نوجوان اور حسین دوشیزائیں مذہب اور مختلف قوم کی لگ رہی تھیں۔ ان میں سے عربی، ایشیائی اور چند سیاہ فام حسین لڑکیاں بھی تھیں۔ جولیا نے اب بائیں سمت والی دیوار کو دیکھا تو ایک خوفناک منظر اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ جولیا نے دیکھا کہ اس دیوار پر ان خوفزدہ دوشیزاؤں کو چمگادڑ کے سیاہ اور قوی ہیکل خوفناک بت کے قدموں میں بے دردی سے ذبح کیا جا رہا ہے۔ یہ منظر اتنا خوفناک تھا کہ جولیا مضبوط اعصاب کے ہونے کے باوجود خوف سے کانپ گئی۔ اسے ایسے محسوس ہوا جیسے سیاہ چمگادڑ کے بت کے قدموں میں اسے بھی ذبح کیا جا رہا ہو۔ یہ دہشت ناک منظر دیکھ کر جولیا نے گھبرا کر نظریں پھیر لیں اور اب اس دیوار کی طرف دیکھنے لگی۔ اس دیوار پر مناظر دیکھ کر شرم اور غصے سے جولیا کا منہ سرخ ہو گیا۔ اس دیوار پر یہ حسین نوجوان دوشیزائیں ایک مرد کی ہوس کی بھینٹ چڑھ رہی تھیں مگر اس نامعلوم مرد نے اپنے چہرے پر سیاہ لبادہ اوڑھ رکھا تھا جس پر چمگادڑ کا مخصوص نشان بنا ہوا تھا۔

"اوہ۔ تو یہ بدقسمت لڑکیاں اس سحر کی ہولناک سرزمین میں کسی شیطان پرست کی ہوس کا شکار ہوتی رہی ہیں اور بعد

میں انہیں چمگادڑ کے شیطانی بت کے قدموں میں قربان کیا جاتا رہا ہے"۔ جولیا نے یہاں سے نظریں پھیر کر اب چوتھی دیوار کی طرف دیکھا تو چونک گئی کیونکہ اسے یہاں ایک دروازہ نظر آ رہا تھا جس پر چمگادڑ کا وہی منحوس اور شیطانی نشان بنا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر جولیا سمجھ گئی کہ چمگادڑ شیطان پرستوں کی رذیل اور گندی دنیا میں ایک مقدس مقام کے طور پر جانا جاتا ہے۔

"اوہ۔ تو چمگادڑ شیطان کی دنیا میں مقدس ترین ہے جو اس سحر اور خوف کی دنیا میں ہر طرف چمگادڑ کی تصاویر، قوی ہیکل بت اور مخصوص نشان نظر آ رہے ہیں"...... جولیا نے خود سے کہا اور ایک بار پھر آگے بڑھ کر اس سحر زدہ کمرے کے دروازے پر بھرپور لات رسید کی تو ایک جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔ جولیا نے دیکھا کہ اندر روشنی کی بجائے گھٹاٹوپ اندھیرا ہے۔ جولیا کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی پھر اس نے تاریکی میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

"اس خوفناک کمرے سے باہر نکلنے کا یہی ایک راستہ ہے"۔ جولیا نے کہا اور اندر قدم رکھ دیا مگر اندر قدم رکھتے ہی اس کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکل گئی کیونکہ جولیا تاریکی میں لڑھکتی ہوئی نیچے گرتی جا رہی تھی جہاں ہر طرف ہولناک تاریکی کا راج تھا۔

☆......☆......☆

"جوزف نے عمران کو واضح کہہ دیا تھا کہ کالی دنیا صرف ماورائی دنیا ہی نہیں بلکہ وحشت، بربریت، عریانیت اور سحر کی بھیانک و تاریک دنیا ہے جہاں شیطانیت کا ہولناک راج ہے۔ وہاں عمران اور کرنل فریدی کو بہت مشکلات پیش آئیں گی اور ہو سکتا ہے وہ مس جولیا اور مس روزا کی مدد کرنے کی بجائے مصیبت میں پڑ کر اپنی جان بچانے کے لالے پڑ جائیں گے کیونکہ وہ مکمل دہشت کی دنیا ہے۔ پہلے تو عمران نے سوچا کہ وہ اس سلسلے میں جوزف کی رہنمائی حاصل کرے مگر جب اسے جوزف کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ کرنل فریدی اپنی ساتھی روزا کے لئے خود کالی دنیا میں جانے کا فیصلہ کر چکا ہے اور اپنے پراسرار ساتھی طارق صاحب کی مدد بھی نہیں لی۔

اتنا تو عمران کو معلوم تھا کہ کالی دنیا جانے کے لئے جس طرح عمران پراسرار عمل کے ذریعے جانے کے لئے جوزف کی رہنمائی لے رہا ہے اسی طرح کرنل فریدی بھی طارق صاحب سے مدد لے گا چونکہ کرنل فریدی عمران کا دوست تھا اور وہ جانتا تھا کہ لاکھ انکار کے باوجود اپنی ساتھی روزا کو دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے جو اس کی خاطر جولیا کی طرح اپنا وطن چھوڑ چکی تھی اور جولیا کی طرح ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ اب غالباً روزا کے کالی دنیا میں قیدی بننے کے بعد اس کی کمی محسوس کر رہا تھا اور کرنل فریدی طارق صاحب کی ہی مدد سے جیسے تیسے کر کے کالی دنیا میں جا رہا ہے۔ عمران کو گوارہ نہیں ہو رہا تھا کہ کرنل فریدی جیسا خشک مزاج انسان اپنی ساتھی کے لئے جائے اور جولیا جس نے پاکیشیا کے لئے بے شمار قربانیاں دی ہیں اور اس کی محبت کے لئے پاکیشیا میں رہتی ہے اور جبکہ جولیا شیطان پرست کی قید میں ہے۔ وہ اس کی مدد کی بجائے جوزف یا کسی اور کا سہارا لے یہ اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ عمران نے بھی پکا عہد کر لیا تھا کہ وہ بھی اپنی جولیا کے لئے خود کالی دنیا میں جائے گا چاہے جتنی بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

اچانک عمران کے ذہن میں کرنل فریدی سے بات کرنے کا خیال آیا تو اس نے کرنل فریدی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر اسپیشل سیل فون بند ملا تو عمران نے کیپٹن حمید کو فون کیا تو اس سے رابطہ ہو گیا۔

"ہیلو"...... کیپٹن حمید کی مخصوص آواز سنائی دی۔

"ہائے کیپٹن۔ تمہاری آواز سننے کے لئے میں کب سے تڑپ رہا تھا"...... عمران نے کیپٹن حمید کی آواز سن کر احمقانہ لہجے میں کہا۔

"میں کوئی تمہاری محبوبہ نہیں ہوں۔ جو تم مجھ پر عشق جھاڑ رہے ہو"...... کیپٹن حمید کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی جو کہ حیران کن بات تھی۔ کیپٹن حمید، عمران سے خار کھاتا تھا کیونکہ عمران اس کی مٹی پلید کرتا رہتا تھا اور اپنی حماقتوں سے اس کو بھی نہیں بخشتا تھا۔

"ارے میری تو محبوبہ دل نظر مجھ سے روٹھ کر دور جا چکی ہے اور اب مجھے ہر کوئی اپنی محبوبہ ہی لگتی ہے"...... عمران نے پھر احمقانہ لہجے میں کہا۔

"مگر میں لگتی نہیں لگتا ہوں کیونکہ میں مرد ہوں۔ لگتا ہے جب سے جولیا کسی پراسرار دنیا کی قیدی بنی ہے تم اس کے خیال میں احمق بن گئے ہو"...... کیپٹن حمید نے ناگواری سے کہا۔

"یہ کرنل صاحب آج کل کہاں گم ہیں۔ کہیں مس ایکریمیا کے عشق میں صحرابدر تو نہیں ہو گئے؟"...... عمران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ روزا ابھی شیطان پرستوں کے ہاتھوں اغوا ہو چکی ہے“...... کیپٹن حمید نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں بھئی تم لوگوں کے ہی ہر جگہ رابطے ہیں۔ ہم احمق تو دنیا سے کٹے ہوئے ہیں“...... عمران نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

”ہاں بھئی۔ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم جیسے شیطان کے دنیا بھر میں رابطے ہیں“...... کیپٹن حمید نے اس بار ہنستے ہوئے کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ کرنل صاحب کہاں ہیں؟ ان سے رابطہ نہیں ہو رہا“...... عمران نے اس بار سنجیدگی سے پوچھا۔

”معلوم نہیں۔ کرنل صاحب اچانک کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ پرسوں طارق صاحب ان سے ملنے آئے تھے پھر معلوم نہیں دونوں اچانک کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ ہر لیش نے انڈر ورلڈ سے بھی معلوم کروایا ہے اور بلیک فورس سے بھی پتا کروایا ہے۔ بس اتنا معلوم ہوا ہے کہ طارق صاحب سے ملنے کے بعد دونوں کافرستان سے باہر جا چکے ہیں مگر طارق صاحب کرنل کو کہاں لے گئے ہیں اس کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ ویسے بھی کرنل صاحب کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ بعض مہم میں اکیلے ہی کام کرتے ہیں۔ ہاں اتنا مجھے یقین ہے کہ کرنل صاحب روزا کی بازیابی کے لئے ہی اچانک غائب ہوئے ہیں اور اس ماورائی کیس میں صرف پراسرار صلاحیتوں کے مالک طارق صاحب کی رہنمائی ہی کام آسکتی ہے“...... کیپٹن حمید نے اندازہ لگاتے ہوئے پر یقین لہجے میں کہا۔

”کیا تمہیں لگتا ہے کہ ماورائی کیس میں کرنل صاحب روزا کی مدد کر سکیں گے“...... عمران نے پوچھا۔

”عمران۔ میں جانتا ہوں تم اور تمہارے ساتھی کئی مرتبہ ماورائی کیسز میں حصہ لے چکے ہیں اور شیطان پرستوں کا خاتمہ بھی کر چکے ہیں کیونکہ تمہارے نیک بزرگوں سے رابطے ہیں اور جوزف بھی کئی مرتبہ تم لوگوں کی مدد کر چکا ہے مگر گو کہ کرنل صاحب۔ ہم یعنی ان کی ٹیم چند بار ہی ماورائی مشکلات کا شکار ہوئے ہیں مگر کرنل صاحب کا بھی نیک بزرگوں سے رابطہ ہے اور طارق صاحب جیسے حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک شخص کی زیر نگرانی کرنل صاحب اس ماورائی کیس میں مار نہیں کھا سکتے“...... کیپٹن حمید نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”اللہ کرے کرنل صاحب اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ ٹھیک ہے۔ پھر کبھی بات ہو گی خدا حافظ“...... عمران نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

”ٹھیک ہے کرنل صاحب میں سمجھ گیا۔ تم نے اپنی ساتھی روزا کی مدد کے لئے خود کالی دنیا میں جانے کا فیصلہ کیا ہے مگر اس کام کے لئے میں بھی پیچھے نہیں رہوں گا اور اپنی ساتھی جولیا کے لئے خود کالی دنیا میں جاؤں گا جو بقول جوزف کے سحر کی ہولناک ترین دنیا ہے“...... عمران نے ہنکارہ بھر کر خود سے کہا۔ اس بار عمران، جوزف کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اس کی مدد لینے کی بجائے کالی دنیا میں جانے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ عمران نے جوزف سے کالی دنیا میں جانے کا پراسرار عمل سیکھ لیا تھا۔

”دیکھا جائے گا۔ یہ کالی دنیا ہے کیا اور مہا گمبارو کیا چیز ہے۔ میں جولیا کی خاطر کالی دنیا کا سفر ضرور کروں گا۔ آخر جولیا مجھ سے محبت کرتی ہے اور میری خاطر اپنا وطن، سوئیزرلینڈ چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاکیشیا میں بس چکی ہے۔ اس نے میری محبت میں اپنا ملک چھوڑا ہے اور پاکیشیا کے لئے اس نے بہت قربانیاں بھی دیں ہیں۔ میں جولیا کو شیطان پرستوں کی کالی دنیا میں نہیں رہنے دوں گا“...... عمران نے خود سے کہا۔

درحقیقت جولیا کی جدائی نے عمران کے ذہن پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا اور عمران اس وقت جولیا کے بغیر خود کو ادھورا سمجھ رہا تھا حالانکہ عمران نے کبھی جولیا کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا تھا بلکہ اس کی محبت کا مذاق اڑایا کرتا تھا مگر اب جولیا کی یاد عمران کے دل میں بس چکی تھی کیونکہ سوائے کالی دنیا میں جانے کے جولیا کو چھڑانے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ عمران اس بار جوزف کی مدد نہیں لینا چاہتا تھا کیونکہ وہ خود جولیا کی خاطر شیطان پرستوں کی کالی دنیا میں جانا چاہتا تھا۔

عمران اپنے اسٹور میں آ گیا تھا اور دروازہ بند کر کے بلب جلائے بغیر اندر بیٹھ گیا تھا اور کالی دنیا میں جانے کا عمل پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ گو کہ عمران کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس طرح ایک نئی دنیا جو شیطان پرستوں کی دنیا ہے، اس میں پہنچ جائے گا مگر عمران نے عمل شروع کر دیا جو اس نے جوزف سے سیکھا تھا اور جوزف نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو کالی دنیا میں جانے کا عمل سکھا دیا تھا جو اس کے فادر جوشوا نے اسے سکھایا تھا۔

عمران چونکہ کئی بار شیطانی قوتوں کے خلاف لڑ چکا تھا اس لئے خود پر اعتماد کر کے اکیلا اس مہم میں پراسرار انداز میں

جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ عمران کے اسٹور میں چونکہ اندھیرا تھا اس لئے عمران فرش پر بیٹھ گیا اور جوزف کے بتائے ہوئے عمل کو پڑھنے لگا اور پھر اپنے گرد ایک دائرہ بنا لیا جو اسے جوزف نے بتایا تھا۔

عمران نے جوزف کی بتائی ہوئی چیزوں کو کرنے کے بعد کالی دنیا جانے کا پراسرار عمل کرنے کے لئے آسن جما کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر کے عمل شروع کر دیا جیسے ہی عمران نے عمل شروع کیا عمران کو مختلف اور خوفناک آوازیں آنا شروع ہو گئیں مگر عمران ہی کیا جو ان خوفناک آوازوں سے ڈر جائے۔ گو کہ عمران نے پہلے کبھی کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ عمران بہت ہی مضبوط اعصاب اور قوت ارادی کا مالک تھا اور جانتا تھا کہ اس عمل میں اس کو ڈرایا جا رہا ہے مگر عمران تسلسل سے عمل کرتا رہا۔ اس کی آنکھیں تسلسل بند تھی اور وہ جوزف کے بتائے ہوئے عمل کو پڑھتا رہا۔

اچانک عمران کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے کمرے میں غیر انسانی مخلوق کا یلغار ہوا ہو۔ اس عمل کے ذریعے بند آنکھوں کے باوجود عمران نے دیکھا کہ اس کے کمرے میں انسانی کھوپڑیاں فضا میں گردش کر رہی ہیں اور ہر طرف غیر انسانی اور ہولناک چیخیں گونج رہی ہیں۔ اگر جوزف کے اس عمل کو عمران کی بجائے کوئی اور کرتا تو ان ہولناک مناظر کو دیکھ کر اپنے حواس کو کھو بیٹھتا اور عمل بند کر کے راہ فرار اختیار کرتا مگر یہ عمران تھا جو بہت مضبوط اور قوی دل والا تھا۔

اچانک ایک کڑاکے دار آواز سنائی دی اور اس کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اسٹور کے کمرے میں دھواں پھیل گیا ہو اور جیسے ہی اسے دھواں محسوس ہوا اس نے آنکھیں کھول دیں کیونکہ عمل کے دوران اس کو بھیانک چیخیں اور ڈراؤنے مناظر دکھائے گئے تھے مگر عمران ہی کیا جو عمل کے دوران ڈر کر عمل پڑھنا چھوڑ دے کیونکہ ایک تو جوزف نے بھی اسے ڈرنے اور عمل توڑنے سے سختی سے منع کیا تھا دوسرا عمران خود بھی یہ سب جانتا تھا اس لئے عمل کے دوران کامیاب ہی رہا۔

اچانک عمران کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک رہی ہے اسے ہر طرف ہولناک اور گرج دار آوازیں سنائی دینے لگیں۔ آوازیں اتنی تیز تھیں کہ عمران کو اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے بے شمار بدروحیں آ گئی ہوں اور نہایت تیز آوازوں میں چیخ رہی ہوں پھر عمران کو اپنے سر پر قیامت ٹوٹتی محسوس ہوئی۔ عمران کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر منوں وزنی پتھر مار دیئے گئے ہوں۔ عمران کے ذہن میں تاریکی کی یلغار غالب ہوئی اور پھر اس کا ذہن تاریکیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ پھر جس طرح تاریکی میں جگنو چمکتا ہے بالکل اسی طرح اس کے دماغ کے سیاہ پردے پر روشنی کا نقطہ سا چمکا اور پھر عمران کا ذہن تیزی سے بیدار ہوتا چلا گیا۔

اب عمران نے حیرت سے نظریں دوڑائیں تو حیران ہو گیا۔

اس وقت وہ اپنے فلیٹ کے اسٹور میں نہیں بلکہ کسی اور جگہ پہنچ گیا تھا۔ عمران نے خود کو اپنے فلیٹ کی بجائے سنگلاخ چٹان پہاڑیوں میں پایا تو اٹھ کھڑا ہوا اور حیرت سے اس نئی جگہ کو دیکھنے لگا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ جوزف کے بتائے ہوئے عمل کے ذریعے شیطان مہا گمبارو کی کالی دنیا میں پہنچ چکا ہے جہاں اس کو شیطانی طاقتوں سے نبرد آزما ہونا ہے اور اس نے اس شیطان کی دنیا میں اپنی حفاظت کرتے ہوئے جولیا کی بھی تلاش کرنی ہے جو یہاں قید تھی۔ گو کہ اسے معلوم تھا کہ کرنل فریدی بھی اپنی ساتھی روزا کے لئے مہا گمبارو کی اس کالی دنیا میں آنے کی کوشش کر رہا ہے اور شاید اس کی طرح پہنچ بھی چکا ہو مگر عمران کسی کی مدد کی بجائے خود شیطان کی کالی دنیا سے جولیا کو چھڑوانا چاہتا تھا۔ عمران ان سنگلاخ چٹانی پہاڑیوں کو دیکھنے لگا جہاں دور دور تک کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

”اوہ“...... عمران نے ہنکارہ بھرا اور آگے بڑھنے لگا۔

اچانک عمران کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پیچھے کوئی چل رہا ہو۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے کوئی نظر نہ آیا اور وہ پھر آگے بڑھنے لگا۔ اس کو پھر محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے ہے۔ اس نے فوراً مڑ کر دیکھا تو خوف سے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کیونکہ وہ بہت بہادر اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا لیکن یہ منظر تھا ہی اتنا ہولناک کہ عمران جیسا مضبوط اعصاب کا مالک شخص بھی دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

”رابرٹ۔ آخر تم فادر جان پیٹر کے پاس کیوں جانا چاہتے ہو۔ کیا وہ واقعی عمران صاحب کے سلسلے میں ہماری مدد کر سکیں گے“...... کراسٹی نے رابرٹ سے پوچھا۔

”ہمیں ان سے مشورہ تو لینا چاہئے کہ باس اور مس جولیا کس حال میں ہیں اور کیا ہم ان کی مدد کر سکتے ہیں یا

نہیں“...... رابرٹ نے کراسٹی سے کہا۔ اس وقت رابرٹ اور کراسٹی کار میں بیٹھے تھے اور رابرٹ کار ڈرائیو کر رہا تھا اور کراسٹی اس کے ساتھ عقبی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

”فادر جان پیٹر واقعی بہت علم والے پادری ہیں اور ہماری مشکل دور کر سکتے ہیں مگر عمران صاحب کے اس طرح غائب ہونے پر میں بہت پریشان ہوں“...... رابرٹ نے کہا۔

”مس جولیا کے پراسرار اغوا اور عمران صاحب کے اس طرح غائب ہونے پر پوری سیکرٹ سروس پریشان ہے“...... کراسٹی نے پریشانی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

”میری جان بس تم جیسی حسین ترین لڑکی میرے ساتھ رہے تو ہم باس اور مس جولیا کو شیطانی چنگل سے چھڑا سکتے ہیں“۔ رابرٹ نے کراسٹی کو نشیلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بس کرو رابرٹ۔ تم کبھی تو عاشق مزاجی سے باز آجایا کرو۔ میں جانتی ہوں کہ میرے علاوہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو تم اس سے بھی عشق لڑاتے۔ ہر حسین لڑکی کو دیکھ کر تم لٹو ہو جاتے ہو“۔ کراسٹی نے مسکراتے ہوئے رابرٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ارے بابا۔ ہر لڑکی کسی نہ کسی سے نتھی ہے جیسا کہ باس کے ساتھ مس جولیا اور مس روشی مخصوص ہیں، صفدر کے ساتھ مس صالحہ، ٹائیگر کے ساتھ روزی مخصوص ہے مگر تم میری طرح آزاد ہو اس لئے میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ کھلے دل سے بڑھا رہا ہوں“...... رابرٹ نے مسکرا کر بدستور کراسٹی کو نشیلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بس کرو رابرٹ۔ میں تم کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم کسی ایک لڑکی سے دوستی کرنے پر راضی نہیں ہو۔ ہر حسین لڑکی کو دیکھ کر تمہارا دل ڈولنے لگتا ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم بہت خوبرو اور پرکشش شخصیت کے مالک ہو اور لڑکیوں میں لٹو ماسٹر جانے جاتے ہو مگر میں تمہارے جھانسے میں آنے والی نہیں ہوں۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہو گئی ہوں۔ تمہیں کوئی مجھ سے محبت وغیرہ نہیں ہے بلکہ ہر حسین لڑکی پر لٹو ہو جانا تمہاری کمزوری ہے“...... کراسٹی نے اس بار ہنستے ہوئے کہا۔

”کراسٹی۔ تم باس کی ٹیم میں میری طرح آزاد ہو اور کسی سے تمہاری محبت کی دوستی نہیں ہے حالانکہ تم بہت ہی حسین لڑکی ہو، تمہیں میری محبت پر یقین کر لینا چاہئے“...... رابرٹ نے بھی اس بار مسکرا کر کراسٹی سے کہا تو کراسٹی پھر ہنس پڑی۔

”تم کبھی باز نہیں آؤ گے۔ میری جگہ کوئی اور لڑکی بیٹھی ہوتی تو اس سے بھی تم اسی طرح عشق جھاڑ رہے ہوتے“...... کراسٹی نے بھی شوخی سے کہا۔ کراسٹی کے حسین چہرے پر مسکراہٹ تھی کراسٹی پاکیشیا کی نہیں تھی مگر عمران کی صلاحیتوں کو دیکھ کر اس کے گروپ میں شامل ہونے پر خود پر فخر محسوس کرتی تھی۔ ویسے تو کراسٹی کی ایکسٹو کے گروپ کے تمام مرد اور خواتین سے دوستی تھی مگر کراسٹی، رابرٹ سے دوستی کرنے کی کوشش کرتی تھی اور اس کے ساتھ چل کر خوش ہوتی تھی مگر رابرٹ چونکہ ہر حسین لڑکی کو دیکھ کر لٹو ہو جاتا تھا اس لئے کراسٹی اس کی عاشق مزاجی کو دیکھ کر خاموش ہو جاتی تھی ورنہ وہ رابرٹ سے محبت کا اظہار کر چکی ہوتی مگر کراسٹی نے رابرٹ سے صرف دوستی پر ہی اکتفا کیا ہوا تھا۔ دراصل رابرٹ بہت ہی زندہ دل اور خوبرو شخصیت کا مالک تھا۔ بے شمار ایکریمی لڑکیاں اس سے دوستی کر چکی تھیں اور یہ جانتی تھیں کہ رابرٹ نے خود کو کسی ایک لڑکی تک محدود نہیں رکھ سکتا۔ ہر حسین لڑکی سے دوستی اس کی کمزوری ہے مگر اس کی پرکشش شخصیت کی وجہ کئی حسین ترین لڑکیاں اس کی دوست بنی تھیں اور رابرٹ ان لڑکیوں کے ساتھ حد بھی کراس کر چکا تھا۔ عمران کی ٹیم کا ممبر بننے کے بعد رابرٹ صرف حسین لڑکیوں سے دوستی کرنے کی حد تک محدود رہتا تھا اور کبھی حد سے تجاوز نہیں کیا تھا۔ کراسٹی کی چونکہ جولیا سے مشابہت بہت تھی اس لئے کراسٹی شروع میں تو عمران سے محبت کرنے کا خواب سوچنے لگی تھی مگر سیکرٹ سروس میں شامل ہونے کے بعد وہ جان گئی کہ ایکریمیا میں رہنے والی عمران کی دوست روشی بھی عمران سے محبت کرتی ہے اور خاص کر جولیا تو عمران سے جذباتی حد تک عمران کو چاہتی ہے اور چونکہ جولیا سیکرٹ سروس کی سیکنڈ چیف بھی تھی اور پاکیشیا کے لئے اس نے بہت قربانیاں دی تھیں۔

رابرٹ نے کراسٹی کو بتا دیا کہ وہ باس کی وجہ سے بہت پریشان ہے۔ اس بار ماورائی قوتوں نے جولیا کو اغوا کر لیا ہے اور عمران بھی پراسرار طریقے سے غائب ہو چکا ہے۔ رابرٹ کراسٹی کے ساتھ ایکریمیا جا کر دارالحکومت کے مرکزی چرچ کے بڑے پادری سر جان پیٹر سے عمران اور جولیا کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا اس لئے کراسٹی کو بھی اپنے ساتھ ایکریمیا لے جانا چاہتا تھا۔ چونکہ سیکرٹ سروس بھی عمران اور جولیا کے پراسرار طریقے پر غائب ہو جانے پر پریشان تھی اس لئے کراسٹی نے

فوراً حامی بھر لی تھی۔ رابرٹ اور کراسٹی اس وقت ایکریمیا کے دارالحکومت میں تھے اور کار میں بیٹھ کر شہر کے مرکزی چرچ میں جا رہے تھے۔ جب رابرٹ ایکریمیا میں ہوتا تھا اس وقت بڑے پادری سر جان پیٹر سے ملتا رہتا تھا اور جانتا تھا کہ سر جان پیٹر بہت علوم رکھتے ہیں۔ چونکہ رابرٹ اور کراسٹی دونوں کرسچن تھے اس لئے جولیا اور عمران کے سلسلے میں سر جان پیٹر سے ملنے جا رہے تھے۔ رابرٹ نے پہلے ہی ان سے ٹائم لے لیا تھا۔

”میری جان۔ تم کیوں منہ لٹکائے بیٹھی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ باس اور مس جولیا کے سلسلے میں فادر جان پیٹر ہماری مدد ضرور کریں گے“...... رابرٹ نے کراسٹی کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

”کیا واقعی۔ میں تمہاری جان ہوں“...... کراسٹی نے بھی اس بار مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں۔ تم بہت خوبصورت اور بھرپور لڑکی ہو۔ تم اپنے حسن سے کئی مردوں کی جان لے سکتی ہو اور مجھے بھی تم بہت اچھی لگتی ہو“...... رابرٹ نے نشیلی آنکھوں سے کراسٹی کے حسین چہرے پر نگاہیں ٹکاتے ہوئے کہا۔

”بدمعاش کہیں کے۔ معلوم نہیں تم یہ بات اب تک کتنی حسین لڑکیوں سے کہہ چکے ہو اور کتنی لڑکیوں سے کہو گے۔ حالانکہ اب عمران صاحب کی شاگردگی میں ہونے کے بعد تمہیں ہر حسین لڑکی کے عشق و معشوقی کے چکروں سے نکل آنا چاہئے“...... کراسٹی نے اس کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

”کیا کروں کراسٹی ڈیئر۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ میرے بگ باس آغا سلیمان ہیں“...... رابرٹ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں بھئی۔ میں تو بھول ہی گئی کہ تم آغا سلیمان کے شاگرد ہو جو باتوں اور حماقتوں میں عمران صاحب سے بھی دو قدم آگے ہے“...... کراسٹی نے اس بار ہنستے ہوئے کہا۔ باتوں باتوں میں دونوں کو محسوس ہوا کہ وہ دونوں غلط راستے پر نکل آئے ہیں۔

”یہ کیا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کہ میں راستہ بھول کر شہر سے باہر نکل آیا ہوں“...... رابرٹ نے حیران ہو کر کہا۔

”کیا مطلب۔ تم تو کافی عرصہ ایکریمیا میں گزار چکے ہو پھر تم راستہ کیسے بھول گئے“...... کراسٹی نے چونک کر کہا۔

”معلوم نہیں۔ مگر واقعی ہم باتوں باتوں میں شہر کے مرکزی چرچ کی بجائے شہر سے باہر نکل آئے ہیں“...... رابرٹ نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو کراسٹی بھی سنجیدہ ہو گئی۔ چونکہ رات کا وقت تھا اس لئے دونوں حیرت اور پریشانی سے اس نئی جگہ کو دیکھنے لگے۔ ان دونوں کو ایک عمارت نظر آئی جو سیاہ رنگ کی تھی اور اس کی خاص بات یہ تھی کہ اس عمارت کے دروازے پر چمگادڑ کی بڑی تصویر نظر آ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ چمگادڑ کی آنکھیں روشن ہیں اور چمگادڑ بغور ان دونوں کو دیکھ رہا ہے“...... رابرٹ نے کار کی لائٹیں بند کر دیں۔ معلوم نہیں کیوں اس کو ایسا لگا کہ اس جگہ کوئی خطرہ ہے۔ رابرٹ نے کار کو ایک گلی کی سائیڈ میں کھڑی کی اور کار کو بند کر کے کراسٹی کو کار سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور خود بھی کار سے باہر نکل آیا۔ کراسٹی حیرت سے رابرٹ کو دیکھنے لگی جو غالباً راستہ بھول کر گاڑی کو شہر سے باہر لے آیا تھا۔ کراسٹی نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا مگر رابرٹ نے انگلی کے اشارے سے کچھ بولنے سے منع کر دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کار سے دور لے گیا۔

ابھی ان دونوں کو کار سے دور ہوئے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اچانک ان کی کار کو آگ لگ گئی اور ان کی کار کے ٹکڑے دور دور تک بکھر گئے مگر حیرت انگیز طور پر کوئی دھماکا نہیں ہوا۔ کراسٹی حیرت اور خوف سے اس کار کو دیکھنے لگی جس میں وہ اور رابرٹ ہوٹل سے فادر جان پیٹر سے ملنے گئے تھے۔ کراسٹی نے سوالیہ نگاہوں سے رابرٹ کی طرف دیکھا جو اس پراسرار اور سیاہ رنگ کی عمارت کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے اپنی کار کے پراسرار حادثے کی پرواہ ہی نہ ہو یا پہلے سے ہی جانتا ہو کہ اس کی کار کا حادثہ ضرور ہوگا مگر کراسٹی کے لئے یہ حیرت انگیز لمحہ تھا۔ ابھی انہیں یہاں کھڑے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ان کو چند کاریں اس پراسرار عمارت کے قریب آ کر رکتی نظر آئیں اور ان کاروں میں سے نوجوان مرد اور نوجوان حسین لڑکیاں باہر نکلیں۔ ان سب نے سیاہ رنگ کے لباس پہن رکھے تھے۔ رابرٹ، کراسٹی کا ہاتھ پکڑ کر جس گلی میں گھسا تھا وہاں گلی کے پہلے مکان کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی اور ایک درز بنی ہوئی تھی۔ رابرٹ کراسٹی کو لے کر اسی درز میں آ گیا تھا کیونکہ یہ جگہ قدرے چھپی ہوئی تھی۔ کراسٹی نے حیرت سے دیکھا کہ ان سب نوجوان مردوں اور لڑکیوں کے سیاہ لباس پر چمگادڑ کا مخصوص نشان بنا ہوا تھا۔

”اوہ مائی گاڈ۔ آخر وہی ہوا جس کا مجھے شبہ تھا“......

رابرٹ نے خود کلامی میں کہا۔

''کیا مطلب رابرٹ۔ تمہیں کس چیز کا خدشہ تھا اور یہ سب کون لوگ ہیں جن کے لباس پر چمگادڑ کا مخصوص نشان بنا ہوا ہے؟''۔ کراسٹی نے حیرت سے ان نوجوان مردوں اور لڑکیوں کو غور سے دیکھتے ہوئے رابرٹ سے پوچھا۔

''خاموش رہو۔ اگر ہم ان لوگوں کی نظروں میں آگئے تو بہت مشکل میں پھنس جائیں گے۔ ابھی خاموش رہو۔ تمہیں تھوڑی دیر بعد خود ہی تمام باتوں کا پتا چل جائے گا''...... رابرٹ نے کراسٹی کو مدہم آواز میں کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے مزید نہ بولنے کا اشارہ کیا تو کراسٹی خاموش ہوگئی اور ان نوجوان مرد اور خواتین کو دیکھنے لگی۔ جواب اس پراسرار اور سیاہ رنگ کی خوفناک عمارت میں جانے لگے۔

''ولیم۔ یہ کس کی کار تھی جو یہاں کھڑی تھی اور اس میں کون سوار تھا''...... ان لڑکیوں میں سے ایک حسین نوجوان لڑکی نے اپنے ساتھی نوجوان سے سوال کیا۔ جو دراز قد اور مضبوط جسم کا تھا۔

''معلوم نہیں روزی۔ یہ کس کی کار تھی مگر جس کی بھی تھی بلیک لارڈ کے متوالوں نے اس کار اور کار والوں کا عبرت ناک حشر کر دیا ہے''...... ولیم نے اپنی ساتھی لڑکی سے کہا اور اس پراسرار عمارت کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دوسرے نوجوان جوڑے بھی کراسٹی اور رابرٹ کی جلی ہوئی کار کو دیکھ کر اس سیاہ عمارت کے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ کراسٹی نے غور کیا کہ یہ کل سات گاڑیاں تھیں اور ہر گاڑی میں سے ایک نوجوان جوڑا نکلا تھا۔ اب جیسے ہی یہ جوڑے اس سال خوردہ عمارت کے دروازے پر پہنچے تو عمارت کا دروازہ کھل گیا اور سب جوڑے اس عمارت کے اندر داخل ہوگئے۔ چمگادڑ کا مخصوص نشان اس عمارت کے دروازے پر کندا تھا اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی زندہ چمگادڑ دروازے پر بیٹھا ہو۔ ان کے اندر جاتے ہی دروازہ بند ہوگیا۔ چونکہ دروازہ دوسری طرف تھا اس لئے کراسٹی اور رابرٹ دروازہ کھولنے والے کو نہ دیکھ پائے تھے۔

''رابرٹ۔ یہ سب کیا ہے اور یہ سب پراسرار نوجوان جوڑے کون ہیں؟ مجھے تو یہ سب معاملہ بہت پراسرار لگ رہا ہے۔ ہماری گاڑی کا بغیر آواز کے پھٹنا اور ان نوجوان جوڑوں کا عجیب و غریب پراسرار عمارت کے اندر جانا معلوم نہیں یہ سب کیا ہے؟ ایکریمیا آتے ہی ہم پراسراریت میں پھنس چکے ہیں''...... کراسٹی نے ان نوجوان جوڑوں کے اندر داخل ہونے کے بعد رابرٹ کی طرف دیکھ کر کہا جو پریشانی سے اس پراسرار عمارت کو دیکھ رہا تھا۔

''کراسٹی ڈیئر۔ ہم واقعی کسی ماورائی چکر میں پھنس چکے ہیں کیونکہ ہم نے آج اپنی آنکھوں سے شیطان کے پجاریوں کو دیکھ لیا ہے''...... رابرٹ نے مدہم آواز میں کہا تو کراسٹی چونک گئی۔

''کیا مطلب۔ ایکریمیا جیسے روشن خیال اور ترقی یافتہ ملک میں یہ شیطان کے پجاری کہاں سے آگئے ہیں اور تم یہ بات کیسے اتنے وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ یہ سب نوجوان مرد اور حسین لڑکیاں شیطان کے پجاری ہیں؟''...... کراسٹی نے حیران ہو کر رابرٹ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ دراصل کراسٹی ذہنی طور پر یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھی کہ یہ نوجوان جوڑے شیطان کے پجاری بھی ہو سکتے ہیں اور وہ بھی ایکریمیا جیسی دنیا کے سب سے ترقی یافتہ ملک میں۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا۔ یہ معصوم نظر آنے والے نوجوان جوڑے شیطان مردود کے پجاری ہی ہو سکتے ہیں۔ میں بھی یقین نہ کرتا لیکن یہ جس خوفناک کوٹھی میں جا رہے ہیں یہ شیطان کا مسکن ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے کوٹھی کے مرکزی دروازے پر چمگادڑ کا مخصوص نشان دیکھا ہے۔ یہ نشانی شیطانی جگہوں کی ہوتی ہے جہاں شیطان کی پوجا ہوتی ہے۔ ویسے تو میں بھی اس شیطانی جگہ کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں لیکن میں نے اس کے متعلق سن ضرور رکھا تھا''...... رابرٹ نے کراسٹی سے بدستور مدہم لہجے میں کہا تو کراسٹی خوفزدہ ہوگئی۔

''تو کیا ہم شیطان پرستوں کی نظروں میں آگئے ہیں''۔ کراسٹی نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے بدستور خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں کراسٹی ڈیئر۔ ہم دونوں کیا عمران صاحب اور مس جولیا بھی شیطان پرستوں کے عتاب کا شکار ہو چکے ہیں اور ہمیں ان شیطان پرستوں سے مقابلہ کرنا ہوگا''...... رابرٹ نے اس بار سنجیدہ لہجے میں کہا اور غور سے اس پراسرار عمارت کو دیکھنے لگا جس میں نوجوان جوڑے اندر داخل ہوئے تھے اب سیاہ عمارت کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

''اب کیا کریں رابرٹ؟ معلوم نہیں کس طرح ہماری کار ان دیکھی طاقتوں کے ذریعے تباہ ہو چکی ہے اب ہم کس طرح واپس جائیں گے۔ یہ وقت بھی رات کا ہے اور دور دور تک خاموشی اور تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں تم باتوں باتوں میں کس طرح بھول کر، اس سنسان جگہ پر آگئے ہو۔ اب ہم فادر جان پیٹر سے کس طرح ملیں گے اور ویسے بھی اب فادر جان پیٹر کو ملنا لازمی ہو گیا ہے کیونکہ حالات ہمارے بس سے باہر ہو چکے ہیں۔ ہم مجرموں سے تو لڑ سکتے ہیں مگر ان شیطان پرستوں کی سیاہ قوتوں سے لڑنا ہمارے بس سے باہر ہے''...... کراسٹی نے بدستور خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''کراسٹی ڈیئر۔ تم بہت خوفزدہ ہو رہی ہو حالانکہ تمہیں ہمت کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ تم جانتی ہو کہ جولیا اور صالحہ متعدد بار باس کے ساتھ سیاہ قوتوں کا مقابلہ کر چکے ہیں اور سیکرٹ سروس میں کام کرنے کی بنا پر تمہیں بھی ہمت کا مظاہرہ کرنا ہوگا کیونکہ باس اور جوزف کئی بار شیطان کی سیاہ قوتوں کا خاتمہ کر چکے ہیں۔ جب روشنی کی طاقتیں سیاہ قوتوں کے مقابل آتی ہیں تو سیاہ قوتوں کو فرار ہونا پڑتا ہے کیونکہ اس بار بھی ایک بڑی شیطانی قوت عمران صاحب اور ان کے ساتھیوں کے مقابل آ چکی ہے۔ اس نے ہم سب کے گرد اپنا دائرہ ڈال دیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اس بار بھی شیطان پرستوں کو شکست ہوگی اور اس کے لئے ہمیں سخت محنت کرنی ہوگی اس لئے تمہیں ہمت کرنی ہوگی''...... رابرٹ نے اس بار کراسٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو''...... کراسٹی نے اس بار حیرت سے رابرٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہم دونوں کو ہمت کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور اس پراسرار شیطانی عمارت میں داخل ہونا پڑے گا، ان شیطان پرستوں کو دیکھنا ہوگا کہ یہ آخر شیطان کی پوجا کرتے کس طرح ہیں اور ہمیں شیطان کے اس معبد کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ کاش اس وقت ہمارے ساتھ جوزف ہوتا تو وہ ہماری رہنمائی کرتا کیونکہ وہ ان شیطانی اور ماورائی قوتوں کے خلاف خوب لڑنا جانتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جوزف کئی بار شیطانی قوتوں سے مرتے مرتے بچا ہے۔ گو کہ ہم اس کا مذاق اڑاتے ہیں مگر جوزف واقعی کسی ساحر سے کم نہیں ہے''۔ رابرٹ نے کراسٹی سے کہا تو کراسٹی چونک گئی۔

''تو کیا ہمیں اس شیطانی عمارت کے اندر داخل ہو کر ان شیطان پرستوں کا بھید حاصل کرنا ہوگا''...... کراسٹی نے چونک کر کہا تو رابرٹ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''مگر ہم اس عمارت میں کیسے داخل ہوں گے؟''...... کراسٹی نے پوچھا۔

''جیسے بھی ہو ہم اس عمارت میں داخل ضرور ہوں گے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے ہمیں ان شیطان پرستوں کو دیکھنا ہوگا۔ عمران صاحب اور مس جولیا ویسے بھی شیطان پرستوں کے ہاتھوں گرفتار ہو چکے ہیں، ہمیں ان شیطان پرستوں اور اس شیطانی مقام کا خاتمہ کرنا ہوگا''...... رابرٹ نے کہا تو کراسٹی نے بھی ہمت کر کے سر ہلا دیا۔

اب دونوں جی کڑا کر کے آگے بڑھے اور اس سیاہ اور خوفناک عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ رابرٹ نے اس پراسرار عمارت کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر اسے پرے دھکیلا تو دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ ان دونوں نے اندر جھانک کر دیکھا تو انہیں عمارت کے اندر ایک اور سیاہ رنگ کی عمارت نظر آئی جس میں کافی کمرے اور راہداریاں بنی ہوئی تھیں۔ غالباً نوجوان جوڑے عمارت کے کسی کمرے میں ہی گئے تھے۔ رابرٹ اور کراسٹی کو اس وقت عمارت کے باہر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

''چلو کراسٹی۔ ہماری سب سے بڑی مہم شروع ہونے والی ہے کیونکہ ہمیں ان شیطان پرستوں کا مقابلہ کرنا ہے''...... رابرٹ نے کراسٹی سے کہا اور ہمت کر کے چمگادڑ کے نشان والے دروازے کے اندر داخل ہوگیا۔ رابرٹ کے اندر داخل ہونے کے بعد کراسٹی بھی ہمت کر کے اس میں داخل ہوگئی۔ اب دونوں نے غور کیا تو ان کو اس عمارت میں بالکل خاموشی نظر آئی جیسے اس پراسرار شیطانی عمارت میں کوئی گیا ہی نہ ہو حالانکہ ان کے سامنے چند منٹ پہلے ہی نوجوان جوڑے داخل ہوئے تھے جو نہ جانے اب کہاں چلے گئے تھے جیسے وہ اس پراسرار عمارت میں آنے کے بعد اس کے اندر غائب ہو گئے ہوں۔

''اس عمارت میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟ جیسے صدیوں سے یہاں کوئی آیا ہی نہ ہو اور یہاں بھی نحوست کیوں ٹپک رہی ہے؟''...... کراسٹی نے حیرت سے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے رابرٹ سے پوچھا۔

''کراسٹی ڈیئر۔ مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے لیکن اس ہولناک اور ویران عمارت میں کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہی مگر یہ بھی سچ ہے کہ وہ نوجوان جوڑے ہماری نظروں کے

سامنے اس عمارت کے اندر داخل ہوئے ہیں اور لازمی اس پراسرار عمارت میں ہی کہیں گئے ہیں اور ہم نے یہی چیز تو چیک کرنی ہے کہ وہ یہاں کیا کرنے آئے ہیں“...... رابرٹ نے بھی کراسٹی کی بات سن کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا اور غور سے راہداری میں موجود تمام کمروں کو دیکھنے لگا۔

”اب کیا کریں۔ اس عمارت میں ہم بغیر اجازت آ تو گئے ہیں مگر مجھے لگتا ہے کہ ہم نے اچھا نہیں کیا کیونکہ یہ تو خالی عمارت ہے“...... کراسٹی نے منہ بنا کر کہا۔

”ارے کراسٹی ڈیئر۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ہم کوئی چور نہیں ہیں بلکہ سراغ رساں ہیں اور یہاں ہم شیطان پرستوں کے کسی معبد میں آئے ہیں اور کس سے اجازت مانگیں۔ اب ہم شیطان سے تو اجازت مانگنے سے رہے“...... رابرٹ نے کراسٹی کی بات سن کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”آخر تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو کہ اس عمارت میں آنے والے سب شیطان کے پجاری تھے“...... کراسٹی نے چونک کر پوچھا۔

”بس اب تم خاموشی سے اس سیاہ عمارت کے کمرے میں جھانک کر دیکھو۔ تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ شیطان پرستوں کا مرکز ہے“...... رابرٹ نے اس بار سنجیدہ لہجے میں کہا اور راہداری میں جانے لگا جہاں بہت سارے کمرے بنے ہوئے تھے۔ کراسٹی بھی لرزتے دل کے ساتھ رابرٹ کے ساتھ اس پراسرار سیاہ عمارت کی راہداری میں جانے لگی جہاں بقول رابرٹ کے شیطان پرست اندر داخل ہوئے تھے۔ گو کہ کراسٹی کا دل یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ وہ نوجوان اور خوبصورت جوڑے شیطان پرست بھی ہو سکتے ہیں مگر اس سیاہ عمارت کی راہداریوں کو دیکھ کر اسے بھی شک ہونے لگا تھا کہ وہ سب واقعی شیطان کے پجاری ہی ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان دونوں نے بہت ہی ہولناک مناظر دیکھنے ہیں۔ کراسٹی اور رابرٹ خاموشی سے ہر کمرے کو غور سے دیکھ رہے تھے مگر ہر کمرے میں ان کو اندھیرا اور ویرانی ہی نظر آئی۔

کراسٹی نے اندھیرے کمروں کو دیکھ کر اپنی پنڈلی سے پنسل ٹارچ نکالی اور اس کو جلانے ہی لگی تھی کہ رابرٹ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اور روشنی نہ کرنے کا اشارہ کیا۔

”مگر کیوں۔ مجھے تو اس پراسرار عمارت میں وحشت ہو رہی ہے“...... کراسٹی نے چونک کر آہستہ آواز میں رابرٹ سے کہا۔

”کراسٹی۔ اس وقت ہم کسی مجرم تنظیم سے نہیں بلکہ شیطان کے پجاریوں سے ٹکرانے آئے ہیں اور ہمیں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا ورنہ بہت مشکل میں پھنس جائیں گے اس لئے روشنی نہ کرو کیونکہ روشنی شیطان پرستوں اور کالی قوتوں کے لئے اچھی نہیں ہوتی اگر اس روشنی کی وجہ سے ہم اس شیطانی معبد اور کالی قوتوں کی نظروں میں آ گئے تو پھنس جائیں گے کیونکہ ہم کوئی عامل یا پراسرار قوتوں کے مالک نہیں ہیں جو ان کا مقابلہ کر سکیں“...... رابرٹ نے اس بار سنجیدہ اور خشک لہجے میں کہا۔

”لگتا ہے ہم کسی غلط عمارت میں داخل ہو گئے ہیں یا تو وہ شیطان اس عمارت میں آئے ہی نہیں ہیں یا پھر وہ یہاں آ کر کہیں اور جگہ چلے گئے ہیں“...... کراسٹی نے اندھیرے کمرے میں نظریں دوڑاتے ہوئے ہنکارہ بھر کر کہا اور باہر جانے کے لئے ابھی قدم بڑھائے ہی تھے کہ اچانک ایک قوی ہیکل چمگادڑ اس کمرے کے کسی کونے سے نکلا۔ اس قوی ہیکل چمگادڑ کی آنکھوں سے آگ کے جیسے شرارے نکل رہے تھے۔ چمگادڑ نے اپنی سرخ انگارہ آنکھوں سے کراسٹی کو دیکھا اور کریہہ چیخ مار کر کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ چمگادڑ بہت ہی قوی ہیکل اور خوفناک تھا۔ اس سیاہ اور بھدے چمگادڑ کو دیکھ کر کراسٹی کے منہ سے چیخ نکل گئی مگر اس سے پہلے ہی رابرٹ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”کیا کر رہی ہو۔ ابھی سے تم گھبرا گئی ہو ابھی تو ہمیں شیطان پرستوں کا سراغ بھی لگانا ہے“...... رابرٹ نے کراسٹی کی طرف دیکھ کر قدرے سخت لہجے میں کہا۔

”نہیں۔ چلو رابرٹ مجھے اس منحوس اور شیطانی عمارت سے خوف محسوس ہو رہا ہے“...... اس بار کراسٹی نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

”تو کیا تم عمران صاحب اور مس جولیا کی مدد نہیں کرنا چاہتی حالانکہ تم جانتی ہو کہ عمران صاحب اور مس جولیا شیطان پرست مہا گمبارو کی انجانی اور ہولناک دنیا کے قیدی بن چکے ہیں۔ اگر ہم سب بھی اس طرح شیطان پرستوں کے شیطانی حربوں سے ڈر کر پیچھے ہو گئے تو عمران صاحب اور مس جولیا کی مدد نہیں کر سکیں گے“...... اس بار رابرٹ نے

سنجیدہ لہجے میں کراسٹی سے کہا اور جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں جانتی ہوں رابرٹ کہ عمران اور مس جولیا شدید خطرے میں ہیں اور ایک بہت بڑے شیطان کے قیدی ہو گئے ہیں مگر تم جانتے ہو کہ عمران صاحب اس سے پہلے بھی کئی بار شیطان کی سفلی قوتوں سے ٹکرا چکے ہیں اور ان شیطانی قوتوں کا خاتمہ بھی کر چکے ہیں اور مس جولیا بھی اس سے پہلے سفلی دنیا والے کیس میں شیطان پرستوں کے ہاتھوں اغوا ہو چکی ہے مگر عمران صاحب کی دور اندیشی اور روشنی کے نمائندوں کی وجہ سے باحفاظت واپس آ چکی ہے“۔ کراسٹی نے رابرٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔ گو کہ اندھیرے میں اس کو رابرٹ کا ہیولا نظر آ رہا تھا مگر پھر بھی اسے رابرٹ کا سہارا تھا اور خوف سے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

”دیکھو کراسٹی۔ اس بار حالات مختلف ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ عمران صاحب اکیلے ہی ان شیطانی اور ہولناک سفلی قوتوں کا مقابلہ کر لیں گے اور مس جولیا کو شیطان پرستوں کی کالی دنیا سے واپس لے آئیں گے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کافرستان سے کرنل فریدی بھی اپنی روزا کے لئے کالی دنیا کا سفر کرے گا۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ کافرستان سے روزا بھی شیطان پرستوں کے ہاتھوں مس جولیا کی طرح اغوا ہو چکی ہے۔ ہمیں بھی اس بدی کی جنگ میں حصہ لینا چاہئے اور شیطان پرستوں کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ ہم دونوں مل کر اس شیطانی عمارت میں موجود شیطان پرستوں کے خفیہ معبد کو تلاش کرنا ہوگا اور اس کا خاتمہ کرنا ہوگا چاہے شیطان پرستوں سے لڑتے لڑتے ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے“...... اس بار رابرٹ نے مضبوط لہجے میں کہا اور کراسٹی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”گڈ یہ ہوئی ناں بات۔ آؤ اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ شیطانی قوتیں ہمارا کیا بگاڑ لیتی ہیں“...... رابرٹ نے خوش ہو کر کراسٹی کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا اور پھر دونوں اس اندھیرے کمرے سے نکل گئے اور ایک دوسرے اندھیرے کمرے میں گھس گئے کیونکہ ان کی آنکھیں اب اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں مگر پھر بھی ان کو مشکل ہو رہی تھی۔ کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا مگر پھر بھی حیرت انگیز طور پر ان کو پراسرار اور دھیمی روشنی نظر آ رہی تھی۔

رابرٹ اور کراسٹی اب اس کمرے میں آنکھیں پھاڑے غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر یہاں بھی سوائے مایوسی کے ان کو کچھ نہ ملا۔

”میرے خیال میں ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے۔ واقعی اس عمارت میں کوئی نہیں ہے“...... اس بار رابرٹ نے بھی مایوسی سے کہا اور کراسٹی کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

”ارے یہ کیا ہے“...... کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کراسٹی نے کمرے کے کونے میں ایک جگہ غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا ہے کراسٹی ڈیئر۔ تم کس چیز کی بات کر رہی ہو؟“...... رابرٹ نے کراسٹی کی طرح اس اندھیرے کونے میں غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور اچانک چونک پڑا کیونکہ اس پراسرار کمرے کے کونے میں ایک درز نظر آئی جو کہ بند تھی مگر پھر بھی اس میں ہلکا سا سوراخ تھا۔ اس درز کو دیکھ کر دونوں کے اعصاب تن گئے جیسے ان دونوں نے شیطان پرستوں کی خفیہ جگہ کو تلاش کر لیا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے قدم ملاتے ہوئے آہستہ سے آگے بڑھے اور درز کے قریب پہنچ گئے۔ دونوں نے غور سے دیکھا تو واقعی اس درز میں ان کو ایک خفیہ دروازہ نظر آیا۔ رابرٹ نے اس درز کے اندر جھانک کر دیکھا تو اسے اس خفیہ دروازے سے سیڑھیاں نیچے جاتی ہوئی نظر آئیں۔ حالانکہ سیڑھیوں میں بھی اندھیرا تھا مگر حیرت انگیز طور پر اس پراسرار عمارت میں ان کی آنکھیں اندھیرے میں بھی کچھ نہ کچھ دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں۔

”ویل ڈن کراسٹی۔ تم نے تو کمال کر دیا۔ اندھیرے میں بھی ان شیطان پرستوں کا خفیہ دروازہ تلاش کر لیا۔ میرے خیال میں یہی وہ خاص راستہ ہے جو شیطان پرستوں کی خفیہ گزرگاہ ہے۔ ہمیں اس جگہ سے اندر جانا ہوگا اور ان شیطان پرستوں کا خاتمہ کرنا ہوگا“...... اس بار رابرٹ نے اس درز پر ہاتھ مارتے ہوئے غور سے دیکھا تو یہ ایک ساگوان کی لکڑی کا چھوٹا سا دروازہ تھا جس سے ایک فرد قدرے جھک کر رکوع کے بل ہی اندر جا سکتا تھا۔ رابرٹ نے مہارت سے اس ساگوان کی لکڑی کے دروازے کو ایک جھٹکے سے کھول دیا تو ان دونوں کو اندر جانے کا راستہ نظر آیا جہاں سیڑھیاں نیچے کو جا رہی تھیں۔

”آؤ کراسٹی۔ یسوع مسیح کا مقدس نام لے کر ہمیں اس بھید کو پانا ہوگا۔ یہ شیطان پرست اتنے خفیہ طریقے سے اندر

کیوں گئے ہیں اور کیا کررہے ہیں“ ...... رابرٹ نے کراسٹی سے کہا تو اس بار کراسٹی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا کیونکہ اس بار اس کا حوصلہ بڑھ چکا تھا لیکن اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آگے جا کر اس کو انتہائی ہولناک منظر کا سامنا کرنا ہے۔ سب سے پہلے رابرٹ نیچے ہوا اور رکوع کے بل ہو کر اندر داخل ہو گیا جہاں سرخ رنگ کا چھوٹا سا فرش تھا۔ اس سے آگے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ رابرٹ کے بعد کراسٹی بھی رکوع کے بل جھکی اور سرخ فرش پر پہنچ گئی جہاں اب رابرٹ کھڑا تھا۔ وہ غور سے نیچے جاتی ہوئی سیڑھیوں کو دیکھ رہا تھا۔ کراسٹی بھی اندر آ کر کھڑی ہو گئی لیکن یہاں آ کر اس کا دل پھر لرزنے لگا۔ اس نے پھر رابرٹ کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں سیڑھیاں اترنے لگے۔ اس بار کراسٹی کی طرح رابرٹ کا دل بھی دھڑک رہا تھا مگر اس نے خود کو مضبوط کر لیا اور کراسٹی کے سامنے اس کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر رہے تھے تاکہ آواز پیدا نہ ہو۔

وہ جوں جوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے نیچے اتر رہے تھے ان کے دل اوپر نیچے ہو رہے تھے۔ اچانک سیڑھیاں بائیں طرف گھوم گئیں تو وہ بھی گھوم گئے اور سیڑھیاں نیچے اترنے لگے۔ اچانک ان کے سامنے ایک نیا منظر تھا جسے دیکھ کر دونوں کے دل خوف سے اچھل کر حلق تک آ گئے۔

☆......☆......☆

”روزا نے دیکھا کہ ایک زندہ انسان فرش پر تڑپ رہا ہے۔ اس پر بے شمار بچھو چمٹے ہوئے ہیں اور اس کو نوچ رہے ہیں مگر تکلیف کے باوجود اس کے منہ سے چیخیں نہیں نکل رہی تھیں۔ یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر روزا کانپ اٹھی۔ معلوم نہیں یہ کون سا بدقسمت انسان تھا جو اس کالی دنیا میں شیطانی قوتوں کے ہاتھوں عتاب کا شکار ہو رہا تھا۔ پہلے روزا کو خیال آیا کہ وہ اس بدقسمت انسان کی مدد کرے مگر پھر اس نے سوچا کہ وہ تو خود بھی کالی قوتوں کی قیدی ہے۔ وہ اس تکلیف میں مبتلا شخص کی کیا مدد کر سکتی ہے۔ ویسے بھی یہ کالی دنیا تھی جہاں سے روزا باہر نکلنے کی بے حد کوشش کر رہی تھی مگر الٹا پھنستی ہی چلی جا رہی تھی۔ روزا نے اس بدقسمت انسان کو خوفزدہ نظروں سے پھر دیکھا اور اس سے کنی کتراتے ہوئے ان بچھوؤں سے بچتی ہوئی فوراً آگے کی طرف بڑھی کیونکہ اس کو اس پراسرار دنیا سے نکلنے کا راستہ تو نہیں مل رہا تھا لیکن پھر بھی مایوس ہو کر کسی ایک جگہ نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔ وہ آخری دم تک کالی دنیا سے باہر نکلنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی مگر اس کو معلوم نہیں تھا کہ دنیا میں اس کو ابھی بہت سے ہولناک مناظر کا سامنا کرنا ہے۔ روزا اس بدقسمت اور اذیت میں مبتلا شخص سے دور ہٹ کر آگے آ چکی تھی اور مزید آگے بڑھنے لگی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی منزل کہاں ہے لیکن روزا نے مسلسل بڑھنے کا ہی عزم کیا۔ اب روزا کے سامنے ایک دروازہ تھا جو کہ بند تھا۔ روزا نے بغیر کسی جھجک کے اس کو لات رسید کی تو دروازہ جھٹکے سے کھل گیا۔ اب روزا نے خود کو ایک راہداری میں پایا۔ راہداری تنگ اور طویل تھی۔ روزا نے غور سے اس تنگ راہداری کو دیکھا اور اندر قدم رکھ دیا۔

”آخر یہ سب کیا بکواس ہے۔ یہ ہولناک اور سحر کے مناظر مجھے کیوں دکھائے جا رہے ہیں۔ یہ سب میرے ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟ اگر میں اس سحر کی دنیا سے جلدی نہ نکلی تو میرا دماغ پھٹ جائے گا“ ...... روزا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور ٹوٹے ہوئے دروازے کو پار کر کے آگے بڑھنے لگی۔ شروع کی راہداری میں کچھ نہ تھا مگر آگے جا کر روزا کو اس راہداری میں ہولناک مناظر کی بجائے انتہائی بے ہودہ اور عریاں مناظر نظر آئے جو اس راہداری کی دیواروں پر بنے ہوئے تھے ان مناظر میں مرد و زن کو شرمناک حالت میں دکھایا گیا تھا۔ انہیں دیکھ کر روزا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس جگہ بھٹکتے ہوئے ایسی جگہ آ جائے گی جہاں سے اسے ہولناک مناظر کے بعد اب انتہائی بے ہودہ مناظر دیکھنے کو ملیں گے۔ تیزی سے چلتے ہوئے روزا کو اس راہداری میں بائیں طرف گھومتا ہوا موڑ نظر آیا پہلے تو وہ تھوڑا جھجکی پھر بائیں طرف گھومی اور اچانک چونک گئی کیونکہ ایک نیا منظر اس کا منتظر تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس طرف ایک انتہائی خوبصورت کمرہ ہے جسے بڑی نفاست سے سجایا گیا تھا۔ کمرے میں ایک بڑا سا خوبصورت پلنگ موجود تھا۔ کمرے میں نفیس پردے اور فرش پر دبیز قالین موجود تھا۔ کمرے کی سجاوٹ بڑے سلیقے سے کی گئی تھی۔ عمدہ اور خوبصورت صوفے بھی دیوار کے ساتھ سلیقے سے پڑے تھے۔ روزا اس خوبصورت کمرے کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔

(جاری ہے)

(کہانی کے واقعات اور کردار کے متعلق رائٹر کے اپنے خیالات ہیں، ادارے کا رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں)